نیا سال اور نئے دھڑکے

969

کبھی زبان پر تھا "نیا سال اور نئی امیدیں" یا زمانے کا رنگ ایسا بدلا کہ اب کہتے ہیں "نیا سال اور نئے دھڑکے" کاش وہی ہوتا جو ایک اگلا سخن سنج کہہ گیا ہے کہ۔

…cked 1975

گرما گذشت و این دلِ زار ہمان — سرما گذشت و این دلِ زار ہمان
القصہ ہزار گرم و سرد عالم — بر ما گذشت و این دلِ زار ہمان

اب تو اس کے لالے پڑ گئے ہیں کہ جو پریشانیاں کل تھیں کاش آج بھی وہی رہیں اور کوئی نئی آفت نہ آئی۔ مگر کسے خبر ہے کہ کل کیا ہو گا؟ ایسی بے خبری میں بھی کبھی انسان کے لیے کامیابی و کامرانی کی جھلک پیدا ہو جاتی ہے۔ لیکن بدنصیبی سے ہمیں ہر وقت کسی نئی مصیبت اور کسی نئے خطرے ہی کا دھڑکا لگا رہتا ہے۔ دل مضبوط کرتے ہیں۔ صورت کو زبردستیاں کر کر کے بشاش بناتے ہیں۔ تاکہ کوئی یہ گھبراہٹ کی صورت دیکھ کے دشمنوں کو خبر نہ کر دے کہ پریشان ہیں اور گھبرائے ہوئے ہیں۔ دشمن کے جاسوس شہر شہر اور گاؤں گاؤں موجود ہیں۔ ذرا ذرا سی باتوں کی خبر پہونچ جاتی ہے۔ کسی نے ہماری اس پریشانی و بدحواسی کا حال بتا دیا تو خوش ہو گا کہ ان کا حوصلہ پست ہو گیا ہمت ٹوٹ گئی۔ اور اب تو بولا ہی چاہتے ہیں۔

کوئی کمبخت سے کمبخت حوصلہ سپاہیوں کا دیکھا جاتا ہے۔ اور ہمت لڑنے والوں کی دیکھنی چاہیے ہمارے نبرد آزما تو اسی طرح خوش و خرم ہیں۔ اور جی توڑ توڑ کے ان کے ہوش و حواس بگاڑے دیتے ہیں۔ ان کا

حوصلہ پست ہو تو کوئی بات بھی ہے۔ ہماری گھبراہٹ سے نہ ہماری فوج کا کچھ بگڑ سکتا ہے نہ ہماری سرکار کی پتلون پہ میل آسکتا ہے۔ ہم گھروں کے بیٹھنے والے۔ لکھنے پڑھنے کے عادی اور بےعہدی۔ بے چوڑیوں کے گھر گرست۔ بے گھونگھٹ کے پردہ نشین۔ ہمارا حوصلہ پست ہوا تو کیا اور بلند ہوا تو کیا۔ مگر نہیں۔ وہ یہی دیکھتا رہتا ہے کہ ان کے تیور کیسے ہیں۔ اور ان کے جسم و ابرو سے کیا ظاہر ہوتا ہے۔ اور کبھی خدانخواستہ ذرا بھی کمزوری نظر آگئی تو دنیا بھر میں ڈھنڈورا پیٹ دیتا ہے۔

اُدھر تو اس کا ڈر لگا ہے ادھر یہ حال ہے کہ خود اپنے حکام کے تیور دیکھ دیکھ کے دم نکلا جاتا ہے۔ اُن کی تاکید ہے کہ چاہے دل میں کچھ ہو مگر زبان سے حرف شکایت نہ نکلے۔ اُن کی اور زبان کاٹ لی گئی۔ کان ہلائے اور ناک ندارد۔ خبردار نہ ہراس ظاہر ہو نہ خوف۔ کسی کو نہ نظر آئے کہ گھبرائے ہوئے ہو۔ کلیجا چاہے بلیوں اُچھلے۔ دل چاہے دھڑکتے سینے میں شگاف ڈال دے۔ مگر پاس والے کو خبر نہ ہو کہ تم بدحواس ہو۔

پھر اس کے ساتھ حالت یہ ہے کہ ٹکے ٹکے کی چیز کو ترس رہے ہیں۔ گھر میں بیٹھنے والیوں کو کیا چاہیے؟ روٹی کپڑا۔ وہی ندارد۔ مانا کہ ہم گھر میں بیٹھنے والی نہیں والے ہیں لیکن آخر پیٹ کا دوزخ تو ہمارے ساتھ بھی لگا ہے۔ ستر پوشی کی ضرورت تو ہمیں بھی ہے؟ یہ فکر دور ہو تو خیر زبردستی ہی سہی ہنسنے والوں کی صورت بنالیں۔ تن کو کپڑا ہو تو دل ہزار پستی دکھائے اکڑ کے بیٹھ جائیں۔ اور خواہ مخواہ کو بڑ بڑانے لگیں۔ مگر افسوس نہ ہنستے بنتی ہے نہ روتے۔

پہلے رنگ ندارد ہو گیا تھا۔ جس کے ساتھ وہ رنگا رنگ بلکہ دوپٹے غائب اور بغیر معتبر نائی کے آئے بی گھر بسی کے بیوہ ہو جانے کا یقین ہو گیا۔ اب وہ سارا سہاگ چوڑیوں سے تھا وہ بھی جرمن کی نقین ندارد۔ مدت سے کہہ رہے تھے کہ بھی نہیں بڑھیں آخر کب تک چلیں؟ تقاضا ہوا کہ کپڑے بنواؤ۔ یہاں اپنے ہی تن کو کپڑا

نہین اُن کا جوڑا کہان سے بنے؟"

ہماری حالت تو یہ ہو رہی ہے - اور چنگیز خان کے بڑے بھائی میان سنہ سترہ خان بہادر دروازے پر کھڑے پکار رہے ہین کہ ذرا باہر آکے ہم سے تو بغلگیر ہو لیجیے - اِس موقع پر نئے برس سے ملنے اور سال کے پہلے دن صورت دکھانے کے لیے ہر شخص اپنی حیثیت کے موافق بن ٹھن کے نکلتا اور گردش ایام کی مشین کے اس تازہ وارد انجینیر سے اچھے ٹھاٹ سے ملتا ہے - مگر اب کہین تو شکایت ہو گی - جن فتنہ جو اور خون آشام بزرگ سے آپ نے چارج لیا ہے اُنھون نے یہ منحوس صورت ہی اِس قابل نہ رکھی کہ کسی کو دکھائین - ایک سوئی تک تو نصیب نہین کہ گھر والی پھٹے پُرانے کپڑون ہی کو گانٹھ کے درست کر دین - اچھا پھٹے ہی کپڑے سہی اتنا تو ہوتا کہ نہاتے دھوتے اور وہی پھٹا پُرانا جوڑا دھو کے پہن لیتے - مگر خدا بھلا کرے آپ کے سابق مہربان ۱۹۱۵ء کا جنھون نے ہماری میونسپلٹی کے واٹر ورکس کو بھی اِس قابل نہ رکھا کہ ہم اپنا پنڈا دھوئین اور بیوی میلے کپڑے دھوئین -

بہرحال سرکار خوش ہو یا ناخوش ہم تو اس صورت سے باہر نہ نکلین گے ۱۹۱۶ء صاحب جس طرح زبردستی دنیا مین آ دھمکے ہین اُسی طرح بغیر "گھر کے لوگو پردہ کر لو" کی صدا لگائے ہمارے گھرون مین بھی گھس پڑین - سُنے دوستون اور تازہ وارد مہمانون سے مل کے انسان عموماً خوش ہو جاتا ہے - کیسی ہی فکرین ہون وہ گھڑی کو بھول جاتی ہین اور دل بہل جاتا ہے - اِس مہیب و ہولناک مہمان کی قہار صورت دیکھ کے سوا اِس کے کہ ہماری دھڑکن اور بڑھ جائے اور رہے سہے حواس بھی رفوچکر ہو جائین اور کیا امید ہو سکتی ہے؟ بہرحال ہم نے تو اِس ظالم برس کے استقبال مین گھر سے قدم نہین نکالا - اور ہماری طرح یقیناً ساری دنیا نے بھی یہی کیا ہو گا - لیکن اِسے مطلق پروا نہین - یہ آیا اور ہر گھر مین داخل ہو گیا لوگون نے لاکھ آنکھین بند کر لین ہزار مُنہ پھیرا مگر اس کی خوفناک صورت نظر کے

سامنے ہو ہی گئی۔

ہم تو ڈر کے مارے سمٹ گئے۔ اور جس طرح بھیڑیے کے آگے بند زبیجس و حرکت بیٹھ جاتا ہے کہ بھائی جو جی چاہے کر ہم ہر مصیبت کے برداشت کرنے کو تیار ہیں۔ مگر جن مستقل مزاجوں کو خدا نے مضبوط دل دیے ہیں سنبھل کے بیٹھ گئے۔ ۱۶ء نے اپنے عہد میں دنیا پر جو جو مظالم کیے تھے اُن کی مکمل خونیں فہرست چپکے سے پیش کر دی اور کہا آپ کے بڑے بھائی نے تو یہ کیا اب آپ بھی اپنے دل کی بھڑاس نکال لیں۔ بلکہ آپ کے تیوروں سے آپ کا مزاج پہچان کے صاف صاف کہہ دیتے ہیں کہ ستم ہی کرنا جفا ہی کرنا نگاہ اُلفت کبھی نہ کرنا تمھیں قسم ہے ہمارے سر کی ہمارے حق میں کمی نہ کرنا

بادی النظر میں ان تازہ وارد بزرگ ۱۷ء کا رنگ سب سے بڑھا چڑھا معلوم ہوتا ہے۔ ان کے آنے سے پہلے ہی دشمن انسان جرمنی کے بعض سپہ سالاروں اور ذمہ دار افسروں نے کہنا شروع کیا کہ ۱۷ء میں ایسی لڑائیاں لڑی جائیں گی جن سے کسی نتیجے تک پہونچنے کی جلدی امید کی جا سکے گی۔ اس کے ساتھ ہی ولایت کی ڈاک مکرر وسہ کرر بتاتی ہے کہ فی الحال جرمنی میں غیر معمولی تیاریاں ہو رہی ہیں۔ اور اُن کے بحری کارخانوں میں غیر معمولی سرگرمی اور خطرناک ہنگامہ برپا ہے۔ یہ قطعی ہے اور تمھیں یقین نہ آتا ہو تو اپنی سرکار کیطرح جیسی قسم کھو کھاکے کہہ دیں کہ فتح ہماری ہی ہوگی۔ لیکن اس کا کیا علاج کہ شیطان مارتا نہیں ہلاک کرتا ہے؟ ظالم ہارے گا ضرور مگر خدا جانے کیسی آفت جوتے گے؟ اور دنیا کو کس دہاڑے کو پہونچا گے؟

کہتے ہیں کہ جور اُٹھاتے اُٹھاتے ظلم برداشت کرنے کی بھی عادت پڑ جاتی ہے۔ مگر افسوس ہمیں تو یہ عادت نہ پڑی۔ اور پڑے کیسے؟ زمانے کا رنگ تو یہ ہے کہ روز نیا ظلم ہوتا ہے۔ اور ہر گھڑی نئے ستم ایجاد ہوتے ہیں۔ ایک کی اچھی طرح عادت نہیں پڑنے پاتی اور اُس میں مزا آنا نہیں شروع ہوتا کہ کوئی نئی ستمگری اُٹھ کھڑی ہوتی ہے۔ اور پھر وہی پریشانی و ہی حیرانی اور وہی گھبراہٹ لاحق حال ہو جاتی ہے۔

اور سب باتین تو خیر ہیئی ہین ہمین جو اپنے قدر افزا کرم فرماؤن سے وقتاً فوقتاً سننے کا اتفاق ہو جاتا ہے یہ بھی کمبخت ۱۹۱۶ء سے بشکل دکھا گیا اور یہی مذاق ۱۹۱۷ء کا بھی معلوم ہوتا ہے۔ ہم سپہگر اور جنگ جو لوگ نہین ہین کہ تازہ دم گھوڑون پر سوار ہو کے دشمن پر دھاوا کرین۔ ہم تو فقط کاغذ کے گھوڑے دوڑانا جانتے ہین۔ مگر ان ظالم و سنگدل ابنائے زمانہ کو یہ بھی نہین گوارا کہ یہ مہینے پیچھے کی مکتوب والی ادھوری ملاقات ہی ہو جایا کرے۔ کاغذ روشنائی اور چھاپنے کا تمام ضروری سامان گرانی کی انتہائی درجے کو پہونچ گیا۔ اور اب ابھی اطمینان نہین کہ عالم علم و ادب کی یہ آفت اور تصنیف و تالیف کی یہ عالمگیر مصیبت کب دور ہو گی؟

دلگداز کو بُرے بھلے ہر طرح کے برسون سے سابقہ پڑ چکا ہے۔ وہ زمانے کی مار کھا کھا ہی کے سنبھلا ہے۔ انھین نازک زمانون اور اسی قسم کی مضرتون نے اُسے سخت جان بنا دیا ہے۔ اب اُس مین زمانے سے لڑنے کی قوت آگئی۔ اور ہمین یقین ہے کہ جس مردانگی و استقلال سے اِس نے جفاکار سال گزشتہ کا مقابلہ کر لیا اِس نئے خونخوار برس کا بھی مقابلہ کرے گا۔

اگلے برس کے آخر مین اُس کی اشاعت ذرا تاخیر سے ہوئی۔ اور محض کاغذ کی دشواریون کے باعث نومبر و دسمبر کے پرچے اوائل فروری مین شائع ہوئے۔ اور یہ جنوری کا پرچہ بھی فروری ہی مین حاضر ہوتا ہے۔ نیز امید واثق ہے کہ بہت ہی جلد ہم انتظام درست کر لین گے۔ اس لیئے کہ جس طرح ہماری سلطنت کو اپنے دشمنون پر فتح پانے کا قطعی یقین ہے اُسی طرح ہمین بھی پورا یقین ہے کہ ہم نے زمانے پر فتح پالی۔ پہلے خوفناک دیو ۱۹۱۶ء کو تو لڑ بھڑ کے بھگا دیا اب یونہین انشاءاللہ اس دوسرے دیو بلکہ لڑائی کے دیوتا ۱۹۱۷ء کو بھی دنیا سے نکال باہر کرین گے۔ اور خوشی و خرمی کے ساتھ آیندہ سال فتح و نصرت۔ امن و امان۔ اور مسرت و شادکامی کی زندگی بسر کرین گے۔

افضل الدولہ ابو المجد محمد بن ابی الحکم الباہلی

یہ چھٹی صدی ہجری کے ایک طبیب حاذق اور معالج بے ہمتا تھے۔ جن دنون اسلامی ممالک سے بہتر اطبا کسی قوم اور کسی سرزمین کو نہین نصیب تھے۔ لیکن کمال یہ تھا کہ فقط طبیب ہی نہین ایک عالم بے بدل اور فاضل گران پایہ بھی تھے۔ چنانچہ وہی بزرگ اُس عہد کے قاضی بھی تھے۔ اور جس طرح اطبا سے بے بدل مین شمار کیے جاتے اُسی طرح اعلی درجے کے مشہور زمانہ قاضیون مین بھی اُن کا شمار تھا۔ طب و فقہ کے سوا علوم ہندسہ و ہیئات و نجوم مین بھی اُن کو کمال حاصل تھا۔

لیکن یہ سب کمالات تو آج کل کے علما مین چندان غیر متناسب نہ تصور کیے جائینگے۔ حیرت کی یہ بات ہے کہ ایک فاضل بے بدل اور فقیہ بے ہمتا ہونے اور مسلمانون کے مستند و معتمد علیہ قاضی شرع منتخب ہونے کے ساتھ وہ علم موسیقی مین بھی یکتا تھے۔ اور زمانے مین بے نظیر مانے جاتے۔ بہت ہی اچھا گاتے اور سرود نوازی مین غیر معمولی کمال دکھا دیتے۔ ایک سرود ہی نہین مشہور تھا کہ تمام آلات موسیقی کے بجانے مین وہ لاجواب اُستاد ہین۔ اور اپنا جواب نہین رکھتے۔ آلات طرب کے استعمال مین اُنھین ایسی مجتہدانہ قابلیت حاصل ہو گئی تھی کہ تمام باجون کو ناکافی خیال کر کے اُنھون نے ایک آرگن (ارغنون) خود ایجاد کیا تھا۔ اور مسلسل ترمیمین کر کر کے اور سردن اور لیئون کی ضرورتون کا لحاظ کر کے اُسے اِس قدر مکمل کر لیا تھا کہ اُسے تمام مروّجہ باجون پہ فوقیت حاصل ہو گئی تھی۔

طب اپنے والد اور دیگر اساتذۂ فن سے پڑھی۔ اور چند ہی روز مین نہایت ہی ممتاز طبیب سمجھے جانے لگے۔ یہ سلطان نور الدین زنگی کا زمانہ تھا۔ اُسے اُن کے کمالات کی اطلاع ہوئی تو اُن کی بے انتہا عزت اور قدر و منزلت کرنے لگا۔ وہ دل سے معترف تھا کہ ابو المجد جیسے لاجواب طبیب ہین ویسے ہی علامۂ روزگار فقیہ بھی ہین۔ غالباً اُسی نے اُن کو افضل الدولہ کے خطاب سے

سرفراز کیا۔ پھر جب دمشق مین اپنا سب سے بڑا بیمارستان (ہاسپٹل) قائم کیا تو اُس کا منتظم اور طبیب اعلیٰ اُنھین کو منتخب کیا۔ اور اِس خدمت کے لیے معقول مشاہرہ مقرر کیا۔ جس خدمت کو خدمت خلق اللہ جان کے اُنھون نے خوشی سے قبول کیا۔ اور معمول کر لیا کہ اُسی ہاسپٹل مین مطلب کرتے۔ اور ہمیشہ مریضون کے علاج مین مصروف رہتے۔

شمس الدین ابو الفضل بن ابی الفرج کمال معروف بہ مطواع جو اُن کے معاصر تھے بیان کرتے ہین کہ ”علامۂ ابو المجد (ممدوح) کا معمول تھا کہ اِس ہاسپٹل مین وہ مسلسل مریضون مین دورہ کرتے رہتے۔ ہر ہر مریض کے پاس جاتے۔ اُس کا حال پوچھتے۔ اور پے در پے اُس کی خبر گیری کرتے۔ جو لوگ اِس ہاسپٹل مین مریضون کی داشت اور خدمت کے لیے مامور تھے اُن کے سامنے حکم کے منتظر کھڑے رہتے۔ اور جس مریض کے لیے وہ جو نسخہ تجویز کرتے یا جو تدبیر بتاتے اُس کو فوراً دوڑ کے پورا کرتے۔ نسخہ بنا کے لاتے۔ اور فوراً مریض کو پلاتے۔ یا جو اور تدبیر بتائی گئی ہوتی اُس پر کاربند ہوتے۔ علامۂ موصوف اِس بارۂ خاص مین اپنے احکام پر عمل ہونے کی اس سختی سے نگرانی کرتے کہ ممکن نہ تھا کسی تدبیر کے عملدرآمد مین ذرا سی بھی تاخیر ہو سکے۔ یا کوئی خادم کسی کام مین سُستی کرے۔

ہاسپٹل کے کامون سے فارغ ہوتے ہی وہ سیدھے قلعے مین جا کے سلطان نور الدین زنگی کی خدمت مین باریاب ہوتے۔ وہان ٹھہر کے ایوان شاہی کے زنانے اور مردانے تمام مریضون کی نبض دیکھتے۔ مزاج پوچھتے۔ اور دفع مرض کی تدبیرین بتاتے۔ جہان اُن کے لیے گویا ایک جداگانہ ہاسپٹل قائم تھا۔ اور اُنھین کے علاج مین رہتا۔

وہان سے فارغ ہوتے ہی اپنے بڑے پبلک ہاسپٹل مین واپس آتے اور اُس کے بڑے ہال مین بیٹھ جاتے۔ جہان پُر تکلف فرش ہمیشہ بچھا رہتا۔ یہان پہونچتے ہی کتب طبیہ اُن کے سامنے لا کے رکھ دی جاتین۔ سلطان نور الدین نے اِس ہاسپٹل کے متعلق ایک وسیع طبی کتب خانہ بھی کھول رکھا تھا اور اُسے وقف کر دیا تھا۔ تاکہ اطبا اور اُن کے تلامذہ اُن کتابون سے فیض یاب ہو سکین۔ بہرحال اِس

بڑے کمرے مین جیسے ہی علامۂ ابو المجد آکے بیٹھتے اور کتابین بالین کھولی جاتین تو اُن کے گرد بہت سے طبیبون اور علم طب کے طلبہ کا ہجوم ہو جاتا۔ اطبا اپنے فن کے مشکل و مغلق مسائل کو چھیڑ کے بحث و تکرار کرتے۔ اور وہ اُن سب مسئلون کو حل کر کے اُن کا اطمینان کر دیتے۔ اُسی وقت اطبا اُن سے درس لیتے۔ اس علمی صحبت مین بالالتزام تین گھنٹے تک اُن کی نشست رہتی۔ جب یہ وقت پورا ہو جاتا تو سوار ہو کے اپنے گھر جاتے۔

دمشق ہی مین اُن کی زندگی کا آغاز ہوا تھا۔ دمشق ہی مین وہ قاضی ہوئے۔ دمشق ہی مین اُنھون نے ملک اور سلطنت کی طبی خدمت کی۔ اور آخر اپنی زندگی پوری کر کے وہین پیوند زمین ہو گئے۔

مقنّع اور مبرقع

اس شخص کا نام فارسی ادب و شاعری مین نہایت مشہور ہے مگر اُس کے واقعی حالات سے بہت ہی کم لوگ واقف ہین۔ لہذا آج ہم اُس کے مختصر حالات اپنے ناظرین کے ملاحظے مین پیش کرتے ہین۔

یہ ہم بعض موقعون پہ بتا چکے ہین اور پھر عرض کرتے ہین کہ جب ملک فارس کو اہل عرب نے فتح کر کے ایرانیون کی حکومت فنا کر دی اور اس کے ساتھ ہی اہل عجم کو یہ نظر آیا کہ عرب کے ایک اُمّی شخص نے پیغمبری کا دعویٰ کر کے اپنی ساری قوم کو ہم آہنگ بنا لیا۔ اور ساری متمدن دنیا کو پامال کر ڈالا تو اُنھون نے رسالت محمدی کی حقانیت۔ اور توحید کا تو خیال نہ کیا۔ مگر یہ بات اُن کے دل پر نقش ہو گئی کہ دنیا کے فتح کرنے کا آسان ترین طریقہ یہی ہے کہ دعواے نبوت کر کے ایک نئے مذہب کے بانی بنیے۔ ایک خلقت کثیر کو اپنا معتقد اور پیرو بنائیے۔ اور پھر اُنھین اپنے جھنڈے کے نیچے جمع کر کے تمام ملکون کو فتح کر لیجیے۔

اس شیخ چلی کی سی ہوس نے چند ہی روز کے اندر بیسیون پیغمبر پیدا کر دیے جن احمقون نے علی العموم اسی بیوقوفی و حماقت کے پاداش مین اپنی جانین دین۔ اُن مین سے بعض کسی حد تک کامیاب ہو گئے۔ اور بعض اکیلے یا دو ہی چار ایمان

لانے والون کے ساتھ مارے گئے- اور جن کو تھوڑی بہت کامیابی نصیب ہوگئی اُنھون نے اپنے ساتھ ایک خلقت کثیر کو قتل کرا دیا-

انھین کامیابی کی جھلک دیکھ کے ہزارہا پیرودن کے ساتھ جان دینے والون مین سے ایک یہی مقنع تھا- جو ہارون الرشید کے باپ خلیفہ مہدی کے عہد اور ۱۵۹ھ مطابق ۷۷۶ء محمدی مین علاقہ خراسان مین نمودار ہوا- اور سارے مشرقی فارس اور ترکستان و ماورا النہر پر چھا گیا- یہ ایک بد قطع و بدرُو پستہ قامت اور کانا شخص تھا- مرو کا رہنے والا تھا اور صاحب علم و فضل ہونے کی وجہ سے اپنے لوگون مین حکیم یعنی فلسفی و دانا مشہور تھا- چونکہ سخت بدصورت اور یک چشم تھا اِس لیے اُن عیوب کے چھپانے کے لیے اپنے مُنہ پر سونے کا ایک مصنوعی چہرہ یا نقاب لگائے رہتا- تاکہ کوئی اُس کی اصلی صورت نہ دیکھ لے- یہ کارروائی کی تو اُس نے غالباً عیب پوشی کے خیال سے تھی مگر اس سے یہ بہت بڑا فائدہ اُٹھایا کہ ہر شخص اُس کے جمال کے دیکھنے کا مشتاق ہو گیا- اور معتقدین مین سے ہر متنفس کو تمنا تھی کہ اُس کے جمال جہان آرا کی زیارت نصیب ہو-

جس مذہب کو اُس نے اپنے پیرودن مین پیش کیا اُس کی یہ شان تھی کہ اور لوگ تو رسالت و پیغمبری کے دعوے دار تھے مگر اُسے خدائی کا دعوی تھا-

تاریخ پر غور کرنے سے نظر آتا ہے کہ یہود نصارا اور مسلمانون مین خدا سارے عالم کا قادر و توانا خالق و مالک تھا- اور لوگون کی ہدایت کرنے کے لیے انبیاے مرسل کو بھیجا کرتا- بخلاف اس کے ہندو و ُن اور بودھ لوگون کا یہ خیال تھا کہ خدا خود مخلوق کی صورت اختیار کرکے نمودار ہوتا ہے اور عالم کو نور ہدایت سے روشن کر دیتا ہے- آل ابراہیم مین یہ خیال پہلے پہل حضرت عیسٰی کو خدا بنا دینے سے ظاہر ہوا- جن لوگون نے بت پرستان روم و یونان اور بظن غالب ہندوستان و چین کے فلسفۂ الٰہی سے متاثر ہو کے یہ عقیدہ ظاہر کیا کہ خدا کا بیٹا جو وحدت

بھی ایک جہت سے انسانی پیکر مین نمودار ہوا- اور دنیا کے گناہون کا کفارہ
بن کے آسمان پر چلا گیا- لیکن یہ خیال ظہور اسلام کے زمانے تک اُن
لوگون مین فقط اکیلے حضرت مسیح کی ذات تک محدود رہا تھا-

ظہور اسلام کے بعد جب مسلمانون نے روم و عجم دونون کو فتح
کر لیا تو مشرقی و مغربی خیالات مین زیادہ آمیزش ہوئی- اور ایران کے
جدید العہد بانیان مذہب اور مدعیان نبوت نے ابراہیمی نبوت کو اپنی
شان سے کم تصور کر کے ہنود کے اصول الٰہی یعنی اوتار ہونے کو اپنے
لیے اختیار کیا- وہ بجاے نبی بننے کے خدا بننے لگے- اور اُنھین مدعیان الوہیت
مین سب سے زیادہ کامیاب ہونے والا یہی مُقنّع تھا-

غرض وہ خدائی کا دعویٰ کرتا اور کہتا کہ مین ہی نہین بنی اسرائیل
کے تمام انبیاے سلف مظہر ایزدی اور خدا تھے- اُس کو دعویٰ تھا کہ خدا
نے آدم کا پتلا بنایا اور اُس مین خود نمودار ہوا- پھر برابر نوح وابراہیم
و دیگر انبیا کی صورتون مین ظاہر ہوتے ہوتے حضرت محمد صلعم کی صورت
مین نمایان ہوا- پھر چند اور قالبون کو بدل کے اُس نے ابو مسلم خراسانی
کی صورت اختیار کی- اور وہ معاذ اللہ جناب محمد مصطفےٰ صلعم سے افضل
تھا- اور آخر مین ہاشم کی صورت مین نمایان ہوا- یہ ایک گہرا راز تھا کہ
ہاشم کون بزرگ ہین- لیکن اپنے مخصوص اور بھروسے کے معتقدون کو
کبھی کبھی چپکے سے بتا دیتا کہ ہاشم مین ہی ہون-

چند روز پہلے بنی فاطمہ مین سے یحییٰ بن زید حکومت کی اطاعت سے
منحرف ہو کے شہید ہو چکے تھے- اُن کی نسبت مُقنّع نے بیان کیا کہ وہ مارے
نہین گئے- بلکہ زندہ موجود ہین- ایک دن نکلین گے- اور اپنے قاتلون کا قلع
قمع کرین گے- مُقنّع کے معتقد و پیرو جہان کہین اور جس شہر مین ہوتے
اُسی کی طرف مُنہ کر کے سجدے کرتے- اور لڑائی کے میدانون مین بجاے
"اللہ اکبر" کے "یا ہاشم مدد" کے نعرے لگاتے-

(انسانی فطرت کی کمزوری کا اس سے زیادہ ثبوت کیا ہو گا کہ

ہر شخص کو چاہیے وہ کیسے ہی عقائد پیش کرے ایمان لانے والے جان نثار ضرور مِل جایا کرتے ہیں۔ چنانچہ مقنع کو بھی خدائی کا دعویٰ کرتے ہی ہزار ہا مرید و معتقد مل گئے۔ اور اُس کی ہمت بڑھ گئی۔ اور علانیہ زور و شور سے اپنے مذہب کی تبلیغ و تلقین کرنے لگا۔ اور جب اُن کی کافی مقدار اُس کے گرد جمع ہو گئی تو علاقہ کش کے قلعجات سنام اور سنجردہ میں جا کے اُس نے سکونت اختیار کی۔ اس کے بعد اُس کا اثر اور زیادہ بڑھا۔ ماوراء النہر کے شہروں میں اُس کا کلمہ پڑھا جانے لگا۔ بخارا اور زابلستان کے لوگ اُس کے مدد و معاون بنے۔ ترکوں نے بھی اُس کا ساتھ دیا خوب دھوم سے مسلمانوں پر دست برد اور لوٹ مار شروع کر دی۔ اور آخرکار مقنع کا یہاں تک زور ہوا کہ علاقہ کش کے شاہی قصروں کا مالک ہو گیا۔ اور مضبوط قلعۂ نواکث کو بھی اپنے قبضے میں کر لیا۔

جب اُس کا ہنگامہ اِس درجے کو پہونچا تو قرب و جوار کے مسلمان سرداروں نے اُس کا فتنہ مٹانے کے لیے فوج کشی شروع کی۔ مگر کچھ نتیجہ نہ ہوا۔ ابو النعمان۔ جنید اور لیث بن نصر باری باری یکے بعد دیگرے آئے۔ لڑے۔ اور ناکام رہے۔ اور قیامت یہ ہوئی کہ حسان بن تمیم لیث بن نصر بن سیار اور محمد بن نصر وغیرہ کے ایسے کئی نامور سردار اُس کے مقابلے میں آکے مارے گئے۔

آخر جبرائیل بن یحییٰ نے اپنے بھائی یزید کو مقنع کے مقابلے پر بھیجا۔ سواد بخارا میں مقنع اور اُن سرداروں میں میدان کارزار گرم ہوا۔ پھر اُس کے بعد شہر بو نجکت میں مسلسل چار مہینے تک لڑائی ہوتی رہی۔ آخر یزید نے مقنع کے لشکر پر ایسا زبردست حملہ کیا کہ وہ لوگ کسی طرح نہ روک سکے۔ اور یزید کے سپاہی شہر پناہ توڑ کے شہر کے اندر گھس پڑے۔ اور سات سو پیروان مقنع کو قتل کر ڈالا۔ بقیۃ السیف بھاگ کے شہر سنام میں پہونچے جہاں خود مقنع موجود تھا۔ مگر جبرائیل کا لشکر بھی تعاقب کرتا ہوا اُن کے پیچھے پیچھے لپکا۔ اور اُن کے سر پر جا پہونچا۔

اب خلیفۂ مہدی کو اطلاع پہونچ گئی تھی کہ مقنع کے فتنون نے کیسا ہنگامہ پیدا کر رکھا ہے لہذا اُس نے اُس باغی اسلام کے مقابلے کے لیے اپنے نامور سردار ابو عون کو روانہ کیا۔ مگر ابو عون نے اس ہنگامے اور فتنے کے دور کرنے کے لیے جیسی سرگرمی و مستعدی کی ضرورت تھی نہین دکھائی بلکہ اپنی طرف سے معاذ بن مسلم نام ایک سردار کو مقنع کے مقابلے پر روانہ کر دیا۔

۱۶۱ھ مطابق ۷۷۸ء محمدی مین معاذ بن مسلم اور کئی اور سردار مقنع کے سر پر جا پہونچے۔ معاذ کی فوج مقدمۃ الجیش کا سردار سعید حرشی تھا۔ اور معاذ کا بھائی عتیبہ بن مسلم بھی ایک لشکر کے ساتھ مقام زم مین سعید کے لشکر سے مل گیا۔ اور اُنھون نے فورًا مقنع پر حملہ کر دیا۔ پہلی لڑائی مقام آدیس مین مقنع کے ایک لشکر سے ہوئی۔ جس کو سرداران خلافت نے شکست دیدی۔ بقیۃ السیف مفرورین اپنے مظہر ایزدی سرغنا کے پاس قلعۂ سنام مین پہونچے اور اطلاع دی کہ خلافت کی طرف سے بڑا زبردست لشکر آپ کے مقابلے کو آرہا ہے۔ مقنع نے قلعے کے گرداگرد خندق کھدوا کے ایک زبردست کھائی تیار کر لی۔

اتفاقًا اس دوران جنگ مین معاذ اور حرشی مین کچھ اختلاف ہوا۔ اور سعید حرشی نے خلیفۂ مہدی کو اطلاع دی کہ اِس مہم کو اکیلا مین ہی سر کر لون گا۔ کسی اور سردار کے میرے ساتھ رہنے کی ضرورت نہین ہے۔ مہدی نے مصلحت سمجھ کے اُس کی درخواست قبول کر لی اور اکیلا سعید ہی اِس مہم کا ذمہ دار قرار پا گیا۔ غنیمت یہ ہوا کہ معاذ نے اس پر کچھ بُرا نہین مانا۔ بلکہ اپنے بیٹے رجاء کو ایک زبردست لشکر کے ساتھ سعید کے ہمراہ کر دیا تاکہ اُس کی مدد کرے اور خود جہان تھا وہین ٹھہر گیا۔

سپہ سالار سعید نے بڑھ کے شہر سنام کا محاصرہ کر لیا۔ اب مقنع تو اپنی ضد پر قائم تھا اور لوگونکو مخالفت پر آمادہ کرتا مگر شہر سنام والون کا حال دیگر گون ہونے لگا۔ اور چند ہی روز کے بعد اُنھون نے مقنع سے

چھپا کے باہم مشورہ کیا۔ اور چپکے سے جا کے سپہ سالار خلافت سے امان مانگی تاکہ اُس کی اجازت ہوتے ہی شہر سے نکل کے چلے جائین۔ سعید حرشی کے سامنے جیسے ہی شہر کی یہ درخواست پیش ہوئی اُس نے بلا تامل قبول کر لی۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ دوسرے ہی روز تقریباً تیس ہزار آدمی قلعۂ سنام سے نکل کے چلے گئے۔ فقط دو ہزار آدمی رہ گئے جو آخر تک بنا ہنے اور مقنع کی حماقتون پر اپنی جانین فدا کرنے کو تیار تھے۔ اور یہی وہ منتخب لوگ تھے جو اُس کے گروہ مین ذی عقل و ذی ہوش۔ صاحب علم و فضل۔ اور صاحب رائے سمجھے جاتے تھے۔

اب رجار بن معاذ نے یہ کارروائی کی کہ اپنی فوج کے ساتھ آگے بڑھ کے خاص کھائی کے کنارے پڑاو ڈال دیا۔ جس سے مقنع اور زیادہ پریشان ہوا۔ اب اُس مین نہ لڑنے کا دم تھا۔ نہ ٹھہرنے کا حوصلہ۔ صبر و استقلال اُس کے تمام ہمراہیون کے دل سے رخصت ہو گئے تھے۔ اور مقنع کو موت اپنی آنکھون کے سامنے نظر آتی تھی۔

جب بالکل یاس ہو گئی تو مقنع نے اپنی عورتون اور بال بچون کو ایک مکان مین بُلا کے جمع کیا۔ اور سب کو زبردستی زہر کے جام پلا پلا کے دنیا سے رخصت کر دیا۔ یا یون کہیے کہ سفر آخرت مین اپنا پیشرو بنایا۔ اُس کے بعد ایک گڑھے مین بہت سی لکڑیان ڈھیر کرا کے اُن مین آگ لگا دی۔ اور جب خوب شعلے بھڑکنے لگے تو باقی ماندہ رفیقون سے کہا "اب مجھے اِس آگ مین ڈھکیل دو۔ تاکہ میری لاش دشمنون کے ہاتھ نہ لگے"

بعض لوگون کا بیان ہے کہ اِس آگ مین اُس نے اپنے جلنے سے پہلے اپنے مال و اسباب۔ اپنی تمام چیزون۔ اپنے کپڑون۔ اور سواری کے جانورون تک کو ڈلوا کے خاک کر دیا۔ اُس کے بعد کل رفقا کی طرف دیکھ کے کہا "مین اب آسمان پر جاتا ہون۔ لہذا جس جس کو میرا ساتھ دینا اور میرے ہمراہ آسمان پر چلنا ہو وہی کرے جو مین کرتا ہون" یہ کہتے ہی تالا آگ مین پھاند پڑا۔ اور اُس کے بعد اُس کے تمام رفقا بھی آگ مین پھاند

پھاند کے جل مرے۔ اور قلعے مین ایک متنفس بھی نہ باقی رہا جو محاصرہ کرنے والون کو اس انجام کی خبر کرتا۔

مسلمانون کو جب نظر آیا کہ قلعہ والے نہ لڑتے ہین۔ نہ اندر سے کسی انسان کی آواز آتی ہے۔ اور ہر طرف سناٹا پڑا ہے تو اُنھون نے قلعے پر یورش کی۔ کوئی مزاحم تو تھا نہین۔ بے روک ٹوک دیوارون پر سیڑھیان لگا کے چڑھ گئے۔ وہان ہر طرف خاموشی دیکھ کے متحیر ہوئے اندر اُترے۔ اور دیکھا کہ نہ مقنع کا پتہ ہے نہ اُس کے کسی عزیز و رفیق کا۔ فورًا قلعے پر قبضہ کر کے پھاٹک کھول لیے۔ اور مژدۂ فتح مع اِن تمام واقعات کے دربار خلافت مین لکھا۔ مسلمانون کو یہ حال سُن کے بڑا اطمینان ہوا کہ یہ فتنے ہمیشہ کے لیے مٹ گئے۔ جنکی وجہ سے اُس علاقے مین مسلمانون کے جان و مال کے لیے ہر وقت خطرہ رہا کرتا تھا۔

مگر اِس واقعے اور اِس طرح جل جل کے جان دینے کا اثر مقنع کے معتقدون پر یہ ہوا کہ اُس کی حقیقت و خدائی کے اور زیادہ قائل ہو گئے۔ اُس کی نسبت عقیدت بڑھ گئی۔ اور یہی ہنگامہ بعد کے زمانے مین دوسری حیثیتون دوسری شانون اور دوسرے نامون سے ظاہر ہوا۔

ہمارے یہان اکثر بیان کیا جاتا ہے کہ جب حریف پر زور نہ چلے تو آگ مین پھاند کے اپنی اور اپنی عورتون کی زندگی فنا کر دینا ہندوستان کا اور ہندوستان کے چھتریون کا خصیصہ تھا۔ بے شک بارہا یہان ایسے واقعات پیش آئے۔ مگر سچ یہ ہے کہ ہر ملک اور ہر قوم مین لوگون نے یاس و نا امیدی کی حالت مین ایسا ہی کیا ہے۔ رومی سردارون کا معمول تھا کہ ایسی حالت مین خودکشی کر لیا کرتے۔ بنی اسرائیل نے اپنی پامالی و نامرادی کے زمانے مین مختلف شہرون مین ایسا ہی کیا۔ اور یہی واقعہ مقنع کے حالات سے ہمین خاص ارض عجم مین نظر آیا۔

مقنع کے مارے جانے کے ۶۶ برس بعد ۲۲۷ھ مطابق ۸۴۱ء محمد بن اور المعتصم باللہ کے زمانۂ خلافت مین ایک اور بزرگ ارض فلسطین مین

نمودار ہوئے جو مبرقع کہلاتے تھے۔ یہ اپنے چہرے پر نقاب ڈالے رہتے تاکہ نہ کوئی اُن کا جمال جہان آشوب دیکھے اور نہ کوئی اُنھین پہچانے۔

اس شخص کا اصلی نام ابو المحراب مبرقع یمانی تھا۔ اس فتنہ جو کے ہنگامے کا آغاز یون ہوا کہ اس شخص کا مکان فلسطین (بیت المقدس) مین تھا۔ ایک دن یہ ابو المحراب اتفاق سے کہین باہر گیا ہوا تھا اور کسی فوجی سپاہی نے ارادہ کیا کہ اُس کے گھر مین ٹھہرے۔ ابو المحراب کی بیوی نے اس سپاہی کو روکا تو اُس سرکش فوجی آدمی نے اس زور سے کوڑا مار دیا کہ عورت کی کلائی زخمی ہو گئی۔ اس واقعہ کے بعد ابو المحراب گھر مین واپس آیا تو بیوی کی کلائی مین زخم دیکھ کے سبب پوچھا۔ اُس نے کل کیفیت بیان کر دی۔ یہ سنتے ہی اُسے اِس قدر طیش آیا کہ تلوار اُٹھالی۔ اور اُس سپاہی کا پتہ لگا کے بلا تامل اُسے مار ڈالا۔ پھر اس کے بعد اس اندیشے سے کہ مین اس سپاہی کے قصاص مین مارا جاؤن گا گھر چھوڑ کے اُردُن کے پہاڑ دن مین چلا گیا۔ چہرے پر ایک نقاب ڈال لی۔ دن کو نقاب پوش باہر نکلتا۔ اور جو ملتا اُسے پیروی شریعت کی ہدایت کرتا خلیفہ اور اُس کے افعال کی علی الاعلان مذمت کرتا۔ لوگون کو خلافت کی اطاعت سے بیزار۔ اور کہتا کہ مین نسل بنی اُمیہ سے ہون اور اِس لیے دنیا مین آیا ہون کہ ان غاصبون سے خلافت چھینون۔ چنانچہ اُس کے پیرو اُسے ”سفیانی“ کہا کرتے۔

اسی چیز نے انقلاب پسندون اور اگلی دولت اموی کے دوستون کو اس کا پیرو بنانا شروع کیا۔ ہزارون آدمی آ آکے اُس کے پاس جمع ہونے لگے۔ ان دنون نزاری اور یمانی کا جھگڑا چل رہا تھا۔ یعنی اُن قبائل عرب مین جو نسل اسماعیل سے تھے اور اُن مین جو خالص عرب اور یمنی الاصل تھے سخت مخالفت تھی۔ بنی عباس چونکہ اسماعیلی و نزاری تھے لہذا اکثر یمانیون نے بلا لحاظ اس کے کہ بنی امیہ بھی اسماعیلی ہی ہین اِس شخص کی رفاقت اختیار کر لی۔ اور اُس کے جھنڈے کے نیچے ایک اچھی خاصی فوج جمع ہو گئی۔ اُس کے پیروون مین ابن بیہس نام ایک شخص تھا جو ملک یمن کے لوگون مین بڑا اثر رکھتا تھا۔ اور وہ اہل دمشق سے تھے جو خلافت کو پھر دمشق مین کھینچ لانا چاہتے تھے۔

معتصم باللہ کو اِس فتنے کی خبر اُس وقت پہونچی جبکہ وہ مرض الموت مین مبتلا ہو چکا تھا۔ لیکن اُس بیماری مین بھی اُس نے مستعدی دکھلائی۔ اور رجاء بن ایوب حضاری نام ایک زبردست سپہ سالار کو ایک ہزار سپہگرون کے ساتھ روانہ کیا کہ مبرقع کا ہنگامہ فرو کرے۔ اُس نے وہان پہونچ کے دیکھا تو مبرقع کے جھنڈے کے نیچے ایک عالم جمع تھا۔ جن کی تعداد ایک لاکھ آدمیون سے کم نہ ہوگی۔ یہ رنگ دیکھ کے رجاء کو لڑنا خلاف مصلحت نظر آیا۔ مگر بہادر اور تجربہ کار افسر تھا۔ ہٹا نہین۔ مبرقع کے لشکر کے سامنے پڑاؤ ڈال دیا۔

اب زراعت و کاشتکاری کا موسم آیا۔ مبرقع کے ساتھ زیادہ تر فلاح اور کاشتکار تھے۔ اُنھون نے جو دیکھا کہ لڑائی کی ابھی امید نہین ہے اور ہماری کھیتی غارت ہوئی جاتی ہے آہستہ آہستہ اپنے مزرعون اور کھیتیون مین واپس جانے لگے۔ یہان تک کہ مبرقع کا سارا گروہ ٹوٹ کے کاشتکاری مین مصروف ہو گیا اور اُس کے ہمراہ فقط ہزار دو ہزار آدمی باقی رہ گئے۔

یہی حالت تھی کہ ناگہاں معتصم نے سفر آخرت کیا۔ اور واثق سریر خلافت پر بیٹھا۔ اور اُسی کے ساتھ ہی مبرقع کے بعض سازشیون نے دمشق مین ہنگامہ مچا دیا۔ اس کی خبر پاتے ہی واثق نے رجاء کو حکم دیا کہ تم پہلے جا کے دمشق کا ہنگامہ موقوف کرو۔ پھر اُس کے بعد واپس آ کے خود مبرقع کے مقابلے مین صف آرا ہونا۔ رجاء اپنے مختصر لشکر کے ساتھ دمشق مین گیا۔ اور ایسی حکمت عملی و شجاعت سے کام لیا کہ دمشق فتنہ انگیزون سے صاف ہو گیا۔ جن مین کے کئی سو آدمی عساکر خلافت کی تلوارون سے مارے گئے۔

دمشق کو صاف کر کے رجاء پھر مبرقع کے سامنے صف آرا ہوا۔ اور اب کی ارادہ کیا کہ بہت جلد لڑائی چھیڑ کے ان باغیون کا بھی خاتمہ کر دے۔ اب کی بھی مبرقع کو لڑائی مین سبقت کرنے کی جرأت نہ ہوئی اور رجاء نے ماتحت سردارون سے کہا "مجھے مبرقع کے لشکر مین کوئی شجاع اور مرد میدان نہین نظر آتا۔ ان سب مین جو کچھ ہے خود وہی ہے۔ اس لیے کہ مین جانتا ہون وہ اپنی ذات سے بہادر اور قدم جما کے لڑنے والا ہے۔ اپنے لشکر کو لڑانے کے لیے وہ بار بار تم پر حملے

کرے گا۔ اُس موقع پر تم یہ کرنا کہ وہ جیسے ہی زور و شور سے حملہ کرے تم بیچ سے ہٹ کے اُس کو راستہ دے دینا تاکہ جہان تک ممکن ہو وہ آگے بڑھ آئے۔ اور ایسا ہی ہوا۔ مبرقع نے جوش وخروش سے حملہ کیا۔ رجاء کے لشکر نے اِدھر اُدھر ہٹ کے آگے جگہ دے دی۔ اور وہ اُن کے ہجوم کے درمیان مین آکے خوب بہادری دکھا کے پلٹ گیا۔ اس کے بعد اُس نے پھر دوبارہ حملہ کیا۔ اب کی بھی حریفون نے اِدھر اُدھر ہٹ کے جگہ دے دی۔ اور پہلی بہادری وکامیابی کے زعم مین اب کی وہ پہلے سے بھی زیادہ بڑھ آیا۔ اور رجاء کے سپاہیون مین دور تک گھستا چلا گیا۔ لیکن اب کی رجاء کا اشارہ ہوتے ہی فوج نے اُسے اپنے حلقے کے اندر لے کے واپس جانے کا راستہ بند کر دیا۔ اور آخر ہر طرف سے گھیرا کے اور ہجوم کرکے اُس کو گرفتار کر لیا۔

اب کیا تھا؟ اُس کے ہمراہی بدحواس بھاگے۔ جن مین سے تقریباً بیس ہزار مارے گئے۔ باقی نے پہاڑون مین بھاگ کے پناہ لی۔ اور خود مبرقع پابزنجیر کرکے سامرے مین خلیفہ کے پاس بھیج دیا گیا۔ اور اپنی سزا کو پہونچا۔

ہندوستان مین مشرقی تمدن کا آخری نمونہ

باورچی خانے اور کھانون کی ایجاد و ترقی کے متعلق ہم کافی درجے تک لکھ چکے ہین۔ لیکن اتنا اور کہنا چاہتے ہین کہ یہان اور عموماً ایشیائی ممالک مین خوش مزگی پیدا کرنے کے ساتھ اِس بات کی بھی کوشش اہمیت کے ساتھ کی جاتی تھی کہ لطافت ذوق کے ساتھ غذاؤن مین اعلیٰ درجے کی روح افزا خوشبوئین پیدا ہون۔ رنگ نفیس اور دلکش رہے۔ صورت نظر فریب اور شوق دلانے والی ہو۔ اگرچہ ہندوستان کے تمام شہرون مین جہان لوگون کو اچھا کھانے کا شوق ہے اِن تمام امور کی کوشش کی جاتی ہے مگر اس سے انکار نہین کیا جا سکتا کہ لکھنؤ سب جگہ سے زیادہ کامیاب رہا ہے۔ کسی جگہ کھانے کا سچا ذوق چند امیرون اور مخصوص لوگون تک محدود رہا ہے۔ مگر یہان قریب قریب ہر شخص مین ایک صحیح ذوق پیدا ہو گیا۔ اچھے باورچی

ہی نہین پیدا ہوئے بلکہ معزز اور شریف گھرانون کی عورتون مین رکابدارون سے زیادہ نفاست مزاجی اور ذوق کی خوش سلیقگی پیدا ہو گئی۔ کوئی معزز خاندان نہین ہے جس کی محترم بیگمون مین سے ہر ایک کھانا پکانے مین اچھا سلیقہ نہ رکھتی ہو۔ اور اُسے کسی اچھی غذا کے تیار کرنے مین دعویٰ نہ ہو۔

دودھ دہی کا ہر جگہ رواج ہے۔ لکھنؤ مین ان دونون چیزون کے علاوہ بالائی کی تیاری مین زیادہ توجہ ہوئی۔ اس لیے کہ دودھ کا لطیف ترین حصہ اس مین آجاتا ہے۔ انگریزی مین اسی کو "کریم" کہتے ہین۔ جس کا رواج یورپ مین کثرت سے ہے۔ مگر وہان کریم اِس کا نام ہے کہ دودھ تھوڑی دیر رکھا رہے۔ اور جب دہنیت کا سفید اور لطیف حصہ اوپر آجائے تو کاچھ کے الگ کر لیا جائے یہان دودھ کا یہ لطیف حصہ ہلکی آگ پر رکھ کے اور جما کے الگ کیا جاتا ہے۔ اور بڑی نفاست سے اُس کی تہ پر تہ جما دی جاتی ہے۔ بالائی کی تھون کو نفاست اور خوشنمائی سے جمانا ایسا کام ہے جو لکھنؤ کے سوا شاذ و نادر ہی کسی اور شہر کے لوگون کو آتا ہو گا۔

(اس کو پرانی زبان مین مَلائی کہتے ہین۔ آصف الدولہ بہادر نواب ودھ کو یہ اس قدر پسند تھی کہ خاص اہتمام سے اُن کے لیے تیار کیجاتی۔ اُنھون نے اِس کا نام ملائی کے عوض بالائی رکھ دیا۔ اس لیے کہ یہ دودھ کے اوپر کی چیز ہے۔ اہل لکھنؤ کو اپنے فرمان روا کا یہ تصرف بہت پسند آیا۔ اور بالائی کا لفظ زبانون پر اس قدر چڑھ گیا کہ اب لکھنؤ مین سوا دیہاتیون یا ہندو جہلا کے سب بہی بالائی ہی کہتے ہین اور ملائی کا لفظ کسی مہذب شخص کی زبان پر نہین باقی رہا۔)

اس پر مولوی محمد حسین صاحب آزاد مرحوم نے آبحیات مین اعتراض کر دیا۔ اور انصاف کو ذوق سلیم پر نثول فرمایا جس معیار سے اُن کے مذاق مین "ملائی" کا لفظ بالائی سے زیادہ لطیف و فصیح ہے۔ کسی لفظ کو محض اپنے مذاق کے اعتبار سے غیر فصیح کہدینا میرے نزدیک ایک بے معنے سی چیز ہے۔ اس لیے کہ ہر جماعت کو وہی الفاظ اپنے ذوق مین اچھے معلوم ہوتے ہین جو ان لوگون کی زبان پر چڑھے ہون اور اُن کے لہجے اور محاورے سے مانوس ہو گئے ہون۔ جن شہرون کے

لوگ لالی کہتے ہین اُن کو بے شک بالائی کا لفظ گران گزرتا ہو گا۔ اور اُن کی زبان سے نا آشنا ہو گا۔ مگر جس شہر مین لوگ بالائی کہتے ہین اور یہی لفظ اُن کے محاورے مین شامل ہو گیا ہے اُن کو جو فصاحت بالائی مین نظر آتی ہے ملائی مین ممکن نہین۔ اُن کو ملائی جاہلون اور گنوارون کا لفظ معلوم ہوتا ہے۔ فصاحت و لطافت زبان کا اندازہ کسی خاص ذوق یا کسی منطق سے نہین ہوتا بلکہ جو لوگ اہل زبان مان لیے جاتے ہین فقط اُن کا ذوق اور محاورہ معیار قرار پاجاتا ہے اور سب کو بغیر کسی منطقی دلیل کے اُن کی پیروی کرنا پڑتی ہے۔ اردو کے لیے اب دہلی و لکھنؤ دونون اہل زبان کے مستند اسکول سمجھے جاتے ہین لہذا دونون مسلم الثبوت معیار سخن ہین چاہے ایک کا لفظ دوسرے کو غیر مانوس ہی کیون نہ ہو۔ یہ اور بات ہے کہ لکھنؤ کی زبان کو سچا اور مستند معیار رہی نہ تسلیم کیا جائے۔ لیکن اس جھگڑے مین ہم پڑنا نہین چاہتے۔ اور غالباً یہ جھگڑا طے بھی ہو چکا ہے۔ بہرحال اگر دونون شہر معیار مانے جائین تو ملائی اور بالائی بجائے خود دونون فصیح ہین۔ ملائی اہل دہلی کے نزدیک اور بالائی اہل لکھنؤ کے نزدیک۔ کسی کو کسی پر اعتراض کرنے کی کوئی وجہ نہین ہو سکتی۔

کھانے کے پکانے سے زیادہ یا اُسی کے برابر ضرورت کھانون کے نکالنے مین اچھا سلیقہ دکھانے۔ اور نکالنے کے بعد اُس کے بچنے اور آراستہ کرنے کی ہے۔ یورپ کا یہ موجودہ مذاق ہے کہ میز خوب آراستہ کی جاتی ہے۔ اُس پر جابجا گلدستے لگائے جاتے ہین اور بعض جگہ تکلف کے لیے کچے چاولون کو مختلف رنگون مین رنگ کے اُن سے میز پر حروف اور نقش و نگار بنا دیے جاتے ہین۔ ظروف بھی نہایت صاف ستھرے قیمتی اور اکثر چاندی کے کام مین لائے جاتے ہین۔ مگر خاص کھانے کی سجاوٹ کا انگریزی باورچیون یا خانساماؤن کو چندان خیال نہین ہوتا۔ بجز شادیون کے کیک کے جو اُمرا اور لارڈون کے عروسی دسترخوان پر عجیب تکلفات سے بڑی بڑی خوبصورت عمارتون کی وضع مین بنا کے دعوت ولیمہ کی میز پر لگا دیے جاتے ہین۔

اس کے خلاف ہندوستان مین دسترخوان کی آراستگی کی طرف تو کم توجہ کی جاتی ہے مگر خود کھانے اعلیٰ درجے کی نفاست سے نکال کے بچے جاتے ہین

اُس پر چاندی سونے کے ورق لگائے جاتے ہین۔ پستہ اور بادام کی ہوائیون
سے نقش و نگار اور رنگ رنگ کے پھول بنائے جاتے ہین۔ کھوپرے کے
ورق کاٹ کاٹ کے نہایت ہی موزون ترتیب سے اُن پر آراستہ کیے جاتے ہین۔
اس فن مین رکابدارون کو خاص کمال حاصل ہے۔ بلکہ اُن کا کام یہی ہے کہ جس
خوبی سے غذاؤن کو تیار کرین اُس سے زیادہ خوشنمائی سے اُن کو سجین۔ اور
ہر پلیٹ کو ایک گلدستہ بنا دین۔

لکھنؤ مین یہ تکلفات اہل پیشہ باورچیون اور رکابدارون سے شروع
ہو کے شرفا کے عام گھرون مین پہونچ گئے۔ اور خاتونون اور بیگمون کو اس مین
ایسا اچھا سلیقہ ہو گیا کہ جو خوبی پلیٹون اور قابون کے سجنے مین اکثر وہ دکھا دیتی
ہین خود رکابدارون سے بھی ممکن نہین اگرچہ یہ خاص اُنھین کا ہنر ہے۔ یورپ
کے محققین نے جو طے کر دیا ہے کہ عورتین فنون لطیفہ سے خاص مناسبت رکھتی
ہین۔ خصوصاً کسی چیز کے سجنے اور آراستہ کرنے مین اُن کو بالطبع مردون
پر فوقیت حاصل ہوتی ہے اِس کا ثبوت ہندوستان مین لکھنؤ کی اُن عورتون
کی طبیعت داری سے مل سکتا ہے جو کھانون کے سجنے مین کمال دکھا دیا کرتی ہین۔

ہندوستان کے عروسی کے کیک جن کا ابھی ذکر ہو چکا چوبے ہین۔
جو عموماً رسم کے طریق سے شادیون مین دولہا دولھنون کے سامنے لگائے جاتے
ہین۔ اُن کو اکثر گھرون کی خاتونین ایسی نفاست مزاجی اور ذہانت و طباعی سے
آراستہ کرتی ہین کہ جی چاہتا ہے بیٹھے اُنھین دیکھا کیجیے۔

کھانے کے ساتھ ہی آبدارخانے کی ترقیون کو بھی بیان کر دینا لطف
سے خالی نہ ہوگا۔ آبدارخانہ بادشاہون اور امیرون کے پانی کے انتظام کا نام
ہے۔ اگلے دنون برف نہ تھی۔ اور بعض موسمون مین ٹھنڈا پانی ملنا نہایت ہی
دشوار ہوتا تھا۔ اِس کے لیے اُن دنون خاص قسم کے انتظام کیے جاتے تھے۔ پانی
کورے گھڑون مین بھر کے رکھا جاتا۔ نازک اور نفیس آبخورے پینے کے لیے موجود
رہتے۔ گھڑون اور آبخورون پر سرخ کپڑا چڑھا دیا جاتا۔ اور وہ تر رکھا جاتا۔ اسلیے
کہ ہوا لگنے سے بھیگا کپڑا خوب ٹھنڈا ہو جاتا۔ یہانتک کہ گرم ہوا اور لو بھی جتنی زیادہ

گرم ہوتی اُتنا ہی زیادہ کپڑے کو ٹھنڈا کر دیتی۔ اور کپڑے کی ٹھنڈک اندر کے پانی کو ٹھنڈا کرتی۔ اکثر جھجریان اور صراحیان بلکہ گھڑے بھی مُنہ پر کپڑا باندھ کے کسی درخت کی ٹہنیون مین اُلٹے ٹنکا دیے جاتے۔ ہوا کا اندر نفوذ نہ ہونے کی وجہ سے پانی نہ گرتا۔ اور خوب ٹھنڈا ہو جاتا۔ برسات مین جب یہ تدبیر بھی کامیاب نہ ہوتی تو اکثر گھڑے بھر کے کنوؤن کے اندر لٹکا دیے جاتے جہان اُن مین خوب خنکی پیدا ہو جاتی۔

اس کے علاوہ سب سے بڑا انتظام یہ تھا کہ جست کی نازک صراحیان موجود رہتین۔ اور وہ ناندون مین شورا اور پانی ڈال کے اُس مین پھرائی جاتین۔ اِس تدبیر سے تھوڑی دیر مین پانی مین برف کی سی خنکی پیدا ہو جاتی۔ اور اُس کی ٹھنڈک نہایت ہی لطیف و خوشگوار ہوتی۔ اس تدبیر کو صراحیون کا جھلنا کہتے تھے۔

بعد کے زمانے مین برف کے فراہم کرنے کی بھی ایک معقول اور دیرپا تدبیر نکال لی گئی تھی۔ جلّون کے جاڑ دن مین جب سردی خوب شدت پر ہوتی کھیتون اور کھلے میدانون مین رات کو گلی رکابیون اور پیالون مین گرم گرم پانی بھر کے رکھ دیا جاتا جو صبح کو جما ہوا ملتا۔ اس برف کو اُسی وقت فوراً زمین کے اندر گہرے کھیتون مین جو پہلے سے کُھدے تیار رہتے دفن کر دیتے۔ اور ان مین وہ برف جب تک دبی رہتی اپنی حالت پر قائم رہتی۔ بہرحال اِس طریقے سے اُتنی برف بنا کے کھتون مین بھر دی جاتی کہ سال بھر کے لیے کافی ہوتی۔ اور اُسی مین سے ہر روز نکال لی جاتی۔ مگر یہ برف اُس قدر صاف نہ ہوتی کہ پانی مین ملائی جائے۔ بلکہ شورے کی طرح اُس مین نمک اور شورا ملا کے صراحیان جھلی جاتین۔ یا برف کی قفلیان جمائی جاتین۔

مگر یہ انتظام خاص بادشاہون یا اُن کے ہمرتبہ امیرون تک محدود رہتا۔ غریب لوگ اُس سے فائدہ نہ اُٹھا سکتے۔ غربا اور متوسط درجے کے لوگ اُنھین اول الذکر تدبیرون سے کام لے کے پانی ٹھنڈا کرتے۔ اور یہ اہتمام اس قدر عام ہو گیا تھا کہ تھوڑا بہت ہر گھر مین رہتا۔

بہر تقدیر لکھنؤ مین پانی کے لیے یہ اہتمام اُن دنون ہوا کرتا۔ اور نفاست مزاجی نے یہ تکلفات پیدا کر دیے تھے کہ مٹی اور جست کی صراحیون اور ایسے ہی آبخورون پر اکثر سرخ شالباف (ٹول) کا کپڑا چڑھا ہوتا۔ اور ٹول پر رو پہلا گوٹا خوبصورتی سے لپیٹ کے اُن مین ایسا لطف پیدا کر دیا جاتا کہ بینا درکنار اُن پانی کے ظروف کو دیکھ کے آنکھون مین خنکی پیدا ہو جاتی۔

مجھے یہ نہین معلوم کہ آبدارخانے کا یہ انتظام جو مین نے بیان کیا ہے پورا پورا دہلی مین بھی تھا یا نہین۔ غالبًا وہان ضرور ہو گا۔ اور وہین سے یہ سب چیزین لکھنؤ مین آئی ہون گی۔ مگر مین نے اِس سامان اور اہتمام کو جس تکمیل کے ساتھ اور جس تعمیم سے لکھنؤ کے لوگون مین پایا تھا دہلی مین نہین دیکھا۔ ممکن ہے کہ وہان بھی ایسا ہی ہو۔ لیکن اِس مین شک نہین کیا جا سکتا کہ لکھنؤ مین آ کے مٹی کے ظروفِ آب کی لطافت ونفاست اور نزاکت بہت بڑھ گئی۔ اس لیے کہ یہان کی مٹی کی عمدگی کی وجہ سے جیسے نازک وخوشنما اور خوش قطع ظروف گلی لکھنؤ مین بن سکتے ہین اور کہین نہین بن سکتے۔ دہلی والون کے پاس جست کی صراحیان ایسی ہی ہون گی مگر ایسی مٹی کی صراحیان اور آبخورے وہان کسی کو نصیب نہین ہو سکتے۔ ان ظروف گلی کا حال ہم آئندہ مناسب موقع پر بیان کرین گے۔

بادشاہون کے ساتھ جہان وہ جاتے مین باورچی خانہ اور آبدارخانہ بھی جایا کرتا تھا۔ لیکن یہان آبدارخانے کا اہتمام دوسرے امرا کے وہان بھی اس قدر بڑھ گیا تھا کہ بہت سے ایسے امرا تھے جو اپنا آبدارخانہ اپنے ساتھ رکھتے۔ چنانچہ مرزا حیدر صاحب کا آبدارخانہ اور بھنڈی خانہ اِس فیاضی کے اصول پر قائم تھا کہ وہ جس شادی کی محفل مین جاتے ساری محفل کو پانی اور حقہ پلانے کا انتظام اُنھین کے سپرد ہو جاتا۔ اور اُن کی شرکت محفل بہت سے لوگون کے لیے ایک نعمت غیر مترقبہ اور رحمت الٰہی بن جاتی۔

چند کتابون پر ریویو

عائشہ صدیقہ۔ یہ ۱۸ × ۲۲ پیمانے کے ۱۲۸ صفحون کا رسالہ ہے۔ جس مین

مولنا نیاز احمد خانصاحب نیاز فتح پوری نے اُم المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے حالات جمع کر دیے ہین - مسلمانون کو جناب مصنف کی اِس کوشش کا شکر گزار ہونا چاہیے - مگر افسوس حضرت عائشہؓ کی سی یکتاے عالم خاتون کے حالات لکھنے مین جیسی محنت اور جیسا اہتمام ہونے کی ضرورت تھی اور جس تحقیق و استناد کے ساتھ لکھنے کی ضرورت تھی وہ بات اِس مین بالکل نہین ہے - حضرت صدیقہؓ کے جس قدر مفصل و مشرح حالات اسلامی لٹریچر مین موجود ہین دنیا کی کسی خاتون کے نہین مِل سکتے - حضرت عائشہؓ کی نہایت ہی شاندار سیرۃ ہونی چاہیے - مولانا محمد سلیمان صاحب ندوی نے اس کام کو اپنے ذمے لیا ہے اور اُمید ہے کہ وہ البتہ دنیا کو دکھا سکین گے کہ حضرت صدیقہؓ کیسی فقیہہ و مجتہدہ کیسی عالمہؓ و فاضلہ اور کیسی عابدہ و زاہدہ تھین - تاہم اِس مختصر لائف کو بھی ہم قدر کی نگاہ سے دیکھتے ہین جو اچھے کاغذ پر صاف اور واضح چھپی ہے - اور ۱۲ ر فی جلد قیمت ہے - ایڈیٹر صاحب رسالہ صوفی سے "پنڈی بہاء الدین ضلع گجرات" کے پتے پر خط بھیج کے منگوا لی جائے -

نیلی چھتری - مولوی ظفر عمر صاحب بی اے - ڈپٹی سپرنٹنڈنٹ پولیس کی علمی قابلیت اور ادبی خصوصیت سے کون واقف نہین ہے ؟ اُنھین نے یہ ایک نیا ناول تصنیف کر کے شائع کیا ہے جس کے پلاٹ مین اُنھون نے بہ حیثیت ایک پولیس افسر کی اپنی اعلیٰ طباعی و ذکاوت کا ثبوت دیا ہے - واقعی یہ نہایت ہی دلچسپ اور پسندیدہ ناول ہے - شروع کرنے کی دیر ہے پھر انسان بغیر ختم کیے ہاتھ سے نہین رکھ سکتا - افسوس کہ اِس کی اشاعت کے وقت ہمارے ذہین و قابل دوست مولوی ظفر عمر صاحب پر ایک نہایت ہی افسوسناک حادثہ گزر گیا - شکار مین ران مین گولی لگ گئی - ہڈی چور چور ہو گئی - زخم نے ایسی صورت اختیار کر لی کہ امید زیست کی نہ رہی تھی آخر پاؤن گھٹنے کے اوپر سے کاٹ ڈالا گیا - اور ایسی خوفناک قربانی کے بعد خدا نے اپنا فضل کیا - اور اب تندرست ہین - اِس ناول کے ریویو کے ساتھ ہم اُنھین صحت کی مبارکباد دیتے ہین - یہ ناول چھوٹی تقطیع کے ۲۲۷ صفحون پر ختم ہوا ہے - بہت اچھا چھپا ہے - اور قیمت

اور قیمت صرف ۱۲ رہے۔ خود جناب مصنف سے "اطاوہ مکان مولوی سید جعفر حسین صاحب انجنیر کے مکان" کے پتے پر خط بھیج کے منگوایا جائے۔

تعزیت نامہ۔ یہ ۲۰×۲۶ تقطیع کے ۱۲۸ صفحون کا ایک رسالہ ہے جس کے ذریعے سے مولوی شیخ محمد احسان الحق صاحب پروپرائٹر عصر جدید میرٹھ نے ہمارے مرحوم و مغفور دوست آنریبل خواجہ غلام الثقلین صاحب کی یاد تازہ کی ہے۔ ابتدا مین مرحوم کے حالات زندگی ہین۔ بعض مشاہیر کے خاص خاص مضامین مرحوم کے متعلق ہین۔ اُس کے بعد اُن کی وفات پر اخبارون کی رائین۔ انجمنون اور جلسون کے تعزیتی رزولیوشن۔ گورنمنٹ ہند مشاہیر وطن۔ اور مرحوم کے احباب کے خطوط اور تار سب نہایت ہی خوبی سے یکجا کر دیے گئے ہین۔ جو حضرات خواجہ صاحب کے وطنی و قومی خدمات کے معترف ہون اُنھین اِس رسالے کو جو بہت ہی درد آور دہ اور بہت صاف چھپا ہے مرحوم کی یاد تازہ رکھنے کے لیے ضرور بالضرور خریدنا چاہیے۔ دو طرح کی جلدین چھپی ہین۔ اول درجے والیون کی قیمت ۱۲ رہے۔ اور دوسرے درجے والیون کی ۸ر جناب مصنف کو مندرجہ بالا پتے پر لکھ کے منگوائی جائے۔

جدید ناول بابک خرمی کے متعلق ایک سوال

کئی دوست اصرار فرما رہے ہین کہ اِس ناول کے دوسرے حصے کے لیے سال آیندہ کا انتظار نہ کیا جائے بلکہ تین ہی چار مہینے مین اِس کا دوسرا حصہ چھاپ کے قیمتہً شائع کر دیا جائے۔ مجھے بالذات اِس مین تامل ہے۔ لیکن اگر قدردانان دلگداز کو اصرار ہے تو پھر مجھے عذر بھی نہین۔ بہرحال اگر ختم مارچ سے پہلے پانچ سو خریداران دلگداز اِس کی خریداری کا اعتراف کرین گے اور اجازت دے دین گے کہ تیار ہوتے ہی اِس ناول کا دوسرا حصہ جس کی قیمت ایک روپیہ سے زیادہ نہ ہوگی اُن کی خدمت مین وی۔ پی بھیج دیا جائے تو مین وعدہ کرتا ہون کہ جولائی تک اُسے چھاپ کے تیار کر دون گا۔ اور ندرانہ ۱۹۱۶ء کے لیے کوئی اور ناول لکھون گا۔

خاکسار
محمد عبد الحلیم شرر ایڈیٹر

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

جزیرۂ صقلیہ مین اسلام
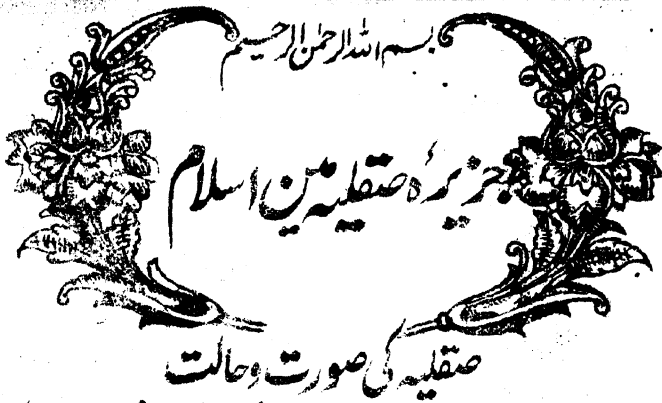
صقلیہ کی صورت و حالت

جس طرح ہندوستان کے جنوب مین اُس کے قریب ہی جزیرۂ سرندیپ نقشے مین اس خوبصورتی سے لٹکتا نظر آتا ہے کہ گویا براعظم ایشیا کے کان مین مشاطۂ قدرت نے ایک گوشوارہ ڈال دیا ہے بعینہٖ اِسی وضع و شان سے ملک اٹالیہ (اٹلی) کے جنوب مین جزیرۂ صقلیہ (سسلی) واقع ہے۔ اور نقشے مین اُس کی قطع دیکھ کے معلوم ہوتا ہے کہ ایشیا ہی کا سا ایک گوشوارہ عالم آرا سے قدرت نے یورپ کے کان بھی ڈال رکھا ہے۔ یہ جزیرہ بحیرۂ روم کے درمیان ایک مثلث کی صورت مین واقع ہے۔ اور ایسا سرسبز و شاداب اور آباد و بارونق ہے کہ معلوم ہوتا ہے بحیرۂ روم کی متحرک و متموج سطح نیلگون مین قدرت کے چابکدست سادہ کار نے زمرد کا نگینہ جڑ دیا ہے۔ اس جزیرہ کو سب سے زیادہ شہرت دنیا کے عظیم ترین کوہ آتش فشان اِطنا (اٹنا) کی وجہ سے ہے جس کی چوٹی سے ہر وقت دھوان اُٹھتا رہتا ہے۔ یہ آتشین پہاڑ صقلیہ کے مشرقی و شمالی ساحل کے قریب واقع ہے۔ اور مسافران بحر کو بیسیون میل کی مسافت سے اِس شان کے ساتھ قائم و راسخ نظر آتا ہے کہ گویا ایک سربفلک دیو کھڑا اپنے مُنہ سے آگ برسا رہا ہے۔

اس مین کبھی مسلمان بھی رہتے تھے

فی الحال اِس جزیرے کے کل رہنے والے مسیحی ہین۔ اور مسلمانون کا اس مین کہین نام و نشان بھی نہین لیکن ہمیشہ ایسا نہ تھا۔ کبھی اِس مین لاکھون مسلمان آباد تھے۔ ابن جبیر اندلسی اپنے سفرنامے مین لکھتا ہے کہ اس مین مساجد کی

اس قدر کثرت ہے کہ ہر تیر کی زد پر کوئی نہ کوئی مسجد ضرور ملتی ہے" یا تو یہان اتنے نمازی تھے کہ اُن کے لیے اتنی مسجدون کی ضرورت پیش آئی۔ یا آج یہ حالت ہی کہ کسی مسلمان کو اتنی بھی توفیق نہین ہوتی کہ جا کے دیکھے اُن خدا پرستی کے معابدین سے کوئی باقی بھی بچا یا نہین۔ اور ہے بھی تو اپنی عبرتناک زبان خاموشی سے کیا کہہ رہا ہے؟ خیر کوئی وہان جائے یا نہ جائے ہم نے یہین بیٹھے بیٹھے اُن منہدم شدہ ساجد سے جو داستان غم سُنی ہے اپنے دوستون کو سُنائے دیتے ہین۔

عبرتناک انقلاب

آج کل یہ جزیرہ دولت ایطالیہ کے قبضے مین ہے جس سلطنت کو اب سواحل افریقہ پر دست درازی کرنے کی بھی جرأت ہو گئی۔ حالانکہ جس عہد کی سرگزشت ہم اُن منہدم ساجد کے کھنڈرون سے سُن کے سناتے ہین اُس زمانے مین خود مملکت ایطالیہ مسلمانان افریقہ کی اُولوالعزمیون کی جولان گاہ تھی۔

افریقیہ مین خاندان بنی اغلب کی حکومت

اس داستان کے چھیڑنے سے پہلے تمہید کے طور پر ہمین یہ بتانے کی ضرورت ہی کہ ہرون الرشید کے زمانے سے ملک افریقہ مین خاندان بنی اغلب کی حکومت قائم ہو گئی تھی۔ اسی خاندان کی اولوالعزمیون نے سارے بحیرۂ روم مین مسلمانون کی سطوت قائم کی۔ صقلیہ اور بعض جنوبی صوبجات روم عربون کے تصرف مین آ گئے بنی اغلب کی حکومت قائم ہونے کا سبب یہ ہوا کہ ہرون الرشید نے ۱۷۹ھ مطابق ۷۹۵ء محمدی مین افریقہ کے ہنگامون کے رفع کرنے کے لیے اپنے معتمد علیہ سردار ہرثمہ بن اعین کو والی افریقہ مقرر کر کے بغداد سے بھیجا تھا۔ اُسے اُس سرزمین کے فتنے جویون نے ایسا پریشان کیا کہ دو ہی سال کے بعد اُس نے حکومت افریقہ سے استعفا دیدیا۔ اور اپنی مرضی کے مطابق بغداد مین واپس بُلا لیا گیا۔

ابراہیم بن اغلب تمیمی

لیکن اُس کے قیام افریقہ و مغرب کے زمانے مین عرب کے قبیلۂ بنی تمیم کا

ایک شخص ابراہیم بن اغلب شہر زاب مین رہتا تھا۔ اُس نے ہرثمہ تک رسائی پیدا کی۔ طرح طرح کے ہدیے اور تحفے بھیج بھیج کے اُسے راضی کیا۔ خوشامد درآمد سے اُس کے دل مین جگہ پیدا کی۔ اور اُس پر اپنا ایسا اثر ڈال دیا کہ اُس نے اُسے علاقہ زاب کے ایک حصے کا والی یا کلکٹر مقرر کر دیا۔ اور یہی کلکٹری خاندان بنی الاغلب کی حکومت کا سنگ بنیاد تھی۔

ہرثمہ کی واپسی پر ۱۸۱ھ مطابق ۷۹۶ء محمدی مین رشید نے اپنے رضاعی بھائی محمد بن مقاتل بن حکم کو افریقہ کا گورنر جنرل بنا کے بھیجا۔ اُس شخص نے کچھ ایسی روش اختیار کی کہ سارے ملک کی رعایا اُس سے سخت ناراض ہو گئی بہت سے لوگون نے مل کے مخلد بن مُرۃ ازدی کو اپنا سرغنا بنا لیا۔ اور ابن مقاتل کے مقابلے کے لیے اُسکے جھنڈے کے نیچے ایک خلقت عظیم جمع ہو گئی۔ لیکن جب مقابلہ ہوا تو بازاری شورش پسند بھاگ کھڑے ہوے۔ مخلد نے ایک مسجد مین جا کے پناہ لی۔ مگر ابن مقاتل نے بغیر اس کے کہ حُرمت مسجد کا پاس کرے اُسے کھینچ کے خانۂ خدا سے نکالا۔ اور کمال قسی القلبی سے ذبح کر ڈالا۔

یہ واقعہ مشہور ہوا تو پھر ہر طرف شورش مچ گئی۔ تمام بن تمیم تمیمی جو افریقہ مین بہت اثر رکھتا تھا مخلد کا انتقام لینے کے لیے اُٹھ کھڑا ہوا۔ اور جوش و خروش سے آ کے ۱۸۳ھ مطابق ۷۹۸ء محمدی مین ابن مقاتل کو ایسی فاش شکست دی کہ وہ قیروان دارالامارت افریقہ سے بھاگ کے طرابلس مین پناہ گزین ہوا۔ اِس موقع پر ابراہیم بن اغلب نے جو تمام بن تمیم کا ہم جد تھا اپنے علاقہ زاب مین لشکر جمع کیا۔ اور قیروان کی طرف چلا۔ گویا تمام کے مقابلے اور محمد ابن مقاتل کی طرفداری کو آیا تھا۔ تمام فقط ابن مقاتل کی حرکتون سے نالان تھا۔ ابراہیم سے لڑنا اُس نے پسند نہ کیا۔ ایک طرف سے ابراہیم قیروان مین داخل ہوا۔ اور دوسری طرف سے تمام مع اپنے لشکروالون کے نکل کے چلا گیا۔ ابراہیم نے بے لڑے فتح حاصل کر کے محمد ابن مقاتل کو بلایا کہ قیروان مین آ کے پھر عنان حکومت ہاتھ مین لیجیے۔ چنانچہ ابن مقاتل پھر قیروان مین پہونچ گیا۔

ابن مقاتل کا آنا تھا کہ پھر شورش مچ گئی۔ اور تمام بن تمیم پھر لشکر

جمع کر کے قیروان پر چڑھ آیا۔ یہ دیکھ کے ابراہیم نے ابن مقاتل سے کہا "آپ شہر کے اندر ہی رہین اس لیے کہ رعایا اور فوج دونون آپ سے ناراض ہین۔ مین اپنی فوج کے ساتھ اکیلا جا کے مقابلہ کرتا ہون" یون اُس نے تنہا جا کے تمام سے مقابلہ کیا۔ اُسے شکست دی۔ اور تمام نے بھاگ کے تونس مین جان بچائی تو بڑھ کے تونس کا بھی محاصرہ کر لیا۔ آخر تمام نے عاجز آ کے پناہ مانگی۔ اور ابراہیم بن اغلب نے اُسے پناہ دی۔

لیکن اب معززین و اکابر افریقہ نے ابراہیم سے کہا "ابن مقاتل کی حکومت ناقابل برداشت ہے آپ یہان کے حالات دربار خلافت مین لکھ بھیجین۔ اور درخواست کرین کہ اس ملک کی حکومت آپ ہی کے ہاتھ مین دیدی جائے۔ ابراہیم اُس وقت تک ابن مقاتل کا دوست اور حامی تھا۔ لیکن خود اپنے نفع کا پہلو نظر آیا تو یہان کے کل حالات رشید کی خدمت مین لکھ بھیجے۔ اور اس کے ساتھ خلافت کے فائدے کا بھی ایک پہلو دکھایا۔ اُس وقت تک معمول تھا کہ افریقہ کا نظم و نسق درست رکھنے کے لیے ایک لاکھ دینار کی معتدبہ رقم خراج مصر مین سے افریقہ کے والی کو دیجاتی تاکہ وہان کی اصلاح اور روک تھام مین صرف کیا کرے۔ ابراہیم بن اغلب نے لکھا کہ مین بجائے ایک لاکھ کے چالیس ہزار دینار دون ہی سے کام چلا لون گا۔

یہ درخواست رشید کے سامنے پیش ہوئی تو اُس نے ذی راے حاضرین دربار سے مشورہ کیا جن مین سب سے زیادہ ذی وقعت ہرثمہ بن اعین تھا جس کا ابراہیم بن اغلب خاص ساختہ و پرداختہ تھا۔ اُس نے ابراہیم کی بیحد تعریف کی۔ اور دعوے کے ساتھ کہا کہ "وہ اپنے تدبر اور اپنی سیاسی قابلیت سے افریقہ کو خوب سنبھال لے گا۔ اور اس کام کے لیے اُس سے بہتر عہدہ دار نہین ملسکتا" اسی مشورے کے مطابق ۱۸۴ھ مطابق ۸۰۰ء؁ مین رشید نے ابراہیم بن اغلب کو پورے افریقہ کا گورنر جنرل مقرر کیا۔ اور اُس نامور خاندان بنی الاغلب کی بنیاد پڑ گئی جس نے افریقہ مین بڑے بڑے کارنامے دکھائے۔ اور ایک مدت دراز تک باسے تمام والی اور دراصل صاحب

تاج و دیہیم اور طبل ، دنگین تھا۔

ابراہیم نے ملک کا خوب انتظام کیا۔ تمام سرکش قبائل کو دبا کے ایک متمدن و باقاعدہ حکومت قائم کی۔ اور بارہ برس فرمان فرمائی کر کے ۱۹۶ھ مطابق ۸۱۲ محمدی مین رخصت ہو گیا۔

عبد اللہ بن ابراہیم بن اغلب

ابراہیم بن اغلب نے مرتے وقت اپنے بیٹے ابو العباس عبد اللہ کو اپنا جانشین بنایا۔ اور خلافت بغداد نے اِس مین کوئی اختلاف نہین کیا۔ عبد اللہ نے اپنی پنجسالہ امارت مین جو کچھ کیا یہ تھا کہ رعایا پر ٹکس بڑھایا۔ جس سے سب لوگ نالان ہوئے۔ بہت سے علما و اتقیا اُس کے دربار مین آئے اور پند و نصائح کے ذریعے سے درخواست کی کہ رعایا پر ایسا جور مناسب نہین ہے۔ مگر اُس نے ایک نہ سُنی اور اِس مقدس و محترم گروہ کی طرف سے سخت بے پروائی کی۔ یہ خدا کے مقبول بندے اُس کے دربار سے ناکام گئے تو مسجد مین بیٹھ کے دعا کرنے لگے کہ خدا وندا رعایا کو اِس جور سے بچا۔ یہ دعا تیر بہدف ہوئی۔ اور پانچ ہی دن گزرنے پائے تھے کہ ایک زہریلے پھوڑے نے ۲۰۱ھ مطابق ۸۱۷ محمدی ابو العباس کی زندگی کا چراغ گل کر دیا۔

زیادۃ اللہ بن ابراہیم بن اغلب

عبد اللہ بن ابراہیم کے بعد اُس کا بھائی زیادۃ اللہ جانشین ہوا۔ اور اُس کی امارت بھی دار الخلافت بغداد مین تسلیم کر لی گئی۔

یہ زیادۃ اللہ بڑا اولوالعزم حاکم تھا۔ اُس نے جہازون کا بیڑا تیار کیا۔ اور بحیرۂ روم کے جزائر پر جا کے حملے کرنا شروع کیے۔ اور بحری تاخت و تاراج کا سلسلہ جاری کر دیا۔ چنانچہ سب سے پہلے ۲۰۵ھ مطابق ۸۲۰ محمدی مین اُس کے چند جہازون نے جا کے جزیرہ سردانیہ (سارڈینیہ) پر حملہ کیا۔ اس کے ساحلی شہرون کو لوٹا مارا متعدد مقابلے کیے۔ اور آخر مین شکست کھائی لیکن اس پر بھی جہاز

بہت سی دولت اور لونڈی اور غلاموں سے لدے پھندے واپس آ گئے۔

ان دونوں ناموراور صاحب علم عباسی خلیفہ مامون رشید کا زمانہ تھا۔ اور افریقہ مین اُس کی طرف سے نیابۃً زیادۃ اللہ حکومت کر رہا تھا۔ اگرچہ افریقہ کی اندرونی شورش سے اُسے بیرونی ممالک کی طرف نظر اُٹھا کے دیکھنے کی کئی سال تک نوبت نہین آئی۔ مگر وہ اپنے بیڑے کی ترقی و اصلاح اور بحری تیاریون سے غافل نہ تھا۔

اُس زمانے مین صقلیہ کی پولٹکل حالت

اتفاقاً اسی زمانے مین ایک ایسا واقعہ پیش آیا کہ اُسے خواہ مخواہ جزیرۂ صقلیہ کی طرف توجہ کرنے کی ضرورت پیش آئی۔ جزیرۂ صقلیہ اُس عہد مین مشرقی دولت روم یعنی شہنشاہ قسطنطنیہ کے ماتحت تھا۔ اور اطالیہ مین مشرق و مغرب کے ساحلی شہرون پر جداگانہ سلطنتین قائم تھین۔ سنہ ۲۱۱ھ مطابق ۸۲۶ء محمدی مین شہنشاہ قسطنطنیہ نے اپنے ایک معزز سردار قسطنطین کو جزیرۂ صقلیہ کا حاکم بنا کے بھیجا۔ یہ والی جب اُس جزیرے مین پہونچا تو اُس نے سپہ سالار فوج فیمی نام ایک رومی نژاد شخص کو مقرر کیا۔ فیمی ہوشیار اور بہادر شخص تھا۔ چنانچہ اُس نے جہازون پر سوار ہو کے سواحل افریقہ پر حملہ کر دیا۔ وہ ایک شہر والون کو لوٹ مار کے اپنے تصرف مین کر لیا۔ اور اپنی سطوت بٹھانے کے لیے مدت تک وہین ٹھہرا رہا۔

اتفاقاً کسی نے شہنشاہ قسطنطنیہ کے دربار مین فیمی کو فوراً پکڑ کے سزا دو۔ اس حکم کی اطلاع افریقہ مین فیمی کو پہونچی تو اُس نے ہمراہیون سے شکایت کی کہ "خیرخواہی و جانفشانی کا مجھے انعام ملا ہے" فوج والون نے جو ساتھ تھے اس پر مشتعل ہو کے اُسے مشورہ دیا کہ آپ اس کی کچھ پروا نہ کیجیے۔ اور سلطنت کے خلاف ہو جائیے۔ ہم آخر تک آپ کی رفاقت کرنے کو تیار ہین۔ یہی تجویز اُس نے پسند کی۔ اور جوش و خروش سے صقلیہ مین واپس جا کے وہان کے شہر سرقوسہ پر قبضہ کر لیا۔ قسطنطین نے یہ حال سنا تو اُس کے مقابلے کو چلا۔ دونون مین

سخت خونریز لڑائی ہوئی جس میں قسطنطین شکست کھا کے بھاگا۔ اور شہر قطانیہ میں پناہ گزین ہوا۔ فیمی پیچھا کرتا ہوا وہاں بھی اُس کے سر پہ آپہونچا۔ آخر حاکم صقلیہ قسطنطین پکڑا گیا۔ فوجی قیدیوں کی طرح ذلت سے فیمی کے سامنے لایا گیا۔ اور اُس کے حکم سے قتل ہوا۔

اس وقت سے صقلیہ میں فیمی کی حکومت تھی۔ لوگ اُسے اپنا مستقل بادشاہ کہتے تھے۔ اور وہ خوش تدبیری د قوت سے حکومت کر رہا تھا۔ اب فیمی نے صقلیہ کے ایک علاقے کا حاکم بلاطہ نام ایک شخص کو مقرر کیا۔ یہ محسن کُش حاکم اپنے علاقے پر تصرف حاصل کرتے ہی فیمی کے خلاف ہو گیا۔ اُدھر صقلیہ کے شہر بلرم (پلیرمو) کا حاکم بلاطہ کا بھائی میخائیل تھا۔ اُس نے بھی بھائی سے رفاقت کی۔ اور دونوں بھائیوں کی فوجیں جمع ہو کے فیمی کے مقابل صف آرا ہوئیں۔ فیمی بہادری سے لڑا۔ مگر اب کی اقبال نے اُس کا ساتھ چھوڑ دیا تھا۔ شکست کھائی۔ بھاگا۔ اور بلاطہ اُس کے مقبوضہ شہر سرقوسہ پہ متصرف ہو گیا۔

مسلمانوں کے حملہ کا محرک

فیمی کو جب جزیرۂ صقلیہ کے اندر فلاح کی کوئی صورت نہ نظر آئی تو مع اپنے رفقا کے جہازوں پہ سوار ہو کے لنگر اُٹھا دیا۔ اور افریقیہ کی راہ لی۔ افریقیہ کے ساحل پہ قدم رکھتے ہی وہ سیدھا وہاں کے فرمانروا زیادۃ اللہ کے دربار میں پہونچا۔ اُس سے پناہ مانگی۔ گذشتہ واقعات پہ معافی طلب کی۔ اور وعدہ کیا کہ اگر آپ میری مدد کریں اور اپنی بہادر فوج میرے ہمراہ کریں تو میں جزیرۂ صقلیہ پہ آپ کا قبضہ کرا دوں گا۔

فتوحات اسلام

زیادۃ اللہ خود ہی کسی ایسی مہم کی تیاریاں کر رہا تھا۔ فیمی کی کل درخواستیں فوراً قبول کر لیں۔ ایک زبردست لشکر اور اپنا بیڑا اُس کے ہمراہ کیا۔ اس خطرناک مہم کے لیے زیادۃ اللہ نے سپہ سالار یا امیر البحر قیروان کے قاضی اسد بن فرات کو منتخب کیا جو امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے ارشد تلامذہ میں تھے۔ کتاب اسدیہ

کے مصنف تھے۔ اور سنہ ۲۰۴ھ مطابق سنہ ۸۱۹ء محمدی مین قیروان کے قاضی مقرر ہوئے تھے۔ غرض یہ پہلی مہم سنہ ۲۱۲ھ مطابق سنہ ۸۲۷ء محمدی مین ساحل افریقہ سے لنگر اُٹھا کے جزیرۂ صقلیہ مین پہونچی۔ یہ لوگ ساحلی شہر مازر مین جہازون سے اُترے۔ اور فوراً بلاطہ کے مقابلے پر چل کھڑے ہوے۔

بلاطہ کی مدد کو رومیون کا ایک زبردست لشکر قسطنطنیہ سے پہونچ گیا تھا۔ فیمی اُس کا حال سن کے گھبرایا۔ قاضی اسد نے اُس کی یہ حالت دیکھی تو کہا تم اپنے لشکر کے ساتھ الگ ٹھہر جاؤ۔ اور ہمین تنہا حق جہاد ادا کرنے دو۔ چنانچہ فیمی اور اُس کے رُفقا الگ رہے۔ اور قاضی صاحب نے بڑھ کے بلاطہ اور رومی لشکر سے مقابلہ کیا۔ بڑی سخت اور خونریز لڑائی ہوئی۔ آخر رومیون کو شکست ہوئی۔ خیمۂ و خرگاہ چھوڑ کے بھاگے۔ اور مجاہدین افریقہ نے اُن کے مال و اسباب کو خوب جی کھول کے لوٹا۔

بلاطہ اِس میدان سے بھاگ کے شہر قلوریہ مین پہونچا۔ مگر قضا کے پنجے سے بچ کے کہان جا سکتا تھا؟ مسلمانون کے ہاتھ مین اسیر ہو کے مارا گیا۔ اور قاضی اسد اپنی شیرانہ شجاعت دکھا کے صقلیہ کے بہت سے قلعون پر قابض و متصرف ہو گئے۔ اب قاضی صاحب کراث نام ایک قلعے کے قریب تھے کہ دارالسلطنت سرقوسہ مین جو قریب تھا جا میان وطن کا ایک بے شمار گروہ جمع تھا۔ اور سب حمایت وطن مین جانین دینے کو تیار تھے۔ فیمی مع اپنی فوج کے بہ ظاہر تو لشکر اسلام کے ہمرکاب تھا۔ لیکن اُس کا دل مسیحی اہل صقلیہ ہی کی طرف تھا۔ اُس نے اہل صقلیہ کی ایک جماعت کثیر کو جو مجتمع دیکھا تو اُن سے سازش کا ارادہ کیا۔ اور اپنے ہم مذہبون کے پاس چپکے سے کہلا بھیجا "اپنے شہر کو مسلمانون کے ہاتھ سے بچاؤ۔ اور میدان مین شجاعت و پامردی دکھاؤ"۔ فیمی مسلمانون کے لشکر کو دراصل اپنی مدد اور کمک کے لیے لایا تھا۔ یہ ہرگز نہ چاہتا تھا کہ اُس جزیرے پر مسلمانون کا قبضہ ہو جائے۔ حاکم افریقہ کو فقط لالچ دلانے کے لیے ملک پر قبضہ کرا دینے کا جھوٹا وعدہ کر لیا تھا۔

فلسفۂ کائنات

آج ہم اپنے معظم و محترم دوست مولوی محمد ابوالحسن صاحب صدیقی کا یہ گران بہا مضمون شائع کرتے ہین۔ مولانا سر سید مرحوم کی محفل کی یادگار ہین اور اُس انکی صحبت والون مین سے اکیلے ہی رہ گئے ہین۔ آپ علیگڈھ مین مدرس رہے۔ اور نامور طلبۂ دور اولین علیگڈھ کالج مین سے اکثر آپ کے شاگرد ہین۔ اُس کے بعد مدتون آپ حیدرآباد مین معزز عہدون پر ممتاز رہے۔ اور اب بداؤن مین خانہ نشین اور وظیفہ خوار سرکار نظام ہین۔

بر آن عزمم اگر خود می رود سر
کہ سرپوش از طبق بردارم امشب

ھُو کا عالم تھا۔ زمانہ لا متناہی مین نقطۂ موہوم ہستی کا ہیولی موجود تھا۔ کائنات ایک معجون مرکب تھی۔ عدم و وجود۔ روح و مادہ۔ عناصر و اقانیم۔ نور و ظلمت۔ خیر و شر۔ رنج و راحت۔ اوصاف حسنہ و ذمیمہ۔ غرض سب چیزین باہم ملی ہوئی فضاے بسیط مین پھیلی ہوئی تھین کہ مشیت ازلی کو جلوہ آرائی منظور ہوئی۔

در ازل پرتو حسنت ز تجلی دم زد
عشق پیدا شد و آتش بہمہ عالم زد

صداے کُن نے ایک سرے سے دوسرے سرے تک گونج کر مردہ قالبون مین حرکت و حرارت پیدا کر دی۔ کائنات کے ہر جز کو میلان الی المرکز پیدا ہوا۔ کرورون بلکہ پدمون اور سنکھون برس کے مسلسل عمل کے بعد مادہ و عناصر و روحانیات کے علٰحدہ کُرے قائم ہوئے۔ ہر کُرے کو اجزاے کائنات کا موزون حصہ دیا گیا۔ قوت تجاذب تقسیم ہوئی۔ جس نے اُن کے شیرازہ کو پراگندہ نہ ہونے دیا۔ محوری حرکت نے اُن مین کُروی شکل پیدا کر دی۔ کشش باہمی کی طنابون نے اُن کو آوارہ گردی سے بچایا۔ اور کل نظامون کو مقامات معین پر قائم کیا جو اب ثوابت و شموس کہلاتے ہین۔ پھر اُن کی اندرونی حرارت نے کسی نامعلوم قوت یا تحریک کی وجہ سے اُن کے اجزاے عظیم

کو اُن سے دور پہونچا دیا جس طرح کہ توپ سے گولہ نکلکر جاتا ہے۔ لیکن اُسی علاقہ کشش نے اُس جسم کو ایک حد معین سے باہر جانے سے روک دیا۔ پھر وہ جزو اپنے کُل کے گرد گھومنے لگا جس طرح کہ کوئی شخص ایک ڈورے مین گیند باندھکر اپنے گرد گھمائے۔ اگر وہ ڈورا ٹوٹ جائے تو وہ گیند خط مستقیم مین چلا جائے۔ اس طرح پر ثوابت سے سیارے اور سیارون سے اقمار اسی عمل کی وجہ سے پیدا ہوئے اور اُن کے گرد گھومنے لگے۔ ان کامون مین اس قدر زمانہ لگا جس کا اندازہ حیطۂ شمار سے باہر ہے۔ اور اُس کا علم بجز خالق کائنات کے اور کسی کو نہین ہو سکتا۔

ساقیا جام مئیم دہ کہ نگارندۂ غیب　　نیست معلوم کہ در پردۂ اسرار چہ کرد
آنکہ بر نقش زد این دائرۂ مینائی　　کس ندانست کہ در گردش پرگار چہ کرد

اگرچہ ہر نظام کو روحانیت کا حصہ بھی بقدر ضرورت ملا مگر اُسی میلان مرکزیت کے اثر سے گویا سرچشمۂ روحانیت بھی علحدہ قائم ہوتا رہا ہے جس کا مقام کوئی نہین بتا سکتا کہ کہان ہے۔ ممکن ہے کہ تمام کائنات کا خلاف نیکر سب کو فیض پہونچا رہا ہو جس طرح کہ ایک مرغی اپنے سینے کی گرمی سے انڈون مین جان ڈالنے کی باعث ہوتی ہے۔

غرض کہ کارخانۂ قدرت کی مشینری ابتک اپنے کام مین بدستور مشغول ہے۔ مرکزی میلان بتدریج ترقی کر رہا ہے۔ انسانی زبان اُس کی صراحت کرنے سے اور اور انسانی دماغ ایسے عظیم الشان کامون کے سمجھنے سے قاصر ہے۔ کیونکہ انسانی دماغ محدود ہے۔ غیر محدود اشیاء کا تخیل بھی اُس مین نہین سما سکتا۔ اسی اُلجھن کی وجہ سے عارف شیراز چلا اُٹھا کہ

حدیث از مطرب و مے گو و راز دہر کمتر جو
کہ کس نکشود و نکشاید بحکمت این معمارا

اِن انقلابون کے بعد ایک زمانہ آیا جب کہ مادے اور عناصر مین روح کا قوام دیکر نباتات اور حیوانات پیدا کیے گئے۔ ماہران علم طبیعیات کا خیال ہو کہ جمادات سے نباتات اور نباتات سے حیوانات بتدریج ارتقا کی منزلین

طے کر کے پیدا ہوئے بالآخر مشیت ازلی نے ایک عجیب نیرنگ دکھایا۔ حضرت انسان وجود مین آئے جن کو سرچشمۂ روحانیت سے ایک بڑا حصہ ملا۔ بعض لوگون کا خیال ہے کہ ہستی مطلق کو اپنی جھلک دکھانے کے لیے یہی آئینہ پسند آیا:۔

نظرے کرد کہ بیند بجہان صورت خویش
خیمہ در آب و گل مزرعۂ آدم زد

حضرت انسان نے ابتدائی مصیبتون اور آفتون پر اپنی عقل کی مدد سے غالب اگر عالم مین ایک تہلکہ ڈالدیا جو اُس سے پہلے نہ تھا:۔

عالم از شور و شر عشق خبر ہیچ نداشت
فتنہ انگیز جہان نرگس جادوے تو بود

علم و عقل مین ترقی کی۔ تہذیب و شائستگی مین قدم بڑھایا۔ اور موجودہ درجے تک پہونچے۔ معلوم نہین کہ آئندہ کہان جاکر قرار پکڑین گے۔ کتب مقدسہ مین لکھا ہے کہ خدا تعالی نے انسان کو اپنی شکل پر پیدا کیا۔ اور آیات قرآنی فطرۃ اللہ التی فطر الناس علیہا اور اِنَّا خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِیْ اَحْسَنِ تَقْوِیْم کا اشارہ بھی اسی طرف ہے۔ آیۂ اول الذکر مین انسان فطرۃ اللہ کا نمونہ بیان کیا گیا ہے۔ اور یہ امر مسلم ہے کہ وہ مجموعۂ ذمائم و اوصاف بلکہ جامع اضداد ہے تو یہ سب چیزین فطرۃ اللہ مین داخل ہونی لازم ہین جس کی تفصیل آگے آئے گی (جس قدر خوبیون اور نعمتون کا حصہ قسام ازل نے انسان کو دیا ہے اُسی قدر برائیان بھی دی ہین اور اگر موازنہ کیا جائے تو بمقابلہ اور مخلوق کے حضرت انسان اس تقسیم مین کچھ نفع مین نہین رہے۔ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَفِیْ خُسْرٍ اس پر شاہد ہے یہی کمی ہے جس کو محسوس کر کے حکیم سقراط کو حسرتناک لہجے مین کہنا پڑا کہ "سقراط کی زندگی سے تو ایک سُور کی زندگی بہتر ہے کیونکہ آخرا کہ عقل بیش غم روزگار بیش" کا معاملہ ہے۔ عارف شیراز نے بہت ٹھیک فرمایا ہے۔

دیگران قرعۂ قسمت ہمہ بر عیش زدند
دل غمدیدہ ما بود کہ ہم بر غم زد

میلان مرکزیت کا یہ دور معلوم نہین کب ختم ہوگا۔ اُس کے اختتام

ہر جب سب اجزا اپنے اپنے مرکز و ن پر جمع ہو جائین گے اور جب روحانیت تمام عالم سے کھنچکر اپنے اصلی سرچشمے یا کرسے مین جذب ہو جائے گی مادہ بیجان رہ جائے گا۔ اُس وقت سرچشمۂ روحانیت سے لِمَنِ الْمُلْكُ الْيَوْمَ کی آواز گونجے گی۔ اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ کے جواب مین قَالُوْا بَلٰی کہا جائے گا۔ کارکنان قضا و قدر کو حکم ہو گا کہ اِس بساط کو اُلٹ دو اور اجزائے منتشرہ کو یکجا کر کے پہلی حالت قائم کر دو۔ حکم کی تعمیل ہو گی۔ مختلف اجزا کی آمیزش پھر شروع ہو گی۔ تَنَافُرُ عَنِ الْمَرْكَزْ کا عمل جاری ہو گا۔ اور روہی معجون مرکب پھر فضائے کائنات کو بھر دے گا۔ ایسے ہر دور کو سنکھون سال کا زمانہ درکار ہے۔ کوئی نہین کہہ سکتا کہ کتنے دور ہو چکے ہین اور کتنے اور ہون گے۔ یہان انسانی عقل کام نہین دے سکتی۔

ماجرائے من و معشوق مرا پایان نیست
ہر چہ آغاز ندارد نہ پذیرد انجام

اس قدر ثابت ہوتا ہے کہ کائنات مین صرف ایک ہی ذات کا جلوہ و ظہور ہے جس مین دوئی کی گنجایش نہین بلکہ دوئی کا خیال بمنزلۂ شرک کے ہے۔ زور ہویا آدہ سب ایک ہی جسم کے اجزا ہین۔ کسی کو جداگانہ قدامت نہین ہے کوئی چیز غیر واجب الوجود قدیم ہو نہین سکتی۔ همه اوست کا مضمون صاف ہے۔ اگر ایک ہی سرچشمے سے یہ مختلف دریا نہین نکلے ہین تو آئے کہان سے؟ بصورت دیگر پھر وہی یزدان و اہرمن کی تفریق قائم ہو گی اور ثنویت لازم آئے گی جو بمنزلۂ شرک کے ہے۔ عارف شیراز نے نہایت درست فرمایا ہے۔

ندیم مطرب و ساقی ہمہ اوست
خیال آب و گل در رہ بہانہ

توحید تام کا یہ خیال جدید نہین ہے۔ اکثر صوفیائے کرام اِس کے قائل رہے ہین اور رمز و کنایہ مین بیان ہوتا رہا ہے منصور بیچارہ نے اسی خیال کی بدولت جان گنوائی۔ علمائے ظاہر مین اُس کا مطلب نہ سمجھ سکے۔

بر آستانۂ میخانہ گر سرے بینی
مزن بپائے کہ معلوم نیست نیت او

ہندوستان کے ایک قدیم صوفی شاعر نے اسی خیال کا اظہار اس طرح پر کیا ہے:-

کافران سجدہ کہ بر روے بتان می کردند
ہمہ ز سوے تو بود و ہمہ سو روے تو بود

اس عقیدے کے لوگون کے نزدیک جملہ مظاہر کائنات ہستی مطلق کی مختلف شانین ظاہر کرتے ہین گو متضاد اصطلاحون سے اُن کی تعبیر کیجاتی ہے خیر و شر کفر و اسلام۔ بت و برہمن عاشق معشوق ایک ہی سلسلۂ نسب مین وابستہ ہین:-

در حقیقت نسب عاشق و معشوق یکیست — بو الفضولان صنم و برہمنے ساختہ اند
یک چراغ است درین خانہ کہ از پرتو آن — ہر کسے می نگری انجمنے ساختہ اند

مشکل یہ ہے کہ ان نکات و اسرار کے سمجھنے والے دنیا مین بہت کم ہین اس لیے زبان بند رکھنی ہی قرین مصلحت ہے:-

آن کس است اہل بشارت کہ اشارت داند
نکتہا ہست بسے محرم اسرار کجاست

محمد ابو الحسن صدیقی بدایونی

حسن کی کرشمہ سازیان

عاتکہ بنت معاویہؓ بن ابی سفیان

جناب معاویہ صحابیون مین ہین اور جب حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ نے اُن کے ہاتھ پر بیعت کر لی۔ اور خلافت اسلامیہ کو اُن کے سپرد کر کے مدینۂ طیبہ مین عزلت گزین ہو گئے تو معویہ ساری دنیاے اسلام کے حاکم و فرمان روا بن گئے۔ اور پہلے فرمان رواے اسلام ہین جنھون نے عرب کی سادی خلافت و حکومت مین قیصری و خسروی سلطنتون کی شان اور آن بان پیدا کی۔ مگر باوجود اس سطوت و جبروت کے اُن مین اس قدر غیر معمولی درجے کی برداشت اور

بُردباری تھی کہ اُن کا حِلم سارے عرب مین مشہور اور ضرب المثل ہو گیا تھا۔ اُسی حلم کا ایک نمونہ اِن واقعات سے بھی ظاہر ہوتا ہے۔

عاتکہ مذکورہ اُن کی صاحبزادی تھین جو حسن و جمال مین اعجوبہ روزگار تھین۔ اور علم و ادب مین تمام معاصر بی بیون مین ممتاز۔ اُنھین نغمے کا بھی شوق تھا جس کی اُنھون نے تعلیم پائی تھی۔ اور بعض اُن کی ایجاد کی ہوئی دُھنین مدتون عرب کی محفلہاے طرب مین گائی جاتی رہین۔ اُن کی قدردانی کی وجہ سے ہر سال معمول تھا کہ مکے اور مدینے کی گانے والیان دمشق مین آکے اُن سے ملتین۔ اپنا گانا سُناتین۔ اور بہت کچھ انعام و اکرام سے بہرہ یاب ہو کے واپس جاتین۔ اسی قدر نہین عاتکہ رخصت کرتے وقت اُن کو تاکید کر دیا کرتین کہ دیکھو ہمین بھول نہ جانا۔ پھر آنا۔

ایک سال ایسا اتفاق ہوا کہ حجاز کی کوئی مغنیہ نہین آئی۔ آخر اُنھون نے اپنے والد سے سفر حج کی اجازت مانگی۔ جناب معویہ نے اجازت دیدی۔ اور عاتکہ ایسے شاہانہ شان و شکوہ کے ساتھ ملک شام سے ارض مقدس حجاز کی طرف روانہ ہوئین کہ اِس سے پیشتر کسی نے ایسی الوالعزمی سے سفر نہین کیا تھا۔ اُن کا جلوس بذات خود ایک قافلہ بن گیا تھا جس مین اعلیٰ درجے کی تیزرو اور سبک خرام سانڈنیون پر پرتکلف محملین تھین۔ جن پر منقش اور خوش رنگ نفیس پردے پڑے ہوے تھے۔ اور عاتکہ شاہزادیون کی وضع سے اپنی لونڈیون اور سہیلیون کے ساتھ بادیۂ عرب کو پھر ایک بار ملکہ سبا بلقیس کا سفر یاد دلا رہی تھین۔ مکۂ معظمہ مین پہونچ کے وہ مقام ذی طویٰ مین اُترین اُسی جگہ ایک دن دوپہر کو جبکہ دھوپ شدت پر تھی۔ اور گرمی سے سب پریشان تھے عاتکہ نے اپنی کنیزون کو حکم دیا کہ محمل کے پردے اُٹھا دین۔ ناگہان وہب جمحی کا اُدھر سے گزر ہوا۔ جو ابی دہبل کے لقب سے مشہور تھا۔ اور اُس زمانے کا مشہور و معروف اور مقبول و پسندیدہ شاعر قریش تھا۔ خوش فکر ہونے کے علاوہ وہ خوش جمال اور نوعمر بھی تھا۔ یکایک عاتکہ کے رُخ زیبا پر جو نظر جا پڑی تو دیکھتے ہی دل ہاتھ سے کھو بیٹھا۔ اُسی جگہ

ٹھہر گیا۔ دل مین آتش شوق شعلہ زن ہوئی۔ بار بار نظر اُٹھا کے عاتکہ کی صورت کو کن آنکھون سے دیکھتا اور پھر نظر نیچی کر لیتا۔ عاتکہ سمجھ گئین۔ لونڈیون کو حکم دیا کہ محمل کے پردے چھوڑ دو۔ ساتھ ہی اِس بے باکی پر آبو دہبل کو برا بھلا کہا۔ اور سخت لعنت ملامت کی۔

نوجوان شاعر نے گھر واپس آ کے پانچ پُرسوز و گداز شعر کہے۔ جن مین اُس وقت کی حالت اور اُس منظر کی تصویر شاعرانہ نازک خیالی کے ساتھ دکھائی اور ظاہر کیا کہ "کیسی عالی مرتبہ اور صاحب جاہ رنگین محبوبہ نے میرا دل چھین لیا ہے" وہ شعر عام لوگون کو اس قدر پسند آئے کہ سارے مکے مین اور اُس کے بعد کل قبائل عرب مین ایک ایک کی زبان پر جاری ہو گئے۔ مغنیون اور مغنیہ عورتون نے اُن کو دلکش دُھنون مین گانا شروع کیا۔ یہان تک کہ خود عاتکہ نے ابھی مکے ہی مین تھین کہ اُن اشعار کو بعض گانے والیون کے گلے سے سُنا۔ بہت ہی پسند کیا۔ بے انتہا داد سخن دی۔ خوش ہو ہو کے بار بار اُن کو گوایا۔ اور نوبت یہان تک پہونچی کہ اُنھین اشعار کی قدردانی کے بہانے عاتکہ نے آبو دہبل سے مراسلت کی۔ اور اُسے بہت کچھ انعام و اکرام اور قیمتی ہدیون سے سرفراز کیا۔

اس مراسلت اور موافقت نے دونون مین محبت و الفت پیدا کر دی اور عاتکہ بار بار آبو دہبل کے پاس تحفے اور ہدیے بھیجتین اور لطف و کرم سے پیش آتین۔ نتیجہ یہ ہوا کہ عاتکہ جب حج سے فارغ ہو کے دمشق مین واپس گئین تو آبو دہبل بھی گرد کاروان بن کے وارد شام ہوا۔ مکہ مین تو بارہا اُس کو عاتکہ کی قدردانی و نوازش سے باریاب ہونے اور آنکھین سینکنے کا موقع ملتا رہا تھا مگر دمشق مین جہان عاتکہ کے باپ بھائی موجود تھے۔ اور ایک عالم پر حکومت کر رہے تھے یہ کیونکر ممکن تھا کہ عرب کا ایک غریب الوطن شاعر ایک عالی مرتبہ شاہزادی کے قصر کے پاس بھی پھٹک سکے۔ آبو دہبل کو دیدار جانان سے یاس ہوئی تو بیمار پڑ گیا۔ اور مرض نے طول کھینچا۔ اب اظہار شوق اور اپنی نازک حالت عیان کرنے کی غرض سے اُس نے ایک اور نظم کہی جس مین اپنی اور عاتکہ کی

حالت ظاہر کی ہے۔ عاتکہ کے حسن و جمال اس کی عالی خاندانی اور اُس کی خوبیون کو بڑے جوش کے لہجے مین ادا کیا ہے۔ اپنے دیدۂ بیدار کی شکایت مین کہا ہر "نہین معلوم میری نیند عشق سے اُڑ گئی یا خدا نے میری پلکین ہی چھوٹی بنائی ہین" یعنی اُن کے چھوٹے ہونے سے آنکھین بند نہین ہوتین۔ درمیان مین یہ بھی کہا کہ مین سبز خیمے مین اُس سے ملا جیسے خیالات و واقعات منظوم کرنا عشق مشرب شعراے عرب کا معمول تھا۔

یہ اشعار جناب معویہؓ کے گوش مبارک تک پہونچ گئے۔ ناگوار ضرور ہوئے۔ مگر اُن کا مشہور حلم غصے پر غالب آیا۔ خاموش ہو رہے اور ایک لفظ زبان سے نہ نکالا۔ اب اُس کے بعد جمعہ آیا تو لوگ حسب معمول اُن کے دربار مین آ آکے اور سلام کر کر کے رخصت ہونے لگے۔ اُس مجمع مین وہب بھی آیا اور سلام کر کے واپس چلا تو جناب معویہؓ نے اُسے روک لیا۔ اور جب سب لوگ چلے گئے تو اُس سے کہا "میرے نزدیک قریش مین اب کوئی تم سے اچھا شاعر نہین ہے۔ تم نے اپنے دیدۂ بیدار کے متعلق جو کچھ کہا ہے بہت اچھا کہا ہے۔ اور عاتکہ کی عالی خاندانی کی جو تعریف کی ہے وہ بھی بالکل بجا ہے۔ جس لڑکی کا باپ معویہ دادا ابوسفیان اور دادی ہند بنت عتبہ ہو اُس کی یہی صفت ہے جو تم نے بیان کی۔ لیکن اسی نظم مین تم نے جو سبز خیمہ مین اُس سے ملنا ظاہر کیا ہے یہ بہت بُرا کیا۔ وہب نے قسم کھا کے کہا۔ "یہ نظم مین نے نہین کہی بلکہ دشمنون نے کہہ کے میرے سر تھوپ دی ہے" جناب معویہ نے جواب دیا۔ "خیر جو کچھ ہو مگر یاد رکھو کہ تمھین مجھ سے ڈرنے کی تو کوئی ضرورت نہین۔ اس لیے کہ مجھے اپنی بیٹی کی پاکدامنی کا پورا پورا یقین ہے۔ اور نوجوان شاعرون کے لیے یہ معاف بھی ہے کہ جس لڑکی کے ساتھ چاہین تشبیب کرین۔ یعنی اپنے کلام مین اُن پر اظہار عشق کرین۔ لیکن میرے نزدیک تمھارا اُسی شہر مین رہنا جس مین کہ عاتکہ کا بھائی یزید رہتا ہو اچھا نہین۔ وہ جوان ہے اور جوش شباب کے ساتھ اُس مین شاہانہ تمکنت بھی ہے"

حضرت معویہ کا یہ مشورہ سُن کے وہب دل مین ڈرا۔ اور دمشق چھوڑ کے مکۂ معظمہ مین چلا گیا۔ اس کو چند روز گزر گئے۔ اور وہب کی کوئی شکایت یا اُس کی کوئی نئی نظم نہین سُنی گئی۔ ایک دن جناب معویہ اپنے دربار کے کمرے مین بیٹھے ہوے تھے کہ ایک خواجہ سرا نے آکے اطلاع دی "امیرالمومنین آج عاتکہ کے پاس ایک خط آیا جسے پڑھ کے وہ رونے لگین۔ اور اُس کا اُن کے دل پر اس درجہ اثر ہوا کہ اِس گھڑی تک ملول و حزین ہین" معویہ نے کہا "اُس خط کو کسی حکمت سے اُڑا لاؤ۔ اور مجھے دکھاؤ" خواجہ سرا خط کو لے آیا۔ اور اُنھون نے دیکھا تو وہب کا منظوم نامۂ شوق تھا۔ آٹھ شعر تھے۔ جن مین اپنی بیتابی کا اظہار تھا۔ غم عشق مین رونا تھا۔ اور یہ تھا کہ تمھارے خط کے انتظار مین ہر وقت راہ تکتا رہتا ہون۔ تم اپنے عاشق پر جس قدر زیادہ سنگدل ہوتی جاتی ہو اُسی قدر اُس کا عشق بھی بڑھتا جاتا ہے"

یہ اشعار جناب معویہ کو نہایت ناگوار ہوئے۔ فوراً یزید کو بُلوا بھیجا۔ اُس نے باپ کو پریشان و متفکر دیکھ کے حزن و ملال کا سبب پوچھا۔ کہا "ایک ناگوار اور تکلیف دہ واقعہ ہے۔ اس قریشی نژاد فاسق نے تمھاری بہن کو یہ شعر لکھ کے بھیجے ہین جن کو پڑھ کے عاتکہ نے رونا شروع کیا تو اِس گھڑی تک آنسو نہین تھمے ہین" یزید نے کہا اِس بارے مین کہنا سننا بیکار ہے۔ بس یہی تدبیر ہو سکتی ہے کہ ہمارا کوئی غلام اُس شخص کی تاک مین رہے۔ اور جس دن موقع پائے اُسے قتل کر ڈالے" یہ سن کے جناب معویہ بولے "یزید اگر تو ایک قریشی شاعر کو قتل کر ڈالے گا تو لوگون کو یقین آجائے گا کہ اُس نے عاتکہ کے ساتھ جو تعلقات ظاہر کیے ہین وہ بالکل سچے ہین" یزید بولا "یہ تو صحیح ہے۔ لیکن اس کا کیا علاج کہ وہ اسی قسم کے اشعار تصنیف کر کر کے لوگون مین پھیلا رہا ہے۔ جو اہل مکہ مین مشہور اور جوانان قریش کی زبانون پر جاری ہو جاتے ہین۔ یہان تک کہ شہرت کے پرون سے اُڑتے ہوئے بعض اشعار یہان تک آپہونچے۔ اور میرے گوش گذار ہوئے۔ مجھے اُن کو سُن کے نہایت ملال ہوا۔ اور مین نے یہی ارادہ کر لیا ہے جو آپ سے عرض کیا۔ یعنی اُس کو کسی اپنے غلام کے ہاتھ سے مروا ڈالون گا"

جناب معویہ نے تعجب کے لہجے مین پوچھا" اور شعر بھی ہین؟ یاد ہون تو سناؤ" یزید نے وہب کے پانچ نئے شعر سنائے۔ جن مین فراق کی شکایت تھی۔ اور یہ خیالات ظاہر کیے تھے کہ" بادشاہ جابر اُسے مجھ سے ملنے نہین دیتا۔ جس محبت مین سخت پاداش کا اندیشہ ہو اس مین بھلائی نہین اور جس معشوقہ کا وصال نہ نصیب ہو اُس کا چاہنا ہی کیا؟ ہاے افسوس! اپنے عشق مین بدنام تو ہو گیا۔ مگر ایک گھڑی کے لیے بھی کبھی ملنا نہ نصیب ہوا"

یہ اشعار سُن کے جناب معویہ نے فرمایا " اب مین مطلب سمجھ گیا۔ یہ شخص صرف فراق کا شاکی ہے۔ اور اس کا انسداد آسانی سے ہو جائے گا۔ تم اُس کی جان لینے کا ارادہ نہ کرنا" پھر اُسی سال اُنھون نے سفر حج کیا۔ اور مکہ معظمہ مین حج سے فارغ ہونے کے بعد ایک دن تمام شرفاے قریش اور اُن کے شعرا کو سامنے بلوایا۔ سب سے ملے۔ بہ لطف و کرم پیش آئے۔ اور سب کو حسب حیثیت انعام و اکرام دے کے رخصت کیا۔ اُنھین لوگون مین وہب ابو ہبل بھی تھا۔ وہ جب واپس جانے لگا تو حضرت معویہ نے پوچھا" وہب یہ کیا ماجرا ہے کہ مین یزید کو تم سے ناراض پاتا ہون؟ تمھارے جو اشعار لوگون سے سُنے جاتے ہین اُنھین کو سُن سُن کے وہ برافروختہ ہو رہا ہے" وہب نے عذر خواہی مین زبان کھولی۔ اور کہا" مین نے وہ شعر نہین کہے بلکہ لوگون نے میری جانب منسوب کر دیے ہین"

جناب معویہ نے کہا" خیر مضائقہ نہین۔ اور تم کوئی اندیشہ نہ کرو۔ لیکن اتنا بتا دو کہ اپنے قبیلے اور خاندان کی تمام لڑکیون مین سے تمھین کون اچھی معلوم ہوتی ہے؟" وہب نے ایک لڑکی کا نام لے کے کہا" وہ میری نظر مین سب سے اچھی ہے" فرمایا" تو مین دو ہزار دینار مہر پر اُس کے ساتھ تمھارا نکاح کیے دیتا ہون" یہ کہہ کے خود ہی نکاح پڑھا دیا۔ مہر کی رقم اپنے پاس سے دی۔ اور ایک ہزار دینار اُسے بطریق انعام اُس کے علاوہ دیے۔ اور رخصت کیا۔

اس غیر معمولی سلوک کا وہب پر بڑا اثر ہوا۔ ندامت سے سر جھکا لیا

اور ادب کے ساتھ نہایت ہی التجا کے لہجے مین عرض کیا "امیرالمومنین اگر میرے گذشتہ اشعار اور میرے اس اظہار عشق کو آپ معاف فرما دین۔ اور آگلی لغزشون سے درگزر کرین تو وعدہ کرتا ہون کہ پھر کبھی آپ کی صاحبزادی عاتکہ کی نسبت کوئی شعر نہ کہون گا۔ اور کہون تو میرا خون آپ کے لیے حلال ہے۔ فوراً قتل کر ڈالیے گا۔ رہی یہ خاتون جس کے ساتھ آپ نے میرا عقد کر دیا ہے تو اگرچہ مین حسن و جمال مین اِس کو سب پر ترجیح دیتا ہون لیکن نہ مجھے اُس سے محبت ہے اور نہ اُسے مجھ سے۔ اس لیے آپ کے سامنے اور آپ ہی کو گواہ کرکے مین اُسے طلاق بائن دیے دیتا ہون جس کسی کے ساتھ اُس کا جی چاہے عقد کرے"۔ وہب کی یہ تقریر اور اُس کا اقرار سُن کے حضرت تغو یہ بہت خوش ہوئے۔ اور وعدہ کیا کہ جو انعام مین نے تم کو دیا ہے وہ تمھین ہر سال پہونچتا رہے گا"۔

بس اِسی پر اس شورش کا خاتمہ ہو گیا۔ وہب نے پھر کبھی کوئی شعر عاتکہ کے عشق مین نہین کہا۔ اور اپنی وضع اور اپنے عہد کو زندگی بھر نباہا۔ مگر کہتے ہین کہ عاتکہ مرتے وقت تک اُس پر فریفتہ اور اُسی کے شوق مین ملول رہین۔

ہندوستان مین مشرقی تمدن کا آخری نمونہ

اب ہم اِس دربار اور لکھنؤ کے لباس پر بحث کرنا چاہتے ہین۔ جو دراصل نہایت ہی دلچسپ بحث ہے۔ ہندوستان کے لباس کی تاریخ نہایت ہی تاریکی مین ہے۔ مسلمانون کے آنے سے پیشتر ہندوستان مین جہان تک پتہ لگایا جائے اور قدیم مورتون اور الورا وغیرہ کی تصویرون پر غور کیا جائے یہی ثابت ہوتا ہے کہ مسلمانون کے آنے سے پہلے یہان سیے ہوے کپڑے کا رواج نہ تھا۔ عورت اور مرد دونون بے سِی ہوئی چادرون۔ ساریون۔ اور دھوتیون سے بدن ڈھانکتے تھے۔ عرب سیلح جو فاتحان اسلام سے پہلے ہی یہان پہونچ گئے تھے اُنھون نے سندھ سے لے کے بنگالے تک ہر ساحلی شہر اور قریب کے اندرونی علاقون مین

یہان کے لوگون کو اسی وضع مین پایا۔

پہلے عرب مسلمان جو یہان پہونچے وہ اگرچہ کُرتے۔ تہمت۔ اور عبائین پہنتے تھے مگر لباس و وضع مین اُنھین یہان کے لوگون پر کچھ زیادہ فوقیت نہین حاصل تھی۔ لباس مین ترقی اُس وقت سے شروع ہوئی جب ساسانی معاشرت اختیار کر کے بغداد کے عباسی دربار نے شرفاے عرب کے لیے پائجامے عبا و قبا اور خوش قطع عمامے ایجاد کیے۔ جو لباس کہ کلیتہً یا زیادہ ساسانی دربار کے اُمرا و اعیان کی وضع سے ماخوذ تھا۔ چندہی روز مین یہی لباس اُن تمام مسلمانون کا ہوگیا جو مصر سے دریاے سندھ کے کنارے تک پھیلے ہوئے تھے۔ اور آخر وہ اِس لباس کو لیے ہوئے ہندوستان مین آئے۔ تصویرون مین جو لباس عہد اوّلین کے مسلمان تاجداران ہند کا نظر آتا ہے وہ قریب قریب وہی ہے جو عجمی و عباسی اُمرا اور فرمان روااُون کا تھا۔ فرق صرف اتنا تھا کہ یہان کے سلاطین ہند و راجاؤن کی تقلید مین جواہرات بہت زیادہ پہنا کرتے تھے۔

دلی مین دربار مغلیہ کا آخری لباس جو ہمین معلوم ہو سکا یہ تھا کہ سر پہ پگڑی۔ بدن مین نیمہ جامہ۔ ٹانگون مین ٹخنون سے اُونچا تنگ مہری کا پاجامہ پاؤن مین اونچی ایڑی کا کفش نما جوتا۔ اور کمر مین جامے کے اُوپر پٹکا۔ بس یہی دہلی کے قدیم شرفا کی وضع تھی جس مین محمد شاہ رنگیلے کے زمانے تک کسی قسم کا ردو بدل نہین ہوا تھا۔ اور اگر ہوا بھی ہو تو اتنا نہ تھا کہ ہم کو نظر آسکے۔

اس لباس مین نیمے سے مراد کہنیون تک کی آدھی آستینون کا شلوکا تھا۔ اور سینے پر سامنے اُس مین گھنڈیان لگائی جاتین۔ اس کو نیچے پہن کے اُس کے اوپر جامہ پہنا جاتا جو عجمی قبا مین ترمیم کر کے بنایا گیا تھا۔ اُس مین گریبان نہ ہوتا بلکہ دونون جانب کے کنارے جو "پردہ" کہلاتے تھے ایک دوسرے پر آکے سینے کو ڈھانک لیتے۔ سینے کا بالائی حصہ جو گلے کے نیچے ہوتا ہے اُسی طرح کھلا رہتا جیسے آجکل انگریزی کوٹون مین کھلا رہتا ہے۔ اور جس طرح فی الحال قمیص سینے کے اُوپر والے حصے کو چھپاتا ہے اُسی طرح اُن

دونون نیمہ اُس کو ڈھانکے رکھتا۔ سینے پر جامے کا وہ پردہ جو بائین طرف سے آتا نیچے رہتا اور داہنے پہلو پر بندون سے باندھ دیا جاتا۔ اور اُس پر داہنی طرف کا پردہ رہتا جو اُوپر بائین پہلو مین باندھا جاتا۔ پھر اُس مین کمر کے پاس سے دامنون کے عوض ایک اسکرٹ سی جوڑ دیجاتی جو ٹخنون کے اُوپر تک لٹکتی رہتی اُس مین بہت زیادہ چُنَٹ دیجاتی۔ اور اُس کا گھیر بہت بڑا ہوتا جامے کی آستینین آدھی کلائی تک بے سی اور کھلی رہتین۔ اور دونون جانب لٹکا کرتین۔ اُس کے نیچے سیدھی سادھی تنگ مہریون کا پائجامہ ہوتا جو اُمرا مین مشروع اور گلبدن کا ہوا کرتا۔ پھر جامے کے اُوپر کمر مین پٹکا باندھ لیا جاتا۔

دو تین صدی پیشتر ہمارے بزرگون اور ہندوستان کے امیرون اور شریفون کا یہی لباس تھا۔ ٹوپیون پگڑیون اور پائجامون مین جو ترمیمین ہوئین اُن کا مفصل و مشرح حال ہم بعد بیان کرین گے۔ سردست ہم درمیانی حصۂ جسم کے لباس کا ذکر کرتے ہین جو بیچ پوچھیے تو اصلی لباس ہے۔ اور اُسی سے انسان کی وضع و قطع مشخص و معین ہوتی ہے۔ یہی اُس دور کا درباری لباس تھا اور یہی لباس پہنے ہوئے نواب برہان الملک منصور جنگ اور شجاع الدولہ دہلی سے اودھ مین آئے تھے۔ جامہ عمومًا باریک ململ کا ہوتا جو ہندوستان کے مختلف شہرون مین نہایت نفیس باریک اور سبک بنا کرتی اور ساری دنیا مین مشہور تھی۔ ڈھاکے کی ململ اور جامدانی عالی مرتبہ امیرون اور بادشاہون کے لیے مخصوص تھی۔

اس کے بعد ایرانی قبا سے ماخوذ کر کے بالابر ایجاد ہوا۔ جس مین گول گریبان بالکل کُھلا رہتا۔ اِس لیے کہ سینے کے ڈھانکنے کے لیے نیمہ کافی تھا جو اُس کے نیچے بھی پہنا جاتا۔ وہ چُنَٹ اور گھیر اِس مین سے نکال دیا گیا۔ اور اِس ضرورت سے کہ دامن آگے کی طرف نہ کھلین۔ داہنے دامن مین ایک چوڑی کلی لگا دی جاتی۔ یہی کلی اُس کلی کا نقش اولین ہے جو فی الحال شردانیون مین بائین جانب نیچے لیجا کے بند سے باندھی یا ٹہک سے اٹکائی جاتی ہے۔ بالابر بھی دہلی ہی کی ایجاد ہے۔

اسی بالابر پر ترقی کر کے دہلی ہی مین انگرکھا ایجاد کیا گیا جس مین دراصل جامے اور بالابر دونون کو ملا کے ایک نئی قطع پیدا کی گئی۔ اس مین سینے پر چولی

قبا سے لی گئی۔ مگر سینہ کھلا رکھنے کی جگہ ایک گول اور لمبوترا انگرکھا بڑھایا گیا جس کے اوپر گلے کے نیچے ایک ہلال نما لنٹھ لگا یا جاتا اور پردہ بائین طرف گردن کے پاس گھنڈی تکمے سے اٹکا دیا جاتا۔ چولی نیچی رہتی جس مین پہلے داہنی طرف کا پردہ نیچے بغل مین بندون سے باندھا جاتا۔ اور پھر اوپر بند ہوتے جس سے دونون طرف کے پردے سینے کے نیچے بیچ مین لاکے باندھ دیے جاتے۔ اُس مین بائین جانب تھوڑا سا سینہ کھلا رہتا۔ چولی نیچی ہوتی۔ اور نیچے دامن اگرچہ قبا کے سے ہوتے مگر پرانے جامے کی یادگار مین دونون پہلوؤن پر بغلون کے نیچے کچھ جھول ضرور رکھی جاتی۔

یہ پرانا انگرکھا تھا جو دہلی کے آخری دور مین رواج پا چکا تھا۔ اور وہان سے سارے ہندوستان مین پھیل گیا۔ لکھنؤ مین آنے کے بعد اس انگرکھے مین زیادہ چستی اور قطع داری پیدا کی گئی۔ چولی خوب گول اونچی اور کھنچی ہوئی چست ہو گئی۔ بغلون کی جھول بالکل نکل گئی۔ دامنون مین بجائے موڑ کے ٹانکے دینے کی سنجافی گوٹ لگائی گئی۔ پھر اُس کے بعد نوابزادون اور شوقین وضعدارون نے ایک کرتولی کے عوض جو چولی کے نیچے بند لگانے کی جگہ پر ہوتی پلیٹون کی وضع سے تین تین کرتولیان لگائین۔ جابجا اگرچہ اور کمر تولیون کے پاس کٹاؤ کا کام بنایا۔

دہلی مین انگرکھے کے ایجاد ہونے کے بعد نیمہ چھوٹ گیا تھا۔ اور بائین جانب سینے کا کھلا رہنا معیوب نہ تھا بلکہ وضعداری خیال کیا جاتا۔ لکھنؤ مین اُس کے نیچے نیمے کے عوض شلوکا ایجاد ہوا۔ جس مین آگے کی طرف بوتام لگائے جاتے۔ اس لیے کہ اب یورپ کے بوتام یہان پہونچ گئے تھے۔ شلوکون مین خاص وضعداریان دکھائی جاتی ہین۔ نازک مزاج لوگ جالی یا ابرلیٹ کے جیسے شلوکے پہنتے جن مین کچے سوت سے نقش و نگار کاڑھے جاتے۔ بعض لوگ رنگین شلوکے پہنتے۔ اس لیے کہ اُس کے بیل بوٹے اور اُس کا رنگ تنزیب کے سپید انگرکھے کے نیچے سے اپنی جھلک دکھا کے خاص لطافت اور خاص نفاست پیدا کرتے۔

دوسری ترمیم بالابر مین دربار کے لکھنؤ آنے کے بعد یہ ہوئی کہ چپکن کے نام سے ایک چست قبا ایجاد ہوئی۔ اس مین ویسا ہی گول گریبان رکھا گیا۔ اور اُس مین انگرکھے کی طرح سینے پر پردہ بھی لگایا گیا۔ مگر وہ پردہ داہنی جانب قوس نما صورت مین بوتامون سے اٹکایا جاتا۔ اس مین داہنی جانب گلے کے پاس سے بوتامون کی ایک خوشنما قوس گولائی لیتی ہوئی کوڑی تک آئی۔ اور اُس کے مقابل دوسری جانب کی قوس مین پردہ اصلی قبا مین سی دیا جاتا۔ اُس مین بھی بالابر کی طرح چوڑی کلی اوپر لگائی جاتی جو بغل کے نیچے بائین طرف بوتام یا گھُنڈی سے اٹکا دی جاتی۔ یہ چپکن جو شالی یا کسی اور بھاری کپڑے کی ہوتی۔ اور جاڑون کے موسم کے لیے زیادہ موزون تھی ایک زمانے مین یہان اہل دربار اور خاصتہً اہل کار باریابان دربار کا معزز لباس تھی۔ اسے انگریزون نے بھی بہت پسند کیا۔ اور اپنے ملازمون کو وہ ایک مدت تک وہی پہناتے رہے۔

سب کے بعد لکھنؤ کے بالکل آخری عہد مین چپکن اور انگرکھے دونون کے ترتیب دینے سے اچکن ایجاد ہوئی۔ اس مین انگرکھے اور چپکن کا سا گریبان قائم رکھا گیا جو بیچ سے سیدھا کاٹ کے آدھا آدھا دونون جانب سی دیا جاتا۔ اور سلائی کی جگہ پر سنجابی گوٹ کے ذریعے سے گریبان کی گولائی اور قطع برقرار رکھی جاتی۔ بیچ کے چاک مین جو گلے سے لے کے سیدھا کوڑی تک آتا بوتام لگا دیے جاتے۔ وہ بالابر کی کلی جو اوپر لگائی جاتی تھی اس مین نیچے کر دی گئی تاکہ دامن بھی نہ کھلین اور بالابر کی کلی کے اوپر کی طرف لگانے سے جو بدمذاقی ظاہر ہوتی تھی دور ہو جائے۔ اچکن کا نیچے کا حصہ بالکل چپکن اور انگرکھے کا سا ہوتا۔ شوقین لوگ اُس مین بھی ویسی ہی دردامن گوٹ اور اُسی طرح کی تین تین کمرتوئیان لگاتے۔ اور کٹاؤ کا کام بناتے۔

یہ آخری ایجاد اچکن لوگون کو بہت پسند آئی۔ اس کا رواج شہر سے گزر کے دیہاتون مین بھی شروع ہوا۔ اور آناً فاناً سارے ہندوستان مین پھیل گیا۔ یہی اچکن حیدرآباد پہونچ کے تھوڑی سی ترمیم کے بعد شروانی

بن گئی۔ وہان اس کی آستینین انگریزی کوٹ کی سی کردی گئین۔ گریبان جو انگرکھے کے سینے پر نمایان کیا جاتا تھا نکال ڈالا گیا۔ قطع و بُرید مین انگریزی کوٹ کی وضع دامنون وغیرہ مین بھی اختیار کی گئی اور وہ لباس ایجاد ہوگیا جو آج کل ہندوستان کے ہندو مسلمان تمام لوگون کا قومی لباس کہے جانے کے قابل ہے۔ لکھنؤ والون نے بھی چند روز بعد جب اپنی پرانی ایجاد مین حیدرآباد کی مناسب اصلاح دیکھی تو اُسے بہت ہی پسند کیا۔ اور تھوڑے ہی زمانے مین شروانی کا رواج ہر شہر اور ہر قریے کی طرح لکھنؤ مین بھی پڑ گیا۔

انگرکھے کے نیچے جو شلوکا پہنا جاتا تھا اُس کے عوض پہلے ڈھیلا اور اُونچا کرتا اختیار کیا گیا۔ اور چند روز بعد مغربی اثر نے کرتا چھڑا کے انگریزی قمیص کو رواج دیا جس مین کف اور کالر ہوتے ہین۔ قمیص اور کالر کے رواج نے شروانی کے تکلفات اور بڑھا دئے۔ یعنی لازمی ہوگیا کہ سفید کالر اوپر نکلا رہے اور شروانی کا اوپر کا سرا ٹیک سے اٹکا کے قمیص کے اُس بالائی پوتام کے نیچے رہے جس مین کالر لگایا جاتا ہے۔ آستینین اتنی رہین کہ کفون کا کسی قدر حصہ نکلا رہے۔ تعلیم یافتہ لوگون اور متوسط طبقے والون کا لباس دوسرے شہرون کی طرح فی الحال لکھنؤ مین بھی یہی شروانی ہے۔ مگر اس کو لکھنؤ سے کوئی خصوصیت نہین۔ لکھنؤ کی ایجاد و اختراع کا خاتمہ اچکن پر ہو گیا۔ جو اب قریب قریب بالکل متروک ہو گئی ہے۔

ناول جویاے حق

اس ناول کو قدر افزایان دل افروز نے بے انتہا پسند فرمایا۔ اور آغاز ہی سے مُصر ہین کہ اس مین خوب تفصیل سے کام لیا جائے۔ ہمارا ابتداءً تو یہ ارادہ نہ تھا۔ مگر افسوس کہ اُس کی پہلی جلد مین جو اپریل سنہ ۱۶ء سے شروع ہو کے مارچ سنہ ۱۷ء مین تمام ہوئی فقط ہجرت نبوی صلعم تک حالات آسکے۔ اس لیے سخت ضرورت ہے کہ دوسرے سال مین بھی اس کا سلسلہ جاری رکھ کے یہ مقدس پلاٹ مکمل کر دیا جائے اگر کسی صاحب کو اس مین عذر ہو تو مجھے براہ راست اطلاع دیدین۔

خاکسار محمد عبدالحلیم شرر ایڈیٹر۔

سلف کا ایک غیر مشہور مدعی خلافت
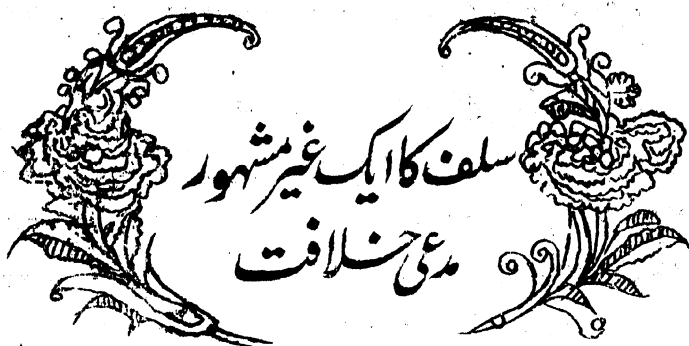
یزید بن معویہ کے مرنے کے بعد جب مکہ معظمہ مین لوگون نے عبداللہ ابن زبیر کے ہاتھ پر خلافت کی بیعت کی ہے۔ اور شام مین معویہ بن یزید کے خلافت سے دست بردار ہونے کے بعد مروان نے دعواے خلافت کیا ہی۔ اُن دونون ارض عراق مین ایک اور شخص بھی موجود تھا جو خلافت کا دعوی کرتا۔ اور اُس کے رفقا اُسے "امیر المومنین" کے لقب سے یاد کرتے تھے (شیعیان کوفہ اور حضرت علی کے رفقا مین سے جو گروہ آپ سے ٹوٹ کے مقام حرورا مین جمع ہوا تھا اور خود اپنے امام کی مخالفت کرکے خوارج کے لقب سے مشہور ہو گیا تھا اُن لوگون نے عراق کے کونون مین بیٹھے بیٹھے قوت پکڑلی۔ اور دعوی کیا کہ سوا خدا اور رسول کی اطاعت کے کسی کی فرمان برداری جائز نہین۔ اور خلیفہ کا وہی حکم مانا جا سکتا ہی جو ازروے نص ثابت ہو اور کسی امر مین اُس کی اطاعت ناجائز ہے۔ ان لوگون نے اپنے جھنڈے پر یہ آیت لکھی کہ "ان الحکم الا للہ" یعنی خدا کے سوا کسی کا حکم حکم نہین ہے۔ یہ لوگ حضرت علی کے دشمن ہو گئے۔ اور اُنھین پر کیا موقوف ہے ہر ایسے حاکم و خلیفہ کے عدوے جانی تھے جس کو یہ دعوی ہوتا کہ خدا و رسول کی اطاعت کے بعد "اُولو الامر" یعنی حاکم وقت کی اطاعت بھی ایک دینی فرض ہے۔ اِس کا نتیجہ یہ تھا کہ کوئی خلیفہ ہو۔ بنی اُمیہ سے ہو یا بنی ہاشم سے۔ عباسی ہو یا فاطمی یہ اُس سے لڑنے اور بغاوت کرنے کو تیار ہو جاتے۔ فقط شیخین یعنی ابوبکر صدیق اور عمر فاروق رضی اللہ عنہما کو تو اپنے معیار

خلافت مین پورا پاکے اُن کا ادب اور اُن کی تعظیم کرنتے باقی تمام فرمان روایان اسلام کے دشمن تھے

انھین مین سے ایک شیبانی النسب شخص ابوالضحاک شبیب بن یزید بن نعیم تھا۔ اُس کا باپ یزید بن نعیم ان معزز شرفاے عربین سے تھا جو صحراے عرب کو چھوڑ کے کوفے مین آباد ہو گئے تھے۔ ۲۵ھ مین سلیمان بن ربیعہ باہلی نے شمالی شام کے اُن شہرون پر جہاد کیا جو مسیحیون کے قبضے مین تھے۔ اُن مجاہدین مین یزید کو بھی تھا۔ اس لشکر نے مختلف شہرون کو لوٹا مارا۔ اُن پر قبضہ کیا۔ اور بہت سے لونڈی غلام اسیر کر کے کوفے مین واپس آیا۔ ان لونڈیون مین سے ایک جو رنگت مین سرخ و سفید گوری چٹی۔ کشیدہ قامت۔ اور بڑی جمال تھی اُسے یزید بن نعیم نے کسی اور مجاہد سے مول لے لیا۔ اپنے قبضے مین لانے کے بعد چاہا کہ وہ مسلمان ہو جائے مگر اُس نے نہ مانا۔ مارا پیٹا لیکن اُس نے اپنی ضد نہ چھوڑی۔ مجبورًا یونہین اُسے اپنی حرمون مین شامل کر لیا۔ چندروز بعد وہ یزید سے حاملہ ہوئی۔ حمل کو بھی جب کئی مہینے گزر گئے تو حسب معمول بچے نے پیٹ مین حرکت شروع کی۔ پیٹ مین حرکت محسوس کر کے وہ عورت سخت متحیر ہوئی اور بار بار کہتی میرے پیٹ مین کوئی چیز رہ رہ کے ٹھنٹھین مارتی ہے۔ اُس کا یہ قول مشہور ہوا تو کوفے کی تمام عورتین اُس کا مضحکہ اُڑانے لگین۔ اور جب کوئی کسی کو بیوقوف بناتا تو کہتا "احمقُ من جہیرہ" یعنی جہیرہ سے بھی بڑھ کے احمق۔ جہیرہ اُسی عورت کا نام ہے جو کیا عجب کہ اسی شہرت کی وجہ سے پڑ گیا ہو۔ اسی زمانے حمل مین وہ خود ہی سے مسلمان ہو گئی۔

مدت حمل پوری ہوئی تو ۲۶ھ مین خاص بقرعید کے دن اُس کے بطن سے شبیب پیدا ہوا جس کے حالات ہم بیان کرنا چاہتے ہین۔ اُس کے پیدا ہونے کے بعد جہیرہ نے اپنے آقا یعنی شبیب کے باپ سے کہا مین نے خواب مین دیکھا کہ میرے پیٹ سے ایک شعلۂ نار نکل کے اوپر کی طرف گیا۔ اور زمین و آسمان کے درمیان مین قائم ہو گیا۔ اس کے بعد وہ یکایک سمندر مین گر پڑا۔ اور پھر اُس مین سے نکل کے آیا۔ علاوہ اس کے خاص قربانی

کے دن یہ بچہ پیدا ہوا ہے۔ اِن واقعات سے مجھے یقین ہے کہ میرے بچے کی کوئی خاص شان ہونے والی ہے۔ یہ بہت بڑا شخص ہوگا۔ اور اُس کے ہاتھ سے بہت سے لوگ مارے جائین گے"۔ ماں کی یہ پیشین گوئی اُس وقت تو باپ کی سمجھ مین نہ آئی ہوگی۔ مگر شبیب نے بڑے ہوتے ہی اسے پورا کر دکھایا۔

(اس سے زیادہ لطف یہ کہ اُس کی ماں جَہیرہ جو زنان کوفہ مین بے وقوف اور احمق مشہور تھی بیٹے کے عروج کے زمانے مین وہ بھی اتنی بڑی بہادر سپہگر۔ نبرد آزما۔ جان باز اور سرفروش ثابت ہوئی کہ اِس زمانے مین کوئی عورت اُس کی ہسری کا دعویٰ نہ کر سکتی تھی۔ اس کے بعد شبیب نے غزالہ نام ایک نازک اندام عورت سے شادی کی تو اُس نے شہسواری اور جوانمردی مین ساس کو بھی مات کر دیا۔)

اُن دنون دمشق مین عبدالملک بن مروان خلیفہ تھا۔ اور عراق کی حکومت حجاج بن یوسف ثقفی کے ایسے سنگدل جابر و ظالم کے ہاتھ مین تھی۔ جس نے آزاد مشرب شرفاے عرب کے حق مین کوئی ظلم و جور نہین اُٹھا رکھا۔ بڑے بڑے لوگ اُس کے سامنے دب گئے۔ عبداللہ بن زبیر کے ایسے صاحب اثر اور نیک نفس صحابی کو ۷۳ھ مین اُس نے جام شہادت پلا دیا۔ اور کسی کی مجال نہ تھی کہ دم مار سکے۔ مگر شبیب نے مطلق اس کی پروا نہ کی۔ اپنے گروہ خوارج مین نئی زندگی و گرمجوشی پیدا کر کے شہر موصل مین اُٹھ کھڑا ہوا۔ اور فوجی نقل و حرکت شروع کر دی۔ اور ایسی با مردی و دلیری سے کہ حجاج کی طرف سے جو لشکر آتا اُسے شکست ہو جاتی اور سپہ سالار مارا جاتا۔ یونہین یکے بعد دیگرے مسلسل پانچ بہادر سردار فوجین لے گئے اور شبیب کے مقابلے مین مارے گئے۔ اُن کے شکست خوردہ سپاہیون نے جا جا کے شبیب اور اُس کی ماں اور بیوی کی شجاعت کے ایسے کارنامے بیان کیے کہ حجاج کے حواس جاتے رہے۔

اب شبیب موصل سے نکل کے کوفے کی طرف چلا۔ حجاج بصری مین تھا اُس نے جب اس کے چل کھڑے ہونے کا حال سُنا تو خود بھی کوفے کی راہ لی تاکہ اُس نامور شہر کو جو اُن دنون

خوب آباد تھا خارجیون کی دستبرد سے بچائے۔ شبیب چاہتا تھا کہ حجاج کے پہونچنے سے پہلے ہی کوفے مین داخل ہو جائے۔ مگر حجاج تابڑ توڑ کوچ کر کے اُس سے پہلے ہی پہونچ گیا لیکن شبیب کو کوفے مین داخل ہونا لازمی تھا۔ فوجی ضرورت یا فتحمندی کے خیال سے نہین۔ بلکہ اس لیے کہ اُس کی دلیر و جنگجو اور محبوبہ و خونریز بیوی غزالہ نے منت مانی تھی کہ مین جس طرح بنے گا مسجد کوفہ مین جا کے دو رکعتین نماز کی پڑھون گی۔ اور اُن رکعتون مین سے پہلی مین سورۂ بقرہ اور دوسری مین سورہ آل عمران پڑھون گی۔ شبیب کو انیس زندگی بیوی کی منت پوری کرنا واجب تھا۔ حجاج کے کوفے مین داخل ہو جانے کا حال سُنا تو ماں اور بیوی کے علاوہ ستر بہادر مرد میدان اُس نے ساتھ لیے۔ اور بلا تامل ایک تاریخ کو آخر شب مین حملہ کر کے کوفے مین گھس پڑا۔ سیدھا جامع مسجد مین گیا۔ سارے ہمراہی تلوارین کھینچے مسجد کے دروازے پر کھڑے رہے۔ اور غزالہ نے خوب اطمینان کے ساتھ فجر کی فرض رکعتین اُنھین دونون سورتون کے ساتھ پڑھ لین اور یہ منت پوری ہوتے ہی سب لوگ دھڑلے سے اپنا کام کر کے کوفے سے نکل گئے۔

کوفے مین اِن لوگون کے گھس پڑنے کی خبر حجاج کو ہوئی تو مارے خوف کے کانپنے لگا۔ دارالامارت مین چھپ کے بیٹھ رہا۔ پھاٹک بند کروا لیے۔ اور گرد اپنی حفاظت کے لیے پہرہ مقرر کر لیا۔ اِس کے بعد جب یہ سُنا کہ وہ لوگ چلے گئے تو اُس کی جان مین جان آئی اور بصرے مین واپس گیا۔

آخر مجبور ہو کے حجاج نے دارالخلافہ دمشق مین یہ سب واقعات لکھے اور عبدالملک بن مروان کو اطلاع کی۔ اُس نے اپنی خلافت کو معرض خطر مین دیکھ کے ایک بہت بڑا اعظم الشان اور کثیر التعداد لشکر شام سے روانہ کیا۔ جس کا سپہ سالار سفیان بن ابرد کلبی نامی اُس عہد کا ایک آزمودہ اور نامور امیرالجیش تھا۔ سفیان کوفہ مین پہونچ لیا تو حجاج بصرے سے ایک بہت بڑا بھاری زبردست لشکر لے کے نکلا۔ اور دونون نے دو جانب سے شبیب پر حملہ کیا۔ شبیب اگرچہ جانتا تھا کہ اب کی اتنا بڑا زبردست لشکر میرے مقابلے پر آیا ہے کہ مجھے اُس سے

پیش پانے کی امید نہین۔ مگر جوش شجاعت مین لڑائی سے مُنہ نہ پھیرا۔ اور فوراً لڑائی چھیڑ دی۔ بہت بڑی خونریزی ہوئی۔ بہتون نے جام اجل پیا۔ لیکن انجام وہی ہوا جو پہلے سے ظاہر تھا کہ شبیب کو شکست ہوئی۔ اُس نے اور اُس کی ان اور بیوی نے غیر معمولی دلیری ظاہر کی۔ جان پر کھیل کھیل کے دشمنون کے دریاے فوج مین پھاندتے۔ اور گویا خون کے دریا مین غوطے لگا کے یہان ڈوبتے تو وہان نکلتے۔ لیکن تقدیر سے چارہ نہ تھا۔ دونون نامور عورتین جہیرا اور غزالہ لڑتے لڑتے زخمون سے چور ہو کے گرین اور جان دیدی۔ لیکن شبیب کی زندگی باقی تھی چند سوارون کے ساتھ جان بچا کے بھاگا۔ اور دشمنون کے نرغے مین سے نکل گیا۔

سفیان نے فوراً تعاقب کیا۔ اور شبیب اہواز تک پہونچنے پایا تھا کہ جالیا۔ دشمن کو سر پر دیکھ کے شبیب کی شجاعت نے یہ گوارا نہ کیا کہ پیٹھ پھیرے فوراً پلٹ پڑا۔ اس واپسی مین دریاے دُجیل کے پُل پر سے عبور کرنا تھا جس کے پار جا چکا تھا۔ واپسی مین اس کا تھکا ہوا گھوڑا پُل کے اوپر بھڑکا۔ اور ایسی جست کی کہ شبیب اُس کی پیٹھ پر سے اُچھل کے بیچ دھارے مین گرا اور گرتے ہی ڈوب گیا۔ اس لیے کہ سر سے پاؤن تک دریاے آہن مین غرق تھا۔ اور خود زرہ۔ چار آئینہ اور جوشن و خفتان کا بوجھ اتنا نہ تھا کہ پانی مین اُسے اُبھرنے دے۔ تاہم پانی مین گر کے اُبھرا۔ اور اُس کے ایک رفیق کی زبان سے بےساختہ نکل گیا "امیر المومنین! (اُس کے ہیرو اُسے اسی خطاب خلافت سے یاد کیا کرتے تھے) کیا آپ ڈوب کے جان دین گے؟" اُس نے پانی مین سے جواب دیا "مضائقہ نہین۔ خداے عزیز و دانا کی یہی مرضی ہے" یہ کہہ کے پھر ڈوبا تو قیامت تک کے لیے آنکھین بند کر لین۔

مگر خدا کی قدرت پانی نے زندگی مین تو اُسے اُبھرنے نہ دیا۔ مگر اُس کی لاش مرنے کے بعد کسی جگہ کنارے سے جا لگی۔

عہ ۵ دریاے دُجیل کو کوئی صاحب دجلہ نہ سمجھ لین۔ یہ دریا ایران سے بہتا ہوا آیا ہے۔ اہواز اُس کے کنارے آباد ہے۔ اور دریاے دجلہ کے دہانے کے قریب خلیج فارس مین گرا ہے۔

(لاش فوراً بذریعہ ڈاک حجاج کے پاس بھیجی گئی۔ حجاج کی سنگدلی و بیدردی مشہور رہے۔ لاش کو دیکھ کے بہت خوش ہوا۔ پھر اُس کا پیٹ چاک کروا کے دل سینے سے نکلوایا۔ اور اُسے ہاتھ مین لے کے دیکھا تو اِس قدر سخت تھا کہ معلوم ہوا جیسے پتھر کا بنا ہے۔ غصے مین آ کے زمین پہ زور سے پٹک دیا تو وہ گیند کی طرح گرتے ہی اُچھل کے دور جا گرا۔ پھر اُس دل کو چاک کرایا تو اُس کے اندر سے گول گنبد کا سا ایک اور لٹو نکلا۔ اور جب اُسے بھی چاک کیا تو اُس مین سے منجمد خون کا لوتھڑا برآمد ہوا۔)

شبیب کے ڈوبنے کا واقعہ ۷۷ھ مین عبداللہ بن زبیر کی شہادت کے چار سال بعد ہوا۔

ایک راوی اخبار کا بیان ہے کہ شبیب جب مسجد کوفہ مین داخل ہوا ہے اُس وقت مین نے خود اپنے آنکھون سے اُسے دیکھا تھا۔ وہ ایک طیالسی جبہ پہنے تھا۔ جس پر مینھ کی بوندیان پڑنے سے ُبنکیان ُبکیان سی بن گئی تھین۔ رنگت کھلتی ہوئی گندم گون تھی۔ قد لمبا تھا۔ اور جھبرے جھبرے جھنڈ والے بال تھے۔

ایک خارجی شاعر عُتبان حروری بن اصیلہ جس نے شبیب کی موت پر مرثیہ لکھا تھا گرفتار کر کے عبدالملک کے سامنے پیش کیا گیا تو عبدالملک نے نہایت غیظ و غضب اور طیش کے لہجے مین اُس سے کہا "کمبخت تو نے یہ شعر نہین کہا ہے؟" اور اُس کا ایک شعر پڑھا جس مین اُس نے بنی اُمیہ کو مخاطب کر کے کہا تھا کہ "تم مین اگر فلان فلان نامور لوگ ہین تو ہم مین فلان فلان اور امیرالمومنین شبیب ہین" عُتبان نے کہا "امیرالمومنین مین نے یون نہین کہا۔ بلکہ یون کہا ہے۔ اور اُس شعر کو امیرالمومنین کے حرف "ر" کی حرکت بدل کے پڑھا۔ جس سے امیرالمومنین کا لفظ بجائے شبیب کی صفت ہونے کے عبدالملک کی جانب خطاب ہو گیا۔ اگرچہ یہ جواب نہین ایک مذاق تھا مگر عبدالملک کو عُتبان کی یہ ادبی چالاکی اس قدر پسند آئی کہ جان بخشی کی اور اُسی وقت چھوڑ دیا۔

حسن کی کرشمہ سازیان

ایڈلین نامور مغنیۂ یورپ

اِس کے تسلیم کرنے مین کسی واقف کار کو بمشکل تامل ہو سکتا ہے کہ دمشق اور بغداد کی خلافتون مین دربار خلافت نے بعض مغنیون اور مغنیہ عورتون کی جیسی قدر کی ویسی قدر اِس لطیف فن کے ماہرون کی دنیا کا کوئی دربار نہین کر سکا ہے۔ مگر یورپ کی نامور مغنیہ ایڈلین کو البتہ سلاطین یورپ نے جو عزت دی وہ شاید دنیا کی کسی گانے والی کو نہ نصیب ہو سکی ہوگی۔

ایڈلین کا نشو و نما بچپن ہی سے یورپ کے کانسرٹون (محفل ہاے طرب) مین ہوا تھا۔ اس کے ساتھ اُس کے حسن و جمال اور اُس کی دل مین اُتر جانے والی آواز نے اُس کے اِس کمال مین اور جان ڈالدی۔ چند ہی روز مین یہ حالت ہوگئی کہ ممالک یورب مین کوئی شخص نہ تھا جو اُس کے گانے پر نہ فریفتہ ہو۔ پبلک کی عام قدر دانی کا یہ نتیجہ ہوا کہ اُس کی آمدنی روز بروز ترقی کرنے لگی اور چند سال مین اُس کی سالانہ آمدنی دس لاکھ فرینک ہو گئی۔

مگر وہ خصوصیت جس نے اس سحر آفرین مغنیہ کو دنیا بھر کی گانے والیون سے ممتاز کر دیا یہ تھی کہ بڑے بڑے زبردست شہنشاہان یورپ اُس کے حد سے زیادہ گرویدہ تھے۔ اور انتہا سے زیادہ اُس کی عزت کرتے تھے۔ ایڈلین نے اپنی وضع یہ رکھی تھی کہ جب نظر آتی اُس کے ہاتھ مین ایک قسم کی انوکھی پنکھیا ہوتی جو اُسی کے ساتھ مخصوص تھی۔ اور کسی اور خاتون کے ہاتھ مین نہین دیکھی گئی تھی۔ شاہان ارض مین سے جس کسی نے اُس کی تعریف کرنی چاہی تو اُس نے اپنی وہی پنکھیا بڑھا دی کہ اس پر لکھ دیجیے اور اُس فرمان روا نے اُس پر اپنے جذبات دلی اپنے قلم سے لکھ دیے۔ چند روز مین یہ پنکھیا تحریرون سے بھر گئی۔ اور کوئی تاجدار نہ تھا جس کے ہاتھ کا خط اُس عجیب و غریب پنکھیا پر موجود نہ ہو۔ جن مین سے چند اہم تحریرون کو ہم اپنے ناظرین کے سامنے پیش کرتے ہین۔ زار ارردس نے لکھا "کسی چیز سے وہ تسکین نہین ہوتی جو تمھارے

گانے سے ہوتی ہے" قیصر جرمنی نے اس مغنیہ کی جانب خطاب کرنے کی شان سے یہ الفاظ لکھ دیے تھے "تمام زمانون کی بلبل کو میرا (سلام)" ملکۂ اسپین نے لکھا تھا "ایک ملکہ عہ کو (مجھے) اس پر ناز ہوگا کہ تم اُسے اپنی رعایا مین شامل خیال کر دے" ہماری نیک نفس اور ہر دلعزیز ملکۂ معظمہ وکٹوریہ نے اپنے دستخط سے اُس پنکھیا پر یہ الفاظ لکھے تھے "شاہ لیبارکے یہ کلمات کہ آواز شیرین خداداد ہے" اگر سچ ہین تو اے میری پیاری اڈلین تم ساری عورتون سے بڑھی ہوئی مغنیہ ہو" ان فرمان روایان ارض کے علاوہ شہنشاہ آسٹریا اور ملکۂ آینزابلا کے ہاتھ کی تحریرین بھی اُس پنکھیا پر موجود تھین۔ اسی طرح ملکۂ بلجیم نے بھی اپنے خیالات ظاہر کیے تھے۔ اڈلین کی اس پنکھیا کے بیچ مین یہ الفاظ لکھے تھے "اے ملکۂ طرب مین تیری طرف اپنا (شوق) کا ہاتھ بڑھاتا ہون" اِن لفظون کا لکھنے والا دولت جمہوریۂ فرانس کا پریسیڈنٹ پٹرس تھا۔

اِن تحریرون کے دیکھنے سے معلوم ہو سکتا ہے کہ جو عزت و حرمت اور جیسی مرجعیت عامہ اِس مغنیہ کو حاصل تھی دنیا کی کسی عورت کو شاید ہرگز نہ نصیب ہوئی ہوگی۔ جن فرمان رواؤن اور تاجدارون کی حضوری حاصل ہونا بڑے بڑے امیرون اور قابل لوگون کے لیے مایۂ افتخار تھا وہ سب اس خاتون سے ملنا۔ اُس سے ملاقات پیدا کرنا اور اُس کو دوست بنانا اپنا سرمایۂ ناز تصور کرتے تھے۔

اڈلین کے زیادہ حالات نہین معلوم ہو سکے۔ مگر مصر کی قابل مصنفہ عائشہ خانم کے ذریعہ سے ہمین اِسی قدر واقعات معلوم ہوئے۔ جو اُس کے حسن صورت نہین تو حسن صوت کے کرشمے ظاہر کرنے کے لیے بخوبی کافی ہین۔ لیکن ہم اُس کے ساتھ اتنا اور کہنا چاہتے ہین کہ سلاطین یورپ کا یہ برتاؤ دراصل اُس عہد کی جمہوریت کی برکت ہے جس نے تاجدارون کو فقط اِس کام کا باقی رکھا ہے کہ حکمرانی کی ذمہ داریون سے سبکدوش ہو کے فقط حسن کی قدردانی کیا کرین۔

فریب سے بھی دشمنون کا کام نہ چلا

لیکن حملہ آوران اسلام کی تلوارون کا ایسا رعب پڑ گیا تھا کہ اہل صقلیہ کو کسی طرح مقابلے کی جرأت نہ ہوئی فریب کی راہ سے اُنھون نے قاضی صاحب کے پاس لکھ بھیجا "ہم جزیہ دینے کو تیار ہین آپ وہین رہین اور سرقوسہ کی طرف بڑھنے کا قصد نہ کرین" قاضی اسد نے اُن کی درخواست قبول کر لی۔ اور لڑنا شرائط جہاد کے خلاف خیال کر کے جہان تک ہونچے تھے وہین ٹھہر گئے۔ دشمنون نے لشکر اسلام کو اس طرح روک کے چپکے چپکے لڑائی کی تیاریان شروع کین۔ اور ایک مدت مدید گزر جانے پر بھی نہ جزیہ کی رقم بھیجی۔ نہ اظہار اطاعت کیا۔

اُن کی یہ سرکشانہ وضع دیکھ کے قاضی اسد نے پھر مقابلے کی کارروائی شروع کر دی۔ بڑھ کے شہر سرقوسہ کا محاصرہ کر لیا۔ اور چھوٹے چھوٹے لشکر اطراف و جوانب اور قرب و جوار کی چھوٹی چھوٹی بستیون مین بھیجنا شروع کیے۔ غرض تھوڑے زمانے مین مسلمانون کو بہ افراط مال غنیمت ہاتھ لگ گیا۔ اور بہت سے گاؤن مین اُن کی حکومت بھی قائم ہو گئی۔ اتنے مین افریقہ سے مسلمانون کی اور کمک آ گئی۔ اور اُن کا حوصلہ بڑھ گیا۔

دشمنون کا زور

اتنے مین بلرم (پلرمو) کا حاکم ایک کثیر التعداد فوج سلے کے اہل سرقوسہ کی مدد کے لیے آ پہونچا۔ مسلمانون نے جو دیکھا کہ اب دشمنون کے نرغے مین گھرے جاتے ہین تو اپنے گرداگرد گہرے خندق کھود لیے۔ اور اُس خندق کے آگے ایک اور گہری اور لمبی کھائی کھود دی۔ اور دونون جانب دشمنون سے لڑنے لگے۔ ایک طرف سرقوسہ کے محاصرے مین سختی کرتے۔ اور دوسری جانب عظیم الشان رومی لشکر کو رد کرتے۔ رومیون نے جی توڑ کے حملے کیے۔ اور اُن کے

ہزاروں آدمی کھائیون مین گر گر کے پکڑے اور مارے گئے۔

قاضی اسد کی وفات اور محمدؐ ابن ابی الجواری کی سپہ سالاری

اب اہل صقلیہ کی مدد کو ایک بڑا بھاری بیڑہ قسطنطنیہ سے آگیا جس نے ایک عظیم الشان اور کثیر التعداد لشکر کو لا کے ساحل صقلیہ پر اُتار دیا۔ اس زمانے یعنی سنہ ۲۱۳ھ مطابق سنہ محمدیؐ مین لشکر اسلام مین سخت وبا پھیلی ہوئی تھی۔ بہت سے مسلمان اس وبا کی نذر ہوئے۔ یہان تک کہ سپہ سالار عساکر اسلام قاضی اسد بن فرات نے بھی اُسی مرض مین مبتلا ہو کے سفر آخرت کیا۔ اور مسلمانون نے اُن کی جگہ اپنا سپہ سالار محمد بن ابی الجواری کو منتخب کیا۔

مسلمانون کی ابتر حالت

لیکن اسی وبا اور دشمنون کے ہجوم کی وجہ سے مسلمانون کی حالت بہت ابتر ہو رہی تھی۔ آخر کامیابی سے ناامید ہو کے وہ اپنے جہازون پر سوار ہوئے اور ارادہ کیا کہ واپسی کے لیے لنگر اُٹھا دین۔ لیکن سامنے جو دیکھا تو نظر آیا کہ دشمنون کے جہاز بندرگاہ کے دہانے پر ڈٹے ہین۔ اور اُن کا راستہ روکے ہوئے ہین۔

مایوسی مین اُن کا جوش شجاعت

یہ حال دیکھ کے مسلمانون کو ایسا طیش آیا کہ جہازون کو چھوڑ کے خشکی مین آ گئے۔ اور تمام جہازون مین آگ لگا دی تاکہ سب لوگون کے ذہن نشین ہو جائے کہ اب ہمین گھر واپس جانا نہین بلکہ یہین مرنا کھپنا ہے۔ ساتھ ہی بڑھ کے شہر منیاؤ پر حملہ کر دیا۔ اور تین ہی دن کے محاصرے مین اُسے فتح کر لیا۔ یہان سے

کوچ کر کے اُنھون نے قلعۂ جرجنت پر حملہ کیا- اُسے بھی بزور اسلحہ فتح کر لیا- اور اُسی مین ٹھہر گئے-

ان فتحون سے اُن کے حوصلے بڑھ گئے تھے- جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اُنھون نے بڑے جوش وخروش سے بڑھ کے شہر قصریانہ پر حملہ کیا- اس مہم مین یفی بھی مسلمانون کے ساتھ تھا- اہل شہر نے اُس کے آنے کی خبر سُنی تو اُس کے استقبال کو شہر سے باہر نکلے- اُس کے سامنے آ کے زمین چومی- اطاعت وفرمانبرداری کا یقین دلایا- اور اپنے ساتھ دھوم دھام سے شہر مین لے جا کے اُسے مار ڈالا-

عظیم الشان فتح

اب عیسائیون کی کمک کو قسطنطنیہ سے اور لشکر آ گیا- جس کی کوئی حد و نہایت نہ تھی- وہ لوگ ساحل پر قدم رکھتے ہی مسلمانون کے مقابل صف آرا ہوے اور لڑائی چھڑ گئی- مسلمانون کو یقین تھا کہ اگر شکست ہو گئی تو ہمین نہ سارے جزیرے مین کہین پناہ ملے گی اور نہ بھاگنے کو جہاز ملین گے- اس خیال سے اُنھون نے اس طرح جان پر کھیل کے حملہ کیا- کہ دشمنون کے قدم اُکھڑ گئے- اُن کی صفون کے درہم برہم ہوتے ہی فتحیاب مسلمان قضاے مبرم کی طرح اُن کے سر پر ٹوٹ پڑے- اور رومیون کی ایک خلقت عظیم قتل ہو گئی- جو باقی بچے اُنھون نے بھاگ کے قصریانہ مین پناہ لی- اور پھاٹک بند کر لئے- تاکہ مسلمان اُس کے اندر نہ داخل ہو سکین-

زہیر بن غوث کی سپہ سالاری اور عربون کو شکستین

اس جنگ کے دوران مین مسلمانون کا سپہ سالار محمد بن ابی الجواری بھی مر گیا- اور لوگون نے زہیر بن غوث کو اپنا سردار منتخب کیا- زہیر کی کوشش نے مسلمانون مین نئی سرگرمی پیدا کی- چنانچہ عربون کے ایک چھوٹے لشکر نے

شکل کے تاخت و تاراج کا بازار گرم کیا۔ اُن پر رومی فوج کے ایک گروہ نے حملہ کیا۔ اور اُنھین شکست دے کے پسپا کر دیا۔ دوسرے دن عربون کا سارا لشکر پورے جوش سے مقابلے کو بڑھا۔ رومیون نے اُن پر یورش کی۔ اور ایسی بہادری سے لڑے کہ عربون کو پھر شکست دیدی۔ اس لڑائی مین تقریبًا ایک ہزار مسلمان شہید ہوئے۔

اپنی ناکامی دیکھ کے عرب اپنی لشکرگاہ مین واپس آئے۔ اور اُس کے گرداگرد خندق کھود لی۔ ساتھ ہی رومیون نے جن کا حوصلہ متواتر دو فتحون سے بڑھ گیا تھا فورًا آکے اُن کا محاصرہ کر لیا۔ جس کی وجہ سے مسلمانون کو رسد پہونچنا غیر ممکن ہو گیا۔ اور لشکر اسلام قحط اور فاقے کی سخت ترین مصیبت مین مبتلا تھا۔ آخر مجبور ہو کے عربون نے ارادہ کیا کہ رومیون پر ایک ایسا شبخون مارین کہ اُسی پر قسمت کا فیصلہ ہو جائے۔ بدقسمتی سے اُن کی یہ تجویز رومیون کو معلوم ہو گئی۔ اُنھون نے یہ چالاکی کی کہ اپنے سارے پڑاو اور خیمون ڈیرون کو چھوڑ کے چپکے سے چلے گئے۔ اور وہان سے قریب ہی ایک جگہ چھپ کے عربون کے حملے کا انتظار کرنے لگے۔ مسلمانون نے وقت مقررہ پر حملہ کیا۔ اور جب کسی کو پڑاو مین نہ پایا تو حیران و ششدر ہو رہے تھے کہ ناگہان رومی شور کرتے ہوئے اُن پر ٹوٹ پڑے۔ مسلمان بھی لڑنے اور جان دینے پر آمادہ ہو گئے۔ مگر فتحیاب ہونا غیر ممکن تھا۔ آخر اپنے بہت سے رفیقون کو خاک و خون مین تڑپتا چھوڑ کے بھاگے۔ اور پھر بندرگاہ مین جا کے ٹھہرے۔

مسلمانون مین قحط اور ہر طرف سے ناامیدی

محاصرہ اُسی طرح قائم تھا۔ اور مسلمانون کو کھانے کے لیے کوئی چیز میسر نہ تھی۔ اب اُن کے لشکر مین قحط کا اس قدر زور تھا کہ اپنے گھوڑے اور کتے تک ذبح کر کے کھا گئے۔

اب اِن مصیبت زدہ اور فاقہ کش محصورین کے لیے فقط اتنی امید باقی تھی کہ جو مسلمان شہر جرجنت مین موجود ہین وہ ہماری مدد کرین گے۔ لیکن محاصرہ ایسا سخت تھا کہ اُن لوگون کا بھی کچھ زور نہ چلا۔ آخر مجبور ہو کے اُنھون نے جرجنت کو منہدم کر کے شہر آذر کی راہ لی۔ اور محصور مسلمانون سے اور دور ہو گئے۔

خدادادمدد

یہی حالت تھی کہ ۲۱۲ھ شروع ہوا جب کہ سنہ محمدی تھا۔ مسلمانون کی یہ حالت تھی کہ جان بری و فلاح کی کوئی امید نہ تھی۔ اور سب کو اپنی ہلاکت کا یقین تھا۔ آخر خدا کو اُن کی حالت پر ترس آیا۔ اور یکایک اُندلس کے جہازون کا بیڑا نمودار ہوا۔ جس پر وہان کے بہت سے مسلمان سوار تھے۔ اور بہ شوق جہاد مسیحی شہرون اور آبادیون پر حملہ کرنے کو گھرون سے نکلے تھے۔ ادھر تو یہ اندلس کے جہاز آئے۔ اُدھر دوسری طرف سے افریقہ کے بہت سے جہاز بھی آپھونچے جن پر مجاہدین افریقہ کا ایک کثیر التعداد لشکر سوار تھا۔ اِن دونون بیڑون کے آجانے سے محصور مسلمانون کے پاس زبردست لشکرون کے علاوہ ۳۰۰ جہاز بھی موجود ہو گئے۔ اِن تمام جہازون پر سے اُتر کے لشکر اسلام نے جیسے ہی ساحل پر قدم رکھا رومی محاصرہ چھوڑ کے بھاگ گئے۔ اور جان بلب محصورین کی جان مین جان آگئی۔

شہر بلرمو فتح ہوا

اب مسلمانون نے زور و شور اور جوش و خروش سے بڑھ کے شہر بلرم (بلرمو) کا محاصرہ کر لیا۔ اور ایسی شجاعت سے اُس پر یورشین شروع کر دین کہ حاکم قلعۂ بلرمو کے حواس جاتے رہے۔ اور عاجزی کے ساتھ اُس نے خود اپنے اور اپنے اہل و عیال کے لیے امان مانگی۔ اُس کی درخواست قبول کی گئی۔ وہ اپنے اعزا و اقارب اور مال و اسباب کو لے کے براہ دریا مملکت روم مین

چلا گیا۔ اور مسلمان رجب ۲۱۶ھ (مطابق سنہ محمدیؐ) مین شہر پلرمو کے اندر داخل ہوئے۔ لیکن اندر جاکے دیکھا تو اُس مین تین ہزار آدمیون سے زیادہ نہ تھے۔ حالانکہ محاصرے اور حملے سے پہلے اُس مین ستر ہزار آدمیون کی آبادی تھی۔ اس کمی کی وجہ یہ خیال کی گئی کہ بہت سے لوگ تو لڑائی مین مارے گئے۔ بہتون نے محاصرے کی سختیون قحط اور فاقہ زدگی سے جانین دین۔ اور جو اِن آفتون کو جھیل کے بچے تھے اُن مین سے بھی زیادہ حصہ غیر مذہب اور غیر قوم کی غلامی سے خوف کھاکے امان ملتے ہی کشتیون پہ سوار ہو کے مملکت روم مین چلا گیا۔

اندلس اور افریقہ کے مسلمانون مین نزاع

اب دشمن مغلوب ومقہور ہو گیا تو بدنصیبی سے اندلس اور افریقہ کے مسلمانون مین نزاع شروع ہوئی۔ اہل اندلس چاہتے تھے کہ اس جزیرے کو اپنی زبردست اُموی سلطنت ہسپانیہ مین شامل کر لین۔ اور مسلمانان افریقہ اس جزیرے کو اپنا حق سمجھتے تھے۔ اس لیے کہ پہلے اُنھین نے فوج کشی کی تھی اور مختلف شہرون پہ قبضہ کر چکے تھے۔ آخر خدا خدا کرکے یہ جھگڑا موقوف ہوا۔ اور جزیرۂ صقلیہ عرب فرمان رواے افریقہ کا حق تسلیم کیا گیا۔ اور حسب سابق دولت بنی اغلب ہی کے زیر حکومت رہا۔

عربون کی فتحمندانہ سبقت

سنہ ۲۱۹ھ تک مسلمان پلرمو ہی مین رہے۔ اور اپنی حالت درست کرتے رہے۔ سال مذکور مین وہ پھر شہر قصریانہ کی طرف بڑھے جس پہ قبضہ کرنے کی کوشش مین اُنھین کئی سال پہلے سخت ناکامی ہو چکی تھی۔ وہان جو رومی لشکر موجود تھا اُس نے بڑھ کے مقابلہ کیا۔ اور دونون حریف بڑی بہادری سے قدم جماکے لڑے۔ سخت کشت وخون ہوا۔ آخر مسلمان فتحیاب ہوئے۔ اور رومی بھاگ کے اپنے پہاڑ مین

پناہ گزین ہو گئے اور وہ مضبوط مقام مین تھا۔ اُسی سال ربیع الاول مین اُنھون نے پھر بڑھ کے مسلمانون کے سامنے صف جنگ مرتب کی۔ جہان تک بنا پامردی سے لڑے۔ گر قسمت مین پھر شکست لکھی تھی۔ میدان چھوڑ کے بھاگے۔ اور پھر اُسی اگلی لشکرگاہ مین پناہ لی۔

محمد بن عبداللہ کی سپہ سالاری

اب سنہ ۲۲۰ھ تھا۔ اور عربون کا سپہ سالار محمد بن عبداللہ تھا جس کے زیر علم وہ پھر قصریانہ کی طرف بڑھے۔ رومیون نے حوصلہ کرکے پھر مقابلہ کیا۔ اور پھر شکست کھائی۔ اس لڑائی مین رومی ایسی بدحواسی سے بھاگے تھے کہ اُن کے سردار کی بیوی مسلمانون کے ہاتھ مین اسیر ہو گئی۔ جس کی گود مین بچہ بھی تھا۔ لشکرگاہ مین جو کچھ تھا بہادران عرب نے جی کھول کے لوٹا۔ اور غانم وسالم بلرمو مین واپس گئے۔

اب محمد بن عبداللہ سپہ سالار عرب نے ایک لشکر شہر طبیرمین کی طرف روانہ کیا۔ اور اُس کی کمان محمد بن سالم نام ایک بہادر شہسوار عرب کو دی۔ اس لشکر نے اُن اطراف مین چارون طرف تاختین شروع کین۔ متعدد فتحین حاصل کین۔ اور خوب سامال غنیمت حاصل کیا۔ بدنصیبی سے اِس کے ماتحت سپاہیون مین سے ایک شخص کسی وجہ سے اُس کا دشمن ہو گیا تھا۔ اُس نے اُنھین تاختون کے درمیان کسی موقع پر قابو پا کے اُسے قتل کر ڈالا۔ اور خود مع اُن لوگون کے جو سازش مین شریک تھے بھاگ کے رومیون سے جا ملا۔

فضل بن یعقوب کی سپہ سالاری

اغلبی تاجدار افریقیہ زیادۃ اللہ کو اِس واقعے کی اطلاع ہوئی تو اُس نے اپنے دربار کے شجاعون مین سے فضل بن یعقوب کو سپہ سالار بنا کے بھیجا۔ فضل ایک مختصر فوج کے ساتھ علاقہ سرقوسہ مین اُترا۔ اور اطراف وجوانب کے شہرون کو لوٹ مار کے واپس گیا۔ اب ایک اور عربی لشکر جو فضل کے لشکر سے زبردست تھا افریقیہ سے آیا۔ اُس نے

بھی چارون طرف تاختین شروع کر دین۔ یہ لوگ اُسی لوٹ مار مین مشغول تھے کہ وہ زبردست بطریق جو حکومت قسطنطنیہ کی جانب سے صقلیہ کا حاکم تھا بڑے بھاری لشکر کے ساتھ آکے مسلمانون کے مقابل ہوا۔ عربون کے لشکر مین جو اُس فوج کے مقابل کمزور تھا سخت پریشانی پیدا ہوئی۔ مقابلے کی طاقت نہ تھی مجبوراً سب نے ایک گھنے جنگل مین گھس کے پناہ لی۔ اور ابتداے روز سے عصر کے وقت تک اُسی جنگل مین گھسے رہے۔ اتنی دیر تک انتظار کر کے رومی بطریق نے خیال کیا کہ اب مسلمان جنگل سے نکلنے کی جرأت نہ کرسکین گے اپنے سپاہیون کو کمر کھولنے کی اجازت دیدی۔ یہ حکم ہوتے ہی تمام مسیحی سپاہی کمرین کھول کھول کے اور ہتھیار رکھ کے منتشر ہو گئے۔ اور اکثر تھکن مٹانے کے لیے جابجا پڑ گئے۔ اُن کو غافل و غیر مسلح دیکھ کے عرب لوگ یکایک جنگل سے نکل پڑے۔ اور رومی لشکر گاہ پر دھاوا کر دیا۔ رومیون پر عجیب بدحواسی طاری ہوئی۔ اُٹھ اُٹھ کے بھاگنے لگے۔ اور عربی تلوارون نے اُنھین کاٹنا اور مار مار کے گرانا شروع کیا۔ دم بھر مین ہزارون رومی قتل ہو گئے۔ اور اُن کا سپہ سالار حاکم صقلیہ بھی کئی زخم کھا کے گھوڑے سے گر پڑا۔ اس مین تو اپنی جان بچانے کی مطلق طاقت نہ تھی کسی وفادار رفیق نے جان پر کھیل کے اُسے اُٹھا کے اپنے گھوڑے پر ڈالا اور لے بھاگا۔ مگر رومیون کا خیمہ و خرگاہ اور سارا سامان جنگ مسلمانون کے ہاتھ لگا۔ یہ بڑا زبردست معرکہ تھا جس نے رومیون کی کمر توڑ دی۔

اِس فتح نے صقلیہ کی قسمت پلٹ دی۔ اور اُسی وقت سے گویا یہ قدیم رومی جزیرہ مسلمان تاجداران افریقیہ کی قلمرو مین شامل ہو گیا۔ اگرچہ اس کے بعد بھی اکثر رومیون کے حملے ہوتے رہے مگر ملک اور رعایا پر مستقل حکومت شاہان بنی اغلب کی تھی جن کے ملک سے براہ دریا برابر آمد و رفت جاری رہتی۔ تمام سول عہدہ دار اور فوجی افسر عربی نژاد اور حامل لواے توحید تھے۔ اور اُسی وقت سے بضرورت وہان کثرت سے مسجدین تعمیر ہونے لگین۔

ہندوستان مین مشرقی تمدن کا آخری نمونہ

درمیانی حصۂ جسم کے لباس کا حال ہم بیان کر چکے ہین لہذا اب اُس جُزو لباس کی طرف توجہ کرتے ہین جو سر کے لیے مخصوص ہے۔ اور اسی لباس کی ہندوستان مین زیادہ تر عزت و حرمت کیجاتی ہے۔ اس لیے کہ جس طرح سر سارے جسم مین ممتاز ہے اُسی طرح اُس کے لباس کو بھی زیادہ ممتاز ہونا چاہیے۔ قدیم الایام سے ہندوستان مین پگڑی باندھنے کا رواج چلا آتا ہے۔ اگرچہ عربی و عجمی فاتح بھی عمامے باندھے ہوئے یہان آئے اور اُن کی حکومت قائم ہو جانے کی وجہ سے یہان کی پگڑیون مین بہت کچھ تغیر ہو گیا لیکن یہ نہین کہہ سکتے کہ مسلمانون کے آنے سے پہلے یہان پگڑی نہ تھی۔

ابتدائی دور کے مسلمان فرمان رواؤن کے عمامے بڑے بڑے تھے۔ اور اُسی لحاظ سے اُن دنون تمام معززین و اُمرا اور دولت مندون کی پگڑیان بھی غالباً بڑی بڑی ہون گی۔ جن کے نیچے قدیم ترکی وضع کی نوکدار مخروطی ٹوپیان ہوتی ہین جو افغانستان مین آج تک مروّج اور موجود ہین۔ اور اُنھین سے لے کے ہماری ہندوستانی فوج کی وردیون مین شامل کی گئی ہین۔

سلطنت مغلیہ کے عہد مین پگڑیان روز بروز چھوٹی ہونے لگین۔ اور اس کی وجہ یہ ہے کہ سرد ممالک مین جس طرح سردی کی مضرت سے بچنے کے لیے جو زمانہ گزرتا ہے لباس وزنی اور گندہ ہوتا جاتا ہے ویسے ہی گرم ملکون مین سبک ہلکا اور مختصر ہوتا رہتا ہے۔ اگلے مسلمان فاتح جیسے بھاری اور موٹے کپڑے پہنے ہوئے یہان آئے ہون گے اُن کے وزنی ہونے کا اندازہ ہم فقط قیاس سے کر سکتے ہین مگر انگریزون کو اپنی آنکھ سے دیکھ رہے ہین کہ اُن کا اور اُن کی عورتون کا لباس روز بروز کس قدر سبک وار چھا اور مختصر ہوتا جاتا ہے۔

اسی اصول کے مطابق یہان پگڑیان روز بروز ہلکی اور چھوٹی ہوتی گئین اور ملک کا یہ رجحان دربار کی وضع پر بھی اثر کرتا گیا۔ دربار مغلیہ کے آخر عہد مین امرا اور منصبدارون کی پگڑیان بہت ہلکی ہو گئی تھین۔ اور اسی اہتمام

پسندی نے یہ بات پیدا کی کہ پگڑیون کی صدہا قطعین ہو گئین۔ اور اکثر اُمرا نے اپنے لیے خاص بندش اور خاص وضع کی چھوٹی چھوٹی پگڑیان ایجاد کر لین۔

پگڑیون کے اختصار نے ترکی کلاہ کو ترک کرا دیا۔ اور یہ حالت ہو گئی کہ کسی کی پگڑی کے نیچے ٹوپی ہوتی ہی نہ تھی۔ اور بعض پہنتے بھی تھے تو کسی بہت ہی باریک کپڑے کی ذرا سی ٹوپی جو پھونک مین اُڑ جائے۔ اِن ٹوپیون کی نسبت ہمین وثوق کے ساتھ نہین معلوم ہے کہ کس وضع کی ہوتی تھین۔ غالباً اُن کی قطع اُن ٹوپیون کی قطع سے ملتی ہو گی جو اب مشائخ اور فقرا کے سرون پر ہوتی ہین۔ یعنی ایک چھ سات انگل کی چوڑی پٹی کا سر کے برابر ایک حلقہ بنایا جائے اور اوپر کی جانب چُنٹ دے کے وہ سمیٹ دیا جائے۔

لیکن چند روز مین ضرورت محسوس ہوئی کہ گھر مین اور بے تکلفی کی صحبتون مین پگڑی اُتار کے رکھ دی جایا کرے۔ لیکن ننگے سر رہنا چونکہ معیوب ہے اس لیے کسی قسم کی ٹوپی سر پر ضرور رہے۔ اس ضرورت کے پورا کرنے کے لیے دہلی مین تاج کی وضع سے لے کے ایک کمرخی ٹوپی ایجاد ہوئی جس مین اُس گول حلقہ کے اوپر جو سر مین پہنا جاتا چار کونے نکلے رہتے۔ اس وضع کی ٹوپی اب بھی بعض امرا و شاہزادگان دہلی کے سرون پر نظر آ جایا کرتی ہے۔ یہ ٹوپی صحیح معنون مین چوگوشیہ کہلاتی تھی۔ چند روز کے اندر اس ٹوپی مین بھی ترمیم و تنسیخ کا عمل شروع ہوا اور دہلی ہی مین وہ کمرخی کونے نکال کے ایک گول قبہ نما ٹوپی ایجاد ہو گئی جس مین چار پان ایسی قطع سے کاٹ کے جوڑے جاتے کہ ایک لمبوترا قبہ سر پر نظر آتا۔ یہی ٹوپی پہنے ہوئے لوگ لکھنؤ مین آئے۔ اور اُس وقت سے اُس مین دربار لکھنؤ کا اثر پڑنا شروع ہوا۔ یہان پہلی ترمیم یہ ہوئی کہ پانون کے جوڑون پر لمبی صراحیان بنائی گئین۔ اور اُن صراحیون کے درمیان خوشنما چاند قائم کیے گئے۔ یہ چاند اور صراحیان اِس طرح بنائی جائین کہ باریک تنزیب

کے پانون مین نین سکھ کی صراحیان اور چاندکاٹ کے اندر کی طرف ٹانک دیے جاتے۔ جو اوپر نمایان ہو کے ٹوپی مین ایک اچھی نفاست۔ صفائی اور سادگی پیدا کرتے۔ یہ ٹوپی یہان بہت پسند کی گئی۔ عام لوگون نے یکایک پگڑی باندھنا چھوڑ دیا۔ اور ہر مہذب و شائستہ آدمی کے سر پہ یہی ٹوپی نظر آنے لگی۔

عام مقبولیت نے اُس کی قطع اور درست کی۔ لمبوتراپن موقوف ہو کے نہایت مناسب گولائی پیدا کی گئی۔ اور پگڑی اور تانبے کے قالب ایجاد ہوئے تاکہ اُن پہ کھینچ سکے یہ چوگوشیہ ٹوپیان (جو دہلی والی پرانی کمرخی ٹوپیون کا نام اپنے ساتھ لیتی آئی تھین) خوب قبہ دار اور گول کر لی جائین۔

اتنے مین نصیر الدین حیدر کا زمانہ آیا۔ جبکہ لکھنؤ مین مذہب شیعہ کا خوب فروغ تھا۔ اور مذہب۔ سیاست۔ تمدن اور معاشرت ہر چیز مین اپنے مذاق کے مطابق اصلاحین کر رہا تھا۔ خلفاے اربعہ کی مخالفت اور پنجتن کی محبت نے لکھنؤ کی درباری معاشرت مین چار کے عدد کو بُرا اور پانچ کے عدد کو محبوب بنا دیا تھا جس کا اثر ٹوپی پر یہ پڑا کہ بربناے بعض مستند روایات خود جہان پناہ کی ہدایت کے مطابق اس چوگوشیہ ٹوپی مین چار کے عوض پانچ پان کر دیے گئے۔ جس کی وجہ سے اُس مین پانچ صراحیان اور پانچ پان ہو گئے۔ اور نام بھی بجاے چوگوشیہ کے پنجگوشیہ قرار دیا گیا۔ لیکن اصل ٹوپی مین جو ترمیم ہوئی تھی وہ تو اس قدر مستقل ہو گئی کہ چار پانون کی ٹوپیان بالکل فنا ہو گئین۔ اور کسی کو یاد بھی نہ رہا کہ کبھی اُن مین فقط چار پان ہوا کرتے تھے۔ مگر چوگوشیہ کا نام نہ مٹ سکا۔ آج تک باقی ہے۔ اور زبانون پہ وہی ہے۔ اگرچہ بعض لوگ پنجگوشیہ بھی کہتے ہین۔ مگر زیادہ لوگ ایسے ہی ہین جو اس پانچ پانون والی ٹوپی کو آج تک چوگوشیہ کہتے ہین۔

نصیر الدین حیدر بادشاہ اودھ نے یہ پانچ پانون والی ٹوپی ابتداءً

خاص اپنے لیے ایجاد کی تھی۔ اور اُن کی زندگی مین رعایا مین سے کسی کی مجال نہ تھی کہ اُس ٹوپی کو پہنے۔ مگر اہل شہر کو یہ وضع اِس قدر پسند آگئی تھی کہ اُن کی آنکھ بند ہوتے ہی ہزاد نے و اعلیٰ نے اسی کو اختیار کر لیا۔ اور لکھنؤ کے تمام مہذب وشائستہ لوگون کے سرون پر یہی گول قبہ نما ٹوپی نظر آتی تھی۔

چند روز بعد جاڑون کی ضرورت سے اِس قسم کی نہایت نفیس کامدار ٹوپیان ایجاد ہوگئین۔ جن مین پانچون پاکون مین زربفت یا زری بوٹی کی زمین پر دوسرے رنگ کی ریشمی زمین دے کے قیطون سے چاند اور صراحیان بنائی جاتی تھین۔ اور تمام وضعدار لوگون کے سرون پر جاڑون کے موسم مین اُن کے سوا اور کوئی ٹوپی نہ ہوتی۔ اس کے بعد جب چکن کا رواج ہوا تو موسم گرما کے لیے اُسی کام کی چوگوشیہ ٹوپیان ایسی اعلیٰ درجے کی نفیس وخوشنما بننے لگین جو سال سال بھر کی محنت مین تیار ہوتین۔ اور دس دس بارہ بارہ روپیہ تک اُن کی قیمت پہونچ گئی۔

اُسی زمانے مین دہلی کے ایک شاہزادے وارد لکھنؤ ہوئے۔ جن کی دربار اور سوسائٹی نے بڑی عزت کی۔ وہ دوپلڑی ٹوپی پہنا کرتے تھے۔ جس مین سر کے لمبان کے مناسب دو لمبے لمبے بیضاوی صورت مین کاٹ کے جوڑ دیے جاتے تھے۔ اُن کی یہ سادی ٹوپی اکثر لوگون کو پسند آئی۔ اِس لیے کہ وہ نسبتہً زیادہ سادی اور تیاری کے اعتبار سے آسان تھی۔ بہت سے لوگون نے یہ ٹوپی اختیار کر لی۔ اور عوام میں اس کا اس قدر [illegible] کہ آج یہی دوپلڑی ہندوستان کی قومی ٹوپی ہے وہ شاہزادے یہان کے لوگون مین "دوپلڑی ٹوپی والے شاہزادے" مشہور ہو گئے۔ اور گو وہ [illegible] خلقت کے سر اُن کی ایجاد اور تراش [illegible] آج تک زیر بار ہیں۔ یہان تک شاہی کے آخری دور مین اسی دوپلڑی سے لے کے یہان ایک بہت ہی چھوٹی پتلی ٹوپی ایجاد ہوئی جس مین آگے پیچھے دو نون طرف دو نوکین نکلی ہوتین۔ یہ "مُنگے دار ٹوپی" کہلاتی تھی۔ اور اِس قسم کی بھاری کام کی ٹوپیان خاص شاہزادون صاحب دولت رئیسون امراے شاہی اور اسے اعلیٰ درجے کے نواب زادون کے لیے مخصوص تھین

الحاصل غدر کے زمانے تک اہل لکھنؤ میں دو ہی طرح کی ٹوپیوں کا عام رواج تھا - اول چوگوشیہ جو مہذب اور ثقہ لوگوں کے ساتھ مخصوص تھی - اور دوسری دوپلڑی جو شاہزادوں سے لے کے ادنے طبقے والوں تک تھوڑے تھوڑے تغیر وضع کے ساتھ مروج تھی - اور آج عام لباس ہے -

غالباً غازی الدین حیدر یا نصیر الدین حیدر کے زمانے ہی سے ایک گول ٹوپی کا بھی خاص خاص لوگوں میں رواج ہو گیا جو مندیل کہلاتی - اس کی قطع ڈفلی کی سی ہوتی - اور اکثر کارچوب کے کام کی پسند کی جاتی - دولتمندوں اور بعض نوابزادوں نے اس کو زیادہ موقر دمشین تصور کر کے اختیار کیا - اور اُسے یہ خصوصیت دی گئی کہ بادشاہ اور شاہزادوں کے سامنے بغیر پگڑی باندھے یا کارچوبی کام کی مندیل پہنے کوئی شخص نہ جا سکتا تھا غرض مندیل کو دربار میں جگہ دے دی گئی - اسی مندیل سے ماخوذ وہ گول ٹوپی تھی جس کے اوپر کے کونے ذرا گولائی لیے ہوتے اور جنرلی ٹوپی کہلاتی - یہ عموماً سیاہ مخمل کی ہوتی اور اس پر سچے سنہرے کلابتون کا سچا کام ہوتا - اصل میں یہ ٹوپی سرکار انگریزی کی فوج میں گوروں کو دی گئی تھی - اور بہ ظاہر اس میں وردی کی شان بھی تھی - مگر انگریزوں کی تقلید کا غالباً پہلا نمونہ یہی تھا کہ یہ فوجی اور جنرلی ٹوپی شاہزادوں اور خاندانی امیروں کے لباس میں داخل ہو گئی -

آخری شاہ اودھ واجد علی شاہ نے اپنے دربار کے خطاب یافتہ معززین کے لیے ایک نئی اور عجیب قسم کی درباری ٹوپی ایجاد کی - اس میں کا قد کا مقوی دے کے ایک گول حلقہ سادے اطلس یا کارچوبی کام کا بنایا جاتا جو پیشانی پر زیادہ اونچا ہوتا - اس میں اوپر کی طرف تنزیب گرنٹ یا جالی کی ایک بڑی سی جھولی بنا کے جوڑ دی جاتی - اور پہننے میں وہ جھولی پیچھے گدی تک لٹکتی اور سر کے پچھلے حصہ پر پڑی رہتی - اس درباری ٹوپی کا نام بادشاہ نے "عالم پسند" رکھا تھا - اور اکثر عوام اُسے "جھولا" کہتے مگر یہ اس قدر غیر مقبول اور ناپسندیدہ وضع تھی کہ واجد علی شاہ کی زندگی میں بھی اُن کے دربار کے باہر اُن لوگوں کے سروں پر بھی نہ نظر آ سکتی جن کو وہ عطا ہوئی تھی - اور اُن کے بعد

تو اس قدر مٹ گئی کہ آج کل کے لوگون نے شاید اُسے کبھی دیکھا بھی نہ ہوگا
غدر کے بعد لکھنؤ مین یکایک ٹوپیون کی دنیا مین ایک انقلاب عظیم
شروع ہو گیا۔ چند روز تک تو جو گوشیہ دو پلڑی اور تندیلون یا
پگڑیون کے سوا سر کا کوئی لباس نہ تھا۔ اُس کے بعد یکایک چوگوشیہ
ٹوپی کا رواج چھوٹنا شروع ہوا۔ یہان تک کہ اب اس کے لیے صرف
چند پُرانے وضعدار سر رہ گئے ہین۔ ان ٹوپیون سے جو سر خالی ہوئے اُن
مین سے اکثر نے دو پلڑی اختیار کی۔ لیکن بعض جدتین تلاش کرنے
لگے۔ چند روز تک میرٹھ کی سوزن کار سندیل نما ٹوپیون کا دور رہا۔
اس کے بعد انگریزون کی نائٹ کیپ یا کشمیر کی اونی لمبی چندوے دار
ٹوپیان مروج ہوئین۔ پھر اُن کی وضع سے ماخوذ کر کے گرنٹ یا شین کی
پتلی پتلی ٹوپیان اختیار کی گئین جو مختصر ہوتے ہوتے دو پلڑی کے قریب
پہونچ گئی تھین۔ اب انگریزی عہد کی وضعداریان شروع ہوئین۔ اور
سر کے لیے اُن کے لباس سے ملتا جلتا لباس ڈھونڈھا جانے لگا۔ بعض لوگون
نے تو ہر طرف سے آنکھین بند کر کے بلا تامل ہیٹ یا انگریزون کی نائٹ کیپ
پہننا شروع کر دی۔

(لیکن اب ترکی ٹوپی کا دور شروع ہو گیا تھا۔ اِس ٹوپی کو سید احمد خان
مرحوم نے اختیار کیا تھا۔ اور مسلمان جنٹلمینون کے لیے کوٹ پتلون مین اُس
کا جوڑ لگایا تھا۔ اس وجہ سے ابتداءً یہ ٹوپی نہایت ہی نفرت کی نگاہ
سے دیکھی گئی۔ نیچریون کی ٹوپی اُس کا نام پڑ گیا۔ اخبارون مین اُس پر
ہزارون پھبتیان کہی گئین۔ مگر سرسید کے استقلال نے اُسے مروج
کر ہی کے چھوڑا۔ اُن کی زندگی ہی مین لاکھون آدمی اُسے پہننے لگے۔
یہان تک کہ لکھنؤ مین بھی آ پہونچی۔ بہتون نے علی رغم المخالفین یہان بھی اسے
پہننا شروع کر دیا۔ لیکن اندر ہی اندر اُس کی طرف لوگون کا رجحان اس قدر
بڑھا کہ اب سارے ہندوستان مین اکثر تعلیم یافتہ اور مہذب مسلمان اسی
ٹوپی کا استعمال کر رہے ہین)

لکھنؤ میں معزز تعلیم یافتہ اور شائستہ شیعہ ہندوستان کے تمام شہروں سے شاید زیادہ ہیں۔ اور اُن میں اس بات کی تحریک بمقابل سنیوں کے بڑھی ہوئی ہے کہ ہر بات میں اپنے آپ کو متمائز کریں۔ اور اپنے شعائر واوضاع جداگانہ قرار دیں۔ اس کے ساتھ یہ بھی ہے کہ جس طرح اہل سنت دولت عثمانیہ کے طرفدار ہیں شیعہ دولت قاجاریہ ایران کے پیرو وجانبدار ہیں۔ لہذا جب لکھنؤ میں ترکی ٹوپی کا رواج بڑھنا شروع ہوا جو ترکوں کی ٹوپی ہے تو وضعدار شیعوں کو خیال ہوا کہ بجائے ترکی ٹوپی کے دربار عجم کی کلاہ یا پارخ کو اپنے لیے اختیار کریں۔ یہ تحریک پورا کام کر گئی اور اب یہ حالت ہے کہ جو مسلمان اپنی پرانی ٹوپیوں کو چھوڑ کے نئی ٹوپی اختیار کرتے ہیں وہ اگر سنی ہیں تو ترکی ٹوپی پہننے لگتے ہیں اور اگر شیعہ ہیں تو ایران کی پرشین کیپ کو اختیار کرتے ہیں۔ اگرچہ دونوں فرقوں میں بعض ایسے روشن خیال بھی موجود ہیں جو مسلمانوں کی اس اندرونی اعتقادی تفریق کو مٹانا چاہتے ہیں اور باوجود سنی ہونے کے ایرانی یا باوجود شیعہ ہونے کے ترکی ٹوپی پہنتے ہیں۔ مگر ایسے لوگ کم ہیں مسلمانان شہر کے جدید المذاق لوگوں کی عام وضع یہی ہے کہ شیعہ ایرانی اور سنی ترکی ٹوپی پہنتے ہیں۔

مسلمانوں کی یہ باہمی تفریق دیکھ کے ہندو تعلیم یافتہ لوگوں نے علی العموم گول مندیل نما فلٹ کیپ اختیار کر لی۔ جس کو بعض مسلمان بھی پہنتے ہیں۔ مگر ہندوؤں انگریزی دانوں کی وضع میں بکثرت داخل ہو جانے کی وجہ سے انگریزوں نے اُس کا نام "بابوز کیپ" رکھ دیا ہے مگر عوام ہندو ہوں یا مسلمان شیعہ ہوں یا سُنی دوپلڑی ہی پہنتے ہیں۔

غدر کے بعد جو زمانہ گزرا یہ لکھنؤ کی سوسائٹی کے لیے عظیم الشان کون و فساد کا زمانہ تھا۔ معاشرت اور اخلاق و عادات کے ساتھ لوگوں کے لباس اور وضع میں بھی تغیر ہونے لگا۔ اور تعلیم یافتہ جماعت میں کثرت سے ایسے لوگ پیدا ہو گئے جنھوں نے اپنی معاشرت کے ساتھ اپنی وضع بھی بالکل چھوڑ دی۔ نہ اُن کی ٹانگوں میں پائجامہ رہا نہ بنڈے پر انگرکھا۔ نہ پاؤں میں چڑھواں جوتا۔ اور نہ سر پر ٹوپی یا پگڑی۔ بلکہ ایک ہی جست میں وہ سات سمندر پھاند کے ہندوستان سے انگلستان میں کود پڑے۔ اور کوٹ

پتلون۔ بوٹ اور ہیٹ اُن کا لباس ہو گیا۔ لیکن آبادی کے غالب گروہ نے اپنی وضع برقرار رکھنا چاہی تاہم بغیر اس کے کہ وہ محسوس کرین اُن مین بھی تغیر ہوا۔ اور انگرکھے کے عوض شروانی اُن کا قومی لباس بن گئی۔ لیکن سر کے لیے معلوم ہوتا ہے کہ جیسے ابھی تک کوئی ایسی ٹوپی نہین منتخب ہو سکی جس کو سب بلا تامل اختیار کر لین۔

اس کون و فساد اور ردوبدل کے زمانے مین لکھنؤ مین بیسیون ٹوپیان پیدا ہوئین جو یا خود یہین کی ایجاد تھین یا کسی اور قوم یا مقام سے ماخوذ تھین۔ اُن مین سے جو چند روز تک ٹھہر سکین اُن پر لکھنؤ کے اصلی مذاق نے بہت کچھ تصرف بھی کیا مگر آخر وہ ترک ہو گئین۔ اہل لکھنؤ کا طبعی رُجحان اس جانب ہے کہ ہر چیز حتی الامکان نازک نفیس۔ چھوٹی۔ چست۔ اور سبک ہو۔ ہر وضع و لباس مین ان لوگون نے اسی مذاق کا تصرف کیا۔ اور اکثر ٹوپیون مین بھی اس قسم کا تصرف ہوا۔ مگر ترکی ٹوپی۔ ایرانی ٹوپی۔ اور ہیٹ مین یہ لوگ مطلق تصرف نہ کر سکے۔ جس کی وجہ یہ ہے کہ یہ ٹوپیان دوسری قومون سے بنی بنائی لی جاتی ہین۔ اور باہر سے آتی ہین۔ اور اسی تصرف نہ ہو سکنے کی وجہ سے ہمارا خیال ہے کہ ان ٹوپیون مین سے ایک بھی باوجودیکہ بکثرت مروج ہو گئی ہے۔ لکھنؤ کے مذاق سے جدا ہونے کے باعث یہان کا قومی لباس نہ بن سکے گی۔ اور ٹوپی کا مسئلہ تا حال موجودہ لباس کی مجلس مین زیر غور و تجویز ہے۔

سخن سنج

زبان اردو کی خدمت اور مذاق سلیم کا تقاضا۔ اپنی وضع مین انوکھا دو جزو کا سہ ماہی رسالہ ہے جس کے پہلے حصے مین نثر اور دوسرے حصے مین نظمین شائع ہوا کرتی ہین۔ دوسرا نمبر جو اپریل مین شائع ہوا ہے۔ اس کے جزو اول مین مولانا شرر مدظلہ کی لکھی ہوئی مجموعہ ہستین شیرین ملکۂ عجم کی سوانح عمری ہے۔ اور دوسرے جزو مین اساتذہ لکھنؤ و دیگر مشاہیر شعرا کی مشہور نظمون اور تازہ غزلون کے علاوہ حضرت غالب و شمس العلما مولانا شبلی کی غیر مطبوعہ غزلین بھی ہین چندہ سالانہ (۱۲) مع محصول ڈاک ایسے برگزیدہ مضامین اور ایسا کم قیمت رسالہ ایسے پر آشوب زمانے مین جبکہ کاغذ انمول ہو رہا ہے ہرگز ہرگز نہین مل سکتا۔ نمونہ ۱/ کے ٹکٹ آنے پر روانہ ہو گا۔ بغیر جوابی کارڈ کے کسی خط کا جواب نہ دیا جائیگا۔

الملتمس منیجر دلگداز کٹرہ بزن بیگ خان لکھنؤ۔
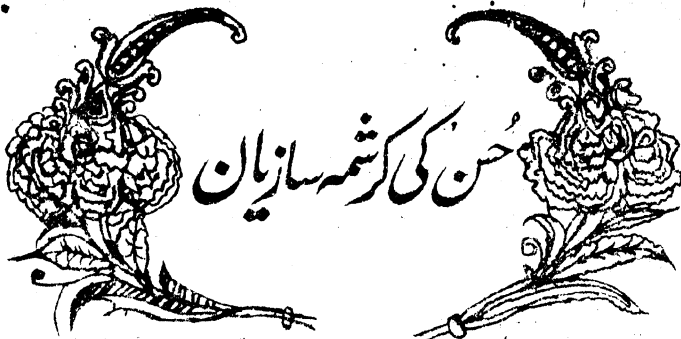
(دکن کی کافر ماجرا مہ جبین پرتھال)

حُسن کی کرشمہ سازیون کے سلسلہ مین ہم نے ابھی تک ہندوستان کی طرف توجہ نہین کی اور جو کچھ لکھا دوسرے ملکون کی نامور جادو نگاہون کے متعلق لکھا۔ مگر ہمارے لیے خاص ہندوستان مین بھی بہت کافی ذخیرہ موجود ہے۔ بلکہ بقول علامہ فیضی

این فتنہ بہ ہند گرم خیز است   اینجاست کہ آفتاب تیز است

یہان مہ جبینون کے حُسن کی کرشمہ سازیان زیادہ بڑھی ہوئی ہین۔ ہندوستان مین فی الحال بڑی خرابی اور دشواری یہ ہے کہ ہر معاملہ مذہبی جنبہ داری اور تعصب پر محمول کر دیا جاتا ہے۔ اور ہم مجبور ہین کہ یہان کے اگلے دور کی کسی حسینہ کے حالات لکھتے وقت ایسے الزامون کی طرف سے بے پروا ہو جائین۔ تاہم مندرجۂ ذیل واقعات مین ہم نے اپنی طرف سے کوئی اضافہ نہین کیا۔ تاریخ فرشتہ مین جو کچھ مذکور ہے اُسے اپنے الفاظ مین ادا کیے دیتے ہین۔

دکن مین جن دنون بہمنیون کی زبردست سلطنت قائم تھی اُن کے سب سے زبردست حریف راجگان بیجانگر تھے۔ اُن کا دارالسلطنت دکن کا نہایت ہی تاریخی شہر تھا۔ اور اُس کی شوکت و حشمت کے عجیب و غریب واقعات تاریخون مین مذکور ہین۔ دریاے تُنگ بھدرا (جو فی الحال دولت آصفیہ نظام ادام اللہ شوکتہا و دولتہا کی جنوبی سرحد پر رائچور کے قریب واقع ہے) بہمنیون اور ہندو دولت بیجانگر کی قلمرو کے درمیان مین حدِ فاصل تھا۔ سنہ ۸ھ اور

۱۳۵۸ء کے درمیان جب تمنگ بھدرا کے شمال مین سلطان فیروز شاہ بہمنی اور اُس کے جنوب مین راجہ ذیو راے حکومت کر رہے تھے بیجانگر کا ایک عالم و فاضل فن موسیقی کا صاحب کمال اور عابد و مرتاض برہمن اپنے وطن سے کاشی کے تیرتھ کے لیے بنارس مین آیا۔ اور فرائض مذہبی ادا کر کے واپس گیا تو بہمنی قلمرو کے علاقۂ مُدگل کے ایک گاؤن مین ایک سنار کے گھر پر اُترا کہ رات وہان بسر کرے اور صبح کو آگے کا راستہ لے۔ چونکہ وہ مذہبی مقتدا اور متبرک و مقدس شخص خیال کیا گیا اس لیے سنار اور اُس کے عام گھر والون نے حاضر ہو کے اس کے قدم چومے۔ جہان تک بنا اُس کی تعظیم و تکریم کی اور اُس سے برکت اور دعاے خیر کے طالب ہوئے۔ برہمن نے سب کو دعا دی تو سنار نے ادب سے عرض کیا "میری ایک بیٹی ہے پرتھال حضور اُس کے حق مین بھی دعا فرمائین۔ برہمن نے اُس کے لیے بھی دعاے خیر کی اور اُس کے بعد پوچھا تمھاری وہ لڑکی کہان ہے؟" عرض کیا "اُس کی عجیب حالت ہے۔ مسلمان عورتون کی طرح پردہ کرتی ہے۔ اور اپنے حسن و جمال پر اُسے اتنا بڑا ناز ہے کہ کسی کو صورت نہین دکھاتی۔ ہم نے اپنی ذات اور برادری مین اُس کی نسبت ٹھہرائی تھی مگر اُس نے شادی کرنے سے صاف انکار کر دیا۔ اور کہا جس نے مجھے یہ دل رُبا صورت دی ہے وہی اِس کا قدردان بھی پیدا کر دے گا۔ اُسے اس قدر بیباک اور شوخ دیدہ دیکھ کے ہم لوگ خاموش ہو رہے ہے۔ اب آپ سے التجا کرتے ہین کہ ایسی دعا کیجیے کہ وہ شادی کرنے پر راضی ہو جائے۔"

یہ واقعات سُن کے برہمن کو تعجب کے ساتھ پرتھال کا چہرۂ زیبا دیکھنے کا شوق ہوا۔ اُس کے قریب گیا اور پکار کے کہا "بیٹی! تو مجھ سے پردہ کرتی ہے! مجھے اپنے باپ کی جگہ سمجھ۔ اور مین وعدہ کرتا ہون کہ اپنی حقیقی بیٹی سے زیادہ تجھ سے محبت کرون گا۔ اس لیے باہر آ کے اپنے خداداد حُسن سے میری آنکھون کو روشن کر۔" یہ سُن کے پرتھال نے پردے سے نکل کے برہمن کے قدم چومے اور اُس کے سامنے سرد قد کھڑی ہو گئی۔ برہمن نے اُسے اوپر سے نیچے تک

دیکھا۔ اور دیکھتے ہی دل میں کہا "دنیا میں ایسا حسن و جمال تو کسی نے نہ دیکھا ہوگا۔ یہ عورت نہیں آسمان کی کوئی اپسرا یا دیوی ہے" پھر محبت سے اُسے اپنے پاس بٹھا لیا۔ اور اُس سے باتیں کیں۔ اُس کی نغمہ خیز اور جادو بھری آواز سُنی تو اور حیران ہوا کہ اِس دنیا سے فانی میں ایسی حور طلعت پری جمالیں، اور ایسی دلکش آواز والیاں بھی ہیں (!)

(پھر اُس نے اُس نازنین کو اپنا گانا سنایا۔ بین بجا کے اُسے مانوس کیا۔ اور اِس فن لطیف سے اُسے مانوس پا کے کہا "میں نے اِس فن کو بڑی محنت سے حاصل کیا ہے۔ میرے پاس اور کیا رکھا ہے اگر تجھے اس کے سیکھنے کا شوق ہو تو وعدہ کرتا ہوں کہ تھوڑے ہی زمانے میں تجھے اِس فن میں بےمثل و بےنظیر بنا دوں گا۔ اگر تو نے محنت سے سیکھا تو جس طرح تیری صورت موہنی اور تیری آواز سریلی ہے اِسی طرح تیرا گانا بجانا بھی دنیا میں لاجواب ہو جائے گا۔ پرتھال نے اِس فن کے سیکھنے کا بجد شوق ظاہر کیا۔ برہمن اپنے وعدے کے مطابق وہیں ٹھہر کے اُسے گانا بجانا سکھانے لگا! اور ایک ہی سال میں اُسے کامل مغنیہ بنا کے کہا "اب تو اس قابل ہے کہ راجاؤں کے محل میں رہے۔ سوا کسی بڑے راجہ کے اور کسی کا حوصلہ نہیں ہو سکتا کہ تجھے اپنی دولھن بنائے" یہ کہہ کے برہمن نے اس خاندان سے رخصت ہو کے اپنے گھر کی راہ لی۔

چند منزلیں قطع کر کے اپنے وطن بیجانگر میں پہونچا۔ مگر پرتھال کی یاد کسی طرح نہ بھولتی تھی۔ جو ملنے آتا اُس سے سب کے پہلے پرتھال کے حسن و جمال اور اُس کی خوش گلوئی کی تعریف کرتا۔ اس کی زبان سے نکلتے ہی یہ خبر سارے بیجانگر میں پھیل گئی۔ اور ہر صحبت میں اُس سنار کی بیٹی کی تعریفیں ہونے لگیں۔ ہوتے ہوتے یہ خبر راجہ دیو راے کے کانوں تک پہونچی۔ اور رودہ بمصداق

نہ تنہا عشق از دیدار خیزد بسا کین دولت از گفتار خیزد

اِس نازنین کے حسن و جمال کا تذکرہ سنتے ہی ایک جان چھوڑ ہزار جان سے عاشق ہو گیا۔ اُسی وقت اُس برہمن کو بُلا کے نہ جبین لڑکی کے حالات

پوچھے۔ برہمن نے ایسے عنوان اور ایسے الفاظ مین اُس کا ذکر کیا کہ راجہ کے عشق مین بیتابی و بیقراری پیدا ہو گئی۔ اور برہمن سے خوشامد کرنے لگا کہ اس سینے مین تم نے آگ لگائی ہے تو تم ہی اِس کو بجھاؤ۔ بہت کچھ زر و جواہر دیا کہ اِس کوشش مین صرف کرو۔ پھر ایک سونے کا مرصع گلوبند دیا کہ اُسے لے کے فوراً مدگل مین جاؤ۔ اُس کے ماں باپ کو میرا پیام دو۔ اور جس طرح بنے اُنھین راضی کر کے منگنی کے طریقے سے یہ گلوبند اُس کے گلے مین پہنا دو۔ اور یون نہ مانے تو اُسے بیجانگر کے مندرون اور یہان کے تیرتھون کا شوق دلا کے کسی بہانے یہان لے آؤ۔

(برہمن خوش خوش روانہ ہوا۔ پھر جا کے سنار کے گھر مین اُترا۔ اور دو تین روز بعد اچھے عنوان اور دلفریب الفاظ مین شادی کا پیام دیا۔ پدمنی تھال کے ماں باپ بہت خوش ہوئے۔ فوراً راضی ہو گئے۔ اور یہ سمجھ کے کہ اب پدمنی تھال بھی ضرور راضی ہو جائے گی اُس سے تذکرہ کیا۔ لڑکی نے سن کے ماں باپ سے کہا "کیا آپ کو بیجانگر کے محل کا حال نہیں معلوم؟ اُس مین ہزارون عورتین بھری ہین۔ اور جو اُس مین گئی مر کے نکلی۔ اُس راجہ کی رانیان لونڈیون سے بدتر ہین۔ نہ ماں باپ سے مل سکتی ہین نہ کسی عزیز قریب کی صورت دیکھ سکتی ہین۔ ایسی زندگی بھر کی قید مجھ سے برداشت نہ ہو سکے گی۔ چاہے آپ کو میری محبت نہ رہی ہو یا میری طرف سے آپ کا لہو سفید ہو گیا ہو مگر مین آپ کو نہین چھوڑ سکتی۔" ماں باپ نے لاکھ سمجھایا مگر پدمنی تھال نے کسی طرح منظور نہ کیا۔ آخر خود اُس برہمن نے آ کے اُسے سمجھانا شروع کیا۔ اور باتون باتون مین چاہا کہ گلوبند اُس کے گلے مین باندھ دے۔ مگر پدمنی تھال نے سر ہٹا لیا۔ اور کہا "گو مین آپ کو باپ سے بڑھ کے مانتی اور آپ کا ادب کرتی ہون مگر اس معاملے مین آپ اصرار نہ کریں۔ میرا معاملہ ایک راز ہے جس کو مین نہ بیان کر سکتی ہون۔ اور نہ اِس بارے مین کسی کے مشورے پر عمل کر سکتی ہون۔")

یہ جواب سن کے برہمن نے اصرار شروع کیا کہ "یہ کچھ راز ہے تو بتاؤ

اور اگر اس راز کے معلوم ہونے کے بعد یہ شادی مناسب نہ معلوم ہوئی تو مین ہرگز یہ نہ صلاح دون گا کہ تم راجہ بیجانگر کی رانی بنو۔ مگر مجھے بتا دو۔"

(آخر برہمن کے مجبور کرنے سے پرتھال نے کہا۔" سنیے مجھے مدت ہوئی ایک غیب کے فرشتہ اور بڑے مہاتما نے خبر دی کہ تو مسلمان ہو کے ملکۂ جہان بنے گی۔ اور اپنے ہی ملک مین شان و شوکت سے رہ کے عیش کرے گی۔ وہ بات میرے دل مین جم گئی۔ مجھے یقین ہے کہ یہ پیشین گوئی ضرور پوری ہو گی۔ اور مین صبر اور تحمل کے ساتھ بیٹھ کے اُس کے پورے ہونے کا انتظار کرون گی۔ مجھ سے جھوٹا وعدہ نہین کیا گیا ہے۔ ہو کے رہے گا۔ اور اُس کے ہونے مین بیجانگر کے محل مین جا کے اپنی زندگی نہ خراب کرون گی۔")

اب برہمن نے پرتھال کے والدین کو بیجانگر کے درشنون کا شوق دلانا شروع کیا۔ مگر پرتھال ہرگز راضی نہ ہوئی اور اپنی ہی ضد پر اڑی رہی۔ اس ملک مین مسلمانون کی سلطنت تھی۔ اور فیروز شاہ بہمنی کے ایسے پرسطوت و جبروت سلطان کا عہد تھا۔ برہمن یا پرتھال کے ماں باپ کو اس کی جرأت نہ ہو سکی کہ اُسے جبراً بیجانگر بھیجین آخر برہمن نے ناکام و شکستہ دل واپس جا کے راجہ سے سارا واقعہ بیان کر دیا۔ اور کہا کہ افسوس اُس پر میرا کچھ زور نہ چل سکا۔

یہ ناکامی کا جواب سن کے راجہ کی بیقراری و بیتابی نے جنون کی شان اختیار کر لی۔ اور یہ حالت ہو گئی کہ نہ گھر مین چین پڑتا تھا نہ وزراء کے دربار مین دل لگتا تھا۔ آخر جتنی فوج بیجانگر مین موجود تھی اُسے ساتھ لے کے شکار کے بہانے کوچ کیا۔ اور سرحدی دریا تنگ بعدرا کے کنارے تک سفر کرتا ہوا چلا آیا۔ اب آگے دولت بہمنیہ کی قلمرو تھی اس لیے وہین پڑاؤ ڈال دیا۔ اور بغیر اس کے کہ قدیم معاہدون کا لحاظ کرے یا اپنی حالت و قوت کا اندازہ کرے ایک رات کو پانچ ہزار سوار دریا کے پار اُتار دیے۔ اور باوجودیکہ تمام وزراء اور مشیران سلطنت خلاف تھے اُن سوارون کو حکم دیا کہ تم دوڑا دوڑ گھوڑے بڑھاتے ہوئے مضافات مدگل کے اُس گانون تک چلے جاؤ جہان میری منہ جبین پرتھال رہتی ہے۔ اُس کے گھر پر ایک حملہ کر کے اُسے اپنی حراست مین کر لو۔ اس کے بعد فوراً

پلٹ پڑو۔ اور اُسے لے کے ایسے اُڑو کہ تنگ بھدرا کے اِس پار دم لو۔ فوج والون کو کیا عذر ہو سکتا تھا؟ بغیر اس کے کہ بہمنی سلطان اور اُس کے عاملون کو خبر ہونے پائے لگاتار منزلین مارتے چلے گئے۔ اور مدگل کے علاقے مین پہونچ کے دم لیا۔

خدا کی قدرت! سواران بیجانگر کی اس تاخت کی خبر اُن سے زیادہ تیز اُڑتی چلی جاتی تھی۔ چنانچہ اُن کے پہونچنے سے ایک دن پہلے مدگل کے سارے جوار مین مشہور ہو گیا کہ بیجانگر کے سوار لوٹتے مارتے چلے آتے ہین۔ اور رعایا کے دلون مین ایسی دہشت سمائی کہ سب لوگ گھر چھوڑ چھوڑ کے جنگلون اور پہاڑون مین بھاگ گئے۔ سب کے ساتھ پرتھال کا باپ سُنار بھی تمام گھر والون کو لے کے کہین دور پہاڑون مین چلا گیا۔ اور راجہ کی فوج نے جس کے ساتھ وہ برہمن بھی تھا بستی کے تمام گھر ڈھونڈھ ڈالے مگر اُس گل رخسار اور اُس لعل بے بہا کا پتہ نہ لگا جس کے شوق مین یہ ہُڑدنگے کا کھیل کھیلا گیا تھا۔ مجبوراً سب کے سب ناکام و نامراد واپس چلے۔ اور چونکہ ناکامی کا غصہ دلون مین بھرا ہوا تھا اس لیے واپسی مین راستے کی بستیون کو لوٹتے مارتے اور کشت و خون کرتے ہوے تنگ بھدرا کے کنارے پہونچے۔

اب اس بیباکانہ تاخت کی خبر مدگل کے حاکم فولاد خان کو ہو گئی جو سلطان فیروز شاہ کی جانب سے اِس علاقے کا عامل تھا۔ اُس نے فوراً تھوڑی سی آس پاس کی فوج لے کے سواران بیجانگر کا تعاقب کیا۔ اور اُنھین رگیدتا ہوا دریاے تنگ بھدرا تک چلا گیا۔ جہان تک پہونچتے پہونچتے دونون حریفون مین دو لڑائیان ہوئین۔ پہلی لڑائی مین فولاد خان کو شکست کھا کے بھاگ جانا پڑا۔ مگر دوسری لڑائی مین راجہ کی فوج کو شکست ہوئی۔ چنانچہ اپنی سرحد مین داخل ہونے سے پہلے اُن کے بہت سے آدمی کٹ گئے۔ اور وہ بقیۃ السیف نامرادیون کا رونا روتے ہوئے دریاے مذکور کے پار اُتر گئے۔

اب مجبورون نے اس ہنگامے کی خبر خود سلطان فیروز شاہ بہمنی کو پہونچائی۔ وہ سنتے ہی آگ بگولا ہو گیا۔ راجہ بیجانگر کی بدعہدی پر اُسے سخت

غصہ آیا۔ اشتہار جنگ دیدیا۔ اور فوراً ایک زبردست لشکر کے ساتھ کوچ کر کے تنگ بھدرا کے پار ہوا۔ اور بیجانگر کی طرف لوٹتا مارتا ہوا چلا۔ راجہ کو مزاحمت کی جرأت نہ ہوئی۔ بیجانگر مین قلعہ بند ہوگیا۔ اور فیروز شاہ نے اُس کے دارالسلطنت کا محاصرہ کرلیا۔ بھمنی شہزادون نے شہر پر پہونچتے ہی اتنا بڑا زبردست حملہ کردیا کہ شہر کی پہلی فصیل مین داخل ہوکے بیجانگر کے بعض محلون کو لوٹنے لگا۔ لیکن یکایک بیجانگر کے کرناٹکی بہادرون نے اِس طرح جان پر کھیل کے حملہ کیا کہ سلطان کی فوج کو ہٹا کے فصیل باہر کردیا۔ اور اُس کے بعد شہر پر قبضہ کرنا نہایت ہی دشوار ہوگیا۔

بیجانگر کوئی معمولی شہر نہ تھا۔ علاوہ راجہ کی بہادرانہ حمایت و مدافعت کے قدرت نے اُس کی مضبوطی یون کر رکھی تھی کہ چارون طرف بڑے بڑے پتھرون کی چٹانین تھین جنھون نے حریف کے لیے راستہ نہایت ہی خطرناک کر دیا تھا۔ جدھر سے یورش کرتا پتھر سد راہ ہوتے اور فصیل پر سے تیرون اور پتھرون کی مار اُسے بالکل تباہ کر دیتی۔ راجہ نے نکل کے بڑی بہادری سے مقابلہ کیا۔ اور ساتھ ہی بھمنی لشکر پر فصیل پر سے تیرون کی بوچھار ہوئی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ سلطان کا لشکر سخت نقصان اُٹھا کے پیچھے ہٹا۔ اور سنگستانی زمین سے ہٹ کے سب نے کھلے میدان مین پڑاؤ ڈالا۔ لیکن محاصرہ اُسی طرح قائم رکھا۔ اب راجہ اپنا لشکر لے کے میدان مین نہ آتا تھا۔ اور فیروز شاہ کے سپاہی فصیل کی طرف بڑھنے کی جرأت نہ کرسکتے تھے۔

سلطان نے اب دوسری تدبیر شروع کی۔ اپنے امیرالامرا احمد خان خانخانان کو دس ہزار [illegible]دے کے حکم دیا کہ بیجانگر کے جنوبی علاقے پر تاخت کرے۔ اور امیر فضل اللہ انجو شیرازی کو بارہ ہزار کے لشکر کے ساتھ روانہ کیا کہ جا کے قلعۂ بنکاپور کا محاصرہ کرے جو کرناٹک کا ایک زبردست قلعہ تھا۔ اور خود سلطان بیجانگر کا محاصرہ کیے پڑا رہا۔

راجہ دیوراے نے یہ حالت دیکھی تو بڑھ بڑھ کے سلطانی لشکر سے

مقابلہ کرنا شروع کیا۔ چنانچہ چار مہینے مین آٹھ لڑائیان ہوئین اور سب
مین راجہ کو شکست کھا کے جانا پڑا۔ اُدھر امیر فضل اللہ نے اتنی مدت
مین قلعہ ٹیکاپور اور اُس کا سارا علاقہ فتح کر کے اپنے قبضے مین کر لیا۔ اور
وہان سلطانی عامل چھوڑ کے واپس آیا۔ خانخانان نے اُس سے بھی بڑھ کے یہ کاروائی
کی کہ کرناٹک کے زیادہ حصے پر قبضہ کر لیا۔ اور ساٹھ ہزار لڑکون
اور لڑکیون کو گرفتار کر لایا جو بیجانگر کے گرد سلطان کے سامنے پیش کیے
گئے۔ اور ایک بہت ہی بڑا جشن سلطانی لشکرگاہ مین منایا گیا۔ اور خوشی کے
نعرون کا غلغلہ اہل شہر کے کانون تک پہونچا۔

راجہ نے یہ حالت دیکھ کے اور فتح سے مایوس ہو کے گجرات خاندیس
اور مالوہ وغیرہ کو لکھا کہ اِس نازک وقت مین میری کمک کرو۔ مگر کسی نے خبر نہ
لی۔ اور سلطان نے جشن منانے کے بعد خانخانان کو راجہ کے مقابلے
اور بیجانگر کے محاصرے کے لیے یہین چھوڑ دیا اور خود امیر فضل اللہ کو
ساتھ لے کے قلعۂ اودنی کی طرف چلا جو اس سرزمین کا سب سے زبردست قلعہ تھا
اور سارے کرناٹک کی آزادی و قوت کا دار و مدار اسی قلعہ پر تھا۔ یہ خبر
راجہ کو پہونچی تو حد سے زیادہ پریشان ہوا۔ اس لیے کہ اودنی کا قلعہ اُس کی سلطنت
کی ناک تھا۔ صاف نظر آ رہا تھا کہ اگر اُس قلعہ کے بچانے کی پوری کوشش
کی گئی تو خود بیجانگر دشمنون کے قبضے مین ہو جائے گا۔ اور اگر بیجانگر کے
محفوظ رکھنے کی تدبیرین کی جائین تو اودنی کو سلطان فیروز شاہ کا ایسا
زبردست حملہ آور یقیناً فتح کر لے گا۔ آخر راجہ دیو راے نے وزرا
کو جمع کر کے مشورہ کیا۔ اور سب کی رائے یہ قرار پائی کہ اب فوراً صلح و
اتحاد کی درخواست پیش کر دی جائے۔ جس پر عمل کیا گیا۔ اور قبل اس کے
خود سلطان فیروز شاہ قلعۂ اودنی کی طرف کوچ کرے راجہ دیو راے کے معززین دربار
ایلچی بن کے اُس کی خدمت مین حاضر ہوئے۔ اور درخواست کی کہ اب مہاراج
اپنی حرکت پر نادم ہو کے معافی چاہتے ہین۔ اور حضور کی طرف سے جو شرطین
پیش ہون گی اُن کو قبول کرین گے۔

(باقی آیندہ)

پہلا والی صقلیہ ابوالاغلب ابراہیم

فرمان روائے افریقیہ زیادۃ اللہ نے اُس فتح کا مژدہ سنتے ہی ابوالاغلب ابراہیم بن عبداللہ کو صقلیہ کا حاکم و والی مقرر کر کے روانہ کیا۔ جو وسط ماہ مبارک رمضان مین وارد صقلیہ ہوا۔ اور آتے ہی اُس نے ایک زبردست جنگی بیڑا رومی بیڑے کے مقابلے مین روانہ کیا۔ اس بیڑے نے جاتے ہی رومی بیڑے پر حملہ کر دیا اور اِس بحری لڑائی مین بھی عرب فتحیاب ہوئے۔ سارا رومی بیڑا اسلمانون کے قبضے مین آگیا۔ اور جتنے رومی اُن پر سوار تھے وہ سب یا تو مارے گئے۔ یا سمندر مین غرق ہو گئے۔

ایک چھوٹی بحری کامیابی

اس بحری فتح کے بعد ابوالاغلب نے ایک دوسرا بیڑا شہر قوصرہ کی طرف بھیجا۔ اِن بحری حملہ آورون کو رومیون کا ایک جہاز ملا۔ جس مین رومیون کے ساتھ افریقیہ کا ایک عیسائی بھی تھا۔ اِس کو مسلمانون نے پکڑ لیا۔ اور اُس کے تمام لوگ اسیر کر کے امیر ابوالاغلب کے دربار مین پیش کیے گئے۔ اور سب اُس کے حکم سے قتل ہوئے۔

متواتر فتحین

اسی سال سنہ ۲۲۰ھ مین امیر ابوالاغلب نے ایک مہم کوہ آتش فشان اٹنا کے علاقے مین بھی روانہ کی۔ اور حکم دیا کہ وہ لوگ اُس علاقے کے تمام قلعون اور مضبوط مقامون پر قبضہ کر لین۔ یہ لوگ گئے۔ مقابلے کی کسی کو جراُت نہ ہوئی۔ بہت سے آدمی اُنھون نے قتل کیے۔ اور اہل ملک کی زراعت پامال کر ڈالی۔ دوسرے برس سنہ ۲۲۱ھ مین ابوالاغلب نے اسی علاقے مین ایک اور زبردست مہم بھیجی۔ جنھون نے آبادیون کو خوب لوٹا۔ اور لاکھون زن و مرد پکڑ لیے۔ جن کی وجہ سے بردہ فروشی کے بازارون مین لونڈی غلامون کی اس قدر

کثرت ہوئی کہ نہایت ہی ذلیل وحقیر قیمت پر آدمی فروخت ہونے لگے۔ اسی سال امیر مذکور نے ایک بیڑا اِس غرض کے لیے روانہ کیا کہ آس پاس کے جزیرون پر حملے کرے۔ اور اُنھین اپنے قبضے مین لائے۔ یہ بیڑا بھی بخوبی کامیاب ہوا۔ اور بہت سے شہرون کو فتح کر کے بے انتہا مال و دولت سے لدا پھندا واپس آیا۔

ناکامیون کے بعد کامیابی

امیر ابراہیم الاغلب نے اسی سال ایک مہم شہر قسطلیانہ پر بھیجی۔ اس فوج نے شہر مذکور کو جاتے ہی لوٹ لیا تھا مگر اتفاقاً وہان ایک زبردست رومی لشکر کا سامنا ہو گیا۔ سخت لڑائی ہوئی۔ اور لڑائی مین رومی فتحیاب ہوئے۔ اور مسلمان شکست کھا کے واپس آ ئے۔ ایسی ہی ایک اور مہم اُسی سال شہر قصریانہ کی طرف بھی بھیجی گئی تھی۔ وہان بھی دشمنون کے بڑے بھاری لشکر کا سامنا ہوا۔ اس لڑائی مین بھی مسلمانون کو شکست نصیب ہوئی۔ اور اُن کے بہت سے بہادر نبرد آزما شہید ہوئے۔ لیکن شکست خوردہ مسلمانون نے ہمت باندھ کے دوبارہ مقابلہ کیا تو اس طرح جان توڑ کے لڑے کہ رومیون کو شکست دیدی۔ اسی دوران مین اسلامی بیڑے نے دشمنون کے سات بڑے بڑے جہاز پکڑ لیے۔ اور جو لوگ اُن پر سوار تھے اُن کو اسیر کر لیا۔

لیکن باوجود اِن سب فتحون کے شہر قصریانہ کسی طرح قبضے مین نہ آتا تھا جس کے لیے عرب کئی بار اپنا خون بہا چکے تھے۔ اسی ۲۲۱ھ مین جاڑون کا موسم تھا۔ مسلمان قصریانہ کا محاصرہ کیے پڑے تھے۔ اور کوئی صورت شہر پر قبضہ کرنے کی نہ نظر آتی تھی کہ اتفاقاً کسی مسلمان سپاہی نے ایک رومی شخص کو قصریانہ کی طرف جاتے دیکھا۔ وہ بجاے اِس کے کہ اُسے روکے چپکے سے اُس کے پیچھے ہو لیا کہ دیکھون کہان جاتا ہے۔ اُس رومی کے وہم و گمان مین بھی نہ تھا کہ کوئی عرب میری نگرانی کر رہا ہے۔ ایک ایسے مخفی راستے سے شہر کے اندر پہونچ گیا جس کی مسلمانون کو بالکل خبر نہ تھی۔ وہ زمین کے نیچے سے ہو کے اندر گیا تھا۔ اور اُسی راہ

سے رومی باوجود محصور ہونے کے باہر کی آمد و رفت جاری رکھتے تھے۔ عرب نے جب وہ راستہ اچھی طرح دیکھ لیا تو آگے اپنے لشکر مین خبر کی۔ سنتے ہی سارا لشکر عرب اُس کے ساتھ روانہ ہوا۔ اور اُنھون نے یک بیک شہر کے اندر نکلتے ہی جو نعرہ ہاے تکبیر بلند کر کے حملہ کیا تو شہر والون کے حواس جاتے رہے۔ مگر قبل اس کے کہ وہ حرکت مذبوحی کرین مسلمان سارے شہر اور پھاٹکون پر قابض تھے۔ اتفاقاً قصریانہ کے اندر ایک چھوٹا سا اور قلعہ تھا۔ رومی سپاہیون نے بھاگ کے اُس مین پناہ لی اور پھاٹک بند کر لیے۔ لیکن دو ہی چار روز مین وہ اندرونی قلعہ اُن کے حق مین قیدخانہ ہو گیا اور سمجھ گئے کہ اب ہم مین مقابلہ کی تاب نہین ہے۔ مجبوراً ہتھیار رکھ دیے۔ اور امان مانگی۔ عربون نے فوراً امان دی۔ اور اُس قلعہ پر بھی قبضہ کر کے شہر کو لوٹنا شروع کیا۔ آخر اِس حملہ مین دولت کثیر لے کے شہر بلرمو مین واپس گئے۔ جو اب مسلمانون کا دارالحکومت تھا۔

امیر زیادۃ اللہ کی وفات

اس کے بعد مسلمان برابر بلاد صقلیہ مین پھیلتے اور اُن پر قابض ہوتے رہے۔ آخر ایک شہر جفلوذی کا محاصرہ کیے ہوئے تھے کہ سنہ ۲۲۳ھ مین ایک بہت بڑا رومی لشکر سمندر کے رستے آ کے جزیرے مین اُتر پڑا۔ مسلمانون نے فوراً اُن کی طرف رخ کیا۔ اور مقابلہ شروع کر دیا۔ بہت سی لڑائیان ہوئین۔ اور ہنوز کوئی فیصلہ نہین ہونے پایا تھا کہ یکایک افریقیہ سے امیر زیادۃ اللہ کے مرنے کی خبر آئی۔ چونکہ مسلمانون کو مدد کی جو کچھ امید تھی اسی مرحوم عرب حکمران افریقیہ کے دربار سے تھی اِس لیے اُس کے مرنے کی خبر سنتے ہی مسلمانان صقلیہ مین پریشانی پھیلی۔ بہتون نے ہمت ہار دی۔ اور حوصلے پست ہو گئے۔ مگر دو چار روز کی مایوسی کے بعد اُنھون نے اپنی حالت پر غور کیا تو نظر آیا کہ دشمن سر پر کھڑا ہے۔ اور بے لڑے چارہ نہین۔ آخر بیچارگی نے پھر اُن مین حوصلہ پیدا کیا۔ جیسا کہ زندہ قومون کا معمول ہے وہ اپنی حفاظت کرنے اور مقابلے کے لیے تیار ہو گئے۔

ابوعفان اغلب کی مسند نشینی

زیادۃ اللہ نے ۱۴ رجب ۲۲۳ھ کو کچھ اوپر ۵۱ برس کی عمر مین ۲۱ سال فرمان روائی کر کے سفر آخرت کیا تھا۔ اُس کا جانشین اُس کا بھائی ابوعفان اغلب بن ابراہیم ہوا۔ یہ اچھا جانشین ثابت ہوا۔ اس لیے کہ سریر شہریاری پر جلوہ افروز ہوتے ہی اُس نے فوج کی اصلاح شروع کر دی۔ عمال اور والیون کی تنخواہین بڑھائین۔ عدالت گستری کی طرف توجہ کی۔ اور تخت نشینی کے دوسرے ہی برس ۲۲۴ھ مین جزیرۂ صقلیہ کی طرف ایک نئی بحری فوج روانہ کی۔ جو مسلمان صقلیہ مین دشمنون سے مغلوب ہو رہے تھے معلوم ہوتا ہے رومیون پر اُن کا کچھ زور نہ چلا۔ اور اکثر شہرون پر پھر رومیون کا قبضہ ہو گیا۔ مگر ان ناکامیون کا معاوضہ ابوعفان کی اس مہم نے کر دیا۔ اس لیے کہ اس نئی فوج نے پہونچتے ہی ۲۲۵ھ مین قلعجات صقلیہ پر قبضہ کرنا شروع کر دیا۔ دشمنون کا اُن کے سامنے کچھ زور نہ چلا۔ اور جس قلعہ پر یہ علم اسلام لے کے پہونچے قلعہ والون نے بلا تامل ہتھیار رکھ دیے۔ اور قلعہ اُن کے حوالے کر دیا۔ اس طریقے مین جو مستحصن مقامات عربون کے ہاتھ سے فتح ہوئے منجملہ اُن کے یہ چند بھی ہین۔ حصن البلوط۔ اطلانطو۔ قرلون۔ اور مرد

عظیم الشان بحری فتح

انھین فتحون کے دوران مین عربون کا ایک بیڑا شہر قلوریہ پر جا کے حملہ آور ہوا۔ اور اُسے فتح کر لیا۔ مسلمان قلوریہ کو فتح کر چکے تھے کہ رومیون کا بیڑا بھی آ پہونچا۔ قلوریہ تو اُن کے ہاتھ سے جا چکا تھا اُنھون نے عربی بیڑے پر حملہ کر دیا۔ اور دونون سلطنتون اور مذہبون کے جہاز سخت بیباکی سے لڑنے لگے۔ آخر اسلامی بیڑے نے رومی بیڑے کو شکست دی۔ اور رومی بیڑا سخت

نقصان اُٹھا کے اور اپنے بہت سے جہاز ضائع کر کے قسطنطنیہ مین واپس گیا۔ مسلمانون کے لیے یہ عظیم الشان فتح تھی جس پر صقلیہ سے لے کے افریقہ تک خوشیان منائی گئین۔

فتح قصریانہ

گزشتہ انقلاب مین چونکہ شہر قصریانہ پر رومیون کا قبضہ ہو گیا تھا اس لیے اب پھر ۲۲۶ھ مسلمانان صقلیہ کا ایک لشکر اُس شہر پر پہونچا۔ شہر والون مین مقابلہ کی طاقت نہ تھی۔ عربون نے جاتے ہی قبضہ کر لیا۔ اور چونکہ اُن لوگون کی بد قولی و بدعہدی سے جلے ہوئے تھے اس لیے شہر پر نرغہ کرتے ہی لوٹا مارا جلایا۔ اور بہت سے زن و مرد کو اسیر کر کے لونڈی غلام بنا لیا۔

اس فتح کے بعد یہ لشکر قصریانہ سے بڑھ کے "قلعۂ غیران" کی طرف گیا۔ غیران عربی مین غارون کی جمع ہے۔ اس قلعہ کے متصل چونکہ چالیس کے قریب غار تھے اس لیے عربون مین اُس کا یہی نام پڑ گیا۔ غالبًا یہ غار صقلیہ کے مشہور آتش فشان پہاڑ اِٹنا کے سلسلے کے غار ہون گے۔ بہر حال مسلمانون نے حملہ کرتے ہی اُس قلعے اور اُس کے کل غارون پر قبضہ کر لیا۔

ابو العباس محمد بن اغلب کی مسند نشینی

ان فتحون کا سلسلہ جاری تھا کہ یکایک خبر آئی کہ اسی سال یعنی ۲۲۶ھ مین حاکم افریقہ میر ابو عفان نے دو سال سات مہینے اور ساتھ ہی یوم حکومت کر کے سفر آخرت کیا اور اُس کی جگہ اُس کا بیٹا ابو العباس محمد بن اغلب بن ابراہیم بن اغلب مسند نشین امارت ہوا۔ صقلیہ مین اِس سلطنت کی طرف سے والی محمد بن عبداللہ بن اغلب پہلے سے موجود تھا جس کا تقرر امیر سابق نے کیا تھا۔ اس نئے امیر نے بھی اُسی کو برقرار رکھا۔ وہ ہمیشہ شہر بلرمو مین رہتا۔ اس لیے کہ اُسی شہر کو مسلمانون نے اپنا دار الحکومت صقلیہ قرار دے لیا تھا۔ لیکن اُس کی طرف

سے مختلف سردار فوجین لے لے کے جاتے اور اُن شہرون پر تاختین کرتے جو عیسائی رومیون کے قبضے مین تھے۔ یا مسلمانون کے ہاتھ مین آکے اکثر نکل جایا کرتے تھے۔ اِس لیے کہ جزیرے کی ساری رعایا عیسائی تھی اور اُسے کسی طرح گوارا نہ تھا کہ عرب مسلمان اُن پر حکومت کرین۔ جس کا نتیجہ یہ تھا کہ مسلمان شہرون کو فتح تو کر لیتے۔ مگر اُن پر حکومت قائم رکھنا دشوار ہوتا۔ جہان ایک شہر کو فتح کر کے وہ کسی اور شہر کی طرف رخ کرتے اُس مفتوح شہر مین بغاوت پیدا ہو جاتی۔ اور اُس کو اُن رومی فوجون سے تقویت پہونچ جاتی جو اٹیلیہ اور قسطنطنیہ سے آپہونچتی۔ اور اُس شورش کے دبانے اور اپنا رعب بٹھانے کے لیے مسلمان جس شہر پر قبضہ کرتے اُسے خوب لوٹتے مارتے قتل عام کرتے اور مکانون مین آگ لگا دیتے۔

فضل بن جعفر کا بحری جہاد صقلیہ مین

ابو العباس کو افریقہ مین مسند نشین حکومت ہوئے دو ہی سال ہوئے تھے کہ فضل بن جعفر ہمدانی ایک بحری جہاد پر روانہ ہوا۔ اور جاتے ہی بندرگاہ مسینی (مسینا) کے علاقے مین اُتر پڑا۔ یہ بڑا زبردست شہر تھا۔ اور اٹیلیہ اور صقلیہ والون کے تعلقات کی اصلی کڑی یہی واقع ہوا تھا۔ مسینی کی نواح مین فضل نے اپنا پڑاو قائم کیا۔ اور اطراف و جوانب مین تاخت و تاراج اور قتل و غارت کے لیے فوجین روانہ کرنا شروع کین۔ اِس طریقے سے چند ہی روز مین اُس کے پاس بے انتہا مال غنیمت جمع ہو گیا۔ اٹیلیہ کا جو جنوبی علاقہ صقلیہ سے قریب تر تھا قلبریہ کہلاتا تھا۔ اور اُس پر اُن دنون نیپلز (نیپلز) کی سلطنت مین شامل تھا۔ فضل نے قرب و جوار کے بلاد صقلیہ پر حملہ کرتے کرتے قلبریہ کا رخ کیا تو سلطنت نابل (نیپلز) نے اپنے لیے اس سے عاجزی کے ساتھ امان مانگی۔ اور اسی قدر نہین اُس نے وعدہ کیا کہ اگر آپ نے ہم سے دوستی کر لی تو صقلیہ کے مفتوح کرنے مین ہم آپ کو مدد دین گے۔ فضل نے اہل نابل کی یہ درخواست قبول کی۔ اور نابل والے اُسے اہل

صقلیہ کے مقابلے مین مدد دینے لگے۔

اسی طرح صقلیہ پر فضل مسلسل دو سال تک حملے اور یورشین کرتا رہا۔ اور اسی کے درمیان مین وہ برابر اس شہر پر دھاوے کرتا رہا جس کے قریب پڑاؤ ڈالا تھا۔ بارہا شہر والون سے سخت لڑائیان ہوئین مگر شہر پر اُس کا قبضہ نہ ہو سکا۔ اتفاقاً اس شہر کے عقب مین ایک بلند پہاڑی تھی جو اُس طرف سے ایسا زبردست پہرہ دے رہی تھی کہ اُدھر سے شہر والون کو کسی قسم کا کھٹکا نہ تھا۔ محاصرے کو جب بہت طول ہوگیا تو مسلمانون کی اولوالعزمی نے اُدھر کا رخ کیا۔ اُن کا ایک حصۂ فوج اہل شہر کو غفلت مین ڈال کے اُس پہاڑ کے پیچھے نکل گیا۔ یہ لوگ اُس پہاڑ کے اُس جانب پہونچ کے اُس پر چڑھے۔ پھر اُس سے اُتر کے شہر کی فصیل کے نیچے پہونچے۔ اور عین اُس وقت جبکہ فضل اور شہر والون مین سخت خونریزی کی لڑائی ہو رہی تھی اُن لوگون نے یک بیک پیچھے سے دھاوا کر کے شہر پناہ پر قبضہ کر لیا اور زور و شور سے تکبیر کے نعرے بلند کیے۔ یہ دیکھتے ہی شہر والون کے حواس جاتے رہے۔ اور ہر طرف سے میدان چھوڑ چھوڑ کے بھاگے اور فضل نے شہر مین داخل ہو کے شمشیر انتقام بلند کی۔

اس سال مسلمان حملہ آوران صقلیہ نے شہر میکان پر بھی قبضہ کیا۔

غیر معمولی فتح

۲۲۹ھ مین فضل کا بیٹا ابو الاغلب عباس ایک زبردست فوج کے ساتھ جا کے شہر بثیرہ پر حملہ آور ہوا۔ وہان ایک رومی لشکر موجود تھا جس نے نہایت ہی بامردی و شجاعت سے مقابلہ کرنا چاہا۔ لیکن انجام مین اُنھین ایسی فاش اور شرمناک شکست ہوئی کہ ایسی شکست کم سُنی گئی تھی۔ رومیون اور شہر والون کے دس ہزار سے زیادہ مارے گئے۔ اور مسلمانون کے فقط تین آدمی شہید ہوئے۔ اس سے پیشتر اہل صقلیہ کو کبھی ایسی ذلیل شکست نہین ہوئی تھی۔

مسینا کی فتح

اس واقعے کے چوتھے برس خود فضل نے شہر مسینا پر قبضہ کرنے کا ارادہ کیا۔ اگرچہ وہ اس شہر کے مضافات ہی مین خیمہ زن تھا مگر اُس پر قبضہ کرنا دشوار معلوم ہوتا تھا۔ اب اُس نے بڑھ کے مسینا کا محاصرہ کر لیا۔ اہل مسینا نے مزاحمت اور مقابلے کا پورا سامان کیا۔ اطراف و جوانب کے سردارون سے کمک مانگی۔ اور نکل نکل کے سختی سے مقابلہ کرنے لگے۔ دوران محاصرہ مین فضل کو اپنے جاسوسون سے خبر ملی کہ اہل مسینا نے صقلیہ کے رومی گورنر سے مدد مانگی تھی جو سلطنت قسطنطنیہ کی نیابت مین جزیرے کے غیر مفتوح علاقون پر حکومت کر رہا ہے اُس نے مدد کا مضبوط وعدہ کیا ہے۔ اور کہلا بھیجا ہے "میرے آنے کی یہ نشانی ہے کہ برابر تین راتون تک فلان پہاڑ پر آگ روشن ہوگی۔ تمھین جب یہ آگ تین دن تک نظر آئے تو سمجھ جانا کہ چوتھے دن مین آ پہونچون گا۔ اُس دن ہم تم دونون مل کے اِن آفاقی عربون کا کام تمام کر دین گے۔

یہ معلوم ہوتے ہی فضل نے ایک طرف تو اُس رومی کمک کا راستہ روک دیا۔ اور دوسری طرف فوراً اُس موعودہ پہاڑی پر قبضہ کر کے مسلسل تین راتون تک اُس پر آگ جلوائی۔ اہل مسینا خوش ہو ہو کے اپنے ہمدرد دوستون کے استقبال کی تیاریان کرنے لگے۔

چوتھے روز لڑائی شروع ہونے کے تھوڑی دیر بعد مسلمان پسپا ہونے لگے۔ مسینا والے یہ سمجھ کے کہ حاکم کمک کو آگیا تعاقب کیا۔ اور ایسے جوش سے کہ سارا شہر باہر نکل پڑا۔ مسلمان جب بہت دور تک ہٹ آئے۔ اور حریفون کو بھی بڑھا لائے تو ناگہان رومیون کے پیچھے سے نعرۂ اللہ اکبر بلند ہوا۔ اور ساتھ ہی پسپا ہونے والے بھی پلٹ پڑے۔ یہ عرب سپہ سالار کی چالاکی تھی جس نے فوج چھپا کے بٹھا رکھی تھی رومیون کے حواس جاتے رہے۔ بھاگنے کا راستہ نہ تھا۔ قریب قریب سب قتل ہو گئے۔ اور جو تھوڑے سے بچے اُنھون نے ہتھیار رکھ دیے۔ اس طرح اُنھین امان دے کے مسینا پر قبضہ کیا گیا۔

ہندوستان مین مشرقی تمدن کا آخری نمونہ

اگرچہ ہندوستان خصوصاً لکھنؤ مین سر کا قومی لباس ٹوپی ہے مگر یہ نہ سمجھنا چاہیے کہ یہان کی نزاکت پسندی نے پگڑی کو فنا کر دیا۔ دربارین علی العموم پگڑیون کا رواج تھا۔ وہ دہلی کی باوقعت امیرانہ دستارین تو بیشک یہان نہین باقی رہین۔ اور امرا و اعزاے شاہی کے سرون پر فقط ٹوپیان رہ گئین۔ مگر دربار کے لیے پگڑیان آخر عہد تک مخصوص تھین۔ اور عام ملازمین کا اخلاقی فرض تھا اور اب بھی بڑی وسیع حد تک ہے کہ آقا کے سامنے جائین تو سر پر پگڑی باندھ کے جائین۔

خود حکمرانون کے سرون پر پرانی دستار نواب سعادت علیخان کے زمانے تک رہی۔ نواب برہان الملک۔ نواب شجاع الدولہ اور نواب آصف الدولہ کے سرون پر وہی۔ دہلی کے عہدہ داران سلطنت کی سی سفید دستار ہوا کرتی جس پر بڑے دربارون کے موقعون پر جواہرات کی کلغیان۔ مرصع جیغے اور سرپیچ لگا لیے جاتے۔ مگر فی نفسہ وہ دستارین سادی اور سفید ہوتی تھین۔ مگر نواب سعادت علیخان کے سر پر ہمین ایک نئی قسم کی پگڑی نظر آتی ہے۔ جس کو اہل لکھنؤ اپنی زبان مین شملہ کہتے تھے۔ یہ شملہ یہان اس طرح بنایا جاتا کہ بھراؤنا کپڑے کا ایک چوڑا اور پتلا گردار حلقہ سر کی ناپ کے برابر بنایا جاتا جو بیچ مین خالی اور کھلا رہتا۔ پھر کسی نفیس ریشمی یا شالی کپڑے کی پتلی پتلی بہت لمبی پٹی بنا کے اُس کے بیسیون پیچ اُس کپڑے کے حلقے پر نیچے اور اوپر برابر برابر لپیٹ کے ٹانک دیے جاتے۔ اس حلقے مین اوپر کی جانب ایک چوڑی پٹی ویسے ہی ریشمی یا شالی کپڑے کی جوڑ دی جاتی تاکہ وہ اس حلقہ کو نیچے اُترنے سے روکے رہے۔ مگر اُس سے پوری چندیا ڈھنک نہ سکتی تھی۔ اس لیے اُس کے نیچے کوئی معمولی دوپلڑی یا چوگوشیہ ٹوپی ضرور رہتی۔ یہ تھا لکھنؤ کا اصلی شملہ جس کو پہلے پہل نواب سعادت علیخان نے پہنا۔ اور غالباً وہ وسط ہند کے ہندو اور مسلمان دربارون کی اُن پگڑیون سے

ماخوذ تھا جو کسی باریک رنگین کپڑے کی صدہا گز کی بتیون کو خاص خاص ترتیبون سے لپیٹ کے بنائی جاتی ہیں۔ نواب سعادت علیخان نے اس شملہ کو خود ہی نہین پہنا بلکہ معززین دربار اور عمائد سلطنت اور وزرا کو بھی وہی عطا ہوا۔

غازی الدین حیدر کو دولت انگلشیہ نے بادشاہ بنا کے تاج پہنا دیا۔ جو در اصل ہندوستان اور ایشیا کا تاج شاہی نہ تھا بلکہ ایک قسم کا یورپ کا تاج تھا۔ اُس وقت سے فرمان روایان لکھنؤ نے شملہ یا دستار کو بالکل چھوڑ دیا۔ اور اُن کے ساتھ تمام شاہزادون نوابزادون اور عمائد شہر نے بھی پگڑی کو خیرباد کہہ دی۔ شاہزادے خاص موقعون پر تو تاج۔ مگر علی العموم مسالے دار بھاری کام کی نگے دار ٹوپیان پہنتے۔ اور اُنھین کی تقلید شہر کے دیگر معززین بھی کرتے۔

لیکن عہدہ داران سلطنت وزرا اور اہل کارون کو حکم تھا کہ شملہ باندھ کے سلاطین وزرا کے دربار مین آئین۔ غازی الدین حیدر کے زمانے سے امجد علی شاہ کے عہد تک تمام عہدہ دارون کے سرون پر وہی شملہ ہوا کرتا تھا جس کی تصویر اپنے ناظرین کو ہم نے لفظون مین دکھا دی ہے۔ واجد علی شاہ نے جب اپنے دربار کی مخصوص ٹوپی عالم پسند (جھولا) ایجاد کی تو معمول ہو گیا کہ جن لوگون کو زیادہ تقرب حاصل ہوتا اور دولہ کے خطاب سے سرفراز ہوتے اُن کو عالم پسند بھی عطا ہوئی۔ اُن کا فرض تھا کہ عالم پسند پہن کے دربار مین آئین۔ اُن سے کم درجے کے باریابان حضور جو کسی کارخانے یا محکمے کے دارو غہ ہوتے اُن کو دارو غگی کے خطاب کے ساتھ شملہ عطا ہوتا۔ اور وہ وہی پُرانا شملہ پہن کے حاضر ہوتے جو پہلے پہل نواب سعادت علیخان کے سر پہ لوگون کو نظر آیا تھا۔ باقی تمام لوگون کو حکم تھا کہ کسی قسم کی پگڑی باندھ کے دربار مین آئین۔ اور پگڑی نہ ہو تو ٹوپی اُتار لین۔ اہل کارون کے جس شملہ کا ہم نے ذکر کیا ہے اسی قسم کا شملہ غالباً مرشد آباد کے دربار مین بھی تھا۔ اور اُسی کا باقی ماندہ

اثر تھا کہ آج سے پچاس برس پہلے ہم کلکتہ ہائی کورٹ کے بنگالی وکیلوں کو اُسی طرح کا شملہ پہنتے دیکھتے تھے۔ لیکن وہ شملہ دربار اودھ کے شملوں سے سبک اور ہماری نظر مین ذرا اُدچھا ہوتا۔

اب پگڑی کو سوا عہدہ دارون کے تمام خوش باش لوگون اور معززین شہر نے مطلقاً ترک کر دیا تھا۔ لیکن اس پر بھی دربار مین اور نیز عوام مین پگڑی کی جو عزت دلون مین قائم تھی اور ہے اُس کا ثبوت اس سے زیادہ کیا ہو گا کہ شادیون کے موقع پر ہر ادنے واعلی طبقے مین دولھا کے سر پر پگڑی ہی ہوا کرتی ہے۔ اور لکھنؤ کے شرفا مین تو عموماً بھاری کمخواب کے شملے کا رواج ہے۔

یہان کے دربار نے مذکورہ پگڑیون کے علاوہ ملازمین کے مختلف طبقون کے لیے جدا جدا وضعون کی پگڑیان بھی مخصوص کر دی تھین۔ اہل قلم یعنی محررون کے لیے اُسی مذکورہ شملے کی سی سفید ململ کی پگڑی مخصوص تھی۔ دربار کے ہرکارے اور چوبدار بھی اسی قطع کی پگڑیان پہنتے (اس لیے کہ وہ پگڑیان باندھی نہین بلکہ ٹوپی کیطرح پہنی جاتی تھین) فرق یہ تھا کہ ہرکارون کی پگڑیان سرخ ہوتین اور چوبدارون کی سفید براق جن پر آگے داہنی جانب نقیش کا ایک پھول بھی ٹنکا ہوتا۔ ہرکارون کی پگڑیون سے ملتی جلتی پگڑیان کہارون کی ہوتین۔ اُن کی پگڑیون مین داہنی جانب کی کور پر چاندی کی مچھلیان ٹنکی ہوتین۔ اور جسم پر سرخ بانات کے ڈھیلے ڈھالے چغے ہوتے۔

اُن کے علاوہ تمام قوموں اور معزز لوگون کے خدمتگارون مین بھی پگڑیون کا رواج تھا جو اپنی وضع پر جدا اور خود رو سی ہوتین۔

سب سے زیادہ معزز و محترم عمامے علما کے تھے۔ اور مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اِس موقع پر پگڑیون کے سلسلے مین ہم علماے کرام و مقتدایان امت کے عمامون کے ساتھ پوری نرمی سے بحث کرین۔ لکھنؤ مین مسلمانون کے دو فرقون کے علما ہین۔ اول علماے اہل سنت۔ دوسرے مجتہدین وافاضل شیعہ اِن دونون کی وضع جداگانہ ہے۔ سنیون کو تقدس اور ثقاہت کی شان

اہل عرب کے لباس مین نظر آتی ہے اور شیعون کو علماے فارس و عجم کی وضع مین۔ اسی مذاق و رجحان کے مطابق دونون گروہون کے علما کا لباس بھی ہے۔

آنحضرت صلعم کے عہد مبارک مین عربون کا عمامہ صرف اس قدر تھا کہ کوئی مختصر سا کپڑا سر پر لپیٹ لیا جائے جس کو نہ کسی قطعداری سے علاقہ تھا اور نہ وضعداری سے۔ مگر جب خلفاے عباسیہ کے عہد مین عراق مستقر خلافت قرار پایا تو عجمی و ساسانی لباس عمائد و اکابر عرب کی وضع مین داخل ہو گیا۔ بہر حال جو بڑے بڑے شاندار عمامے اور طیلسان وغیرہ عہد خلافت کے علماے عرب نے اختیار کیے اُن کو عربی لباس مشکل سے کہا جا سکتا ہے۔ ہندوستان کے علماے اہل سنت نے اگلے دنون عربی لباس چھوڑ کے دہلی کی درباری وضع اختیار کر لی تھی اور اس وضعداری کے ساتھ اُس لباس کو نباہا کہ آج ہندوستان کی سارے ابناے وطن نے اُسے چھوڑ دیا مگر وہ ابھی تک اُس پر قائم ہین۔

چنانچہ آج تک علماے فرنگی محل کی اصلی وضع یہ ہے کہ ایک سیدھا گول عمامہ باندھتے ہین جس کی بندش مین بالکل اس کی کوشش نہین کیجاتی کہ پیشانی پر محراب کی قطع پیدا ہو۔ جسم مین اگلے زمانے کا جامہ ہوتا ہے جو سب جگہ بالکل خراب و خیال ہو گیا۔ پاؤن مین چوڑے اور عرض کے پانچون کا ٹخنون سے اُونچا پائجامہ ہوتا ہے۔ اور گلے مین ایک پتلا سا دوپٹہ پڑا ہوتا ہے۔ اس وضع مین ہمارے دو ایک بزرگان فرنگی محل آج بھی جمعہ کے نماز پڑھانے کو آتے ہین۔ مگر گھرون مین وہ معمولی سادی دو پلڑی یا چوگوشیہ ٹوپی لمبا کرتا جس مین گریبان کا چاک بیچ مین ہو یا انگرکھا اور عرض کے پانچون کا پائجامہ پہنتے ہین۔ فی الحال حدیث العمر علماے فرنگی محل نے اب اس وضع کو چھوڑ کے علماے حرمین اور مقتدایان شام و مصر کی وضع اختیار کرنا شروع کر دی ہے۔ جسے آخر مین مولنا شبلی نعمانی نے بھی قومی اور سرکاری درباروں کے لیے منتخب کیا تھا۔ ان بزرگون کا

جوتا بھی اگلے دنون گھیتلا تھا مگر اب یا تو زیرپائیان ہین اور یا لکھنؤ یا دہلی کا چڑھوان جوتا۔

علماے شیعہ کی وضع اس سے بالکل جدا ہے۔ وہ اول تو سر پر بڑی ٹوپی پہنتے ہین مگر عام لوگون کے خلاف اُس کی سیون بجاے آگے سے پیچھے کی طرف رہنے کے آڑی یعنی ایک کان سے دوسرے کان تک رہتی ہے۔ اس پر بلند اور نیچے قبے کا عمامہ اہل عجم کے عمامے کی بندش سے ملتا ہوتا ہے۔ بدن مین لمبا کرتا مگر اسکے گریبان کا چاک بجاے اس کے کہ سینے کے بیچ مین ہو بائین شانے کے پاس ہوتا ہے۔ اگلے دنون علماے شیعہ کے کرتون مین گریبان کی جگہ دو چاک دونون شانون پر ہوا کرتے تھے مگر یہ وضع اب متروک ہو گئی ہے۔ جو علما ایران و کربلا ہو آئے ہین وہ کرتے کے اوپر اگلی طیلسان پہنتے ہین جو یہان قبا کہلاتی ہے۔ پائون مین چوڑے پائچون کا پائجامہ ہوتا ہے۔ اور علی العموم کفشین پہنتے ہین جن کا ذکر جوتون کے بیان مین آئے گا۔

چند کتابون پر ریویو

ارض القرآن۔ مولانا شبلی نعمانی مرحوم کی یادگار مین ”دار المصنفین“ کے نام سے جو علمی انجمن اعظم گڈھ مین قائم ہوئی ہے اُس کے سلسلے کی یہ پہلی کتاب ہے۔ اور مولانا سید سلیمان ندوی جو صحیح معنون مین مولانا شبلی کے علم و فضل کے وارث ہین اس کے مصنف ہین۔ اُن کی یہ جدید عالمانہ اور محققانہ جغرافیائی تصنیف پورا ثبوت دے رہی ہے کہ شبلی مرحوم کے مذاق تحقیق کو وہ بہت کامیابی کے ساتھ زندہ رکھ سکین گے۔ اکثر افسوس کیا جاتا ہے اور یہ افسوس سچا بھی ہے کہ ہمارے جو صاحبان کمال دنیا سے اُٹھ جاتے ہین اُن کا کمال بھی اُٹھ جاتا ہے۔ مگر دیگر باکمال مرحومون کے خلاف مولانا شبلی بڑے خوش نصیب مرنے والے ہین کہ مولنا سلیمان ندوی کا مذاق تصنیف مسلمانون کو یقین دلا رہا ہے کہ وہ شبلی مرحوم کے کمال کو مرنے نہ

دین گے - اور ملک مین ایسے تصانیف کا سلسلہ برابر جاری رہیگا جن کی بنیاد مولٰنا شبلیؒ مرحوم نے ڈالی تھی -

"ارض القرآن" مین اس مقدس سرزمین کے جغرافیہ کی تحقیق کیگئی ہے جس مین قرآن مجید نازل ہوا - اور جس کی خاک کو قرآن سے تعلق ہے - مولٰنا سیلمان نے یونانی - رومی - اسرائیلی - مصری - اور عربی روایات پر بہت ہی تحقیق سے بحث کر کے عرب کے قدیم اور عہد نزول قرآن کے مولد کا صحیح جغرافیہ بتایا ہے جس بحث پر اس سے پہلے کوئی کتاب نہین لکھی گئی تھی اور اُن متعصب مستشرقین مغرب کی زور و شور سے تردید کی ہے جنھون نے غلط اور متعصبانہ نتائج نکالے ہین - مولٰنا ندوی اپنے اِس مقصد مین بہت اچھی طرح کامیاب ہوئے ہین - جس پر ہم اُنھین صدق دل سے مبارکباد دیتے ہین -

یہ کتاب دراصل جغرافیۂ عرب کے مباحث پر ایک کامیاب اور عالمانہ تنقید ہے - لیکن اردو زبان کو اس سے زیادہ کسی ایسی کتاب کی ضرورت ہو جس مین ارض عرب اور اُس کے صوبجات و بلاد اور قدیم وجدید اقوام و قبائل عرب کے مسکنون اور اُن مسکنون کی تبدیلیون کا جغرافیہ سلجھا کے صفائی کے ساتھ بتا دیا جائے تاکہ ایسی ایک کتاب تاریخ اسلام کے ساتھ ہمارے دینی طلبہ کے نصاب تعلیم مین داخل ہو سکے - ہم امید کرتے ہین کہ ایسی ایک واضح اور بکار آمد کتاب بھی مولٰنا سیلمان ہی کی توجہ سے تیار ہو سکے گی -

بائبل کے جغرافیہ پر جو کتابین مسیحی مشنریون نے شائع کی ہین وہ ہمارے لیے عمدہ نمونہ ہو سکتی ہین - میرے خیال مین ایسی ایک کتاب کا تصنیف کرنا اس تصنیف سے مقدم تھا - اس لیے کہ اُس کے دیکھنے کے بعد لوگون کو اس تنقیدی تصنیف مین پورا مزہ آتا - ایک مدت کے تجربہ کے بعد میرا یہ خیال قائم ہو گیا ہے کہ تاریخ و جغرافیہ اور اسی طرح جملہ فنون کی مفصل و مشرح اور مبسوط و حاوی کتابون کا اردو مین پیدا کر دینا ہمارا پہلا کام ہے - اور تنقید اور اُن کے مباحث کی عالمانہ تحقیق کا درجہ

بعد ہے - اسی خیال کو مین نے مولوی محمد عبد الحق صاحب سکریٹری انجمن اردو کی خدمت مین بھی بارہا ظاہر کیا - عرب کے جغرافیے پر ایسی کوئی مبسوط کتاب پہلے سے موجود ہوتی تو پھر لوگون کو نظر آتا کہ "ارض القران" کی تصنیف مین مولنا سلیمان نے کتنی محنت کی ہے اور کیسا اعلی درجے کا کام کیا ہے - افسوس ہے کہ ہمارے یہان اچھے نقشون کا تیار کر کے چھپوانا بہت دشوار کام ہے - اگرچہ کئی نقشے اس کتاب مین موجود ہین - مگر جیسے نقشون کو آنکھین ڈھونڈھتی ہین ویسے نہین -

مجھے یقین ہے کہ ملک اس کتاب کی ضرور قدر کرے گا - اس لیے کہ مولنا سلیمان کے علم و فضل کا پایہ جس قدر بلند ہے سب جانتے ہین - اور اُنھین کسی کے سامنے روشناس کرنے کی ضرورت نہین - یہ کتاب ۲۰×۲۶ پیمانے کے ۳۲۲ صفحون اور عمدہ چکنے کاغذ پر نہایت صاف اور واضح چھپی ہے قیمت دو روپیہ ہے -

اور مجلد کتاب چاہیے ہو تو سوا دو روپیہ (عہ/) جناب مصنف کی خدمت مین "اعظم گڈھ" کے پتے پر خط بھیج کے وی پی منگوائیے -

خذ ما صفا - یہ ۲۰×۲۶ پیمانے کے چکنے سفید کاغذ پر حاجی محمد اسمٰعیل خانصاحب کی ایک ۴۰۴ صفحے کی تالیف ہے جس مین ہندوستان کے مختلف اخبارون اور رسالون سے دلچسپ پسندیدہ اور مفید عام مضامین منتخب کر کے جمع کر دیے گئے ہین - اردو کے مفید لٹریچر کو ملک مین پسندیدہ اور مقبول بنانے کی اس سے بہتر کوئی تدبیر نہین ہو سکتی - ہم جناب حاجی صاحب کی اس نفع بخش علمی خدمت کے شکر گزار ہین خصوصاً اس نیے کہ اُنھون نے دلگداز کا ایک مضمون بھی اخذ فرما کے اس مجموعے کے اول مین درج فرمایا ہے - یہ کتاب خود جناب حاجی صاحب موصوف سے "آگرہ" کے پتہ پر خط بھیج کے منگوائی جا سکتی ہے - قیمت ہمین نہین معلوم -

کفایت شعاری - ڈاکٹر اسمائلس کی مشہور کتاب "تھرفٹ" کا ترجمہ جسے
ہمارے مکرم سید محمد مرتضیٰ صاحب سٹی مجسٹریٹ ریاست بھوپال نے بہت
اچھی ستھری اور سلجھی اردو کا لباس پہنایا ہے۔ ہونے کو تو یہ ۱۸×۲۲ پیمانے
کے صرف ۲۷ صفحون کا رسالہ ہے۔ مگر نہایت ہی جامع و مانع - اور
بے انتہا ضروری - سخت ضرورت ہے کہ مدارس نسوان اور نیز لڑکون
کے اردو ورنیکولر مدارس مین یہ رسالہ داخل نصاب کیا جائے - چونکہ یہ
ضروری رسالہ ریاست بھوپال کی علمی برکتون مین سے ہے لہذا ہمین یقین
ہے کہ حضور عالیہ رئیسۂ بھوپال اداما اللہ بالجاہ والاقبال کی کوشش سے یہ
تعلیم نسوان کے نصاب مین ضرور داخل ہو گا - جناب مصنف سے منگوائیے -

مطرب بگو کہ کار جہان شد بکام ما

ہم اپنے احباب و ناظرین دلگداز کے رنج و غم مین شریک ہین اور وہ ہمارے رنج و غم
مین - اس لیے اطلاعاً عرض ہو کہ ادھر کئی مہینے سے ہمارے محلے مین طاعون کی شدت تھی اور جتنے
لوگ مبتلا ہوئے اُن مین سے ایک بھی جان بر نہ ہو سکا - گر ہم راضی برضا اور خاموش بیٹھے رہے -
یکایک وسط مئی مین برخوردار صدیق حسن سلمہ سب ایڈیٹر دلگداز اسی ہولناک مرض مین مبتلا ہو -
اس کی وجہ سے ہمین اور ہمارے اعزا و احباب کو جو تردد ہوا زبان - سے نہین ادا ہو سکتا -
تن بتقدیر حکیم حافظ محمد عبد العلی کے منجھلے فرزند حکیم محمد عبد القوی صاحب کی طرف رجوع
کیا گیا - یہ ہمین معلوم تھا کہ اسی سال اُن کے ہاتھ سے خدا نے بہت سے مریضان طاعون
کو شفا دی تھی - اُنھون نے پوری توجہ اور مستعدی سے صدیق سلمہ کا علاج شروع کیا
دن مین دو دو بار محض ہمدردی و محبت کے خیال سے تشریف لائے - ایسی
تدبیرین اختیار کین کہ تین ہی چار روز مین مرض کا زور ٹوٹ گیا - قلب و دماغ
پر جو خطرناک اثر پڑ رہا تھا دور ہوا - اور اُس کے بعد جو گلٹی بغل مین تھی
وہ بھی جگہ چھوڑ کے منتشر ہونے لگی - چھ روز کے بعد بڑی احتیاط سے غذا
دی گئی - اور خدا نے بڑا فضل و کرم کیا کہ صحت کامل حاصل ہو گئی - گلٹی کا کسی قدر
اثر اب بھی باقی ہے مگر اندیشہ ناک نہین - ہم حکیم صاحب ممدوح کو شکرگزاری کے ساتھ
اُن کی اس حاذقانہ کامیابی پر مبارکباد دیتے ہین - امید ہو کہ ہماری طرح ہمارے تمام احباب
ضرورت کے وقت اُن کے طبی کمال سے فائدہ اُٹھائین گے جن کی مسیحا نفسی ہمین زندگی
بھر نہین بھول سکتی -

حُسن کی کرشمہ سازیان

(دکن کی کافر ماجرا مہ جبین پرتھال)

سلطان راجہ کی بے اعتدالی پر اس قدر برہم تھا کہ اُس کی درخواست کو کسی طرح قبول نہ کرتا تھا۔ ایلچیون نے بار بار التجا کی اور امیر فضل اللہ انجو نے ہر مرتبہ زمین بوس ہو کے سفارش کی۔ آخر اپنے بہادر اور نامور سردار کی سفارش اُس نے قبول کی اور ان شرطون پر راجہ کا قصور معاف کرنے کا وعدہ کیا کہ (۱) دیو راے اپنی بیٹی سلطان کی نذر کرے۔ (۲) اُس کی سکھیال کے ساتھ دس لاکھ ہُن۔ پانچ من موتی۔ پچاس کوہ پیکر ہاتھی۔ دو ہزار لونڈی غلام جو لکھے پڑھے اور رقص و سرود کے فن مین باکمال ہون۔ پیشکش کیے جائین۔ (۳) قلعہ بنکاپور گو کہ اُس پر سلطان ہی کا قبضہ ہے مگر وہ بھی راج کنواری جہیز مین محبوب کر کے دولت بہمنیہ کی قلمرو مین شامل کر دیا جائے۔

راجگان کرناٹک مین سے کسی نے اس وقت تک کسی غیر قوم حکمران خصوصًا ایک مسلمان سلطان کو اپنی بیٹی نہین دی تھی۔ مگر راجہ دیو راے سلطان فیروز شاہ بہمنی کا اس قدر دباؤ مان چکا تھا کہ اُسے طوعًا و کرہًا قبول ہی کرنا پڑا۔ اور جب بیٹی کا دینا اُس نے قبول کر لیا تو اور شرطون کے نہ منظور کرنے کی کیا وجہ ہو سکتی تھی؟ فورًا راج دولاری کے رخصت کرنے کا سامان ہونے لگا۔ اور اُس کے لیے راجہ نے ایسا اہتمام کیا کہ ایسی دھوم دھام اس سے پہلے کبھی بیجانگر مین نہین دیکھی گئی تھی۔ سلطان کا خیمہ بیجانگر کے پھاٹک سے

مسافت فرسخ پر تھا۔ لہذا سلطانی خیمے سے راج محل تک دو رویہ بازار لگ گیا۔ اور ایک عظیم الشان میلہ قائم ہو گیا۔ دکانین بڑے تکلف اور نہایت ہی ترتیب و زینت سے سجی گئین جن کی آرایش مین ہندو مسلمان دونون نے مل کے اپنے کمالات و ہنر اور اپنی نفاست مزاج کا ثبوت دیا۔ یہ میلا مسلسل چالیس روز تک قائم رہا جس مین جابجا پری جمال ماہوشین شب و روز رقص و سرود مین مصروف رہتین۔ اور ایک خلقت اُن کے شمع رخسار کا پروانہ بنی رہتی۔ اکثر مقامات پر بازیگر اور مداری تماشا دکھاتے رہتے۔ رات بھر روشنی ہوتی رہتی۔ اور معلوم ہوتا کہ دونون حریف تو مین رشتہ یگانگت قائم ہوتے ہی ساری فکر دن کو بھول کے عیش و عشرت مین منہمک ہو گئی ہین۔

سلطان کی طرف سے اُس کے بھائی احمد خان خانخانان اور امیر فضل اللہ انجو بری کا جوڑا لے کے ایک باشان و شوکت شاہانہ جلوس اور برات کے ساتھ راج محل مین گئے۔ جو ایک ہفتہ تک ٹھہرائے گئے۔ اور نہایت ہی عظمت و شان سے اُن کی مہمانداری کی گئی (ہفتہ گزرنے کے بعد شاہزادی رخصت کی گئی۔ جس کی سکھ پال پر سونے چاندی کے ہن لٹاتے ہوئے لشکرگاہ سلطانی مین لائے۔ سلطان کو بھی اپنی اِس خوش نصیبی پر جوش آیا۔ دولھن کا ڈولا پہونچتے ہی اُس نے خزانے لٹا دیے۔ اور جس ایثار نفس۔ حسن و ادب۔ اور خلوص و اطاعت سے راجہ نے اس رسم کو ادا کیا تھا۔ ویسی ہی فیاضی گرمجوشی سے اُس کے عزیز ترین ہدیے کو قبول کیا۔ اور بے انتہا مسرور ہوا۔

شادی ہو جانے کے بعد چوتھی کے طور پر راجہ نے سلطان کو اپنے محل مین بلایا۔ فیروز شاہ نے اُس کی درخواست قبول کی لشکرگاہ کا انتظام خانخانان کے ذمے چھوڑ کے دولھن شاہزادی کے ساتھ عظیم الشان جلوس اور اعلیٰ درجے کے کر و فر سے بیجانگر مین گیا۔ راجہ نے بھی اُس[illegible] مین کوئی دقیقہ نہین اُٹھا رکھا۔ پھاٹک سے راج محل تک تین فرسخ کی مسافت تھی۔ اِس تمام راستے پر اطلس مشجر اور مخمل کا فرش بچھا ہوا تھا۔ اور ادھر اُدھر طرح طرح کے قیمتی کپڑون کے جوڑ لگا کے سارا راستہ گلزار

سدا بہار بنا دیا گیا تھا۔ خود راجہ پھاٹک تک استقبال کو آیا اور دولہا ذ
سے بغلگیر ہو کے اُسے اپنی مشایعت مین محل تک لایا۔ اس سارے راستے
مین راجہ کے ہاتھ مین ہاتھ دیے جب تک سلطان گزرتا رہا دونون
جانب سے اُس پر پری جمال عورتین اور نازک اندام خوبصورت لڑکے
تھالیون مین بھر بھر کے سونے چاندی کے پھول برساتے اور نچھاور کرتے
رہے۔ رستے مین ایک مقام پر بیجا نگر کے تمام امرا و معززین نے جن مین مرد
عورتین سب ہی تھے حاضر ہو کے حسب حیثیت روپے اور اشرفیان نچھاور
کین۔ اس کے بعد ایک میدان پڑتا تھا۔ سلطان کی سواری اُس سے آگے
بڑھی تو خاص شاہی خاندان کے لوگون اور اعزاے شاہی کے گھرانون کے
زن و مرد نے حاضر ہو کے سلطان پر زر و جواہر نچھاور کرنا شروع کیے۔ اور
یونہین زر و جواہر لٹاتے ہوئے راج محل تک پا پیادہ اُس کے ہمراہ آئے۔
(اس شان و شوکت اور اس دھوم دھام سے دونون تاجدار
راج محل کے دروازے پر پہونچ کے گھوڑون سے اُترے۔ یہان ایک
مرصع و جواہر نگار سکھ پال حاضر تھی۔ سلطان اُس مین سوار کرا کے حجلۂ عروسی
مین پہونچایا گیا جو خاص اُسی کے ورود کے لیے بنایا۔ اور بڑے اہتمام سے آراستہ
کیا گیا۔ تمام اُمرا و اعزاے شاہی پا پیادہ سلطانی سکھ پال کے جلو مین تھے جنمین
خود راجہ دیو راے بھی تھا۔ سلطان کو یہان تک پہونچا کے راجہ نے رخصت
کی اجازت لی۔ اور تمام اعیان سلطنت کے ساتھ واپس گیا۔ سلطان اور
اُس کی مہ جبین دلھن اپنے حجلۂ عیش مین مصروف عیش و عشرت رہے۔ اور
تین دن اسی جشن و طرب مین محو رہا جس کے مزے کو سلطان شاید زندگی
بھر نہ بھولا ہو گا۔)

تیسرے دن سلطان نے واپسی کا ارادہ کیا تو راجہ نے حاضر
ہو کے اس قدر سامان دولت اور اتنا ایک زر و جواہر نذر کیا جو اُس سے
بدرجہا زیادہ تھا جو سلطان کی شرط کے مطابق شاہزادی کے ڈولے کے
ساتھ بھیجا گیا تھا۔ اور اسی مناسبت سے اب جو شہنشاہ کی سواری اور

شہنشاہ دولھن کی سکھ پال راج محل سے روانہ ہوئی تو اُس کی شان و شوکت اور آبتکا کر و فر پہلے سے بدرجہا زیادہ بڑھا ہوا تھا مشایعت کے لیے خود راجہ چار فرسنگ تک سلطان کے جلو مین گیا۔ اور وہان سے رخصت ہو کے اپنے شہر مین واپس آیا۔

لیکن باوجود استقبال کا اس قدر اہتمام کرنے کے راجہ کے دل مین اپنی بے عزتی و رسوائی کا ایسا گہرا زخم لگا تھا کہ ضبط کرنے پر بھی کوئی ایسی حرکت کر بیٹھتا جس سے اُس کا دلی صدمہ ظاہر ہو جاتا چھتر نبل کا ایک عظیم الشان راجہ تھا جس کے عظمت و جبروت کو سارا ہندوستان انے ہوئے تھا۔ چنانچہ سلطان سے رخصت ہونے وقت اُسے غیرت کا کچھ ایسا جوش آگیا کہ چھتریون کے اکھڑپن کے لہجے مین چند ایسی باتین کین کہ سلطان کو اُس کے الفاظ اور اُس کا گستاخانہ لہجہ سخت ناگوار ہوا۔ اور راجہ کا سب کیا دھرا بیکار ہو گیا۔ چنانچہ راجہ کے واپس جاتے ہی سلطان نے امیر فضل اللہ انجو سے (جو ہمراہ رکاب تھا اور اُسی کی سفارش سے اُس نے یہ صلح قبول کی تھی۔) غصہ کے لہجے مین کہا "شرط تو یہ تھی کہ دیو راے ہمین ہمارے خیمے تک پہونچائے گا۔ یہ راستہ مین سے کیون پلٹ گیا؟" اِس کے بعد آپ ہی دل مین کچھ سوچ کے کہا "خیر مضائقہ نہین۔ سمجھا جائے گا" سلطان کے یہ الفاظ راجہ دیو راے کے گوش گزار ہوئے تو طیش مین آ کے اور بگڑا۔ اور کچھ اور سخت و سُست الفاظ زبان پر لایا۔ بہر حال انجام یہ ہوا کہ ایسی قرابت ہو جانے اور مہمانداری و دعوت مین ایسی فیاضی دکھانے پر بھی دونون تاجدارون کے دل نہ صاف ہوے۔ مگر ملال صرف دلون مین رہا۔ اس وقت کوئی اور جھگڑا نہین پیدا ہوا۔ صلح کے تمام شرائط پر عملدرآمد ہو گیا۔ اور سلطان اپنے خیل و حشم اور نئی دولھن کے ساتھ اپنے دار السلطنت فیروز آباد کی راہ لی۔

چونکہ یہ سب واقعات پرتھال ہی کے حُسن عالم آشوب کے کرشمے

تھے اِس لیے ہم نے اُن کو تفصیل سے بیان کر دیا۔ اور اُن کے بیان مین
اِس درجہ مصروف ہوئے کہ پرتھال کا خیال ہی ذہن سے اُتر گیا۔ اور
کوئی تعجب کی بات نہین۔ اِس لیے کہ لڑائی کی شورش مین راجہ دیورائے
بھی اُسے بھولا ہوا ہے۔ مگر ہمین افسوس تو اِس بات کا ہے کہ اتنا سب ہوا۔
ہزارہا خلقت کٹ گئی۔ اور راجہ دیورائے کی راج دُلاری تک سلطان فیروز
شاہ کی دولھن بن گئی مگر دیورائے کی آرزو نہ بر آئی۔ اُسے کسی طرح اُس
مہ پارہ سُونارن کا جلوہ دیکھنا نہ نصیب ہوا۔

(سلطان کو اثنائے فوج کشی مین معلوم ہو گیا تھا کہ راجہ نے بہمنی
قلمرو مین ملک گیری کے خیال سے نہین بلکہ پری جمال پرتھال کے شوق وصال
مین قدم رکھا تھا جس سے محروم رہا۔ گھر پہنچ کے اُسے شوق ہوا کہ مُدگل
کے سُنار کی اُس خوبصورت لڑکی کو دیکھے۔ فوراً ایک سردار تھوڑی سی فوج
کے ساتھ بھیجا گیا جو عزت اور قدر و منزلت کے ساتھ پرتھال اور اُس کے ماں
باپ کو لے آیا۔ فیروز شاہ نے جو اِس کافر ماجرا لڑکی کی صورت دیکھی اور اُس کا
گانا سُنا تو غش غش کر گیا۔ بے اختیار اُس کی زبان سے نکلا "فتبارک اللہ
احسن الخالقین"۔ اور دیر تک اُس کے حسن و جمال کی تعریف کرتا رہا۔ اِس کے بعد
کہا "مین اب بوڑھا ہون۔ اس لیے اگر اپنے محل مین رکھون تو اِس پری اور اس کے
عدیم المثال حسن و جمال پر ظلم ہو گا۔ اِس لڑکی کا ابھی عنفوان شباب ہے اور اسی
طرح میرے فرزند حسن خان کی رگون مین بھی جو نہایت ہی خوش جمال ہے
آغاز جوانی کا پُر جوش خون دوڑ رہا ہے۔ لہذا مین چاہتا ہون کہ اس لڑکی
کی شادی اُسی کے ساتھ کر دیجائے"۔

(یہ تجویز کرتے ہی سلطان نے پرتھال کو اپنی چچی کے حوالے کیا کہ اُس
کی شادی کا اہتمام شاہانہ شان و شوکت سے کرے اور عقد کی تاریخ مقرر کر کے
خود حسن خان کو بڑے کرّ و فر اور حشمت و شکوہ سے دولھا بنا کے چچی کے گھر برات
کے ساتھ لے گیا۔ اور مہ جمال پرتھال کو سلطنت بہمنیہ کی عالی مرتبہ بہو بنا کے بیاہ
لایا۔ پرتھال کو معلوم ہوا کہ میرے خواب کی یہ تعبیر تھی۔ اور آرزو مندی و قصد فزی

کے ساتھ عالیمرتبہ سلمان شاہزادیون کی سی زندگی بسر کرنے لگی جس کی طرف اُس کے دل کو پہلے ہی سے رحجان تھا۔ اور خود ہی پردہ کرنے لگی تھی (شاید ایسی عدیم المثال اور بےنظیر دولھن کے ملنے ہی کا نتیجہ تھا کہ حسن خان کو بجز عیش و عشرت اور رقص و سرود کے دنیا و مافیہا سے کوئی سروکار نہ تھا۔ رات دن محبوبہ مہ جبین کے آغوش مین بیٹھا رہتا اور اُس کے ناز و ادا کا لطف اُٹھایا کرتا۔ نہ سلطنت سے سروکار تھا۔ نہ حکمرانی کی لیاقت اُس مین پیدا ہو سکی۔ فیروز شاہ نے آخر زندگی مین لاکھ سر مارا۔ اور اُسے اپنا ولی عہد بنا دیا۔ مگر سلطنت اُس کی تقدیر مین نہ تھی۔ فیروز شاہ کا بھائی خانخانان اُس کی زندگی ہی مین بادشاہ بن گیا۔ بیٹے کی محبت مین بادشاہ بھائی کا دشمن ہو گیا) اور خود فوج لے کے اُس کے سامنے صف آرا ہوا۔ فیروز شاہ اُن دنون سخت بیمار تھا۔ اثناے جنگ مین اتفاقاً اُسے غش آیا۔ لشکر مین اُس کی موت کی خبر اُڑ گئی۔ اور خود اُس کی فوج والے اُس کا اور ولی عہد کا ساتھ چھوڑ چھوڑ کے خانخانان سے جا ملے۔ ہوا کا رُخ پلٹا دیکھ کے حسن خان اور دیگر سردار بادشاہ کے میانے کو قریب کے ایک قلعے مین اُٹھا لے گئے۔ اور خانخانان نے بڑھ کے اُس قلعے کا محاصرہ کر لیا۔

(اب فیروز شاہ کو ہوش آیا۔ اور واقعات جنگ سنے تو اپنی بے دست و پائی پر متعجب ہوا۔ اور فرزند سے کہا "بیٹا۔ مین نے بہت چاہا مگر اس کو کیا کرون کہ سلطنت تمھاری قسمت مین نہین ہے۔ اب بھائی سے لڑنا قسمت سے لڑنا ہے۔ قلعے کے پھاٹک کھول دو۔ اور خانخانان سے کہو کہ فاتحانہ شان سے اندر آئے۔ اس حکم پر عمل کیا گیا۔ اور خانخانان کے صاحب تاج و سریر بھائی کے سرہانے کھڑا ہو گیا۔ بیمار بادشاہ ان بادشاہ سرکش بھائی کی صورت دیکھتے ہی زار و قطار رونے لگا۔ اور کہا "تاج و تخت تمھین مبارک۔ محبت پدری کے تقاضے سے مین نے اپنے فرزند کے لیے ولی عہدی کی کوشش کی تھی۔ مگر چونکہ یہ خدا کو منظور نہ تھا اس لیے

ناکام و نامراد رہا۔ لیکن اب آج سے تم ہی صاحب تاج و دیہیم ہو۔ اور میں اپنے فرزند حسن خان اور ساری رعایا کو تمھارے سپرد کرتا ہوں۔"
بس اسی دن یعنی ۵ شوال ۸۲۵ھ کو خانخاں نے تاج شاہی سر پر رکھا اور "احمد شاہ بہمنی" کے لقب سے حکومت کرنے لگا۔ دس دن بعد یعنی اُسی مہینے کی ۱۵ تاریخ فیروز شاہ نے دنیا کو رخصت کیا۔ اور اُس کی وصیت کے مطابق نئے فرمان روا احمد شاہ بہمنی نے سوچنا شروع کیا کہ بھتیجے یعنی حسن خان کے ساتھ کیا سلوک کرے۔ بعض مشیروں نے رائے دی کہ اس شاہزادے سے مطمئن نہ رہنا چاہیے۔ اُسے یا تو قتل کرنا چاہیے۔ یا اُس کی آنکھیں نکلوا ڈالی جائیں۔ مگر احمد شاہ نے اس صلاح کو نہ مانا۔ بلکہ بھتیجے کو بانصدی عزت سے سرفراز کیا۔ اُس کے ساتھ دریائے تنگ بھدرا کے کنارے قلعۂ فیروزآباد اُسے بطور جاگیر عطا کیا۔ اور کہا "اُس خوش سواد قلعے میں جس کی فضا میں دریائے تنگ بھدرا نے جان ڈالدی ہے بیٹھ کے تم عیش کرو۔ اپنی محبوبہ کے حسن سے لطف اُٹھاؤ۔ قلعے کے برجوں سے عالم کی بہار دیکھو۔ سیر و شکار کا شوق ہو تو گرداگرد دو فرسخ تک جا کے لطف شکار اُٹھا سکتے ہو۔ اور اس سے زیادہ دور جانے کو جی چاہے تو مجھ سے اجازت لے لینا۔
حسن خان بھی دل سے یہی چاہتا تھا اس خلوتکدۂ عیش میں بیٹھا تو پھر مرکے وہاں سے نکلا۔ اور ہمیں نہیں معلوم کہ اس کے بعد اُس کا اور اُس کی مہ جبین محبوبہ پرتھال کا کیا حال ہوا۔

تاریخ صقلیہ

اس نایاب تاریخ کا سلسلہ ہم نے فروری کے دلگداز سے شروع کیا ہے۔ اور اس طریقے سے شائع کرنا شروع کیا ہے کہ بعد تکمیل کے اس کے اوراق دلگداز سے الگ کر لیے جا سکیں۔ مسلمانان ہند کے لیے یہ بالکل نایاب تاریخ ہے۔ اگرچہ عرب کی عام تاریخوں۔ طبری۔ ابن اثیر۔ اور ابن خلدون وغیرہ میں ضمناً

فتوح عرب کے اس حصے کا بھی ذکر آگیا ہی جس پر عام ناظرین کی نظر بھی نہین پڑ سکتی فتوحات صقلیہ پر کوئی مستقل کتاب نہ عربی مین لکھی گئی نہ فارسی مین اور نہ انگریزی مین کوئی ایسی کتاب موجود ہے جس سے اِن واقعات مین سے ایک واقعہ بھی معلوم ہو سکے۔ یورپ کی موجودہ کوششین پچاس سال پیشتر کے مذاق تحقیق سے بدل کے اب فقط اِس غرض کے حاصل کرنے مین مصروف ہین کہ اپنی اگلی کمزوریون کو جہان تک بنے دبایا اور چھپایا جائے۔ اگرچہ دنیا کی کوئی قوم نہین جس نے ترقی سے پہلے تنزل کا مُنہ نہ دیکھا ہو۔ جو صاحب علم ہونے سے پہلے جاہل مہذب بننے سے پہلے وحشی۔ اور فاتح بننے سے مفتوح نہ رہی ہو۔ مگر انسان کی سرشت مین یہ عجیب کمزوری رکھی گئی ہے کہ عروج حاصل ہونے کے بعد یہ ثابت کرنا چاہتا ہے کہ ہمین ہمیشہ سے ایسا ہی عروج حاصل تھا۔ اور ہم ہر زمانے مین ایسے ہی مہذب و ترقی یافتہ تھے۔ چاہتا ہی کہ اپنی گزشتہ ذلتون اور کمزوریون کو خود بھی بھلا دے۔ اور کسی اور کو بھی وہ یاد نہ رہین۔ افسوس اس طبعی کمزوری سے یورپ بھی خالی نہین۔

مگر جو واقعات گزر چکے ہین ہزار چھپاؤ کُھل ہی جاتے ہین۔ اگلی اور نسلی آج چاہین کیسے ہی شہ نشین دولتمندی پر پہونچ جائین مگر اُن کی کمزوری کے زمانے کے یہ حالات اور اُن کی یہ ذلتین لوح زمانہ پر ثبت ہو گئی ہین۔ اپنے لٹریچر سے اُنھون نے اِن کو مٹا دیا تو کیا ہوا ہمارا لٹریچر تو موجود ہے جو ہر بھولے ہوئے کو یہ واقعات یاد دلایا کرے گا۔

بہر تقدیر دلگداز کے اس دوران پر زمانے کو ایک ایسی تاریخ مل جائے گی جس سے اہل وطن بالکل ناآشنا ہین۔ اور اُسے اور کہین بڑی مشکل سے پا سکین گے۔ ہم نے اس مین جو کچھ لکھا ہی خاص عربی تاریخون سے بلکہ کلیۃً ابن اثیر سے لیا ہے اور امید ہی کہ اس تاریخ کے مکمل ہوتے ہی اردو مین ایک ایسی تاریخ پیدا ہو جائے گی جو مستقل طور پر شاید دنیا کی کسی زبان مین نہین موجود ہی۔ یہ ہم نہین کہہ سکتے کہ ہمین کے مہینون تک یہ سلسلہ اور جاری رکھنا پڑیگا مگر کم از کم دلگداز کے چار پانچ پرچون کے اوراق اور بھی اس کی نذر ہون گے۔

ایطالیہ پر مسلمانون کا حملہ

سنہ ۲۳۲ھ مین مسینا پر قابض ہو جانے سے عربون کا زور اس قدر بڑھ گیا تھا کہ جزیرۂ صقلیہ سے آگے بڑھ کے خاص ملک اٹلی (ایطالیہ) کی طرف اُنھون نے توجہ کی۔ اور اُن کا ایک زبردست لشکر سمندر سے اُتر کے جنوبی ایطالیہ کے شہر طارنت (طارنٹم) مین ٹھہر گیا۔ اور اٹلی کے صوبۂ انکبرد پر تصرف کرنے کی کوشش کرنے لگا۔

رومی جہازون کی ناکامی و تباہی

سنہ ۲۳۳ھ مین قسطنطنیہ سے دس رومی جہاز جن کو عرب لوگ "شلندیات" کہتے تھے فوج لے کے صقلیہ مین آئے۔ اور بندر گاہ رطین مین لنگر انداز ہوئے۔ ساحل پر اُترے۔ اور بڑھے کہ مسلمانون کے مقبوضات پر حملہ کرین۔ مگر کچھ ایسا اتفاق پیش آیا کہ راستہ بھول گئے۔ اور کسی ایسے مقام تک نہ پہونچ سکے جس پر حملہ کر کے عربون کو نقصان پہونچا سکین۔ مجبور ہو کے پلٹے۔ ساحل پر ناکام و نامراد واپس آئے۔ اور اپنے جہازون پر سوار ہو کے چلے کہ کسی اور طرف کا رُخ کرین۔ مگر ہوا کچھ ایسی ناموافق تھی کہ دس مین سے سات جہاز ڈوب گئے۔ اور تین اپنے سپاہیون کو لے کے جہان سے آئے تھے وہین واپس گئے۔

شہر ارغوس پر حملہ

سنہ ۲۳۴ھ مین مسلمانون نے شہر ارغوس پر حملہ کیا۔ شہر والے اگرچہ بہت سرکش تھے۔ مگر اپنے مین تاب مقاومت نہ پا کے اُنھون نے صلح کی درخواست پیش کی اور بغیر کسی شرط کے اپنی قسمت فاتحون کے ہاتھ مین دیدی۔ مسلمانون نے شہر پر قبضہ پاتے ہی اس خیال سے کہ یہان والے ہمیشہ موقع پاتے ہی

علانیہ بغاوت پر آمادہ ہو گئے رومی دشمنون سے سازش کرتے اور سرکشی اختیار کر لیا کرتے تھے۔ اُسے منہدم کر دیا۔ اور بہت کچھ مال و اسباب شہر والون سے بطور جرمانے کے وصول کر لیا۔

قصریانہ پر تاخت

۲۲۵ھ مین قصریانہ والون نے پھر سر اُٹھایا تھا۔ چنانچہ عربون کا ایک لشکر اُن کی سرکوبی کو جا پہونچا۔ اُنھین لوٹا مارا اور ہوائی شہر کو اُس کی متواتر سرکشیون کی سزا مین جلا کے خاک کر دیا۔

عباس بن فضل بن یعقوب امیر صقلیہ

اس وقت تک افریقیہ کے تاجداران بنی اغلب کی جانب سے صقلیہ کا امیر اور والی محمد بن عبداللہ بن اغلب رہا تھا۔ مگر وہ ایسا اولوالعزم اور فتوحات کا شائق نہ تھا جیسے کہ اُس سے پہلے کے والی ہوتے آئے تھے۔ مگر چونکہ بنی اغلب کے شاہی خاندان سے تھا۔ اس لیے اُس کی زندگی مین کسی نے اُس کے حکم سے سرتابی نہین کی۔ اُس کا معمول یہ تھا کہ اپنے مرکز حکومت شہر بلرم (پلرمو) مین قیام پذیر رہتا۔ اور ضرورت کے اوقات مین لشکر اور مہمین بھیج بھیج کے اپنی سطوت قائم رکھتا۔ اور خوش قسمتی تھی کہ ایسی تمام مہمون مین وہ کامیاب و فتحمند رہا۔ مگر اُس کے زمانۂ امارت مین ابوالعباس الفضل بن یعقوب بن جعفر ہمدانی نے مختلف شہرون مین جہاد کر کے فوج اور تمام مسلمانان صقلیہ مین ہر دلعزیزی حاصل کر لی تھی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ محمد بن عبداللہ بن اغلب نے ۱۹ سال حکومت کر کے رجب ۲۳۶ھ مین وفات پائی تو مسلمانان صقلیہ نے فضل بن یعقوب کو (جس کا نام اس سے پیشتر ہم نے فضل بن جعفر ہمدانی بتایا ہے) خود ہی اپنا والی و امیر منتخب کر کے شاہ افریقیہ محمد بن اغلب کو اطلاع دی۔ اُس نے اُن کے انتخاب کو پسند کر کے اُن کی درخواست

منظور کرلی۔ اور سند امارت لکھ کے بھیج دی چنانچہ اس سال سے فضل صقلیہ کا حاکم اور وہان کا امیر الجہاد ہو گیا۔

فضل کی پہلی مہم اپنے عہد امارت مین

پہلا والی صرف یہ کرتا رہا تھا کہ بلرم مین بیٹھ کے عیش کرتا۔ اور اُس کی فوجین جو مال غنیمت مختلف حملون سے لا لا کے پیش کرتین اُسے جمع کرتا۔ فضل نے سند پاتے ہی لشکر مرتب کر کے سفر جہاد شروع کیا۔ اپنے چچا ربا ح کو اپنی فوج مقدمۃ الجیش کا افسر بنایا۔ راستے مین قلعۂ آلجی تور پڑا۔ ایک فوج بھیج کے اُسے اپنی مملکت مین شامل کر لیا۔ لیکن چونکہ یہ فتح بغیر لڑے نہین حاصل ہوئی تھی اس لیے اُسے لوٹا۔ وہان کے بہت سے لوگ پکڑ کے لونڈی غلام بنائے۔ اور بہت کچھ مال غنیمت حاصل کیا۔ اس کے بعد پھر شہر قصریانہ کی طرف رُخ کیا جو کسی طرح سرکشی سے باز نہ آتا تھا۔ خود شہر پہ تو قابو نہ چلا مگر اُس کے حوالی و نواح کو خوب لوٹا۔ جلایا۔ اور ویران کر دیا۔ تاکہ سرکش نطریق (حاکم) قصریانہ جو اپنی قلعہ بندیون مین چھپا بیٹھا تھا باہر نکل کے مقابلہ کرے۔ مگر اُسے کسی طرح باہر آنے کی جرأت نہ ہوئی۔ اور فضل ملک کو خوب لوٹ مار کے اور تباہ و برباد کر کے بلرم مین واپس گیا۔

دوسری مہم

چند ہی روز سستا کے اُس نے پھر فوج کشی اختیار کی۔ اور ۲۳۸ھ مین ایک زبردست لشکر اپنے اسلامی جھنڈے کے نیچے لے کے قصریانہ پہ تاخت کی۔ مگر یہ زبردست شہر اب کی بھی فتح نہ ہو سکا۔ تاہم اُس نے اپنی اس مہم کو بھی فتوحات سے خالی نہ جانے دیا۔ مختلف شہرون قطانیہ۔ سرقوسہ۔ نطس۔ اور راغوس پہ فوجین بھیجین۔ جنھون نے ان سب شہرون کو لوٹا مارا۔ سرکش لوگ ان کو پکڑ کے لونڈی غلام بنایا۔ اور اُن کو ویران کر دیا۔ اس کے

بعد اُس نے بڑھ کے شہر تبیرہ کا محاصرہ کر لیا۔ پانچ مہینے کی محصوری کے بعد اہل شہر نے اطاعت قبول کی۔ پھاٹک کھولے۔ اور شہر مقبوضات اسلامیہ مین داخل ہو گیا۔

ابوابراہیم احمد کی فرمان روائی افریقیہ

۲۴۲ھ مین ابوالعباس محمد بن اغلب بن ابراہیم بن اغلب نے ۱۵ سال ۸ مہینے اور ۱۰ دن حکومت کر کے سفر آخرت کیا۔ اور اُس کی جگہ اُس کا بیٹا ابوابراہیم احمد بن محمد بن اغلب اورنگ نشین افریقیہ ہوا اور صقلیہ کی اسلامی قلمرو کے سیاہ و سفید کا اصلی مالک یہی تھا۔ یہ اچھا اور نیک فرمان روا تھا۔ عنان حکومت ہاتھ مین لیتے ہی اُس نے رعایا سے بہت اچھا سلوک کیا۔ اور فوج کو انعام واکرام سے سرفراز اور مسرور کر کے اپنا فریفتہ کر لیا۔

تیسری اور چوتھی مہمین

اسی ۲۴۲ھ مین عباس ایک زبردست لشکر لے کے اطراف صقلیہ مین روانہ ہوا۔ اور بہت سے قلعے فتح کر لیے۔ اور ملک کا ایک معتدبہ حصہ اپنے قبضے مین کر کے واپس آیا۔ لیکن ۲۴۳ھ مین اُس نے گزشتہ مہمون سے زیادہ ساز و سامان کے ساتھ سفر کیا۔ اور سیدھا قصریانہ کیطرف چلا جس کے فتح کرنے کی اُسے دُھن لگی ہوئی تھی۔ اب کی قصریانہ والون نے اپنی عادت کے خلاف نکل کے مقابلہ کیا۔ مگر سخت شکست کھائی۔ کثرت سے مارے گئے۔ جو کچھ ساز و سامان اُن کے ساتھ تھا مسلمانون کے ہاتھ لگا۔ اور وہ بھاگ کے پھر اپنے قلعے مین پناہ گزین ہو گئے۔

اس کے بعد اُس نے سرقوسہ اور طبرمین پر حملہ کیا جہان کے لوگون

نے باوجود اطاعت قبول کر چکنے کے پھر سرکشی اختیار کر لی تھی۔ ان دونون شہرون کو خوب لوٹ مار کے اور جابجا آگ لگا کے سرکش باغیون کو کافی سزا دی۔ اور وہان سے بڑھ کے قصر جدید کے سامنے خیمہ زن ہوا۔ اور اُس کا محاصرہ کر لیا۔ اُس شہر مین جو رومی تھے اُنھون نے پندرہ ہزار دینار ادا کر کے اپنی جان بچانی چاہی۔ مگر فضل نے نہ مانا۔ اور محاصرے مین اور سختی شروع کر دی۔ آخر لوگون نے زندگی سے تنگ آ کے ہتھیار رکھ دیے۔ اور شہر حوالے کر دیا۔ اُن کی صرف اتنی شرط فضل نے قبول کی تھی کہ دو سو آدمیون کو آزادی دیدیجاے گی۔ چنانچہ جن دو سو آدمیون کو اُنھون نے بتایا اُن کو چھوڑ کے کل اہل شہر مرد ہون یا عورت، فاتحون کے مملوک بنا لیے گئے۔ ان کثیر التعداد غلامون کو فضل نے وہین ٹکڑے ٹکڑے بیچ ڈالا۔ اور قلعے کو منہدم کر کے ویران کر دیا۔ تاکہ پھر کوئی اُس مین پناہ گزین نہ ہو سکے۔

پانچوین مہم اور فتح قصریانہ

۲۴۴ھ مین ابو العباس فضل پوری طرح آمادہ ہو گیا کہ شہر قصریانہ کو جو کسی طرح سرتابی و سرکشی سے باز نہین آتا تھا اُسے فتح کرے۔ صقلیہ مین رومیون کا دار السلطنت یہی شہر تھا۔ پہلے یہان کے حکمران شہر سرقوسہ مین رہا کرتے تھے۔ جب مسلمان جزیرے کے ایک حصے پر قابض و متصرف ہو گئے تو اُنھون نے سرقوسہ کو چھوڑ کے اسی شہر قصریانہ کو اپنا دار السلطنت بنایا۔ اس لیے کہ یہ شہر اُن کے خیال مین نہایت مضبوط اور ناقابل فتح تھا۔

اب کی فضل قصریانہ پر ایک بحری لشکر کو اپنے بیڑے پر سوار کرا کے لایا۔ جس نے آتے ہی ہم رومی جہازون سے مقابلہ کیا۔ ایک سخت بحری لڑائی ہوئی جس مین اسلامی جہازون نے رومی حامیان جزیرہ کو بڑی بھاری شکست دی۔ اُن کے دس جہاز مع سپاہیون کے

پکڑ لیے۔ اِس غنیمت اور اِن اسیرون کو لے کے وہ برم مین واپس چلا گیا۔ اس کے بعد موسم سرما آیا تو فضل نے ایک لشکر بھیجا کہ قصریانہ پر تاخت کرے۔ یہ فوج آئی اور شہر کے اطراف و جوانب مین خوب لوٹ مار کرکے اور بہت سے قیدیون کو پکڑ کے واپس گئی۔ اِن قیدیون مین ایک معزز رومی سردار تھا جس کی قصریانہ مین بڑی عزت تھی۔ فضل نے اُس کے قتل کا حکم کیا تو اُس نے عاجزی سے کہا "میری جان لینے سے آپ کو کیا مل جائے گا؟ ہان اگر میری جان بخشی ہو تو مین آپ کو ایک نہایت ہی قیمتی مشورہ دون گا۔" پوچھا گیا "وہ مشورہ کیا ہے؟" بولا "وہ ایسا مشورہ ہے کہ اگر آپ نے اُس پر عمل کیا تو شہر قصریانہ پر قابض ہو جائین گے۔"

اس وعدے کے مطابق اُس کی جان بخشی کی گئی۔ اور اُس نے کہا "ابھی جاڑون کا موسم ہے اور برف پڑ رہی ہے جس کی وجہ سے اہل شہر کو آپ کے حملے کا اندیشہ نہین۔ وہ اپنے شہر مین مطمئن اور غافل ہین۔ یہ موقع بہت غنیمت ہے۔ آپ تھوڑی سی فوج میرے ہمراہ کر دین۔ اور مین وعدہ کرتا ہون کہ اُن سب سپاہیون کو نہایت خاموشی کے ساتھ شہر کے اندر لے جا کے کھڑا کر دون گا۔ فضل نے اپنی فوج مین سے دو ہزار شریف و خاندانی بہادر منتخب کرکے اُس کے ہمراہ کیے۔ اور اِس فوج کا سردار اپنے چچا رباح کو مقرر کیا۔ پھر اُس کے پیچھے خود بھی سارا لشکر لے کے چل کھڑا ہوا۔ اور قصریانہ کی شہر پناہ کے قریب پہونچ کے چھپ رہا۔ یہ سب کارروائی راتون رات اندھیرے مین ہوئی۔ اور اندھیرے ہی کے دامن مین چھپ کے اُس رومی سردار نے مسلمانون کو شہر پناہ قصریانہ کے ایک ایسے حصے کے نیچے پہونچا دیا جہان تمام پہرے والے غافل پڑے سو رہے تھے۔ لیکن اُس مقام تک پہونچنا بہت دشوار تھا۔ چنانچہ وہ دو ہزار مسلمان جو اُس کے ہمراہ تھے کئی جگہ پہاڑ کے ٹیلون پر چڑھے۔ بعض مقامات پر کھڑی اور رسید ھی چٹانون پر سیڑھیان لگا کے چڑھے اور اُترے۔ نیچے پہونچ کے

شہر پناہ مین ایک چھوٹی سی بدرو بلی جس مین سے ہو کے شہر کے اندر راستہ گیا تھا۔ اُس مین گندہ پانی بہتا رہتا تھا۔ اور اہل شہر اکثر غلاظت لا کے اُسی مین ڈالا کرتے۔ رومی سردار مسلمانون کو لے کے اُس کے اندر گھسا۔ اور دم بھر مین سارا لشکر شہر کے اندر کھڑا تھا۔ صبح ہو چکی تھی مگر اندھیرا باقی تھا کہ اِن مسلمانون نے شہر کے اندر نعرۂ "اللہ اکبر" بلند کیا جس سے سارے شہر کے در و دیوار اور اُن سے زیادہ اہل شہر کے دل ہل گئے۔

نعرۂ تکبیر کے ساتھ ہی اِن لوگون نے تلوارین بلند کین اور شہر مین قتل عام ہونے لگا۔ تھوڑی ہی دیر مین فتحیاب مسلمانون نے پھیل کے شہر کے سب پھاٹک کھول دیے۔ اور ابو العباس فضل اپنی ساری فوج کے ساتھ اندر داخل ہو گیا۔ یہ شوال کی ۱۵ تاریخ تھی۔ اور عید الفطر کی مسرت ابھی تک دلون مین باقی تھی۔ دم بھر مین تمام اہل شہر پناہ مانگنے لگے۔ اور مسلمانون نے قصریانہ کے اندر بڑے زور و شور اور بڑی بھاری جماعت سے نماز فجر ادا کی۔ چنانچہ جس مقام پر اُنھون نے نماز پڑھی تھی اُسی وقت وہان ایک عالی شان مسجد کی بنیاد ڈال دی۔ اور اسی کی بنیاد دون مین جمعہ کی نماز شکوہ و اجلال سے پڑھی گئی۔

قتل عام کا انجام یہ ہوا کہ جتنے لڑنے والے مسلح آدمی ملے سب قتل ہوے۔ اور بطارقہ یعنی معززین روم کی جتنی عورتین اور لڑکیان ملین سب مع زیور کے اسیر کر کے لونڈیان بنا لی گئین۔ یہان بعض شاہزادے بھی اسیر ہوئے۔ اور غنیمت مین اتنی دولت ہاتھ آئی جو بیان نہین ہو سکتی۔ اور یہی تاریخ ہے کہ جس دن سے عرب کہتے ہین کہ صقلیہ مین کفر و شرک ذلیل و خوار ہوا۔ اور توحید کا پرچم اقبال لہرانے لگا۔

قصریانہ کے اس طرح مسلمانون کے قبضے مین ہو جانے کی خبر قسطنطنیہ مین پہونچی تو لوگون کو بڑا صدمہ ہوا۔ اور فوراً وہان کا ایک امیر البحر تین سو شلندی (جہاز) اور اُن پر ایک عظیم الشان لشکر لے کے مسلمانون کے

مقابلے کو آیا یہ لوگ ساحل سرقوسہ سے اُتر کے آگے بڑھنا چاہتے تھے۔ کہ ابو العباس اُن کے سرون پر جا پہونچا۔ اور ایسی زبردست شکست دی کہ وہ سب ٹھیرنے کی بھی جرأت نہ کر سکے۔ گھبرا کے اپنے جہازون پر سوار ہوئے۔ اور اُسی وقت لنگر اُٹھا کے بھاگ کھڑے ہوئے۔ مگر فضل کے بیڑے نے سمندر مین بھی اُن کا تعاقب کیا۔ سو جہاز پکڑ لیے۔ اور بحری فوج مین سے بہتون کو قتل کر ڈالا۔ یہ مہم اس قدر کامیاب تھی کہ اِس مین صرف تین مسلمان کام آئے۔ جو بحری دشمنون کے تیرون کا نشانہ ہوئے۔

عام فتحین

۲۲۲ھ مین مسلمانون کی فتحون کی ایسی دھاک بیٹھ گئی تھی کہ وہ قلعے پر قلعہ اور شہر پر شہر اپنے قبضے مین کرتے چلے جاتے تھے۔ اور یونانی دولت روم کے بنائے کچھ نہ بنتی تھی۔ چنانچہ ابو العباس نے زبردست لشکر لے کے متواتر شہرون کو فتح کرنا شروع کیا۔ جابجا رومی سردارون نے مقابلہ کیا۔ مگر انجام مین ناکام ہوئے اور اپنے بہت سے بہادرون کی جانین ضائع کرا کے اُس کے آگے ہتھیار رکھ دیے۔ اسی سلسلے مین اُس نے قلعۂ عبد المومن اور قلعۂ اَملاطنو کا محاصرہ کر لیا۔ ان قلعون کو گھیرے پڑا تھا کہ خبر آئی ایک بڑا بھاری لشکر آ پہونچا۔ فوراً مقابلہ کو چلا۔ بمقام جفلودی مین دونون حریفون کا سامنا ہوا۔ رومی بڑی بہادری سے لڑے مگر شکست کھائی۔ اور شہر سرقوسہ مین گھس کے پھاٹک بند کر لیے۔ یہ شہر مسلمانون کے قبضے مین تھا مگر رومیون کو دیکھ کے اہل شہر بغاوت پر آمادہ ہو گئے۔ فضل نے پروا نہ کی اور طرف جا کے بہت سے شہر اور قلعے فتح کر لیے۔ اور قصریانہ مین واپس آیا۔ اُسے ایک اسلامی شہر قرار دے کے خوب مضبوط کیا۔ اس مین بہت سی فوج رکھی۔ اور بے انتہا سامان جنگ جمع کر لیا۔ مقصد یہ تھا کہ مغربی صقلیہ مین جس طرح پلرمو مسلمانون کا مرکز حکومت ہے مشرقی صقلیہ مین قصریانہ ہو۔

ہندوستان مین مشرقی تمدن کا آخری نمونہ

سر اور درمیانی حصۂ جسم کے لباس کا حال تفصیل و ضاحت سے ہم بیان کر چکے اب اسفل جسم کے لباس کی طرف توجہ کرتے ہین۔ پھر اُس کے بعد دیگر زوائد لباس اور مختلف گروہون کی خاص خاص وضعون کا اور اُن کے بعد عورتون کے لباس کا تذکرہ کرین گے۔

نشیبی حصۂ جسم کے لیے عربون مین سوا تہمت کے کچھ نہ تھا۔ عربی تہمت اور ہندون کی دھوتی دونون بے سی ہوئی پتلی چادرین ہوتی ہین۔ فرق یہ ہو کہ تہمت دو تین گز سے زیادہ لمبا نہین ہوتا۔ اور دھوتی پانچ گز سے کم نہین ہوتی۔ تہمت صرف کمر مین لپیٹ کے اٹکا لیا جاتا ہے۔ دھوتی ہندوستان کی مختلف قومون مین خاص خاص بندشون سے باندھی جاتی ہے۔ اُس کا ایک سرا نیچے سے پھیر دے کے پیٹھ کے نیچے گھُرس لیا جاتا ہے۔ اور دوسرے کو بعض لوگ کمر مین لپیٹ لیتے ہین بعض چُنٹ دے کے اور اوپر سے ناف کے پاس گھرس کے آگے لگا لیتے ہین۔ عربون کے تہمت نے بعد کے زمانے مین یہ ترقی کی کہ اُس کے دونون سرے سی کے ایک حلقہ بنا لیا جاتا ہے۔ اور اُس مین دونون پاؤن ڈال کے اور کمر کے پاس اُسے سمیٹ کے بندش کر دی جاتی ہے۔

ظہور اسلام کے وقت اور اُس سے مدتون پیشتر عربون کا قومی لباس زیرین یہی تھا۔ امیر و غریب بادشاہ و وزیر سب تہمت باندھتے۔ فرق اس قدر تھا کہ اُمرا اور متکبرین عرب اپنی نخوت اور اپنے غرور کا اظہار اس طرح کرتے کہ یہ تہمت بہت نیچا اور زمین سے ملا ہوا ہوتا۔ جس مین سارے پاؤن چھپ جاتے۔ اور اُس کے دونون سرے زمین پر لوٹتے اور رگڑتے ہوئے چلتے۔ چونکہ اس وضع مین کبر و نخوت کی بو آتی اور جو شخص ایسا نیچا تہمت باندھ کے نکلتا دوسرون کو اپنے سامنے ذلیل و حقیر خیال کرتا اس وجہ سے اسلام نے اس وضع کی سخت ممانعت کی۔ حکم دیا

کہ آزار (تہمت) ٹخنون سے نیچی نہ رہے۔ علما نے اسی حکم کی بنا پر فی الحال یہ فتوی دے رکھا ہے کہ پائجامہ یا ٹانگون کا کوئی لباس ٹخنون سے نیچا نہ ہو۔ حالانکہ پائجامہ نہ اُن دنون تھا اور نہ اِس حکم مین شامل ہو سکتا ہے۔ اس لیے کہ نیچی اور زمین پر لوٹتی ہوئی ازار باندھنے سے جو کبر و نخوت کا خیال امرائے عرب مین پیدا ہوتا تھا ہندوستان کے نیچا پیجامہ پہننے والون مین ہرگز نہین ہوتا۔

حضرت رسول خدا صلعم کے زمانے ہی مین پائجامہ دیگر ممالک و اقوام سے عرب مین پہونچ گیا تھا۔ اور بعد کے زمانے مین بغداد کے دربار کا اور اُن عربون کا جو عرب سے نکل کے دیگر ممالک مین متوطن ہو گئے تھے قومی لباس بن گیا۔ ہندوستان مین مسلمانون سے پہلے دھوتی کے سوا پائجامہ نہ تھا۔ مسلمان فاتح اسے اپنے ساتھ ہندوستان مین لائے۔ جن مین ملے ہوئے چند ایسے عابد و زاہد اور مقتدایان دین تھے جو سنت نبوی کی پیروی مین تہمت ہی باندھے ہوئے اس سرزمین پر آ گئے۔ تہمت بوجہ سنت ہونے کی وجہ سے ایک خالص دینی لباس تھا۔ اس لیے بے نفس اور دیندار مسلمانون یا طالب علمون ہی کے ساتھ مخصوص رہا۔ مگر پائجامہ یہان کی سوسائٹی مین اِس قدر عام ہو گیا کہ مسلمان درکنار ہندوون اور یہان کی دوسری قومون مین بھی اُس کا رواج ہو گیا۔

لیکن غور طلب یہ امر ہے کہ مسلمانون کا پہلا اور اصلی پائجامہ کس وضع کا تھا۔ غالباً وہ تنگ مہری کا اُٹنگا پائجامہ جو شرعی پائجامہ کہلاتا ہے اور اتقیائے اہل سنت مین مروج ہے مسلمانون کا پہلا پائجامہ ہے۔ یہی بغداد مین مروج تھا۔ اسی کا رواج ایران و ترکستان مین ہوا۔ اور اسی کو پہنتے ہوئے مسلمان ہندوستان مین آئے۔

ہندوستان کے آخر عہد مین اُس کی قطع مین اتنا تغیر ہوا کہ پائینچے یا مہری پنڈلی سے لپٹی رہتی مگر اوپر کا گھیر قریب اُتنا ہی ہوتا جتنا کہ پرانے شرعی پائجامے کا تھا۔ چند روز بعد مہری کسی قدر لمبی اور نیچی ہو گئی مگر

ٹخنون سے آگے نہین بڑھی۔ دہلی کے آخر عہد تک وہان اور سارے ہندوستان مین مسلمانون کا یہی پائجامہ تھا۔ اگرچہ ادنی طبقے کے مسلمان ہندو عوام کی آمیزش سے دھوتیان باندھتے تھے۔ اور معزز درجے کے ہندو اپنے گھرون مین چاہے دھوتیان باندھے رہین مگر مہذب صحبتون مین آتے تو پائجامہ پہن کے آتے۔

انھین دنون کابل و قندہار مین دو متضاد قسمون کے پائجامے مروج تھے۔ کابل والون کا پائجامہ نیچے مہری کے پاس تنگ اور اوپر گھیر کے پاس اتنا ڈھیلا ہوتا کہ نیچے کا جسم ایک بہت بڑے جھولدار غبارے مین غائب ہو جاتا۔ اور ایک ایک پائجامے مین ایک ایک اور دو دو تھان خرچ ہو جاتے۔ یہ آج بھی افغانیون کی ٹانگون مین نظر آ سکتا ہے۔ بہ خلاف اس کے قندھار والے ایسا پائجامہ پہنتے جس کا اوپر کا گھیر تو زیادہ نہ ہوتا۔ مگر دونون پائنچے کلیان جوڑ جوڑ کے اتنے بڑے اور اتنے گھیر کے بنا دیے جاتے کہ جب تک انسان اُن کو گھرس نہ لے یا ہاتھ سے سنبھالے نہ رہے چلنا دشوار تھا۔

دربار دہلی مین بکثرت قندھاری آ آ کے فوج مین نوکر ہوئے وہ لوگ چونکہ بڑے بہادر سمجھے جاتے اس لیے یہان کے عام سپہگرون مین اُن کے وضع و لباس اور عادات و خصائل رواج پانے لگے۔ اور یہ اُنھین کی برکت اور اُنھین کی صحبت کا اثر تھا کہ دہلی مین بانکے بڑے بڑے کلیون دار پائنچون کے پائجامے پہنتے دہلی کے آخر عہد مین بانکون کی وضعداری و شجاعت اس قدر پسندیدہ ہو گئی کہ صدہا شریف زادون نے بانکون مین داخل ہو کے اُن کی وضع اختیار کر لی۔ اور شرفا جن مین اکثر اپنی اصلی وضع پر تھے۔ اور بہت سے بانکے بنے ہوئے تھے لکھنؤ مین آئے۔

لکھنؤ مین آ کے یک بیک ایک ڈھیلا عرض کے پائنچون کا پائجامہ پیدا ہو گیا۔ شجاع الدولہ۔ آصف الدولہ اور سعادت علی خان کے زمانون تک تو اُس کا پتہ نہین چلتا۔ مگر معلوم ہوتا ہے غازی الدین حیدر یا اُن کے فرزند نصیر الدین حیدر کے زمانون مین جبکہ یہان لباس و معاشرت مین تغیر ہو رہا تھا اُسی بانکون کے کلیون دار قندھاری پائجامہ سے مختصر کر کے یہ پائجامہ بنا لیا گیا۔ جو نہ اتنا

ڈھیلا تھا کہ ایک ایک پائجامے مین ایک ایک تھان صرف ہو جائے اور نہ تنگ مہری والے پرانے پائجامے کی طرح اتنا تنگ کہ پائنچہ اوپر چڑھانا غیر ممکن ہو۔ یہ نیا پائجامہ ہلکا پھلکا اور ہندوستان کی گرمیون مین نہایت آرام دہ تھا۔ چندہی روز مین امرا اور مہذب لوگون مین اس قدر مقبول ہوگیا کہ سوا اُن لوگون کے جو بانکپن کا دعوے رکھتے تھے تمام اہل علم وفضل زہاد واتقیا اور سارے شرفا وامرا کی وضع مین یہی پائجامہ داخل تھا۔

اب لکھنؤ مین صرف دو پائجامے تھے۔ ایک تو وہی بانکون کا کلیون دار پائجامہ دوسرا یہ عرض کے پائنچون کا پائجامہ جو سارے شہر کے مہذب لوگون کی وضع مین داخل ہوگیا تھا۔ اور اس شان کے ساتھ کہ اکثر مہذب وتعلیم یافتہ لوگ بھی گلبدن اور مشروع کا سلواتے۔ اور اُس کے پائنچون مین چوڑی گوٹ لگائی جاتی۔ بانکون والے اول الذکر پائجامے کو خود نصیرالدین حیدر نے اپنی وضع مین داخل کر لیا۔ ان کو انگریزی لباس کا بھی شوق تھا۔ اس لیے یا کوٹ پتلون پہنتے یا کلیون دار پائجامہ جس کو فی الحال پنجاب والے غرارے دار پائجامہ کہتے ہین۔ نصیرالدین حیدر کو یہ پائجامہ اس قدر عزیز تھا کہ انگریز لیڈیون کے گون کے مشابہ دیکھ کے اُنھون نے اُسے اپنے محل کی بیگمون کو بھی پہنانا شروع کیا۔ اور محل کی وضع مین داخل ہو جانے کا یہ اثر ہوا کہ شہر کی تمام عورتین اسی کو پہننے لگین جس کا ذکر عورتون کے لباس کے بیان مین آئے گا۔

شاہی مین اودھ کی فوج فتح پنجاب کے موقع پہ انگریزون کے ساتھ جا کے سکھون سے لڑی تھی۔ سکھ لوگ ایک نئی قسم کا اور یہی نہین ترچھی کاٹ کا تنگ اور چست پائجامہ پہنتے تھے جو گھٹنا کہلاتا ہے۔ بہت سے پنجاب جانے والون نے اُس وضع کو بہت پسند کیا۔ اور گھرون مین واپس آئے تو وہی آڑی کاٹ کے گھٹنے پہنے تھے۔ یہان کے اکثر لوگون نے یہ پائجامہ بہت پسند کیا۔ اور یکایک ایسا رواج ہوا کہ لکھنؤ کے تمام بانکے ترچھے شوقین اور امیرزادے گھٹنا پہننے لگے جو خوب چست

اور خوب کھنچا ہوتا۔ اور سے نیچے اُس کی شکنون کی بہت سی چوڑیان رکھی جاتیں۔

لکھنؤ مین یہی تین پائجامے تھے کہ انگریزی ہو گئی۔ بڑے بڑے پائچون کا کلیون دار پائجامہ تو بانکون اور اٹھہ کے ساتھ سارے مردون مین سے فنا ہو گیا۔ نصیر الدین حیدر کی عنایت سے فقط عورتون مین باقی رہگیا ہے۔ مردون مین فقط دو پائجامے تھے۔ یعنی عرض کا پائجامہ اور گھٹنا یا سُنتی اہل تقا مین سے بعض بعض پُرانا شرعی پائجامہ ہین لیا کرتے۔ انگریزی دور نے پہلا اثر یہ کیا کہ پائجامون کی وضع قطع تو وہی رہی مگر اطلس گلبدن اور مشروع کے پارنگین سوتی پائجامے مردون سے بالکل چھوٹ گئے۔ چند روز بعد علیگڈھ کالج کے شوشل اسکول سے انگریزی پتلون کی نقل کے پائجامے ایجاد ہوئے جو نہ اتنے تنگ ہوتے ہین کہ پنڈلی سے لپٹے رہین اور نہ اتنے ڈھیلے کہ پائنچہ اوپر تک چڑھا لیا جا سکے۔ انگریزی تعلیم پانے والون اور سارے ہندوستان کے اکثر شریف زادون مین اب اسی پائجامے کا رواج بڑھتا جاتا ہے۔ اگرچہ اکثر تعلیم یافتہ جو تہذیب جدید کے ملارا علی تک پہونچ گئے ہین اپنا سارا لباس چھوڑ کے کوٹ پتلون پہننے لگے ہین۔ لیکن لکھنؤ مین آج بھی بعض گنتی کے ایسے ثقہ لوگ نظر آ سکتے ہین جو پُرانی قطع کے عرض کے پائجامے پہنتے ہین۔ اور اپنی وضع نہین چھوڑتے۔

دو دو باتین

لڑائی کا ختم ہونا درکنار اُس کے شعلے روز بروز زیادہ بھڑکتے جاتے ہین۔ سال حال کے آخری واقعات سے معلوم ہوتا ہے کہ جہان تک تدابیر اور حکمت عملی کو تعلق ہے اتحادیین نے جرمن کو دبا لیا اور سیاسی شکستین دے دین۔ لیکن میدان جنگ مین ابھی تک جرمنی کے وہی تیور ہین۔ اور اُس پر ایسا غلبہ نہین حاصل کیا جا سکا

کہ فتح اور اختتام جنگ کا کوئی زمانہ مقرر کیا جا سکے۔

ہم سے جو جنگ کے ختم ہونے کے انتظار میں بے صبریان ظاہر ہو رہی ہیں اُن کی وجہ فقط یہ ہے کہ ہم اپنے مایحتاج زندگی سے روز بروز زیادہ محروم ہوتے جاتے ہیں۔ جرمن و آسٹریا کی چیزوں کے معدوم ہو جانے سے جو سخت ترین تکلیف ہوئی تھی اُسے تو ہم جھیل لے گئے۔ اب خاص انگلستان کی بنی ہوئی چیزیں بھی مفقود ہوئی جاتی ہیں۔ خدا ہمیں اِن مصائب کے برداشت کرنے کی قوت و توفیق دے۔

مسز اینی بسنت کے نظر بند ہونے سے ہندوستان میں ہوم رول لیگ یعنی حکومت خود مختاری کی تحریک کو ہندو مسلمان دونوں نے یک بیک اُبھار دیا۔ اور مختلف صوبجات ہند کے حکام نے اس تحریک کے دبانے کی غرض سے جو جد اگانہ پاس مان اختیار کین حیرت انگیز ہین۔ لیکن اس مین شک نہین کہ بعض حکام کی پالیسی یہ نظر آتی ہے کہ بغیر امن و امان مین خلل ڈالے ملکی قانون کی نگہداشت کے ساتھ بھی اگر کوئی آزادی کی تحریک کیجائے تو اُسے وہ برداشت نہین کر سکتے۔

اس کی شکایت تو فضول ہے کہ اس قسم کا دباؤ تعلیم یافتہ ہندوستانیون پر کیون ڈالا جاتا ہے۔ لیکن اصلی شکایت یہ ہے کہ ہم سے کیون ایسی آزادی کے وعدے کیے گئے؟ اور ہم کو کیون یقین دلایا گیا کہ ہم ایک کانسٹی ٹیوشنل مہذب گورنمنٹ کے زیر فرمان اور اپنے جائز حقوق کے استعمال مین آزاد ہین؟

اِس سے بڑی کوئی خوش خبری اور علماے فرنگی محل کی روشن دماغی و وسیع الخیالی کی کوئی دلیل نہین ہو سکتی کہ مدرسۂ عالیہ نظامیہ

فرنگی محل میں فارغ التحصیل عربی طلبہ کے لیے ایک نیا درجہ "اجتہاد" قائم کیا گیا ہے۔ جہاں تک ہمیں یاد ہے اس اور اس نوعیت کی کوئی جماعت درسی کبھی اس سے پہلے ہندوستان کی کسی عربی درس گاہ میں میں نہیں کھلی تھی۔ اور نتیجہ یہ ہے کہ تعلیم عربی خصوصاً دینیات کی تعلیم کا منتہائے کمال یہی ہے جو اس درجہ کے ذریعے سے فاضل طلبہ میں پیدا کرنا مقصود ہے۔

لیکن محقق علمائے مدرسہ کی وسیع النظری میں ایک خفیف سی تنگ خیالی کی بھی بو آتی ہے۔ وہ یہ کہ غیر مقلدیت کے میلان سے بچانے کے لیے یہ درجہ اجتہاد فی المذہب کا ہوگا۔ اس سے اگر مراد اجتہاد فی المذہب الحنفیہ مراد ہے تو بڑی تنگ خیالی ہونے کے علاوہ اس کے نصاب میں جو کتابیں داخل کی گئی ہیں ان میں سے اکثر خارج کر دینے کے قابل ہیں۔ اور اگر اجتہاد فی المذاہب الاربعہ یا اجتہاد فی مذاہب الائمۃ السلف مراد ہے تو ہم سچے دل سے اپنے وطنی علما کو ان کی روشن خیالی پر مبارکباد دیتے ہیں۔

لیکن تینوں صورتوں میں ہمارے نزدیک نصاب بہت ناقص ہے۔ اس میں کتابوں ہی نہیں کئی فنوں کے بڑھانے کی سخت ضرورت ہے۔ جن میں بصیرت حاصل کیے بغیر سچے اجتہاد کا درجہ کسی کو نہیں حاصل ہو سکتا۔ اجتہاد فضیلت علم دین کا اعلیٰ ترین درجہ ہے۔ اس میں چاہے زمانہ تکمیل بجائے ایک سال کے دو تین چار سال ہو جائیں مضائقہ نہیں قابلیت پوری مکمل ہونی چاہیے۔ جس کے ضرورت ہے کہ تفسیر۔ رجال سیرۃ نبوی۔ سیر صحابہ۔ علم ملل و نحل۔ اور اسلام سے ایک صدی پیشتر سے تین صدی مابعد تک کی تاریخ لازمی طور پر داخل نصاب کی جائے جب تک ان فنون پر نظر نہ ہو نہ انسان پر احادیث کے متن وغیرہ مستند ہونے کا پورا راز منکشف ہو سکتا ہے۔ نہ اکثر مسائل کی تاریخ معلوم ہو سکتی ہے کہ یہ کب اور کس ضرورت سے پیدا ہوئے۔ اور ان میں

کیا اختلافات پڑے اور کیون پڑے۔ نہ اس کی حقیقت کھل سکتی ہے کہ اسرائیلیات اور دیگر اقوام و ملل کے روایات اسلام مین کب اور کیونکر شامل ہوسکے۔ بہرحال اگر بزرگان فرنگی محل نے علم دین کی ایسی اعلیٰ خدمت اپنے ذمے لی ہے تو اُسے پوری روشن خیالی و وسیع النظری سے بجا لائین۔

اسلامیہ کالج دہلی کی تجویز جو ۱۳ر جولائی کے ہمدم سے معلوم ہوئی ہے قومی زندگی اور مبارک فالی کی بہت بڑی نمایان دلیل ہے۔ اگرچہ اس کالج کی نوعیت اور اُس کا نصاب بالکل نہین معلوم ہوا۔ لیکن چونکہ علمائے اُمت اور انگریزی تعلیم یافتہ دونون شریک ہین اس لیے امید ہے کہ جو کچھ ہوگا مفید اور قابل اطمینان ہوگا

اس کالج کے قیام کے متعلق مین اتنا ضرور کہون گا کہ جو کچھ کیا جائے خود اپنی قوت کے سہارے پر کیا جائے اور سرکاری ایڈ (اعانت) کا خیال دل سے بالکل نکال ڈالا جائے۔ اب زمانہ آگیا ہے کہ انگریزی و عربی دونون قسم کے مدارس لوگ محض اپنی قوت سے قائم کرین۔ اس کا بھی خیال نہ کرین کہ یونیورسٹی افیلییٹ کرتی ہے یا نہین۔ انگریزی طلبہ کو پرائیوٹ حیثیت سے امتحان دلائین۔ ان کو مفت تعلیم دین۔ اور اُن کے امتحان کی فیس کا بار بھی مسلمان اپنے ذمے لین۔ پاس ہونے یا نہ ہونے کی مطلق پروا نہ کرین بلکہ صرف انگلش اور حساب مین اعلیٰ درجے کی استعداد پیدا کرا کے طلبہ کو یونہین چھوڑ دین تو زیادہ مناسب ہوگا۔ ان کو اگر اچھی لیاقت ہوگی تو یونیورسٹی کا سرٹیفکٹ چاہے اُن کے پاس ہو یا نہ ہو وہ ذریعۂ معاش بخوبی پیدا کرسکین گے۔ یا نوین درجے مین شامل ہوکے وہ بہت ہی جلد یونیورسٹی کلاسون مین پاس ہوجائین گے۔ اس کے سوا اب کوئی صورت قومی فلاح کی نہین نظر آسکتی۔

ہاتھی کا شکار پھندے سے

ہمارے مکرم و محترم دوست مرزا محمد عسکری صاحب مترجم محکمہ لیجس لیٹو کونسل گورنمنٹ آف انڈیا نے یہ مضمون انگریزی اخبار اسٹیٹسمین سے ترجمہ کر کے دلگداز مین شائع کرنے کے لیے بھیجا ہے۔ لہذا ترجمے کی خوبی اور سلاست زبان کی داد دے کے ہم اسے شائع کرتے ہین۔

ہندوستان مین ہاتھی بوجھل چیزین اُٹھانے اور لڑائی کے کامون مین زمانۂ قدیم سے کام آتے ہین مشہور ہے کہ راجہ پورس کے پاس جس سے اور سکندر اعظم سے دریاے اٹک پر ایک عظیم الشان لڑائی ہوئی تھی ایک ہزار ہاتھی تھے جن کی مدد سے اُس نے سکندر کی بہترین سپاہ کا اس خوبی سے مقابلہ کیا کہ آخر کو اُنھون نے اِن جنگی دیو دن کے سامنے آنے سے انکار کر دیا۔ مگر وہ با تدبیر بادشاہ کب چوکنے والا تھا؟ ایک نئی ترکیب سوجھا یعنی بہت سے بھینسے بہم پہونچائے جن کے سینگون پر جلتی ہوئی مشعلین باندھ دی گئین اور ہنکا دئیے گئے۔ ہاتھی اس عجیب الہیئت حریف کو دیکھکر ایسا سہمے کہ بھاگ کھڑے ہوئے۔ اور بجاے دشمن کی طرف بڑھنے کے خود اپنی فوج کو روندتے اور کچلتے چلے گئے جس سے یونانیون کی نہایت آسانی کے ساتھ فتح ہو گئی۔

ہاتھیون سے بحالت قید بچہ لینے کی تدبیرین ابتک سب بیکار ہوئی ہین۔ لہذا سوائے اِس کے کہ جنگلی ہاتھی پکڑے جائین اور کوئی طریقہ اُن کی

تعداد و بڑھانے کا نہین ہے ہندوستان مین ہاتھیون کے شکار کے مختلف طریقے ہین جن مین سے ایک کھیداہے اُن کے ذریعے سے ہاتھیون کی ایک کثیر تعداد ایک دفعہ مین پکڑی جا سکتی ہے مگر اس مین روپیہ کا صرف اور بڑا اہتمام بہت کرنا پڑتا ہے۔ دوسرے طریقے شکار کے ہاتھیون کو گڑھے مین گرا کے پکڑنا یا پھندے مین پھانسنے کے ہین اول الذکر طریقے مین ایک بڑا نقصان یہ ہے کہ اکثر اوقات چوٹ لگنے کی وجہ سے یا تو ہاتھی بالکل بیکار ہو جاتے ہین یا بہت زمانے مین اور بڑے صرف کے بعد اچھے ہوتے ہین سب سے زیادہ دلچسپ نیز سب سے زیادہ خطرناک طریقہ پھندے سے پکڑنے کا ہے جس کے لیے بہت ضروری ہے کہ شکاری ہاتھی خوب سدھے ہون اور پھندا پھینکنے والے بیحد مشاق ہون۔

راقم کو اس قسم کے شکار کے دیکھنے کا موقع ٹیائے کے جنگل مین ملا تھا اور مین وثوق کے ساتھ کہہ سکتا ہون کہ بڑے جانورون کے شکار مین اس سے زیادہ پرلطف اور پر از خطرہ شکار شاید ہی کوئی ہو۔ یہ چھوٹی سی ریاست چھوٹا ناگپور کے جنگلی اضلاع مین واقع ہے جس سے بیس پچیس برس اُس طرف جب تک بنگال ناگپور ریلوے نہین نکلی تھی لوگ بالکل ناآشنا تھے۔

ایک عجیب بات ان اطراف کی دیسی ریاستون مین یہ ہے کہ یہان کے اصلی باشندے تو قدیمی اقوام سنتھال بھیل گونڈ وغیرہ سے ہین مگر ریاستین زیادہ تر راجپوتون ہی کے ہاتھ مین ہین جن کی ذات برادری کے لوگ دربار مین دس بارہ سے زیادہ نہ ہون گے مگر یہی مختصر جماعت پورے دبدبہ و کامیابی کے ساتھ اُن قدیمی اقوام پر حکمرانی کرتی ہے۔ راجہ ٹیائے ایک خوبصورت نمس راجپوت تقریبًا بارہ سو میل مربع کے مالک بااختیار ہین۔

مین شاید سب سے پہلا گورے رنگ کا آدمی تھا جس نے اس دور دراز ریاست مین قدم رکھا تھا مگر تاہم یہان کے قدیمی باشندے سمجھے کہ میرا رنگ بھی مثل اُنھین کے سیاہ ہے مگر کوئی سفید چیز جیسا کہ وہ خود کبھی تہوار مین یا ادائے رسوم کے موقع پر لگا لیتے ہین مین نے بھی اپنے چہرے اور ہاتھون پر لگائی ہے جس سے رنگ دوسرا معلوم ہوتا ہے ورنہ میری سیاہ

جرابون کو دیکھکر انکا یہ خیال اور پختہ ہو گیا۔ مگر جب مین اپنی جرابین اُتارنے
لگا تو یہ دیکھتے ہی وہ ایسے خوف زدہ ہوئے کہ دور بھاگے اور پھر پاس
نہ پھٹکے شاید یہ خیال کرکے کہ مین اپنی کھال کو مثل سانپ کے اُتار سکتا ہون۔

راجہ کے یہان دس بارہ ہاتھی ہین مگر ان مین سے صرف پانچ شکاری
ہین باقی سواری وغیرہ کے کام مین آتے ہین۔ یہ زمانہ شکار کے واسطے بہت
مناسب تھا۔ شکار مین ہتھنیان بہ نسبت نرون کے زیادہ کارآمد ہوتی ہین
کیونکہ غول کے ہاتھی اُنکو دیکھ کے کچھ نہین بولتے مگر نر سے لڑنے پر آمادہ
ہو جاتے ہین اور آخر کار اُس کو بھاگنا پڑتا ہے۔ شکار تُمر دا کے جنگل مین
تھا جو نباسے سے بارہ میل کے فاصلے پر واقع ہے۔ مین اور راجہ ایک بڑے
قد آور ہاتھی کی پیٹھ پر گدی پر سوار تھے باقی ہاتھیون پر ایک ایک پھندا پھینکنے
والا مہاوت کے پیچھے بیٹھا تھا۔ تھوڑی دیر مین ٹہلوے خبر لائے کہ ایک غول
اُنیس ہاتھیون کا جن مین دو نر اور باقی مادہ اور بچے ہین قریب دکھائی دیا ہے۔
ہتھنیان زیادہ بکار آمد اس وجہ سے بھی ہوتی ہین کہ اول تو نرون کو سدھانا
زیادہ مشکل ہوتا ہے دوسرے وہ ایک خاص فصل مین مست ہو جاتے ہین اور
اُس وقت بڑی تکلیف دیتے ہین اسی وجہ سے بڑے قد کے ہاتھی سوا
نمایش کے کامون کے یا جبکہ کوئی جشن وغیرہ ہو اور اُن پر سواری کیجائے
اور کوئی کام شکار وغیرہ کا کسی طرح اُن سے نہین لیا جا سکتا مگر اُن مین چونکہ
قوت زیادہ ہوتی ہے اِس لیے شکار مین اُن کو بھی خاص موقعون کے واسطے
لگا رکھتے ہین۔

بالآخر جب وہ غول قریب آیا تو شکاری ہتھنیان آگے کر دی گئین
اور ہمارا ہاتھی پیچھے لگا دیا گیا تاکہ نہ صرف شکار کا تماشا اچھی طرح دیکھا جائے
بلکہ اگر ضرورت ہو تو ہتھنیون کو مدد بھی دیجائے اور بعد کو معلوم ہوا کہ ہماری
قربت بہت ضروری تھی جیسا کہ ذیل کے واقعات سے معلوم ہوگا۔ مہاوتون
کی اب یہ کوشش ہوئی کہ غول کے اندر گھس جائین اور ایک جوان ہتھنی کو
غول سے الگ کر کے باہر نکال لائین مگر یہ کام آسان نہ تھا اِس مین بڑی چالاکی

اور ہوشیاری نیز بے انتہا ہوش و حواس اور دلیری کی ضرورت تھی۔
قاعدہ ہے کہ جب شکار کو غول سے الگ کرنا منظور ہوتا ہے تو اُس کے داہنے
بائین دونون طرف دو دو سدھی ہوئی شکاری ہتھنیان لگا دیتے ہین جو اسکو
رگیدتی ہوئی غول کے کنارے تک لے آتی ہین اور آخر مین بالکل باہر نکال
لاتی ہین۔ چنانچہ ہمارے مہاوتون نے بھی ایسا ہی کرنا چاہا اور بڑی مشکل
سے ایک ہتھنی کو غول سے الگ تو کر لیا مگر اُس کے بعد اُن کی تمام کوششین
بیکار تھین۔ کیونکہ وہ اپنے ساتھیون کے حلقے سے کسی طرح نکلنا نہین چاہتی
تھی۔ اور کنارے پہ پہونچکر برابر گھوم جاتی اور جنگلی ہاتھیون مین پھر مل جاتی
اور ہماری شکاری ہتھنیان سوا سے اُس کے ساتھ داہنے بائین رہنے کے
اور کچھ نہ کر سکتین۔ راجہ نے اس وقت کو دیکھکر اب اپنا ہاتھی آگے بڑھایا
جو اُس ہتھنی کے ٹھیک آمنے سامنے کھڑا کر دیا گیا۔ اب یہ صورت تھی کہ اُس کے
دونون طرف تو چار شکاری ہتھنیان ہین جو اُس کو مڑنے اور گھومنے سے
روکتی ہین اور ٹھیک سامنے ہمارا ہاتھی ہے جو آگا روکے کھڑا ہے اور
اُس کے زبردست دانت خوف دلا رہے ہین کہ اگر ہتھنی نے ذرا بھی قدم
آگے بڑھایا تو اُن مین چھد کے رہجائے گی۔ اِس صورت سے وہ غول کے ہاتھیون
سے الگ کر کے تھوڑی دور تک لائی گئی مگر ایک جگہ پہ پھر ٹھٹک کے کھڑی ہوگئی
اور اب اُس نے اپنی سونڈ کھڑی کی۔ شاید اِس غرض سے کہ ساتھ والے ہاتھیون
کی بو سونگھ کر اُن کی سمت دریافت کرے۔ بس اُس کی یہ حرکت پھندے والون
کے لیے جو دیر سے اسی تاک مین تھے ایک بہترین موقع تھا ایک مضبوط
پھندا اُس کی گردن مین اُسی وقت ڈالدیا گیا اور ایک آن واحد مین وہ پھنسی
ہوئی تھی۔

پھندے کی رسی چپٹی مثل فیتہ کے اور نہایت مضبوط ہوتی ہے۔
اور اِس حصۂ ملک مین ایک خاص قسم کی گھانس سے جو مثل سَن کے نرم ہوتی
ہے اور بکثرت اُگتی ہے تیار کیجاتی ہے۔ رسی کی موٹائی تقریباً ایک انچ اور
اُسکی چوڑان دو ڈھائی انچہ کی ہوتی ہے اور نرمی سے یہ فائدہ ہے کہ کھال

نہ کٹنے پاوے کیونکہ مسبور کے موٹے اور سخت رسے کھال مین زخم ڈالدیتے
ہین جو مہینون مین اچھے ہوتے ہین۔ پھندے کی گرہ بھی معمولی قسم کی ہوتی ہے
اینچنے والی نہین ہوتی جس سے گلا گھٹنے کا اندیشہ ہے اور گردن مین ٹھیک
بیٹھ جاتی ہے۔ دوسرا سرا رسی کا کسی شکاری ہاتھی کی پیٹی مین کس کے باندھ دیا
جاتا ہے اور جب ایسے ایسے دو رسے دو ہاتھیون کی پیٹیون مین باندھ دیے جاتین
تو گرفتار ہاتھی کا بھاگنا محال ہے۔

جو نہین ہتھنی کی گردن مین دو مضبوط رسے پڑگئے وہ زور سے
چنگھاڑی اور اُس کی مہیب آواز سنکر ایک اور ہتھنی جو نہایت زبردست اور
یقیناً اُس کی ماں تھی غول سے نکلکر فوراً اُس کی مدد کے واسطے دوڑتی آئی۔ اس
نئے حملے آور نے بڑھکر ایک بغل والی شکاری ہتھنی کے پیٹ مین اس زور سے
مستک ماری کہ وہ گر پڑی اور اُس کے ساتھ وہ گرفتار ہتھنی بھی گری مگر دوسری
جانب کی ہتھنیون نے دونون کو خوب سنبھالا ورنہ قلا بازی کھا جاتین۔ ایک نہایت
جوگر پڑا تھا جان بچا کے بھاگا مگر پھندے والا اتنے ہاتھیون کے نرغہ مین پھنس
گیا تھا۔ وہ نکل نہ سکا جنگلی ہتھنی اُس کو دیکھکر سونڈ اُٹھائے اُس کی طرف جھپٹی
کہ ایک ضرب سے اُس کا کام تمام کر دے اور اِس نازک موقع کو دیکھکر
ہم سب کے رونگٹے کھڑے ہو گئے تھے کہ دفعتہً راجہ ہاتھی سے کود پڑے اور ایک
ایسا نمونہ بہادری اور دلیری کا ہمارے پیش نظر تھا جو عمر بھر ہم کو یاد رہیگا۔
راجہ ہاتھی سے کود کر ایک سانٹا ہاتھ مین لیے اُس جنگجو ہتھنی کی طرف دوڑے
اور تابڑ توڑ اُس کی مستک اور آنکھون پر مارنا شروع کیا۔ مار سے
گھبراکر ایک مہیب آواز کے ساتھ وہ گھوم پڑی اور راجہ پر اپنی سونڈ مارنے
کے لیے اُٹھائی جو اگر کہین پڑ جاتی تو پاش پاش کر دیتی۔ مگر وہ بہادر راجپوت اُسی
شجاعت اور مردانگی سے اپنی جگہ پر کھڑا رہا اور برابر سانٹے رسید کرتا گیا اور ہاتھی
کو اشارہ کیا کہ اُس کی سونڈ مین اپنی سونڈ پھانس لے۔ جونہی دونون زبردست
سونڈین ایک دوسرے سے گتھین ہم کو معلوم ہوا کہ گویا دو زبردست حریف ایک
رسا کھینچ رہے ہین اور ایک دوسرے کو کھینچ لانے کی جان توڑ کوشش مین مصروف

ہین۔ یہ منظر لطف اور خطرے سے خالی نہ تھا اور ہم کو کبھی نہ بھولے گا۔ جنگلی ہتھنی اپنے قد و قامت نیز قوت دونون کے اعتبار سے ہمارے ہاتھی سے کہین زیادہ تھی اور اُس کے زبردست نکیلے دانتون کا مقابلہ ہوتا تو یقیناً وہی جیتتی مگر اتنے مین دو مضبوط بیڑیان اُس کے پاؤن مین ڈالدی گئین اور ہاتھی گھما دیا گیا۔ اِس حرکت سے ہتھنی نے غصہ مین آکر وہ گدی جس پر مین سوار تھا کھینچ کے زمین پر گرا دی اور چاہتی تھی کہ مجکو روند ڈالے کہ راجہ کا دہ مچہ نما کوڑا پھر اُس پر پڑنے لگا اور پھندے والون نے دو زبردست رسّے اُس کی بھی گردن مین ڈالدیے اور اسی حالت سے اُس کو کشان کشان لیچلے۔ راستے مین وہ کبھی گھٹنے ٹیک دیتی اور کبھی ساتھ والے ہاتھیون کو کھینچنے کی کوشش کرتی مگر آخر مین بیچاری تھک گئی اور ہم لوگ راجہ کے اصرار سے اب اُس طرف چلے جہان پہلی ہتھنی کو فیلبان ایک مضبوط درخت مین باندھ رہے تھے۔ اس کے بعد وہ دوسری بھی ہزار دن دقتون کے بعد ایک درخت مین جکڑ بند کر دی گئی اور ہمارا دلچسپ شکار کامیابی کے ساتھ ختم ہوا۔ پانچہزار روپیہ ان دونون کی قیمت تجویز کیجاتی ہے۔ راجہ نے پھر دوسرے دن بھی مجکو شکار کے واسطے بلایا لیکن مین نے دوبارہ اپنے تئین ایسے خطرے مین ڈالنا مناسب نہ جانا اور نہایت شکریے کے ساتھ اُن سے معافی کا خواستگار ہوا۔ اس پر راجہ صاحب ہنسے اور فرمایا "کہ آپ صاحب لوگ شکار کے شائق تو بڑے ہوتے ہین مگر چھوٹی چڑیون کا شکار آپ لوگون کو زیادہ پسند ہے بلکہ بعض تو جال مین خوبصورت تتلیان پکڑتے پھرتے ہین۔ مگر ہمارا خیال شکار کی نسبت بالکل مختلف ہے۔ ہمارے نزدیک شکار بغیر خطرے کے لطف ہی نہین دیتا۔ خطرہ اس کا جزو اعظم ہے"

حسن کی کرشمہ سازیان

(دیدون ملکۂ سور)

ہم مین بہت کم لوگ ہین جنھون نے "سریانی" زبان کا نام نہ سنا ہوگا

مگر یہ کوئی نہین جانتا کہ یہ زبان کہان کی اور کس قوم کی تھی - ارض شام کے ساحلی شہرون مین "طائر" نام ایک شہر ہے جو اگلے دنون "شُوْر" کے نام سے مشہور تھا - یہان قدیم الایام مین ایک قوم آباد تھی جو "فنیقی لوگ" کہلاتے تھے - اُنھین لوگون کا دارالسلطنت یہ قدیم شہر شُور تھا - یہ لوگ بنی اسرائیل کے رقیب اور اُن سے پیشتر سے یہان آباد تھے - دنیا مین سب سے پہلے اسی قوم نے تجارت کے ذریعے سے زبردست سلطنت پیدا کی - اور جہازرانی مین کمال حاصل کیا - اسی قوم اور اسی شہر شُور کی قدیم زبان سریانی تھی اور یہین کی ملکہ دیدون تھی جس کا زمانہ حضرت رسالت مآب صلعم سے ۱۳۱۴ برس پیشتر تھا -

دیدون شور یعنی علاقہ سُوریا کی بادشاہ بقلوس کی بیٹی اور مقام ہرقلیس کے دولتمند کاہن سیتہ کی جورو تھی - حسن و جمال مین ملکون ملکون اُس کا شہرہ تھا - اور مروت و اخلاق مین ساری قوم کی سرتاج تھی - دیدون کے بھائی بگما لیون نے جاہ و دولت کی ہوس مین اُس کے شوہر کو مار ڈالا - شوہر کے ماتم مین سوگوار تھی کہ خواب مین دیکھا آنجہانی شوہر آکے کہہ رہا ہے "تم شُور چھوڑ کے کہین اور چلی جاؤ" محبت والی جورو کے لیے اتنا اشارہ کافی تھا - پہلے پوشیدہ پوشیدہ اپنا تمام قیمتی مال و اسباب اور اپنی ساری دولت کرنا نام ایک مقام مین پہونچا دی جو شور اور صیدا کے درمیان واقع تھا - پھر اپنے دوستون اور طرفدارون کو لے کے جہاز پر سوار ہوئی - لنگر اٹھایا - اور شمالی فنیقیہ کا رخ کیا -

اثناے سفر مین جزیرہ صقلیہ پر گزر ہوا - وہان ایک عید کا دن تھا - ساحل پر میلا لگا تھا - اور شہر کی حسین و نازنین لڑکیان کھیل کود رہی تھین کہ ناگہان مردون نے پری جمالون کے جھرمٹ پر نرغہ کر دیا - اور جسے جو لڑکی پسند آئی اُس کو لے کے کھسک پڑے گیا - یہ تماشا دیکھ کے دیدون نے یہان سے بھی کوچ کیا - اور آگے کی راہ لی -

اب اُس کے جہاز جزیرہ صقلیہ کے محاذی ساحل تر دیھیا مین پہونچے - جو اُن دنون افریقہ کا ایک ساحلی علاقہ تھا - یہان کا فرمان روا آیاریاس نام ایک بیدار مغز بادشاہ تھا - دیدون نے اُس کی قلمرو مین لنگر انداز ہو کے اُس سے ایک قلعہ تعمیر کرنے کی اجازت مانگی - آیاریاس نے باج گزار بن کے رہنے کا وعدہ لے کے اجازت دیدی - اور دیدون نے بصرہ نام ایک قلعہ تعمیر کیا - سریانی قلعہ کو بصرہ

کہتے تھے مگر یونانیون نے چند روز بعد تصرہ کو الٹ کے برسہ بنا دیا جس کے معنے اُن کی زبان مین بیل کے چمڑے کے ہین۔

چند روز بعد ڈیدون نے ساحل موریطانیہ (مراکو) پر وہان کے بادشاہ سے ایک قطعۂ زمین مول لے کے اُس پر مشہور تاریخی شہر قرطاجنہ آباد کیا۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ ڈیدون قرطاجنہ (کارتھیج) ہی نہین کارتھیج کی زبردست سلطنت کی بھی بانی ہوئی۔

(اسی زمانے مین شاہ ایارباس اُس کا عاشق شیدا ہو گیا۔ برضا ورغبت یا بہ جبر و اکراہ اُس سے شادی کرنے پر آمادہ ہوا۔ اور بار بار پیام دینے لگا۔ اِس شاہی پیام کی وجہ سے ڈیدون عجیب مشکل مین پڑ گئی۔ ایک طرف تو اُس نے اپنے آنجہانی شوہر سے قسم کھا کے وعدہ کیا تھا کہ تمھارے بعد مین کسی اور کی نہ ہون گی۔ دوسری طرف بادشاہ وقت پیچھے پڑا ہوا تھا کہ جس طرح ہو سکے میری ملکہ بنو۔ جب اِس تحریک مین اصرار ہوا تو اُس نے مجبوراً نکاح کا وعدہ کر لیا۔ مگر تقریب شادی کا سامان کرنے کے لیے تین مہینے کی مہلت مانگی۔ شاہ ایارباس نے یہ مہلت منظور کی۔ اور ڈیدون بٹنہ لگانے اور شادی کا سامان کرنے لگی۔ یہان تک کہ تین مہینے گزر گئے۔ رعایا کو دھوم کے جلسے دیکھنے اور بادشاہ کو وصال محبوبہ سے شادکام ہونے کا وقت آیا تو مدت معہودہ کے آخری دن ڈیدون ایک بلند پہاڑی پر چڑھ گئی اور اُس کی چوٹی پر کھڑے ہو کے اپنے کلیجے مین خنجر بھونک لیا اور شہر قرطاجنہ کے ساتھ عورتون کی وفاداری کا ایک بے نظیر نمونہ اپنی یادگار چھوڑ گئی۔)

ویدون کے حالات بتا رہے ہین کہ وہ کوئی معمولی عورت نہ تھی۔ وہی تھی جس نے سواحل شام سے جا کے شمالی افریقہ مین وہ زبردست سلطنت قائم کی جو مدت دراز تک رومی عظمت و جبروت کی حریف مقابل رہی۔ ہنی بال کے کارنامے اصل پوچھیے تو اسی ویدون کے حسن و جمال اور زلف گرہگیر کے آخر نمونے تھے جنھون نے دنیا کو اُس تشکاری کے تمدن سے بچانا چاہتے تھے جو رومیون کی ترقی سے پیدا ہوا۔ اور جس نے کامیاب ہو کے ساری دنیا کے اخلاق کو غارت کر ڈالا۔

ابو العباس فضل بن یعقوب کی وفات

۲۴۷ھ مین فضل نے بلرم سے روانہ ہو کے پھر شہر سرقوسہ پر حملہ کیا۔ اُس کے اطراف و مضافات کو خوب لوٹا مارا اور قرقنہ کے غارون کی طرف روانہ ہوا۔ سفر کی مشقت اور آب و ہوا کی ناموافقت سے راستے مین بیمار ہو گیا۔ اور یہ مرض ایسا جان ستان ثابت ہوا کہ مبتلا ہونے کے تیسری ہی دن ۳ جمادی الآخر کو۔ سفر جہاد سے سفر آخرت کرنے پر مجبور ہو گیا۔ ہمراہیون نے اُس منزل مین اُسے آغوش لحد کے سپرد کر دیا۔ مگر رومیون کو اس سے اس درجہ عناد تھا کہ مسلمانون کے واپس آنے کے بعد جیسے ہی موقع ملا اُس کی لاش مین سے کھود کے نکالی اور جلا دی۔

ابو العباس بڑا زبردست بہادر اور حوصلہ مند والی تھا۔ گیارہ سال والی رہا۔ اور کوئی سال جہاد اور اعلاء کلمۃ اللہ کی کوششون سے خالی نہین رہا۔ جاڑے گرمی برسات ہر موسم مین وہ سلسلہ جہاد جاری رکھتا۔ اُس نے جزیرہ صقلیہ مین اسلام کی بنیاد مضبوط کر دی۔ اور وہین نہین اپنی فتحون کا سلسلہ اُس نے ملک ایطالیہ تک پھیلا دیا۔ چنانچہ صوبجات قلوریہ (کلبیریہ) اور انکردہ مین جو قدیم مملکت روم کے صوبے اور اُن دنون حکومت نیپلز کے زیر فرمان تھے اُس نے متعدد شہر فتح کیے۔ اور اُن سب شہرون مین مسلمان خاندانون کو لیجا کے بسایا۔ تاکہ کفرستان مین توحید کی تخم پاشی ہو جائے۔

عبداللہ بن ابو العباس والی صقلیہ

مسلمانان صقلیہ نے اُس کی جگہ اُس کے بیٹے عبداللہ کو اپنا حاکم منتخب کر کے افریقہ مین اس کی اطلاع دی۔ اور عبداللہ عنان فرمان روائی ہاتھ مین لیتے ہی جہاد کی تیاریان کرنے لگا۔ اُس مین بھی اپنے باپ کی سی

الوالعزمی و دلیری تھی۔ فوراً حملون اور فتحون کا سلسلہ شروع کر دیا۔
جبل ابی مالک قلعہ آرمنیین اور قلعہ مشارعہ کی طرف اپنی فوجین بھیجین
اور ہر طرف فتحمندیون کی بنیاد ڈالدی ۔

خفاجہ بن سفیان والی صقلیہ

عبداللہ پانچ ہی مہینے جوش الوالعزمی ظاہر کرنے پایا تھا کہ افریقیہ
کے دربار بنی اغلب سے خفاجہ بن سفیان سند ولایت لے کے اور امیر
صقلیہ بن کے آپہونچا۔ وہ ۲۴۸ھ مین وارد صقلیہ ہوا۔ اور آتے ہی
عنان حکومت عبداللہ کے ہاتھ سے لے لی۔ یہ بھی بڑا شجاع اور حوصلہ
مند حاکم تھا۔ اور اُس سے بھی بغیر جہاد کے ایک دن بھی خاموش نہ بیٹھا جاتا۔

اُس کے حملے بلاد صقلیہ پر

حاکم صقلیہ ہوتے ہی اُس نے جو پہلا لشکر مرتب کیا اُس پر اپنے
فرزند محمود کو سردار مقرر کر کے سرقوسہ کیطرف بھیجا۔ جہان رومیون نے مسلمانون سے
زمین پکڑ لی تھی۔ محمود نے شہر مذکور کے سامنے پہونچتے ہی اُس کے
گرد نواح کو لوٹا مارا جلایا۔ تباہ و برباد کیا۔ اور سارے علاقے پر
اس قدر دست درازی کی کہ رومیون نے شہر سے نکل کے مقابلہ کیا۔
سخت لڑائی ہوئی جس کے انجام مین رومی شکست کھا کے بھاگے
پھاٹک بند کر کے بیٹھ رہے۔ اور محمود اُنھین اسی حال مین چھوڑ کے
واپس چلا آیا۔

اس اثنا مین اہل آرغوس نے خود اپنے نائبون کو بھیج کے
محمود سے امان مانگی۔ اُس نے اُن کو امان دی اور پلرمو مین واپس آیا۔
بعض اہل روایت کہتے ہین کہ اہل آرغوس کے امان مانگنے کا واقعہ ۲۵۲ھ مین پیش آیا۔

زیادۃ اللہ بن محمد کی فرمان روائی افریقیہ

خفاجہ کو صقلیہ مین آئے ایک ہی سال ہوا تھا کہ ۱۷ ذی القعدہ ۲۴۹ھ کو حاکم افریقیہ ابو ابراہیم احمد نے ۲۸ سال کی عمر مین سات سال دس مہینے اور بارہ دن حکومت کر کے سفر آخرت کیا۔ اور اُس کا جانشین اُس کا بھائی زیادۃ اللہ ابن محمد قرار پا کے افریقیہ اور صقلیہ کی قسمت کا مالک ہو گیا۔

شہر نوطس اور شکلہ فتح ہوئے

۲۵۰ھ مین صقلیہ کا شہر نوطس فتح ہوا۔ یہ زبردست اور ناقابل فتح مقام تھا۔ مگر رعایا پر مسلمانون کی اس قدر ہیبت چھا گئی تھی کہ اُنھین کی دوستی و خیر خواہی مین اپنی فلاح سمجھتے تھے۔ چنانچہ نوطس کے ایک آدمی نے آ کے خفاجہ سے خود ہی درخواست کی کہ اگر میرے حال پر آپ مہربانی کرنے کا وعدہ کرین تو مین آپ کو شہر نوطس مین داخل ہونے کا مخفی راستہ بتا دون۔ خفاجہ نے اُس سے وعدہ کیا۔ چنانچہ اُس کی رہبری سے محرم کے مہینے مین مسلمان ایک تنگ اور مخفی راستے سے شہر کے اندر پہونچ گئے۔ اور ناگہان تکبیر کے نعرے لگا لگا کے تلوارین بلند کین۔ دشمنون کو قتل کیا۔ اُن کے مال و اسباب اور اُن کے اہل و عیال کو لوٹا مارا اور پکڑ پکڑ کے لونڈی غلام بنایا۔

ابو عبداللہ محمد بن احمد بن محمد بن اغلب حاکم افریقیہ

اسی اثنا یعنی ۲۵۰ھ مین زیادۃ اللہ حاکم افریقیہ فقط ایک سال حکومت کر کے رہ نورد عالم بالا ہوا۔ اور اُس کا جانشین اُس کا بھتیجا یعنی اُس سے پہلے حاکم افریقیہ کا بیٹا ابو عبداللہ محمد بن احمد بن محمد بن اغلب قرار پایا۔

عہد خفاجہ کی دیگر مہمین

۴۵۲ھ مین خفاجہ سیدھا شہر قوسہ پر گیا جہان کے لوگ کسی طرح اطاعت نہین قبول کرتے تھے۔ مگر بجاے فتح کے اُس کے مضافات اور بیرونی مقامات کو لوٹ مار کے اُس نے جبل نار (علاقۂ کوہ اٹنا) کی راہ لی۔ شہر طبرمین کے قریب پہونچا تو وہان کے لوگون نے خود ہی اپنے وکیلون کو بھیج کے اظہار اطاعت و فرمان برداری کیا۔ اور خفاجہ کو بھی اُن لوگون پر اِس قدر بھروسہ ہو گیا کہ اپنے بیوی بچون اور اہل خاندان کو اُسی شہر مین بھیج دیا تاکہ امن و امان سے وہان ٹھہرے رہین۔ مگر اِن بدعہد لوگون نے اس وقت تو اظہار فرمان برداری کر کے خفاجہ کے بال بچون کو اپنے شہر مین رکھ لیا مگر اُس کے آگے جاتے ہی بغاوت کر دی۔ یہ خبر سُنی تو خفاجہ نے اپنے فرزند محمود کو زبردست لشکر کے ساتھ بھیجا۔ محمود نے جاتے ہی سختی سے محاصرہ کر لیا۔ اور ایسے زبردست حملے کیے کہ چند ہی روز مین یورش کر کے شہر کو فتح کر لیا۔ اور وہان کے تمام لوگون کو پکڑ کے لونڈی غلام بنا لیا۔ غالباً تمام لوگون کے پکڑ لینے کی کوئی وجہ نہین ہو سکتی۔ مگر افسوس ہمین یہ پتہ نہین چل سکا کہ امیر خفاجہ کو اپنے زن و فرزند بھی زندہ واپس ملے یا نہین۔ غالباً اہل شہر نے دغابازی سے اُن کو قتل کر ڈالا ورنہ عرب مورخین اُن کی واپسی کا حال ضرور بتا دیتے۔

اسی سال خفاجہ نے آرغوس پر دوبارہ حملہ کیا۔ جن لوگون نے خود ہی اظہار اطاعت کر کے بدعہدی کی تھی۔ مسلمان والی کی عدم موجودگی مین تو بغاوت پر آمادہ ہو گئے تھے۔ مگر جب زبردست لشکر لے کے وہ سر پر آ پہونچا تو حواس جاتے رہے۔ لڑنے کی کس مین تاب تھی؟ عاجزی سے امن و امان کی درخواست پیش کی۔ اور خفاجہ نے اس شرط پر اُن کی درخواست قبول کی کہ فقط ایک شخص کو جسے وہ بتا دین آزادی دیجائیگی۔

کہ اپنے زن و فرزند مال و اسباب اور جانورون اور مویشیون کو لے کے شہر سے نکل جائے۔ باقی اور سب کے ساتھ فاتحون کو اختیار ہے کہ جو سلوک چاہین کرین۔ اہل آرغوس کو زندگی سے اس قدر یاس تھی کہ اس کو بھی قبول کر لیا۔ چنانچہ اُن مین کا ایک شخص جو غالباً اُن کا سردار و سرغنا ہوگا اپنے اہل و عیال اور اسباب کو لے کے چلا گیا۔ باقی سب لوگ مسلمانون کے لونڈی غلام بنا کے فروخت کر ڈالے گئے۔

اس کے بعد خفاجہ نے غارون کے علاقے (غالباً کوہ اٹنا کے علاقے) کا رُخ کیا۔ اُن لوگون نے یہ دیکھ کے کہ ہم مین تاب مقاومت نہین ہے صلح کر لی۔ اس کے بعد خفاجہ نے جزیرۂ صقلیہ کے اور بہت سے قلعے فتح کیے۔ یہان تک کہ اثنائے سفر جہاد مین بیمار پڑ گیا اور ایسا بیمار کہ مجبوراً بلرم مین واپس گیا کہ اطمینان سے بیٹھ کے علاج کرے۔

دوسرا سال یعنی ۳۵۳ھ کی شروع ہوتے ہی خفاجہ پھر بلرم سے روانہ ہوا۔ اور سیدھا سرقوسہ اور قطانیہ پر پہونچا جہان کا جھگڑا کسی طرح فیصل ہونے ہی کو نہ آتا تھا۔ مگر اب کی بھی یہ مہم پوری نہ ہوئی اس لیے کہ وہ ان شہرون کے اطراف و جوانب کے گاؤن اور قصبون کو لوٹ مار کے کھیت اور باغ غارت و پامال کر کے۔ اور بہت سے لوگون کو پکڑ کے واپس گیا۔ اور ہر طرف صقلیہ کے بہت سے شہرون پر فوجین بھیجین۔ اُن کو اپنے قبضے مین لایا۔ جا بجا تاختین کین اور لوٹ مار کے بے انتہا مال و دولت جمع کرنے کے ساتھ جزیرے کے بہت سے حصے کو اپنے قبضے مین کر لیا۔

اب ۳۵۴ھ شروع ہو گیا۔ اس سال اُس نے اپنے بیٹے محمود کو جہازون پر سوار کرا کے اور بحری مہمون کا امیر البحر بنا کے روانہ کیا۔ خود ایک اور جانب فوج لے کے گیا۔ اور ایک فوج سرقوسہ پر بھیجی اگرچہ سرقوسہ فتح نہین ہوا۔ مگر ان سب مہمون مین اُس کی فوجین کامیاب ہوئین۔ بے انتہا مال و دولت لوٹ کے اور ہزارون لونڈی غلامون کو لے کے بلرم مین واپس آئین۔

ایک زبردست معرکہ

یہ فوجین متفرق مقاموں پر اپنا کام کر رہی تھین کہ خبر آئی قسطنطنیہ سے ایک رومی سردار بہت بڑا زبردست لشکر لے کے آیا ہے کہ اہل صقلیہ کی مدد اور مسلمانون سے مقابلہ کرے خفاجہ فوراً ایک بڑا بھاری لشکر لے کے اُس کے مقابلہ پر گیا - اور بڑی بھاری لڑائی ہوئی - مسلمانون کی پامردی نے رومی لشکر کو شکست دی - اُن کی بہت سی فوج قتل ہو گئی - اور جو کچھ سازو سامان اور مال و اسباب لائے تھے سب مسلمانون کے ہاتھ لگا - واپسی کے وقت خفاجہ سرقوسہ کی طرف سے گزرا - خوب جی بھر کے اُس کے مضافات و نواح کو لوٹا - اور بلرم مین واپس چلا آیا -

---

مغربی ایطالیہ پر ایک بحری حملہ

اب کی بلرم مین آنے کے بعد خفاجہ نے ایک بہت بڑا بیڑا تیار کیا - پھر فوج منتخب کر کے اپنے بیٹے کو اُس کا سردار اور امیر البحر مقرر کیا - اور حکم دیا کہ جا کے شہر غیطہ پر حملہ کرے - یہ شہر آج بھی موجود ہے جس کا املا انگریزی حرفون مین "Gaeta" ہے اٹلی کے مغربی سواحل پر شہر نیپلز سے بہت اوپر نیپلز اور رومۃ الکبری کے وسط مین سمندر کے کنارے واقع ہے - اس سے پیشتر مسلمان کبھی اتنی دور تک آگے نہین بڑھے تھے - اور اس شہر تک پہونچ جانے کے معنی یہ ہین کہ وہ قدیم رومی دارالسلطنت رومۃ الکبری کے پاس پہونچ گئے تھے -

بہرحال محمد بن خفاجہ جہازون پر سوار ہو کے یکم رجب ۲۵۴ھ کو روانہ ہوا - غیطہ کے پاس ساحل پر پہونچتے ہی عربی بہادرون نے جہازون سے اُتر کے شہر غیطہ کا محاصرہ کر لیا - اور شہر والون کو شہر پناہ کے اندر بند کر کے چارون طرف فوجین بھیج بھیج کے گاؤن اور مضافات شہر کو لوٹنا شروع کیا - اس طریقے سے مسلمان حملہ آورون نے بے انتہا دولت جمع کر لی - اور اُن کے

پاس اتنا سامان دولت جمع ہوگیا کہ اُس سے زیادہ بڑھتا تو ساتھ لے آنا دشوار ہوتا۔ چنانچہ ماہ شوال مین بلرم مین واپس آ گئے۔

در اصل مسلمانون سے بن نہ پڑتا تھا کہ ان ملکون اور شہرون کو جن مین صرف مسیحی آباد ہین قبضے مین لینے کے بعد کیونکر اپنے تصرف مین رکھین۔ اور اُن کے بنائے کچھ نہ بنتی تھی۔ ادھر فتح کر کے واپس آئے اور اُدھر مسیحی رعایا نے چاہے کیسے ہی مضبوط عہد و پیمان کر چکی ہو پھر بغاوت کر دی۔ اس کا نتیجہ یہ تھا کہ ایک ایک شہر کو بیس بیس دفعہ اُنھون نے لوٹا مارا۔ اور بعض اوقات ساری رعایا کو لونڈی غلام بنا لیا۔ اور جو ہاتھ آیا اُسے قتل کر ڈالا۔

بہر حال اٹلی پر مسلمانون کا یہ حملہ بھی اگرچہ کلیتہً کامیاب تھا مگر اُس کا کوئی اثر غیطہ مین قائم نہ رہ سکا۔

فتح طبرمین

محمد بن خفاجہ اٹلی کی بحری مہم سے واپس آ کے چند مہینے دم لینے پایا تھا کہ ابوالعرم بابیا نے دوسرے برس یعنی صفر ۲۵۵ھ مین پھر اُسے صقلیہ کے باغی شہر طبرمین کی فتح پر مامور کیا۔ اور اُس کی وجہ یہ ہوئی کہ وہان کے ایک شخص نے آ کے امیر خفاجہ سے وعدہ کیا کہ اگر آپ اپنے ایک لشکر کو میرے ہمراہ کر دین تو مین وعدہ کرتا ہون کہ ایک پوشیدہ راستے سے اُسے شہر کے اندر داخل کر دون گا۔ خفاجہ نے یہ مہم اپنے فرزند محمد کے سپرد کی۔ ایک لشکر اُس کے ساتھ کیا۔ اور وہ رہبر بھی اُس کے ہمراہ ہوا۔

محمد بہت ہی مخفی طور پر طبرمین کے قریب پہونچا۔ اور شہر کے باہر تھوڑے فاصلے پر کسی مخفی مقام مین ٹھہر گیا۔ اور تھوڑی پیدل فوج مخبر کے ساتھ کی۔ اُس نے اُس فوج کو مخفی راستے سے شہر کے اندر پہونچا دیا۔ جہان پہونچتے ہی عربون نے پہلے شہر کے پھاٹکون پر قبضہ کر لیا۔ پھر نعرۂ تکبیر کے ساتھ تلوارین بلند کین۔ اور قتل و غارت اور گرفتاری و اسیری کی کارروائی شروع ہوگئی۔ لیکن وقت مقررہ پر

محمد بن خفاجہ اور اُس کا لشکر نہ پہونچ سکا۔ شہر والے مسلمانون کو اُس کی نسبت تردد ہوا۔ لوٹ مار سے ہاتھ روک کے اُس کی مدد اور خبر گیری کے لیے باہر نکلے۔ اتنے مین وہ بھی آگیا۔ اور سب نے بہ اطمینان طبر مین داخل ہو کے شہر پر قبضہ کیا۔

ایک اور مہم اور مسلمانون کی سخت شکست

اسی سال ربیع الاول مین خفاجہ نے ایک اور مہم اختیار کی جس مین اُس کی اصلی غرض یہ تھی کہ شہر سرقوسہ پر قبضہ کرے۔ اس سفر مین جب وہ شہر مرسہ مین پہونچا تو اپنے بیٹے محمد کو ایک زبردست لشکر کے ساتھ سرقوسہ پر بھیجا۔ دشمنون نے شہر سے نکل کے پوری قوت سے مقابلہ کیا۔ اور ایسی دلیری و پامردی سے لڑے کہ مسلمانون کو بڑی سخت شکست ہوئی۔ وہ ہمت ہار کے بھاگے۔ دشمنون نے تعاقب کیا۔ مسلمان بھاگنے مین کثرت سے مارے گئے۔ اور جو بچے کمال پریشانی و شکستہ حالی سے خفاجہ کے پاس پہونچے۔ خفاجہ کو اُس ناکامی پر بڑا غصہ آیا۔ اور اپنے پورے لشکر کے ساتھ کوچ کر کے سرقوسہ پر حملہ کیا۔ اب کی اُن لوگون کو سامنا کرنے کی جرأت نہ ہوئی۔ آخر مجبور ہو کے خفاجہ نے شہر کا محاصرہ کر لیا۔ شہر پناہ کے نیچے پڑاؤ ڈال دیا۔ اور باہر سے شہر والون کے تعلقات اِس قدر منقطع کر دیے کہ عیسائی سخت تنگی اور فقر و فاقہ مین مبتلا ہو گئے۔ اسی دوران مین گرد و نواح کے تمام گاؤن مسلمانون نے خوب جی کھول کے لوٹے تاکہ اہل شہر تاؤ مین آ کے نکل پڑین۔ مگر اُن کو اِس کی جرأت نہ ہونا تھی نہ ہوئی۔ آخر کار اُن کا جفاکشی کا استقلال کارگر ہوا۔ خفاجہ یہان پڑے پڑے اُکتا گیا۔ اور دل مین یہ کہہ کے کہ پھر دیکھا جائے گا محاصرہ چھوڑ دیا۔ اور بلرم کی راہ لی۔

ہندوستان مین مشرقی تمدن کا آخری نمونہ

انگرکھے یا چپکن وغیرہ کے اوپر اگلے دنون دوشالے کا رواج زیادہ نظر آتا ہے اور یہی شاہی درباروں سے خلعت مین عطا ہوا کرتا تھا۔ اس کے ساتھ شالی رومال اوڑھنے کا بھی ایک معمولی حد تک رواج تھا۔ یہی دونون چیزین دہلی سے لکھنؤ مین آئین۔ مگر لکھنؤ مین زیادہ رواج رومال کے اوڑھنے کا تھا۔ جاڑون مین اکثر شالی رومال اور سردی کے اوقات مین دوشالہ اوڑھا جاتا۔ لکھنؤ مین دربار قائم ہونے کے بعد جب گرمیون کے لیے لباس مین نفاست ونطافت اور سبکی کو ترقی ہونے لگی تو ابرلیٹ اور چکن کے رومال ایجاد ہوے۔ اور تمام سفید پوش شریفون کا یہ لباس ہو گیا کہ سر پر قالب چڑھی چکن کی چوگوشیہ ٹوپی بدن مین انگرکھا پاؤن مین عرض کے پائنچون کا پائجامہ اور کندھے پر ہلکا چکن یا جالی کا رومال۔ شرفاے لکھنؤ کی یہ پہلی عام وضع تھی جس کو میرانیس مرحوم کا خاندان اُنھین اگلے تکلفات کے ساتھ آج تک نباہ رہا ہے۔

(لباس مین سب سے آخری اور بڑی اہم چیز جوتا ہے مسلمانون کے آنے سے پہلے ہندوستان مین جوتے کا مطلق رواج نہ تھا۔ اس لیے کہ چمڑے کے استعمال سے ہندو لوگ مذہبًا احتراز کرتے تھے۔ بلکہ جوتے کے عوض یہان لکڑی کی کھڑاؤن پہنی جاتین جو آج کل کے بعض فقیرون اور مرتاض رشیون کے قدیم راجاؤن مین بھی مروج تھین۔ مسلمان اپنے ساتھ یہان محیط لباس کے ساتھ چمڑے کے جوتے بھی لائے۔

مسلمانون کا پہلا جوتا عربون مین فقط ایک چمڑے کا تلہ تھا جو تسمے یا بندھنون کے ذریعے سے پاؤن مین اٹکا لیا جاتا۔ عجمیون اور رومیون کا چمڑے کا موزہ جوتے سے پہلے عرب مین ہونچ گیا تھا۔ پھر جب عربی دربار شام وعراق یعنی روم کے آغوش مین قائم ہوے تو چمڑے کے جوتون کا رواج شروع ہوا۔ مگر وہ پہلے جوتے بظاہر سیدھی سادی زیر پائیان تھے۔ اُنھین کو پہنے ہوے مسلمان ہندوستان مین آئے۔

دہلی کے اُمرا اور بادشاہ اگلے دنون اپنی تصویرون مین اونچی ایڑی کی کفش نما جوتیان پہنے نظر آتے ہین۔ دہلی کے آخر عہد مین چڑھوان جوتا ایجاد ہوا۔ جس کی ابتدائی وضع یہ تھی کہ آدھا نیچہ اور گٹے سے نیچے تک پاؤن اُس مین چھپ جاتا۔ اُس کے سرے پر چوڑی نوک پنجے پر جھکا کے بٹھا دی جاتی یہ پہلا دِلّی وال جوتا تھا۔ جس کا پچاس سال پیشتر زیادہ رواج تھا۔ اس کے بعد سلیم شاہی جوتا نکلا جو غالبًا جہانگیر کے زمانے مین ایجاد ہوا۔ اس کے نوک آگے نکلی اور اُٹھی ہوئی ہوتی اور نوک کا تھوڑا سا باریک سرا اوپر موڑ دیا جاتا۔ ایجاد کے بعد اُس پر کلابتون کا مضبوط کام بننے لگا۔ جو بالکل سچا اور قیمتی ہوتا۔ اگرچہ یہ کام دِلّی وال اور سلیم شاہی دونون وضع کے جوتون پر بنایا جاتا مگر سلیم شاہی جوتے کا بہت زیادہ رواج ہوا۔ اور اُس نے چند روز مین پُرانے دِلّی وال کو مٹا دیا۔ اور اُس کی سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ اب جبکہ انگریزی وضع وقطع نے ہمارے سارے لباس اور ہماری تمام چیزون کو مٹا دیا وہ آج تک باقی اور مقبول عام ہے۔ اور اکثر ہندوستانی وضع پسند کرنے والے وضعدار ہماری سے ہماری لباس پر اُسی کو پہنتے ہین اور فی الحال لکھنؤ مین بھی بہت سے لوگ اُس کو پہنتے ہین۔

مگر لکھنؤ مین بعد شاہی ایک نئی قطع کا خورد نوکا جوتا ایجاد ہوا جس کو یہان کے وضعدارون نے ابتداءً بہت پسند کیا تھا۔ اُس مین نوک بالکل نہ ہوتی۔ بلکہ جو نوک دِلّی وال اور سلیم شاہی مین اوپر نکالی جاتی اُس مین سینے کے بعد اُلٹ کے اندر کر دی جاتی نوک کے پاس فقط ایک ذرا سا اُبھار رہتا۔ یہ جوتے لال نری کے نہایت ہی سبک اور صاف بنائے جاتے اور نفاست وسبکباری کے اگلے نداق نے اِس کو یہان تک سبک کیا کہ بعض موچیون کے ہاتھ کا جوڑا وزن مین چار پانچ پیسون سے زیادہ نہ ہوتا۔ اگرچہ عوام اور دیہاتیون کے لیے اُسی وضع کے چمڑ دھے جوتے اتنے بھاری ہوتے کہ سیر سیر ڈیڑھ ڈیڑھ سیر سے کم نہ ہوتے۔ اور پھر کڑوا تیل پلا پلا کے اور بھاری کر لیے جاتے۔

تھوڑے دنوں بعد لکھنؤ میں اس خورد نوک کے جوتے کی آرائش و زیبائی کی طرف توجہ ہوئی پہلے جاڑے گرمیوں کے خشک موسم کے لیے کاشانی مخمل کے اور برسات کے لیے کیمخت کے بننا شروع ہوئے۔ اور اس میں کوئی شک نہیں کہ بانات کا جوتا نہایت ہی نفیس سادہ سبک اور خوشنما ہوتا کیمخت سبز زنگاری رنگ کا ہوتا جو گھوڑے یا گدھے کی کھال سے بنتا اور اس میں کھٹمل کے غاروں کی طرح دانے ابھار کے پیدا کیے جاتے۔ اور تعریف یہ تھی کہ برسات میں چاہے کتنا ہی بھیگے اُس کے رنگ روپ میں فرق نہ آتا۔ خود کیمخت کے بنانے کا فن اگرچہ باہر سے آیا تھا مگر لکھنؤ میں اُس کے بہت سے کارخانے جاری ہو گئے۔ اور سب جگہ سے اچھا بننے لگا۔

چند روز بعد جوتوں کی آرائش میں اور ترقی ہوئی۔ اور پہلے ستارے کے کارچوبی کام کے جوتے بننا شروع ہوئے۔ جن میں مقیش کے پھندنے لگا کے عجب چمک دمک اور آب و تاب پیدا کر دی جاتی۔ اس کے بعد جب چھوٹا سلما اور کلابتون اور چھوٹے ستارے ایجاد ہوئے تو چھوٹے کام کے چڑھووں جوتے بننے لگے جو بہت سستے داموں میں عجب بہار دکھایا کرتے۔

ان چڑھووں کے ساتھ ہی ساتھ یہاں ایک گھیتلا جوتا مروج تھا۔ جو دراصل پُرانے کفش نما جوتوں سے ماخوذ تھا۔ اور عالی مرتبہ امیروں اور اکثر اعلیٰ طبقے کے شریفوں میں علی العموم پہنا جاتا تھا۔ دراصل یہی ہندوستان کا پُرانا قومی جوتا تھا۔ اور اُسی کی یادگار حیدرآباد کی چپل اور دیگر مقامات کے دیسی جوتے ہیں۔ اور یہی اگلے اہل دربار اور وطنی بزرگان سلف کے پاؤں میں نظر آتا ہے۔ گھیتلے میں اتنی ترقی ہوئی کہ اُس کی نوک بجائے مختصر رہنے کے ہاتھی کی سونڈ کی طرح بہت بڑھا کے اور پھیلا کے پنجے کے اوپر ایک بڑے حلقے کی صورت میں لپیٹ دی گئی۔ یہ جوتا اودھ کے اگلے بادشاہوں اور وزرا و امرا سب کے پاؤں کی زینت ہوا کرتا۔ چڑھووں جوتے نے ایجاد ہونے کے بعد اُس کی جگہ لینا شروع کی۔ یہاں تک کہ غدر ہوتے ہوتے گھیتلا فقط عورتوں کے پاؤں میں رہ گیا۔ جن کے نازک پاؤں کا وہ عام لباس تھا۔ اور مردوں کی پوشاک سے وہ بالکل خارج ہو گیا۔

لیکن کفشین اپنی اصلی قدیم صورت مین آج تک باقی ہین جو شیعیان علی کے اتقیا و صلحا خصوصًا مجتہدین کیلئے مخصوص ہین۔

کھیتلے جوتون کفشون اور اُن پر جو کارچوبی کام بنایا جاتا ہے اُس نے مسلمانان لکھنؤ مین دو خاص پیشے پیدا کر دیے جن پر بہت سے لوگون کی معاش کا دارومدار ہو گیا۔ پہلے تو مسلمان موچی جن کی یہان ایک مستقل قوم اور برادری ہے۔ یہ لوگ سوا کھیتلے جوتے بنانے کے اور کسی قسم کا جوتا بنانا اپنی شرافت کے خلاف جانتے ہین۔ لکھنؤ مین اِن لوگون کے بہت سے گھر تھے اور سب سچے مسلمان سفید پوش اور بمقابل دوسرے ادنے طبقے والون کے ممتاز تھے۔ اور اگلے دنون نہایت فارغ البالی سے بسر کرتے تھے۔ لیکن اب قدیم وضع و لباس کے بدلنے کا یہ نتیجہ ہوا کہ مردون کے بعد عورتون نے بھی کھیتلا جوتا بالکل چھوڑ دیا۔ اور بازار جو اعلے درجے کے کھیتلے جوتون سے بھرا رہتا تھا اُس مین اب اگر کسی دوکان پر اُس وضع کا ایک آدھ جوڑا مل بھی جاتا ہے تو بہت ہی ذلیل و حقیر پرانا ماندا اور میلا ہوتا ہے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ مسلمان موچیون کا گروہ بالکل تباہ ہو گیا۔ اُن کے بیسیون گھر اُجڑ گئے۔ اور جو باقی ہین معرض فنا کے بالکل کنارے ہین۔ لیکن اِن لوگون کی وضعداری کی داد دینا چاہیے کہ لٹ گئے اور تباہ ہو گئے مگر یہ نہ گوارا کیا کہ کھیتلے جوتون کے عوض سلیپر یا بوٹ بنائین۔ اور رفتار زمانہ کا ساتھ دے کے پہلے سے زیادہ ترقی کرین۔

دوسرا گروہ اہل حرفہ جو اُن جوتیون کے صدقے مین پیدا ہوا جوتون کی چھوٹی ادھیان بنانے والون کا ہے۔ ادھی کارچوبی کام کے اُن مختلف قطع کے ٹکڑون کو کہتے ہین جو زنانے یا مردانے جوتون پر لگائے جاتے ہین۔ ادھیان یہان بہت ہی نفیس زرق برق اعلے درجے کی نفیس بنتی تھین جیسی کہین نہ بن سکتی تھین۔ اور اُن کی مانگ اِس قدر بڑھی ہوئی تھی کہ آبادی کا ایک معتد بہ حصہ اُنھین کی تیاری پر زندگی بسر کر رہا تھا۔

بہرحال کھیتلا جوتون کے فنا ہونے سے اِن دونون گروہون لو

نقصان پہونچا۔ اب گھیتلے کے عوض عورتون مین عموماً سلیپرون کا اور خاص گھرانون مین یا خاص موقعون کے لیے تمام شریف بیبیون مین اعلیٰ درجے کے بیگمی کا رواج ہے دولتمند گھرانون نے گھیتلہ جوتا چھوڑنے کے تاٹ باٹی (یعنی کامدانی کام کے) بوٹ پہننا شروع کیے تھے اُن کے چند ہی روز بعد چمڑے کے بوٹ جو انگریز پاؤن سے اُتر سکین پہنے جانے لگے۔ اور اب تو علی العموم سلیپ شوز اور جن لوگون نے پوری انگریزی وضع اختیار کر لی ہے اُن کی بیگمین تو ہر قسم کے لیڈیز شوز پہننے لگی ہین۔

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اسی سلسلے مین عورتون کے عام لباس کو بھی بیان کر کے وضع و لباس کی بحث کو ختم کر دین۔

ہندوستان مین عورتون کا قدیم لباس صرف ایک بے سی ہوئی لمبی چادر تھی جو آدھی کمر سے لپیٹ کے باندھ لی جاتی اور آدھی کندھے یا سر پر ڈال کے اوڑھ لی جاتی۔ اُس کے ساتھ سینے کا ایک لباس بھی ہندوؤن کے پرانے زمانے سے چلا آتا ہے جو شمالی ہند مین "انگیا" اور جنوبی ہند مین "چولی" کہلاتا ہے۔ یہ لباس سری کرشن جی کے زمانے مین بھی معلوم ہوتا ہے کہ موجود تھا۔ آخر زمانے مین چولی اور انگیا کی تفریق یون ہوئی کہ دکھن مین ایک جھولدار پٹی سی پیچھے سے آگے کی طرف لا کے دونون چھاتیون کے درمیان مین گرہ دے کے یا بوتام لگا کے کس دی جاتی ہے۔ اور دونون چھاتیان اُس جھول مین کسی قدر اُبھار کے ساتھ دبی اور کسی رہتی ہین۔ یہی دکھن کی چولی ہے۔ بہ خلاف اس کے شمالی ہند مین انگیا یون بنتی ہے کہ پستانون کے مناسب ناپ کے کپڑے کی دو کٹوریان بنائی جاتی ہین جو دو تین انگل تک باہم سی کے جوڑ دیجاتی ہین اور اُن کے بالائی کونون سے جالی کی دو چھوٹی چھوٹی آستینین لگا دیجاتی ہین۔ اور اُن تینون کے نیچے دونون پہلوؤن پر دو دو بند لگا دیے جاتے ہین۔ اسی طرح طیار کر کے دونون ہاتھون کو آستینون مین ڈال کے یہ انگیا پہن لی جاتی ہے۔ آستینین بہت ہی چھوٹی آدھے بازوؤن سے بھی کم رہتی ہین۔ اور چھاتیون کو کٹوریون مین ڈال کے پیچھے بند کھینچ کے نیچے اور اوپر دو بندشین دیدی جاتی ہین۔ بہ خلاف چولی

کے انگیا چھاتیون کو اصل سے زیادہ اُبھار کے نمایان کر دیتی ہے۔

بہرحال یہ پُرانا ہندو لباس ہے۔ اور ہم نہین جانتے کہ مرورِ زمانہ سے اُس مین کیا اصلاحین یا ترقیان ہوئین۔ بادی النظر مین انگیا زیادہ ترقی یافتہ اور بعد کی اصلاح معلوم ہوتی ہے۔

اس کے سوا ہندو زمانے مین عورتون کا اور کوئی لباس نہین معلوم ہوتا۔ سیے ہوے کپڑے اور کرتا پائجامہ مسلمان اپنے ساتھ لائے۔ مسلمانون کی عورتین ملک عجم سے عرض کے ڈھیلے پائچون کے پائجامے پہنے ہوئے یہان آئین جو ٹخنون پر چُنّٹ دے کے باندھ دیے جاتے تھے۔ چند روز بعد وہ پائجامے تنگ مہری کے گھٹنے ہو گئے جن کا گھیرا اوپر سے ڈھیلا ڈھالا ہوتا۔ رفتہ رفتہ اُن مین کھنچے اون کا شوق بڑھتا گیا یہان تک کہ اوپر کا گھیر بھی کم ہو گیا۔ اور پائچون کی مہریان تو اس قدر تنگ ہو گئین کہ پہننے کے بعد کس کے سی لی جاتین۔ اور اُتارتے وقت مہری کے ٹانکے توڑنے کی ضرورت لاحق ہوتی۔ جیسے پائجامے آج بھی بہت سے شہرون مین مروج ہین۔

لکھنؤ مین مسلمان بیگمون کی وضع ابتداءً یہی تنگ مہری کا کھنچا ہوا پائجامہ سینے پر چھوٹی اور تنگ آستینون کی کھنچی ہوئی انگیا۔ اور پیٹ اور پیٹھ چھپانے کے لیے ایک عجیب وغریب کرتی جو آگے کی طرف اُس حد تک کاٹ دی جاتی جہان تک جسم پر انگیا کا تصرف رہتا۔ اُس مین نہ آستینین ہوتین۔ اور نہ سینے پر اُس کا کوئی حصہ رہتا دو لمبے بندون کے ذریعے سے جو شانون پر سے ہو کے آتے پیٹ اور پیٹھ پر معلق ہوتی۔ اُس کے اوپر تین گز کا چُنا ہوا باریک دوپٹہ جو سر سے اوڑھا جاتا۔ لیکن آخر مین فقط شانون پر پڑا رہنے لگا۔

ہندوستان کے موسم اور مزاجون کی نزاکت نے محرم کرتی اور دوپٹے سب کو روز بروز سبک کرنا شروع کیا یہان تک کہ لاہی کی انگیا اور کریب کے دوپٹے وضعدار امیرزادیون کے فیشن مین داخل ہو گئے۔ نصیر الدین حیدر

بادشاہ کے زمانے سے گھٹنے رخصت ہو گئے اور اُن کی جگہ بڑے بڑے گھیردار پائچون کے کلیون دار پاجامے جو کمر کے پاس بہت ہی تنگ ہوتے اور جو رکلی یعنی میانی خوب کھنچی رہتی علی العموم رواج پا گئے عورتون کی خاص وضع قرار پا گئے۔ یہ پائنچے آگے کی طرف ایک نفاست و خوش نمائی کے انداز سے ناف کے نیچے گھرس لیے جاتے تاکہ چلنے پھرنے مین زمین پر لوٹ کے خراب اور میلے نہ ہون۔ غدر کے قریب زمانے یا شاہی کے عہد آخر مین باریک کپڑون اور آدھی آستینون کے تنگ شلوکون کا رواج ہو گیا جو کرتی کے عوض پہلے تو محرم کے اوپر پہنے جانے لگے۔ اور چند روز بعد اُنھون نے محرم کی ضرورت بھی اُڑا دی۔ مگر اب بھی بہت ہی باریک کپڑون کے استعمال کیے جانے کی وجہ سے یہ لباس ننگا معلوم ہوتا خصوصاً اس لیے کہ باہین بالکل ننگی رہتین۔ نتیجہ یہ ہوا کہ شلوکون کے عوض کسی قدر ڈھیلے کرتون کا رواج ہونے لگا۔ لیکن اب یک بیک کرتون کی جگہ انگریزی جاکٹ اور باڈِس پہنے جانے لگے۔

اب ہر صوبے اور ہر شہر کی وضعون کا مقابلہ اور اس کے ساتھ باہمی اختلاط ہونے لگا ہے۔ اور بعض مسلمانون یا خود خاتونون کو ساری زیادہ خوشنما نظر آنے لگی۔ جس کی وجہ سے لکھنؤ کی عورتین آدھے کے قریب پُرانی وضع چھوڑ کے ساریان باندھنے لگی ہین۔ اور کہا جاتا ہے کہ اُس مین زیادہ سادگی ہے۔ مین اگرچہ اس کے خلاف نہین ہون کہ عورتین اپنے حسن مین جدت اور تازگی پیدا کرنے کے لیے مختلف لباسون کو پہنین۔ اور مصداق ع ہر لحظہ بوضع دگر آن یار بر آمد۔ نئی نئی دھجون سے اپنے شوہرون کی دلداری کرین لیکن مین اِس کے سخت خلاف ہون کہ اپنی قومی وضع بالکل چھوڑ دی جائے۔ اور اپنے معاشرتی خصائص فنا کر دیے جائین۔ ساری ایک غیر مخیط کپڑا اور تمدن انسانی کے بالکل ابتدائی اور غیر متمدن زمانے کی یادگار ہے۔ سادگی بیشک دلکش چیز ہے۔ مگر بہت سی قیدون اور خصوصیتون کے ساتھ ورنہ پوری سادگی تو عریانی مین ہے۔ خود لباس فطرت انسانی کو اپنے تفنن کا جامہ پہنانا ہی۔ اس لیے میری سمجھ مین نہین آتا کہ ساری مین کیا خاص خوبی و خوبصورتی ہے۔

(جس طرح مرد کی طبیعت کا خاصہ ہے کہ اپنی حسین ترین منکوحہ سے اکتا کے

دوسری جوان عورتون کی طرف مائل ہوتا ہی اُسی طرح ہمارے نوجوان اپنی بی بیون کی وضع سے سیر ہو کے دوسری قومون کی عورتون کے لباس پہ فریفتہ ہو جاتے ہین۔ مگر خوب یاد رکھیے کہ جس طرح آپ اُن کے لباس پہ فریفتہ ہین اُسی طرح دوسری قومون کے مرد آپ کی عورتون کے ترقی یافتہ لباس مین زیادہ دلکشی و رعنائی پاتے ہین۔ نفسانی خواہشات کا ایک مغالطہ ہی جو فی الحال آپ کی نظر مین اپنی عورتون کے لباس کو معیوب ثابت کر کے بار بار ملک مین یہ بحث پیدا کراتا ہے کہ ہندوستانی مسلمانون کی بی بیون کے لیے مناسب لباس کیا ہے۔)

ہم اس مسئلہ پہ اچھی طرح بحث کرتے اگر ہمین یقین ہوتا کہ خالص عورتون کی اخلاقی و معاشرتی اصلاح کی غرض سے یہ مسئلہ پیدا ہوا ہے۔ دراصل مسئلہ اُسی تقاضائے طبع سے پیدا ہوا ہے جس نے نوجوانون کو کوٹ پتلون پہنایا۔ ہیٹ سے اُن کے سرون کو زینت دی۔ اور سوا رنگت کے اُن مین کوئی ایشیائی چیز نہین باقی رکھی۔ لہذا ہم کو یقین ہے کہ یہ مسئلہ فقط اس جوش مین پیدا ہوا ہے کہ مردون کی طرح عورتین بھی انگریزی لباس اختیار کرین۔ ہم خوب جانتے ہین کہ اس بارے مین لکھنا پڑھنا اور کہنا سننا سب بیکار ہے۔ اس لیے کہ جب تک کہ انگریزی سایے اور سکرٹ اور بانٹ (انگریزون کی ٹوپی) پہننے کا فیصلہ نہ کر دیا جائے گا ہمارے مصلحان معاشرت اور نقال موجدان فیشن کو چین نہ آئے گا۔ اس کے سوا اور جو چاہیے کیسی ہی اچھی اصلاح و ترمیم کیجائے گی اُن کا اطمینان نہ ہوگا۔

غرض اس انجام کو سونچ کے اس بارے مین اخبارون اور رسالون کے صفحے سیاہ کرنے کا کوئی نتیجہ نہین۔

خریداران مورخ! آپ کا حساب جولائی سنہ۱۶ء سے شروع ہوا تھا اور جون سنہ۱۷ء مین سال پورا ہو گیا۔ جولائی سنہ۱۷ء سے نئی جلد شروع ہوتی ہی جس مین تاریخ ارض مقدس کی تیسری کتاب "تاریخ عرب" شروع ہو گی۔ اور یقین ہی کہ مسلمانون کے لیے نہایت دلچسپ ثابت ہو۔ جولائی سنہ۱۷ء کا **مورخ** ایک ہفتہ مین خریدارون کی خدمت مین صیغہ ویلیو پےایبل حاضر ہو گا۔ سب حضرات اس کو قبول فرمانے کے لیے تیار رہین بلکہ کسی قدر نئی خریدار بہم پہنچا کر اس کی اعانت فرمائین تاکہ یہ تاریخی لٹریچر کا رسالہ جاری رہ سکے۔ لیکن اگر کوئی صاحب کسی طرح آیندہ خریدار نہ رہنا چاہتے ہون تو براہ کرم ایک کارڈ لکھ کے مطلع کر دین۔

ملتمس
محمد صدیق حسن۔ مینیجر دلگداز
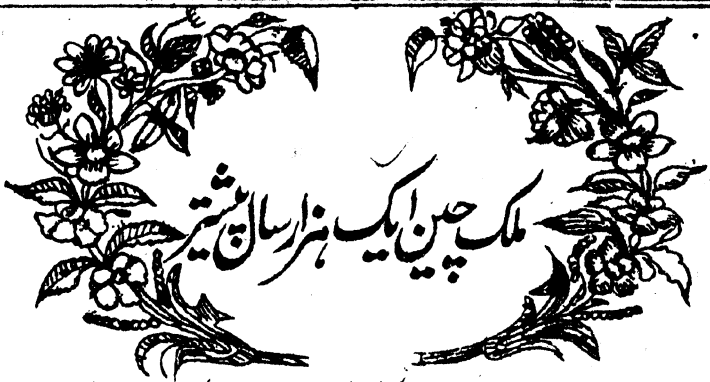
ملک چین ایک ہزار سال پیشتر

چین مین آج کل مسلمانون کی کئی کرور آدمیون کی تعداد بتائی جاتی ہے۔
مگر اس کا پتہ لگانا مشکل ہے کہ مسلمان وہان کب اور کس عہد مین پہونچے۔ خود مسلمانان
چین کا دعوی ہے کہ اُن کی ہدایت و تعلیم کے لیے ایک صحابی رسول اللہ قرن اول
ہی مین وہان پہونچ گئے تھے۔ جن کی قبر اسوقت تک زیارت گاہ عام و خاص ہے۔
اگرچہ ہمارے کتب آثار و سیر مین ایسے کسی صحابی کا پتہ نہین لگتا۔ لیکن ممکن ہے کہ
ایسے کوئی محترم صحابی ہون جن کے حالات سے ہم محروم رہ گئے ہون۔ لیکن چین
مین اُس زمانے مین اسلام کے پہونچ جانے مین کوئی شک نہین اس لیے کہ ہمین
اپنی تاریخون سے آج سے ایک ہزار ستر برس پہلے چین مین مسلمانون کے بکثرت
موجود ہونے کا حال بخوبی معلوم ہوتا ہے۔

علامۂ ابن اثیر سنہ ۲۴ھ کے حالات کے سلسلے مین بیان کرتے ہین کہ اس
سال ملک چین مین ایک مجہول الحال شخص نمودار ہوا جس نے سلطنت کی مخالفت مین
جھنڈا بلند کیا اور اکثر متفنی اور بدمعاش لوگ اُس کے ساتھ ہو گئے۔ خاقان چین نے اُس
کے حالات سنے مگر اُسے حقیر و ذلیل سمجھ کے پروا نہ کی اور اُس نے موقع پا کے اپنی
قوت بہت بڑھا لی۔ اور ہر طرف سے شریر و فتنہ جو لوگ آ آ کے اُس شخص کے جھنڈے
کے نیچے جمع ہونے لگے۔ جن کو ساتھ لے کے اُس نے ملک مین لوٹ مار شروع کر دی
اور اُس کے دست تظلم سے سارا ملک چیخ اُٹھا۔ یہان تک کہ اُس نے آ کے خاص
دارالسلطنت خانقوا کا محاصرہ کر لیا۔ یہ غالباً بیکین کا قدیم نام ہے۔ یہ بڑا بہت
اور مضبوط شہر ہے۔ اور بڑے بھاری دریا کے کنارے آباد ہے۔ جس مین مسلمان

نصرانیون یہود اور مجوس کا ایک عالم کثیر آباد ہے۔ جو سب خاص چین کے باشندے ہین۔

جب اس باغی نے خاص دارالسلطنت کا محاصرہ کیا تو شاہی لشکر نے اُس سے مقابلہ کیا۔ مگر فاش شکست کھائی۔ میدان چھوڑ کے بھاگے۔ باغیون نے شہر پر لڑ بھڑ کے قبضہ کر لیا۔ اور بے شمار اہل شہر اُن جفاکیشون کے ہاتھ سے مارے گئے۔

خاقان چین اپنا دارالسلطنت دشمنون کے ہاتھ مین چھوڑ کے ایک اور شہر مین چلا گیا۔ اور دشمنون نے کوشش کی کہ بڑھ کے اُس شہر کا بھی محاصرہ کر لین۔ آخر خاقان نے لشکر جمع کر کے اِس مجہول الحال دشمن سے مقابلہ کیا۔ اور برابر ایک سال تک لڑائی ہوتی رہی لیکن انجام پھر یہی ہوا کہ خاقان میدان چھوڑ کے بھاگا۔ اور دشمن نے تعاقب کیا۔ یہان تک کہ خاقان بھاگتے بھاگتے اپنی قلمرو کے ایک سرحدی قلعے مین داخل ہو کے قلعہ بند ہو گیا۔ اور باغی دشمن اکثر صوبون اور بڑے بڑے شہرون پر متصرف ہو گیا۔

لیکن باوجود ان سب فتحون اور کامیابیون کے اِس سرکش باغی کو یقین تھا کہ چاہے کچھ ہو مین نہ خاقان چین بن سکتا ہون۔ اور نہ تاج و تخت مجھے نصیب ہو سکتا ہے۔ اِس خیال سے اُس نے سارے ملک کو جی کھول کے دونون ہاتھون سے لوٹنا شروع کر دیا۔ اور سلطنت کے تمام شہرون اور خزانون پر اب وہی قابض تھا۔

خاقان چین کو سب طرف سے یاس ہوئی تو اُس نے راجگان ہند سے مدد مانگی۔ اُنھون نے اِس نازک موقع پر اُس کا ساتھ دیا۔ اور اپنے زبردست لشکر اُس کی کمک پر بھیجے۔ ان ہندی فوجون نے جا کے اُس عجیب و غریب باغی کی روک تھام شروع کی۔ اور ایک سال تک پھر میدان جدال و قتال گرم رہا۔ اسی اثنا مین خبر آئی کہ وہ گمنام باغی جس نے یہ اندھیر مچا رکھا تھا۔ یک بیک غائب ہو گیا۔ اور اُس کی فوجین سراسیمہ ہو گئین۔ اس شخص کی نسبت طرح طرح کی افواہین مشہور تھین۔ کوئی کہتا کہ دریا مین ڈوب گیا۔ کوئی شخص اُس کو غیبت کا کچھ اور تصور بیان کرتا۔ [illegible] مارا گیا۔ مگر ثبوت کسی

بات کا نہ ملتا تھا۔

اُس کے غائب ہوتے ہی خاقان نے حملے شروع کیے۔ اور چند ہی روز مین باغیون اور سرکشون کو شکستین دے کے ملک پر قبضہ پا سکا۔ اس لیے کہ ہر صوبے کو کوئی جداگانہ شخص دبا بیٹھا۔ اور مملکت چین کی وہی حالت ہو گئی جو سکندر کے حملے کے بعد ملوک طوائف یا عجمی طوائف الملوکی کے عہد مین دولت ایران کی ہو گئی تھی۔ خاقان نے اِس حالت مین اسی کو غنیمت جانا کہ اِن تمام متغلب حکمرانان صوبجات نے اُس کی فرمان برداری و اطاعت کا وعدہ کر لیا۔ چنانچہ مدت دراز تک ملک چین کی یہی حالت رہی۔

شاہان چین فغفور کے لقب سے یاد کیے جاتے تھے جس کے معنی "آسمان کا فرزند" ہین۔ اِس کا مقصد یہ تھا کہ وہ خدا کی جانب سے اُن کے تاجدار و حکمران مانے جاتے۔ اور دیوتا سمجھ کے اِن کی پرستش کی جاتی۔

ایک زنانی خانقاہ اسلام

سائیون مین اُن کی نفس کش اچھوتیون کی بدولت قدیم الایام سے زنانی خانقاہون کا رواج چلا آتا ہے جو قرون وسطیٰ مین عجیب و غریب اسرار کا مرکز تصور کیجاتی تھین مگر اسلام مین تصوف و رہبانیت کے پیدا ہونے کے بعد اگرچہ ہر اسلامی شہر اور اکثر قریون تک مین عظیم الشان خانقاہین بن گئین مگر مسلمانون مین کسی زنانی خانقاہ کا ذکر لوگون نے شاید نہ سُنا ہو گا۔ لیکن ایک نیک اور پارسا شاہزادی کی فیاضی سے قاہرۂ مصر مین ایک بہت ہی مشہور و مقبول عام زنانی خانقاہ قائم ہو گئی تھی جو ۶۸۴ھ ہجری سے ۸۰۶ھ یعنی ۱۲۲ سال تک موجود رہی۔ اُس کا ذکر دلچسپی سے خالی نہ ہو گا۔

مصر و شام مین صلاح الدین اعظم کی وفات کے بعد سے طوائف الملوکی ہو گئی۔ اُس کے بیٹے ۱۶۰۵ اور سرداران فوج جدا جدا شہرون کے فرمانروا بن گئے۔ جن مین ہمیشہ لڑائی رہا کرتی اور کوئی کسی کا دوست نہ تھا۔ جس کا

انجام یہ ہوا کہ آخر سلطنت خاندان ایوبی یعنی صلاح الدین کے گھرانے سے نکل کے فرمان روایان مصر کے پروردہ غلامون کے ہاتھ مین آگئی۔

چنانچہ ۶۵۸ھ مین سیف الدین قطز نام ایک سردار نے ملک پر قبضہ کرلیا اور اپنا لقب الملک المظفر قرار دیا۔ اُنھین دنون دنیا مین تاتاریون کا سیلاب آیا ہوا تھا۔ وہ لوگ بغداد کو تباہ کرکے ملک شام مین پہونچے تو اسی ملک المظفر نے مصر سے جا کے اُنھین ایسی زبردست شکست دی کہ اسی لڑائی سے اُن کا زور ٹوٹ گیا۔ اُنھین بھگا کے ملک المظفر مصر مین آیا تو قصر شاہی ایک منزل باقی تھا کہ نامور اور بہادر و منتظم شاہی غلامون مین سے رکن الدین بیبرس بند قداری نے اُسے قتل کرڈالا۔ اور سب نے اُسی کو تخت پر بٹھا دیا۔ جو الملک الظاہر کا لقب اختیار کرکے فرمان رواے مصر ہوگیا۔

یہ فرمان روا اگرچہ اصل مین غلام تھا مگر نہایت ہی منتظم اور بہادر تھا۔ اُس نے تخت و تاج پر قبضہ پاتے ہی سارے مصر و شام کو اپنی قلمرو مین شامل کرلیا۔ شام سے بڑھ کے رومی علاقے کے بعض مقامات فتح کیے صلیبیون کو سلتین دین اور ایسا نام پیدا کیا کہ لوگون کو صلاح الدین اعظم کا زمانہ یاد آگیا۔ اور ساری دنیاے اسلام اُس کے نام کا ادب کرتی تھی۔

ان فتوحات کے ساتھ وہ بڑا دیندار بھی تھا چنانچہ عابد و زاہد متصوفین کے رہنے کے لیے اُس نے ایک عالیشان خانقاہ بنائی جو خانقاہ بیبرس کے نام سے صدیون تک اہل زہد و تقویٰ اور صاحبان حال و قال کا مرجع و ماویٰ بنی رہی۔

مگر اُس کی اِس سے بھی زیادہ قابل یادگار برکت اُس کی دینداری تذکار بائی خاتون کے ہاتھون سے اُس کی وفات کے بعد دنیا کو نظر آئی۔ جس سے ہماری مراد یہی "زنانی خانقاہ" ہے جس کا حال ہم اِس مضمون مین بیان کرنا چاہتے ہین۔

اس شاہزادی کے نام مین "بائی" کا لفظ دیکھ کے اکثر لوگون کو حیرت ہوگی۔ عزیز شاہزادیون اور بیگمون کے نام کے ساتھ یہ لفظ جنوبی ہند مین مدت ہاے دراز سے چلا آتا ہے۔ اور خیال کیا جاتا ہے کہ یہ ہندی الاصل

لقب ہے۔ مگر اس مصری شاہزادی کے نام مین بھی اُس لفظ کے ہونے سے پتہ چلتا ہے کہ یہ لفظ پہلے مصر و عرب مین پیدا ہوا۔ اور عرب مسلمانون کے ساتھ سواحل ہند پر آیا۔

تندکار بائی خاتون کی نسبت مورخین کہتے ہین کہ بڑی نیک بیوی تھی۔ باوجودیکہ آغوش سلطنت مین پرورش پائی مگر بڑی عابدہ و زاہدہ تھی۔ اور نہایت ہی متقی و پرہیزگار۔ اس کے ساتھ مخیر و فیاض ہونے مین مصر مین کوئی اُس کا مماثل نہ تھا۔ جہان کسی متقی و پرہیزگار اور عالم و درویش کا نام سُن پاتی اُس کی خدمتگذاری کو موجود ہو جاتی۔ خصوصًا عابدہ و زاہدہ عورتون اور دیندار و پاکدامن بیویون کی تو وہ عاشق تھی۔ جہان تک ممکن ہوتا اُن کی مدد کرتی۔ اور پاکدامن و بیکس خاتونون کا ایک بڑا بھاری گروہ اُس کی فیاضی پر زندگی بسر کر رہا تھا۔

چنانچہ اسی شوق مین اُس نے دیندار اور نکوکار بیویون اور تارک الدنیا خاتونون کے رہنے کے لیے ایک عالیشان خانقاہ بنوا دی جو رباط بغدادیہ اور رواق بغدادیہ کہلاتی۔ اور خانقاہ بیبرس کے قریب قاہرہ کے محلۂ درب اصفر مین عین بازار کی جگہ واقع تھی۔

علامۂ مقریزی اِس خانقاہ کے حالات مین لکھتے ہین "اس خانقاہ کو خاتون محترم سیدہ تندکار بائی خاتون ملک الظاہر بیبرس کی بیٹی نے ۶۸۴ھ مین تعمیر کرایا تھا"

بیبرس نے ۶۷۶ھ مین وفات پائی اس سے پتہ چلتا ہے کہ دیندار بیٹی نے باپ کی وفات کے آٹھ سال بعد اُسے قائم کیا۔

اور اُس کے قائم کرنے کی وجہ یہ ہوئی کہ اُن دنون مصر مین ایک بڑی مشہور و ممتاز بیوی زینب بنت ابوالبرکات تھین جو ولیہ بے ہمتا اور مرشدۂ صاحبۂ دل تسلیم کیجاتین۔ یہ ولیہ "بنت بغدادیہ" کے لقب سے مشہور تھین تندکار بائی کو اُن سے بڑی عقیدت تھی اِس لیے کہ اُن کی وجہ سے سارے مصر کی عورتون مین دینداری اور زہد و تقویٰ کا چرچا ہو گیا تھا۔ وہ دراصل

بغداد کی رہنے والی تھین اور اندیشہ تھا کہ اپنے وطن مالوف مین واپس نہ چلی جائین۔ بس اسی خیال سے اور محض اُن کے روکنے کے لیے تذکارائی نے اپنی یہ زنانی خانقاہ تعمیر کرائی۔ اور اُس مین اُن ولیۂ محترمہ بنت بغدادیہ کو مع اُن کی مرید و معتقد خاتونون کے لا کے رکھا۔ اور اُنھین کی وجہ سے اس خانقاہ کا نام رباط یا رواق بغدادیہ پڑ گیا۔

ولیۂ زینب کے ساتھ خانقاہ مین بہت سی عابدہ و زاہدہ عورتین رہنے لگین اور ولیۂ ممدوحہ کے بعد کوئی اور نیک بیوی اُن کی جانشین ہوئی۔ اور اس کے بعد یہ سلسلہ جاری ہو گیا کہ جب ایک شیخہ و مرشدہ کا وصال ہوتا تو اُس کی سجادہ نشین کوئی اُس کی مرید بی بی ہو جاتی۔ جس کا کام ہوتا کہ مصر کے زنان خانون مین جا کے بی بیون کو دینداری اور اخلاق کی تعلیم دیتی۔ گھر مین دینداری کا چرچا کرتی۔ اور شہر کی عورتون کو جب کوئی دینی یا معاشرتی مشکل پیش آتی تو وہ فوراً اس خانقاہ مین دوڑی آتین۔ اور یہان کی نیک مرشدہ اور دیندار بہنون سے تسلی و تشفی کے ساتھ اطمینان بخش مدد پاتین۔ بہت سی بیواؤن اور شوہر کی ستائی ہوئی مظلومہ خاتونون کی جاے پناہ یہی خانقاہ تھی۔

اس خانقاہ کی بعد والی مشہور زمانہ سجادہ نشین اور مرشدہ محدثہ و فقیہہ بے ہمتا زینب بنت فاطمہ بنت عباس بغدادیہ تھین اُن کی عمر اسی برس سے زیادہ ہوئی۔ اور ذی الحجہ سنہ ۷۱۴ھ مین اُنھون نے سفر آخرت کیا۔ وہ بہت بڑی عالمۂ فاضلہ اور لاجواب عابدہ و زاہدہ تھین بہت ہی تھوڑے پر قناعت کرتین۔ اور ہمیشہ نفع رسانی خلق مین مصروف رہتین۔ ہر دم یاد الٰہی مین مشغول نظر آتین اور جو کچھ کرتین خدا کے لیے کرتین۔ دل مین خلوص اور خدا کا خوف تھا شرع شریف کی پوری پوری پابندی کرتین۔ اور بے نظیر واعظ تھین۔ امراے مصر کے گھرون مین ان کی وجہ سے وعظ کی زنانی محفلین ہوتین۔ اور اُن مین جا کے وہ اس خوبی سے وعظ کہتین کہ عورتون پر اُن کی معجز بیانی کا بے انتہا اثر ہوتا۔ وہ تمام ... یون مین مقبول عام تھین۔ اور ہر دل مین اُن کی جگہ تھی۔ دمشق و مصر کی ہزارون عورتون نے اُن کی ذات اور اُن کے علم و فضل سے بے انتہا فائدہ

اٹھایا۔

یہ مرشدہ بیوی چونکہ عوام مین "بغدادیہ" کے لقب سے مشہور تھین اس لیے اُن کے بعد سے معمول ہوگیا کہ جو خاتون اُن کی جانشین اور اِس زنانی خانقاہ کی شیخہ و مرشدہ قرار پاتی وہ بھی "بغدادیہ" ہی کہلاتی۔ آخری بغدادیہ جنھون نے اِس خانقاہ مین نہایت ہی نیکنامی کے ساتھ زہد و تقوی کی زندگی بسر کی بڑی ہی نیک بیوی تھین علامۂ مقریزی نے اُن کی شہرت کا زمانہ اپنی آنکھون سے دیکھا تھا۔ اور لوگون کو اُن کے روحانی کمال اور زہد و تقوی کا از حد معتقد پایا تھا۔ اِن آخری بغدادیہ نے ۲۲ جمادی الاخری ۷۹۶ھ کو وفات پائی۔ اور اُن کے بعد سے اِس خانقاہ کی انتظامی حالت مصر کی پولٹیکل حالت بگڑنے کے باعث روز بروز ابتر ہوتی گئی یہان تک کہ جب ۸۰۶ھ کے ہنگامے شروع ہوئے تو یہ زنانی خانقاہ بالکل تباہ و برباد ہوگئی اس لیے کہ شورش پسندون اور خصوصاً اِس محلہ والون نے جس مین یہ خانقاہ تھی اِس بات کی مطلقاً ممانعت کردی کہ زاہدہ و عابدہ عورتین اِس کی چار دیواری مین رہین۔ یا زمانے کی ستائی ہوئی بیویون کا کوئی امن و پناہ مین باقی رہے۔ چنانچہ یہ خانقاہ بالکل اُجڑ گئی۔ اور اُس کے کھنڈرون پر جو دُبّ اصغر کے پھاٹک کے قریب تھے بڑے بڑے وسیع بازار قائم ہوگئے۔ جس سے اندازہ ہوسکتا ہے کہ یہ خانقاہ کتنی بڑی تھی۔ اور کتنے رقبہ پر حاوی تھی۔

علامۂ مقریزی لکھتے ہین "ہم نے خود بھی اپنی آنکھون سے اِس خانقاہ کو دیکھا۔ اِس مین وہ عورتین آکے اقامت گزین ہوتی تھین جن کو شوہرون سے طلاق مل جاتی یا اُن کے شوہر و اعزہ اُنھین چھوڑ دیتے۔ یہان جب تک کوئی اُن کا خبرگیران اور مددومعاون نہ پیدا ہو وہ نہایت امن و قناعت کے ساتھ اپنی زندگی زہد و تقوی اور عبادت مین بسر کرتین۔ اس کے حجرون مین عزلت گزین ہو کے نفس کشی کرتین۔ گناہون سے بچتین۔ اور شب و روز عبادات و وظائف مین مشغول رہتین"

مین سمجھتا ہون بے حمیت شوہرون کی وجہ سے ہندوستان کے بڑے شہر کو ایسی زنانی خانقاہون کی ضرورت ہے۔ ضرور عالیہ بیگم صاحبہ

بھوپال دام اقبالہا جو مسلمان بی بیون کے لیے فرشتۂ رحمت بن کے دنیا مین آئی ہین اِس ضرورت کی طرف توجہ فرمائین۔"

حسرت موہانی کا تیسرا دیوان

شہید وطن سید فضل الحسن صاحب حسرت موہانی کی بیگم صاحبہ جس مردانہ اولوالعزمی سے شوہر کی وفاداری کے ساتھ ملک کی قومی و ادبی خدمتین انجام دے رہی ہین نہایت ہی قابل داد ہے۔ اسلام کی پچھلی صدیون مین ایسی ایک بیوی بھی نہ نظر آئے گی جس نے اِس دلیری و ہمت سے قسمت کی بے رُخیون کو برداشت اور جفا شعار زمانے کا مقابلہ کیا ہو۔ بیگم صاحبہ ممدوحہ کے اِس جوانمردانہ استقلال کی داد دینا ہر مسلمان اور ہر ہندی نژاد کا فرض عین ہے۔ اور سچی داد یہ ہے کہ اُن کی اشاعتون کی سرگرمی اور اُن کی علمی کتابون کی نہایت فیاضی کے ساتھ خریداری کیجیے۔ فی الحال بیگم صاحبہ نے اپنے فدائے وطن شوہر کا تیسرا دیوان شائع کیا ہے جو ۱۸×۲۲ تقطیع کے ۲۸ صفحون پر ختم ہوا ہے۔ اور بہ لحاظ کاغذ و روشنائی کی گرانی اور چھپائی کی بے حد دشوارِیون کے غنیمت چھپا ہے۔ اور قیمت مع محصولڈاک ۳/ رکھی گئی ہے۔ وی۔ پی۔ ۴/ مین پہونچ سکتا ہے۔ اور اگر متعدد نسخے ایک ساتھ منگوا لیے جائین تو ڈاک خانے کے مصارف مین بہت کفایت ہو سکتی ہے۔ ہر اُردو دان پر واجب ہے کہ اِس دیوان کو ضرور منگوا لے۔ اور حضرت حسرت نے اپنے مصائب و آلام کے عہد مین دُکھے ہوے دل سے جو سحر آفرینیان کی ہین اُن سے لطف اُٹھائے۔

حسرت کا کلام کوئی معمولی کلام نہین ہے۔ اور حقیقی سوز و گداز نے اُس مین بلا کا اثر پیدا کر دیا ہے۔ لہذا اُس کی قدردانی کوئی ایسی چیز نہین ہے کہ ایک ذی حس شخص کو چند پیسے خرچ کرنا گران گزرے۔ اور اگر ہندوستان مین ابھی ایسے لوگ باقی ہین جن کو حسرت موہانی کے ایسے صاحب کمال جانباز کا دیوان خریدنا بھی گران گزرتا ہو تو پھر یہ سارا جوش و خروش جس کا غلغلہ بلند ہو رہا ہے ڈھول کی آواز ہے۔ اور ہم گورنمنٹ کی کسی رعایت کے مستحق نہین ہین۔ ہم اپنے تمام احباب و جملہ دوستان وطن سے امید رکھتے ہین کہ اسی دیوان پر منحصر نہین حضرت حسرت کی تمام کتابون کو بیگم صاحبہ ممدوحہ سے علیگڈہ۔ دفتر اردوے معلے کے پتے پر خط بھیج کے ضرور منگوا لین گے۔"

خفاجہ کی شہادت

سرقوسہ سے واپس جاتے وقت خفاجہ نے مقام وادی الطین مین پڑاؤ ڈالا۔ اور وہان سے یکم رجب ۲۵۵ھ کو راتون رات چلا تو رات کے اندھیرے مین کسی نے عین سر راہ اُسے ایک نیزہ مار کے گرایا اور بھاگ کے سرقوسہ مین ہو رہا۔ اس دغاباز قاتل کے دشمنون مین بھاگ جانے سے خیال ہوتا ہے کہ کوئی عیسائی دشمن ہو گا۔ مگر ایسا نہ تھا۔ یہ خود اُسی کی فوج کا ایک مسلمان عسکری تھا جسے کسی خاص وجہ سے عداوت ہو گئی تھی۔ اور آج موقع پا کے اُس نے اپنے دل کا بخار نکال لیا۔ اس کاری زخم کے ساتھ ہی حاکم صقلیہ کی روح پرواز کر گئی۔ اور لاش کو فوج والے حسرت واندوہ سے شہر بلرم مین لے گئے۔ جہان اُسے فوجی کروفر سے آغوش لحد کے سپرد کیا۔ خفاجہ اگرچہ بڑا اولوالعزم اور زبردست حملہ آور تھا مگر اُس کے زمانے مین صقلیہ کے بعض مقامات پر رومیون نے قبضہ کر لیا۔ اور سواحل پہ متعدد جگہون مین قلعے اور گڑھیان بھی تعمیر کر لین۔

ایطالیہ کے علاقہ باری پہ مسلمانون کا قبضہ

اسی عہد مین جب کہ خفاجہ صقلیہ پہ متصرف تھا افریقہ سے مسلمانون کی ایک اور زبردست مہم ایطالیہ پہ پہونچی اس مہم کا سپہ سالار بنی اغلب کا غلام حیاۃ تھا۔ اِس فوج کشی کے متعلق مورخین عرب کا بیان ہے کہ "یہان ارض کبیرہ کے نام سے ایک بہت بڑی سرزمین ہے جس کے ساحل تک آفریقہ کے ساحل برقہ سے جہاز پندرہ دن مین پہونچتے ہین۔ حیاۃ اُس کے ساحلی شہر بارہ پر پہونچ کے لنگر انداز ہوا۔ اسی شہر بارہ کو اہل ایطالیہ "باری" کہتے ہین جو آج تک اٹلی کے مشرقی

لوگ اُس وقت نہین فتح کر سکے۔

جن مسیحی اسیرون کا ذکر برنارڈ نے کیا ہے اور جو افریقہ و مصر بن علامی کے لیے بھیجے جاتے تھے وہی تھے جو علاقۂ بنی و نظم پر تاختین کر کے مسلمانون نے پکڑے تھے۔ اُن کی جو تعداد برنارڈ نے بتائی اُس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ اُسی طرح طولس ٹرلس کے جہازون مین بھر دیے جاتے تھے جس طرح حبشی غلام بھرے جاتے ہین۔

خفاجہ کے بیٹے محمد کی جانشینی

امیر خفاجہ کے مارے جانے کے بعد صقلیہ کے سرداران فوج نے اُس کے الوالعزم فرزند محمد کو اپنا حاکم بنایا۔ اور اِس جانشینی کی اطلاع افریقہ کے حاکم محمد بن احمد کو دی۔ اُس نے اُن کی درخواست قبول کی۔ محمد بن خفاجہ کی جانشینی کو منظور کیا۔ اور خلعت سرفرازی کے ساتھ سند ولایت صقلیہ بھی اپنے مہر و دستخط سے مزین کر کے بھیج دی۔

جزیرۂ مالطہ (مالٹا) پر عربون کا قبضہ

افریقہ سے خلعت و سند امارت ملنے کے بعد ۲۵۶ھ مین محمد بن خفاجہ نے اپنا بحری بیڑا جزیرۂ مالٹا پر بھیجا۔ اس جزیرے کو رومی جہاز گھیرے ہوے تھے اور اُس پر قبضہ کرنے ہی کو تھے کہ اُنھین صقلیہ کے اسلامی بیڑے کے آپہونچنے کی خبر ہوئی۔ فوراً اُس جزیرے کا محاصرہ چھوڑ کے بھاگ گئے۔ اس واقعے سے ظاہر ہوتا ہے کہ جزیرۂ مالٹا پر مسلمان اِس سے پہلے قبضہ کر چکے تھے اور فی الحال وہ اُنھین کی قلمرو مین شامل تھا۔ اگر اُن کے قبضے مین نہ ہوتا تو رومیون کو اُس کا محاصرہ کرنے کی کیا وجہ ہو سکتی ہے خلاصہ یہ کہ اِس زمانے مین مالٹا پر مسلمانون کا قبضہ ہو چکا تھا۔ رومیون نے اُسے

پھر اپنے قبضے مین کرنا چاہا لیکن جیسے ہی صقلیہ کے بیڑے کے آنے کا حال معلوم ہوا فتح سے مایوس ہو کے واپس چلے گئے۔

اسی اثنا مین محمد نے اپنے چچا عبداللہ بن سفیان کو سرقوسہ پر روانہ کیا۔ جہان جا کے اُس نے گرد و نواح کو لوٹا مارا اور مال غنیمت لے کے بلرم مین واپس آیا۔

محمد بن خفاجہ کی شہادت

دوسرے برس ۲۵۷ھ مین امیر محمد کو اُس کے خادم خواجہ سراؤن نے کسی سازش مین پڑ کے یا کسی ذاتی عداوت کی بنیاد پر دن دہاڑے قتل کر ڈالا۔ اور لاش کو اس طرح چھپا کے کہ دوسرے دن تک کسی کو خبر نہ ہو سکی بھاگ کھڑے ہوئے۔ مگر امیر مرحوم کے وفادار خدام کو دوسرے دن جیسے ہی حال معلوم ہوا فوراً اُن خواجہ سراؤن کی جستجو شروع کی۔ اور اُن مین سے کئی ایک کو گرفتار کر کے کورنمکی کے جرم مین قتل کر ڈالا۔

احمد بن یعقوب امیر صقلیہ

محمد بن خفاجہ کے مارے جانے کی خبر افریقیہ مین پہونچی تو وہان کے فرمان روا محمد بن اغلب نے اُس کی جگہ احمد بن یعقوب مضار بن سلمہ کو امیر صقلیہ کی خدمت پر مامور کیا۔ مگر اُسے زیادہ حکومت کرنا نہ نصیب ہوا۔ ۲۵۷ھ مین مقرر ہوا تھا اور ۲۵۸ھ مین مر گیا۔

جعفر بن محمد امیر صقلیہ

احمد بن یعقوب کے بعد پانچ چھ سال تک صراحۃً نہین بتایا گیا ہے کہ صقلیہ کا والی و حکمران کون تھا۔ مگر ۲۶۴ھ مین یقینی طور پر معلوم ہے کہ جعفر بن محمد اُن

والی تھا۔ اور قیاس سے خیال کیا جا سکتا ہے کہ اس گزشتہ مدت مین بھی وہی والی صقلیہ ہو گا۔ اس لیے کہ اس زمانے مین اگرچہ کسی والی کا نام مورخین نے نہین بتایا مگر یہ صاف ظاہر ہوتا ہے کہ مسلمان حسب معمول حملے کر رہے تھے۔ جو بغیر کسی امیر کے ممکن نہ تھا۔

چنانچہ ۲۵۸ھ مین آخر سال تک برابر مسلمانون کے لشکر صقلیہ کے مختلف شہرون پر تاختین کرتے رہے اور اُن کے مقابل مین کسی رومی لشکر کو آنے کی جرأت نہ ہوئی۔

۲۵۹ھ مین عربون کا ایک زبردست لشکر سرقوسہ پر گیا لیکن اس شرط پر شہر والون سے صلح کر لی کہ ۳۶۰ مسلمان جو اُن کے ہاتھ مین گرفتار تھے اُن کو چھوڑ دین۔ چنانچہ عیسائیون نے ان اسیر مسلمانون کو چھوڑ دیا۔ اور عربی لشکر اُن کو اپنے ساتھ لے کے بلرم مین واپس چلا آیا۔

افریقیہ کے فرمان روا محمد بن احمد بن اغلب کی وفات

۲۶۱ھ مین فرمان روائے افریقیہ محمد بن احمد نے دس سال پانچ مہینے اور سولہ دن حکومت کر کے ۶ جمادی الاول کو سفر آخرت کیا۔ مرتے وقت اُس نے اپنا ولی عہد تو اپنے بیٹے ابو عقال کو قرار دیا مگر اس کی نابالغی کی وجہ سے اپنے بھائی ابراہیم کو اُس کا ولی اور نگران کار مقرر کیا۔ اور اس کا تمام ارکان خاندان اغلب اور معززین شہر کو شاہد بنایا۔ ابراہیم ایسا نیک نفس متقی و پرہیزگار اور عادل و مہرطینت شخص تھا کہ محمد بن اغلب کے مرتے ہی وہ تمام لوگ جو ابو عقال کی ولی عہدی کے شاہد مقرر کیے گئے تھے سب نے آ کے اُس سے اصرار کرنا شروع کیا کہ اب آپ ہی تخت نشین اور بالذات فرمان روائے افریقیہ ہو جائین۔ ابتداءً تو اُس نے قطعاً انکار کیا۔ مگر آخر مین سب کے کہنے سننے سے حکومت افریقیہ قبول کر لی۔

ابراہیم بن احمد بن اغلب کی حکومت افریقیہ

رعایا کی درخواست قبول کرتے ہی ابراہیم قصرِ حکومت مین آکے اورنگ نشین ہوا - اور تھوڑے ہی روز مین اپنی نیک نفسی و عدالت گستری کی وجہ سے لوگون مین اِس قدر ہر دلعزیز ہو گیا کہ ملک کا ہر فرد بشر اُس کا دم بھرنے لگا - کہتے ہین کہ اُس کے عہد مین لوٹ مار بالکل موقوف ہو گئی - سارے ملک کا انتظام درست ہو گیا - ڈاکو اور لٹیرے پکڑ پکڑ کے قتل کر ڈالے گئے - اور سیاحون اور تاجرون کے قافلے امن و امان سے گزرنے لگے - شمالی ساحل افریقیہ پر اُس نے قلعون اور فوجی گڑہیون کا ایک زنجیرہ قائم کر دیا - اور خبر رسانی کا ایسا اچھا سلسلہ قائم کیا کہ مراکش کے ساحلی شہر سبطہ مین آگ روشن کیجاتی تو ایک ہی شب مین اُس کی خبر اسکندریہ مین پہونچ جاتی -

---

سرقوسہ پر عربون کا قبضہ

ابراہیم کے عہد مین امیر صقلیہ جعفر بن محمد نے بڑے زبردست لشکر اور پورے سامان سے شہر سرقوسہ پر حملہ کیا - پہلے جاتے ہی اُس کے اور بلاد قطانیہ قطانیہ مین اور رمطہ کے گرد و نواح کی زراعت غارت کر ڈالی - اس لیے کہ ان سب شہرون پر اگرچہ عربون نے متعدد حملے کیے تھے مگر اس وقت تک یہ سب قسطنطنیہ کے رومی شہنشاہ کی قلمرو مین شامل تھے - جعفر بن محمد جب آس پاس کے تمام کھیتون کو غارت و پامال کر چکا تو شہر سرقوسہ پر جا کے اترا - اور خشکی کی طرف سے بھی اور سمندر کی جانب سے بھی ہر طرف سے بڑی سختی سے محاصرہ کر لیا - اور اپنے قلعہ شکن حملون سے شہر کے بعض محلون مین بھی داخل ہو گیا - مگر شہر والون کو چونکہ قسطنطنیہ سے کمک آنے کی امید تھی اس لیے اُنھون نے جان پر کھیل کے مسلمانون کو آگے بڑھنے سے روک دیا - اس اثنا مین رومی بیڑا آ پہونچا - جس پر ایک زبردست لشکر صقلیہ کی

حمایت کے لیے آیا تھا۔ لیکن وہ بیڑا قبل اس کے کہ ساحل تک پہونچے عربی بیڑے نے بڑھ کے اُسے روکا۔ اور ایک سخت بحری لڑائی ہوئی۔ جس مین رومی فوج قتل ہوئی۔ اور اُن کے سب جہاز مسلمانون کے قبضے مین آ گئے۔ اب اِس کے بعد سے سمندر کی جانب سے سرقوسہ کا ایسا شدید محاصرہ ہو گیا کہ پرندہ تک اندر پر نہ مار سکتا۔ چند ہی روز مین شہر والون کا حوصلہ پست ہو گیا۔ اور ۹ مہینے کے محاصرے کے بعد سرقوسہ بغیر کسی شرط کے مفتوح ہو گیا۔ شہر کے کئی ہزار مسلح آدمی قتل ہوئے۔ اور تاخت و تاراج مین اتنی دولت عربون کے ہاتھ آئی کہ اس جزیرے مین اس سے پہلے کبھی ہاتھ نہین آئی تھی۔

فتح کرنے کے بعد مسلمان دو مہینے تک یہین ٹھہرے رہے۔ اور اِس مدت مین اُس کی فصیل اور قلعہ بندیون کو بالکل منہدم کر ڈالا۔ سرقوسہ منہدم ہو چکا تھا کہ اُس کے بچانے کے لیے ایک اور رومی بیڑا قسطنطنیہ سے آیا۔ مسلمان بیڑے نے اِن جہازون پر بھی حملہ کیا۔ اور فتحیاب ہو کے چار رومی جہاز مسلمانون نے اسیر کر کے اپنے قبضے مین کیے۔ باقی بھاگ گئے۔ اور ان تمام کامون سے فارغ ہو کے عساکر عرب آخر ذی قعدہ مین اپنے شہر بلرم کو واپس گئے۔

مسلمانون کی ایک سخت بحری شکست

لیکن شہنشاہ قسطنطنیہ کے دل مین یہ شکستین کانٹے کی طرح کھٹک رہی تھین چنانچہ اُس نے ایک بہت بڑا بیڑا تیار کر کے روانہ کیا کہ صقلیہ کو مسلمانون کے ہاتھ سے بچائے۔ اس بیڑے پر بڑے بڑے نامی افسر اور منتخب سپاہی بہت بڑی کثیر تعداد مین آئے۔ اور صقلیہ کے اُن شہرون پر جو عربون کے زیر حکومت تھے تاختین کرنے لگے۔ اسلامی بیڑے نے بڑھ کے اُن سے مقابلہ کیا۔ اور سخت لڑائی ہوئی۔ جن مین مسلمانون کو فاش شکست ہوئی۔ اور رومی بیڑے نے اُن کے بہت سے جہاز پکڑ لیے۔ بقیۃ السیف شکست نصیب مسلمانون نے بھاگ کے شہر بلرم مین پناہ لی۔ اور اکثر ساحلی شہر اُن کے قبضے سے نکل گئے۔

ہندوستان مین مشرقی تمدن کا آخری نمونہ

لباس کے متعلق لکھنؤ مین تراش و خراش اور کپڑون کی نوعیت مین روز بروز ترقی ہی ہوتی رہی۔ گرم ملک ہونے کی وجہ سے ہندوستان کے ادنیٰ طبقے والے سوا ستر پوشی کے اپنا سارا بنڈا برہنہ رکھتے ہین جو اُن کے افلاس اور اہل ملک کی کم مایگی کے باعث نہین بلکہ موسم اور آب و ہوا کے تقاضے سے ہے اس کا اثر دہلی مین بھی یہ تھا کہ بجاے گندہ اور گران کپڑون کے سبک اور نازک کپڑے اختیار کیے گئے۔ یہان اُس سے بھی زیادہ ترقی ہوئی۔ اور چونکہ اب سپہگری و جنگجوئی کی بہت ہی کم ضرورت باقی تھی عیش پرستی اور عورتون کی صحبت بہت بڑھتی جاتی تھی اس لیے مردون پر عورتون کی وضع کا اثر پڑنے لگا۔ جو اعتدال سے باہر ہو گیا۔ اور جس قسم کی زینت و آرائش عورتون کے لیے موزون ہے مردون نے اپنی وضع اور اپنے لباس مین اختیار کرنا شروع کر دی۔

خصوصاً اُس زمانے سے جبکہ یہان کے حکمرانون نے اپنے لیے نواب کا لفظ چھوڑ کے بادشاہ کا لفظ اختیار کیا نیشا پوری اور نسالار جنگی خاندان کے لوگ جو معتدبہ وثیقے اور پنشنین پاتے تھے بالکل خانہ نشین کر دیے گئے تو اُن کو سوا عورتون کے کسی کی صحبت ہی نہ نصیب ہوتی تھی۔ اس کا لازمی نتیجہ تھا کہ اُن کے وضع و لباس ہی مین زنانہ پن نہین پیدا ہوا۔ بلکہ اُن کی زبان بھی عورتون کی سی ہو گئی۔ اور چونکہ وہی شہر کے رئیس اور اور وضعدار تصور کیے جاتے۔ لہذا اکثر عوام نے بھی اُنھین کی پیروی شروع کر دی۔ اور بخلاف دیگر مقامات کے رئیسون کے یہان لکھنؤ مین یہ عام وضع ہو گئی کہ سر پر مانگ۔ اُس پر مسالے کی کامدار ٹوپی۔ کانون تک بال جن کی کنگھی کرنے مین ماتھے پر دونون جانب پٹیان جمائی جاتین۔ مُنہ مین پان۔ ہونٹون پر لاکھا۔ بدن پر نین تین کرتو یون کا چست انگرکھا۔ اُس کے نیچے گلبدن کا ریشمی کھنچا ہوا گھٹنا۔ ہاتھون مین مہندی۔ پاؤن مین ٹاٹ بافی یعنی

کامدار بوٹے۔ جاڑون مین انگرکھے کی جگہ نیلے زرد یا سبز و سرخ اطلس یا گرنٹ کا روئی دار دگلا۔

جاڑون مین یہان کے بعض معزز لوگ عموماً شال کی چہ مین پہنتے مگر دوشالے اور شالی رومال کو سب پسند کرتے۔ اُسی کا نتیجہ تھا کہ جیسا شال لکھنؤ والون مین اب بھی کہین کہین نکل آتا ہے ویسا شال ہندوستان کیا معنی شاید خود کشمیر مین بھی اب نصیب نہ ہوسکے گا۔

شال کا شوق یہان تک بڑھا کہ بہت سے شال بننے والے اور ہزارون رفوگر اور شال کے دھونے والے کشمیری اپنا وطن چھوڑ چھوڑ کے لکھنؤ مین آ بسے جن کا گزشتہ پچاس سال مین اب نام و نشان بھی نہ باقی رہا۔ اُن مین سے کوئی بچا بھی تو اُس نے کوئی اور پیشہ اختیار کر لیا۔

محرم چونکہ لکھنؤ مین ایک بڑی اہم چیز اور عزاداری کا زمانہ تھا اس لیے سوگواری اور نفاست و نزاکت کا لحاظ رکھ کے یہان محرم کے لیے خاص لباس اور خاص زیور ایجاد ہو گیا سیاہ اور نیلے رنگ غم و سوگواری کے رنگ سمجھے گئے اور سبز رنگ اسلیے کہ بنی عباس کے عہد مین اُن کے سیاہ رنگ کے مقابل بنی فاطمہ کا رنگ سبز تھا چنانچہ آج بھی ایران و ہند کے بعض فاطمی اپنے سبز عمامون سے سیدون کی اس قدیم وضع کا ثبوت دیدیا کرتے ہین۔ بہر تقدیر محرم مین سرخ رنگ ممنوع قرار پایا۔ سبز نیلا اور سیاہ رنگ اور اُن کے ساتھ زرد رنگ بھی اُس موسم کے لیے مناسب سمجھے گئے۔ چنانچہ یہان محرم مین تمام عورتون کا لباس انھین مذکورہ رنگون سے مناسب جوڑ لگا کے منتخب کیا جاتا۔ سارا زیور بڑھا دیا جاتا۔ حتی کہ چوڑیان تک اُتار ڈالی جاتین۔ جن کے عوض کلائیون کے لیے ریشم کی سیاہ و سبز پہونچیان اور کانون کے لیے سیاہ و زرد ریشم کے کرن پھول ایجاد ہوئے۔ جو سونے چاندی کے زیور سے بھی زیادہ نفاست کے ساتھ اُن کی زیبائی و رعنائی بڑھا دیا کرتے ہین۔

محرم تو نہایت ہی اہم مہینہ تھا۔ یہان ہر موسم اور ہر زمانے کے مناسب ایسی ایسی ایجادین عورتون کے لباس مین روز ہوتی رہتی تھین جن کو سارا ہندوستان حیرت کی نگاہون سے دیکھتا تھا۔ اور سچ یہ ہے کہ آج سے

پچاس سال پیشتر لکھنؤ مین عورتون کے لباس کی تراش خراش اور روز بروز
کی تازہ جدتون کو دیکھتا وہ فرانس اور لندن کے فیشن بدلنے کو بھول جاتا
اور اسی بنا پر اکثر زبانون پر جاری ہو گیا کہ لکھنؤ مشرق کا پیرس ہے آج بہت
سے سادگی پسند اور ترقی یافتہ معاشرت سے محروم رہنے والے اِن تکلفات پر اعتراض
کرتے ہین - اور یہ نہین دیکھتے کہ جن دربارون اور شہرون مین تمدن ترقی کرتا ہے
وہان معاشرت وصحبت کے ہر شعبے مین ایسی ہی باتین پیدا ہو جایا کرتی ہین - جو ایک
فلسفی کی نظر مین چاہے لغو وفضول ہون مگر وضعدارون کی صحبتین اور شائستہ
لوگون کی محفلین اُن کو نہایت ہی اہم اور ضروری تصور کرتی ہین -

مردون پر عورتون کی وضع کے غالب آنے کا اثر اگر کپڑون کی نزاکت
اور تیز اور بھڑکیلے رنگون تک محدود رہتا تو بہت غنیمت ہوتا یہان تو بہت سے
لوگون کی یہ حالت ہو گئی کہ میان بیوی کے دگلون دوپٹون دولائیون
رضائیون اور پائجامون مین کسی قسم کا فرق ہی نہین باقی رہا - بجز اس کے کہ گوٹا
پٹھا اور زیور عورتون کے ساتھ مخصوص تھا - مرد شوخ رنگون کے نازک ریشمی کپڑے
بغیر گوٹے پٹھے کے پہنتے - مگر یہ مذاق غدر کے بعد انگریزی اثر سے گھٹنے لگا - اور اب
صرف چند گنتی کے لوگون کے سوا کسی مین نہین باقی رہا -

مرد خدمتگارون اور اُن کے مختلف طبقات کی طرح یہان عورتون
کے مختلف طبقون کی بھی خاص خاص وضعین قرار پا گئین - انگریزون کے خانسامان
کوچ مین اور سائیس مختلف وردیون مین رہتے ہین - مگر وہ وردیان اُن کا
اصلی لباس نہین قرار پا سکین کہ اپنے گھرون مین بھی وہ ان کو پہنا کرتے ہون -
برخلاف اس کے لکھنؤ مین زنانے اور مردانے نوکرون اور اندر باہر کے
تمام ملازمون کے لیے جو خاص خاص لباس مقرر ہو گئے تھے وہی اُن کی اصلی
وضع قرار پا گئے - مثلاً جیسے ڈیوڑھیون کے پہرے والے سپاہیون - اور
چوبدارون ہرکارون وغیرہ کی خاص اور جدا جدا وضعین تھین - ویسے ہی
زنانی محلسراؤن مین محلدارون مغلانیون اور کہاریون کی وضعین اس قدر ممتاز
تھین کہ دور سے دیکھتے ہی انسان سمجھ جائے گا کہ یہ عورت محلدار ہے - یہ خواص ہے

یہ غلائی ہی۔ اور یہ کہاری ہی اور پھر لطف یہ کہ اُن کے لباس مین وردی کی شان نہین پیدا ہونے پائی۔

خدمتگارون اور اُنھین کی طرح پیش خدمتون کا البتہ وہی لباس تھا جو خود میان بیویون کا لباس تھا۔ جس کی وجہ یہ تھی کہ یہ دونون گروہ اپنے مالک یا مالکہ کا اُترن یعنی اُن کے اُتارے ہوے کپڑے پہنا کرتے ہین۔

لباس کے بعد عورتون کے لیے سب سے اہم چیز زیور ہے۔ اور عورتین اکثر اپنی مخصوص دولت وجائداد اپنے زیور کو سمجھتی ہین۔ جس کا یہ لازمی نتیجہ ہے کہ اکثر صوبجات ہند مین بھدے اور بھاری زیور کا زیادہ رواج ہے تاکہ وہ قیمت مین زیادہ ہون۔ زیور کے بھاری ہونے کا شوق اودھ کے دیہات مین اور عموماً ہندوستان کے تمام شہرون مین روز بروز بڑھتا جاتا ہے۔ مگر لکھنؤ مین دہلی کے شریف خاندانون کی معزز خاتونین آئین تو ابتداءً وہی زیور جس کا سارے ہندوستان اور خود دہلی مین رواج تھا پہنے ہوئے تھین۔ مگر یہان آنے کے چندروز بعد جب یہان کی ترمیم شدہ مخصوص معاشرت قائم ہوئی تو زیور مین فقط زینت وآرائش کا خیال باقی رہ گیا۔ اور ہر قسم کا زیور روز بروز سُبک ہلکا نازک اور خوشنما ہوتا گیا۔ یہان تک کہ آخر عہد مین اُمرا اور دولتمند گھرانون کی بیولون کی یہ وضع ہوگئی کہ سادے بغیر مسالے اور گوٹے پٹھے کے کپڑے پہنتین اور زیور کی قسم کی دوہی ایک چیزون پر جو بہت ہی نازک سبک اور قیمتی ہوتین کفایت کرتین۔ اور اگر گلے اور ناک کان مین متعدد چیزین پہنتین بھی تو وہ بہت ہی ہلکی ہوتین۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ جیسا سبک اور ہلکا زیور لکھنؤ مین بننے لگا کہین نہ بن سکتا تھا۔

(۱) ناک مین نتھ ہندؤن کے عہد سے نہایت ہی ضروری زیور اور سہاگ کی نشانی سمجھی جاتی تھی جو خیال باہمی میل جول سے مسلمانون مین بھی پیدا ہوگیا۔ چنانچہ دیہات والیان آج بھی اُس کے بھاری کرنے مین یہانتک مبالغہ کرتی ہین کہ چار چار پانچ پانچ تولے کی نتھین پہن لیتی ہین جن سے اکثر نتھنے پھٹ جاتے ہین مگر دوبارہ ناک چھدوائی جاتی ہے تاکہ ناک نتھ سے خالی نہ رہے۔

بلکھنؤ کی بیویون نے نتھ کو اُڑا ہی دیا - اور اُس کی جگہ سونے کی مرصع کیل پہننے لگین جو بہت ہی نفیس اور خوبصورت زیور ثابت ہوئی - اور نزاکت پسندی نے اِن کیلون کو بھی اتنا مختصر اور سبک کر دیا کہ سبک ناک کی کیلین لکھنؤ کے سونارون اور سادہ کارون کے سوا اور کہین کے کاریگر نہین بنا سکتے -)

اب ادھر پچیس تیس سال سے بُلاق کا رواج بہت زیادہ بڑھ گیا ہے - اگرچہ یہ کوئی پسندیدہ مذاق نہین مگر زیور کے اختصار اور عام پسندی نے اسے اِس قدر ترقی دی ہے کہ اب بہت کم عورتین ہین جو بُلاق نہ پہنتی ہون -

فی الحال مختلف شہرون کے باہمی میل جول سے زیور بنانے کے فن مین ہر جگہ ترقی ہو رہی ہے - اور خاص خاص زیورون کے لیے خاص خاص شہر مشہور ہو گئے ہین مگر غدر سے پیشتر جب ریلوے نے بلاد ہند مین یہ باہمی موانست و یکرنگی نہین پیدا کی تھی لکھنؤ سے اچھے سُنار اور کاریگر کہین نہ مل سکتے تھے - لیکن اب بہت سے شہر اِس فن مین لکھنؤ سے بڑھتے جاتے ہین - خصوصاً شہر دہلی منقوش چاندی کے سبک زیور بنانے مین ہندوستان کے تمام شہرون سے سبقت لے گیا ہے - مگر پھر بھی اکثر مقامات کے نفیس مزاج گھرانے لکھنؤ ہی کے بنے ہوئے زیور اور یہان کے چاندی کے ظروف کو زیادہ پسند کرتے ہین یہ بحث لکھنؤ کے صنعتون مین ہمین پھر چھیڑنا پڑے گی اِس لیے یہان اتنے ہی پر قناعت کرتے ہین -

---

مشتری

فرض کرو کہ مشتری کے تیرہ سو ٹکڑے کیے جائین تب بھی اُس کا ہر ایک ٹکڑا ہماری پوری دنیا سے بڑا ہو گا - نظام شمس کے کل سیّارون کا مجموعی وزن مشتری سے آدھا ہے ہان آفتاب البتہ اُس سے جسامت مین بڑا ہے - اُس کا

سال ہمارے سال سے بارہ گونہ بڑا ہے مگر اُس کی حرکت محوری زمین کے مقابلے
مین نصف وقت سے بھی کم مین پوری ہو جاتی ہے اور اِس سرعت رفتار کی وجہ
اُس کی عظیم الشان جسامت ہے۔ دنیا اگر ایک منٹ مین ۱۷ میل گھومتی ہے تو مشتری
اُتنے ہی زمانے مین ۴۶۷ میل گھومجاتا ہے۔ اُس کی محوری رفتار اتنی تیز ہے
کہ اگر ذرا بھی بڑھ جائے تو پھٹ کے اُس کے ٹکڑے اُڑ جائین جسطرح ایک پہیہ
ایک مناسب اور معتدل رفتار تک تو ٹھیک چلتا ہے مگر اُس سے زیادہ حرکت
کرے تو پرزے پرزے اُڑ جائین۔ اس سیارے کو تم یون سمجھو کہ یا تو ایک
زوال پذیر آفتاب ہے یا ایک ترقی پذیر کرۂ ارض جس کی اندرونی حرارت
گو روز بروز کم ہوتی جاتی ہے مگر ابتک وہ پوری طرح ٹھنڈا اور قابل سکونت
نہین ہوا۔ اب بھی وہ ایک عظیم الشان کرۂ نار مختلف گیسون کا مجموعہ اور سارے
نظام شمسی کا سب سے زیادہ عجیب اور پُرعظمت وہیبت رکن ہے۔ چونکہ وہ
بذات خود ایک چھوٹا سا آفتاب ہے اِس لیے ظن غالب ہے کہ اُس کے چہرے
پر جو ابر نظر آتا ہے وہ اُس کی طبعی اور اندرونی حرارت کا نتیجہ ہے۔

یہ خوبصورت اور شاندار سیارہ اگر ایک تیز دوربین سے دیکھا جائے
تو اُس کی سطح پر دو چوڑی پٹیان اور دو تین باریک خط نظر آئین گے جو
اُس کے خط استوا کے دونون جانب متوازی طور پر واقع ہین۔ یہ خطوط
اکثر باریک ہی نظر آتے ہین مگر جب بہت زیادہ نہین نظر آتے ہین تو کثرت سے
معلوم ہونے لگتے ہین۔ چونکہ یہ سیارہ ایک غیر منجمد حالت مین ہے اس لیے
اُس کی چارون طرف ہر وقت ایک غلیظ ابر سا چھایا رہتا ہے اور کیا عجب
کہ یہ پٹیان جو اُس کی سطح پر نظر آتی ہین محض شگاف ہون جن کے اندر سے اُسکا
نورانی پیکر جھلکتا ہو اِن خطوط اور پٹیون کی نسبت ابتک تحقیق اور وثوق
کے ساتھ نہین کہا جا سکتا کہ اُن کی اصلیت کیا ہے۔ مگر اس مین بھی شک نہین
کہ اُن کی شکل جو باوجود مہینون تک ایک ہی حالت پر قائم رہنے کی کبھی کبھی
بدلی ہوئی نظر آنے لگتی۔ یہ اِس بات کا ثبوت ہے کہ اُس کی بیرونی ہوائے غلاف
مین ایک تموج واقع ہوتا ہے جس کا اثر اِن خطوط پر پڑتا ہے۔ بعض وقت

یہ خطوط داغ دار نظر آتے ہین مگر ان داغون کی حقیقت اب تک صاف طور پر نہین سمجھی جا سکی۔

۱۸۷۸ء مین وہ بڑا اور پُر اسرار سرخ داغ جس کی حقیقت کے انکشاف مین اہل سائنس آج تک سرگردان ہین سب سے پہلے مسٹر نیسٹن نے مشتری کی سطح پر شہر برسییس کی رصدگاہ مین دیکھا تھا۔ اُس کا طول ایک سمت سے ۳۰۰۰۰ میل اور دوسری جانب سے ۸۰۰۰ میل سے کچھ زیادہ اندازہ کیا گیا تھا۔ یعنی ہماری پوری دنیا بغیر اس کے کہ کنارے چھوئین اُس مین آسانی کے ساتھ سما سکتی۔ وہ داغ ایک جگہ پر قائم نہ تھا بلکہ برابر حرکت مین رہتا۔ اور ۹ گھنٹے ۵۵ منٹ ۲۶ سکنڈ مین مشتری کے چارون طرف گردش کرتا تھا۔ تیس سال تک اہل سائنس اُس کو برابر غور سے دیکھتے رہے۔ بعض کی یہ راے ہوئی کہ یہ ایک آتش فشان پہاڑ ہے مگر یہ قیاس صحیح نہین ہوتا کیونکہ یہ ایک جگہ پر قائم نہ تھا۔ اُس کا اثر اُس کے حوالی پر عجیب طرح سے پڑتا تھا یعنی یہ معلوم ہوتا کہ وہ ان کو دباتا اور کھودتا اور اُن کی سطح سے اُبھرا چلا جاتا تھا۔ فی الحال یہ داغ اُسی حالت مین کسی قدر تاریکی مین واقع ہے۔

(مسٹر جولین کہتے ہین کہ ہماری دنیا جب ایک کرۂ نار اور مادۂ رقیق تھی تو اُس کی حرکت محوری بھی اس قدر تیز تھی کہ اُس کا قوام ایک جگہ جمنے نہین پاتا تھا۔ اِسی غیر منجمد حالت مین اِس مین ایک شگاف پڑا اور ایک بڑا قطعہ اُس سے جدا ہو کر اسی مشتری کے سرخ دھبہ کی طرح پہلے تیرنے لگا۔ اور تھوڑے دنون کے بعد اُس سے چھوٹ کر ایک جداگانہ سیارہ بن گیا۔ اسی بنا پر اب یہ خیال کیا جاتا ہے کہ مشتری کا وہ عظیم الشان ٹکڑا جو یہان سے ہمین ایک داغ سا نظر آتا ہے ایک مدت دراز کے بعد اُس سے چھوٹ کر ایک مختلف سیارہ بن جائے گا۔)

مشتری کے اِس داغ کے عنقریب چاند ہو جانے کا احتمال اس بات سے اور زیادہ ہوتا ہے کہ جس طرح ہمارا چاند دنیا سے الگ ہونے کے پیشتر زمین کے گرد محوری گردش کیا کرتا تھا اسیطرح یہ داغ مشتری کے گردش کر رہا ہے۔

(محمد وصی عفی عنہ)

ریویو

بزم انجم - علم ہیأت کا ایک مفید و مختصر رسالہ مصنفہ مولوی محمد عبدالرب صاحب کوکب حیدر آبادی - اس مین نہایت وضاحت کے ساتھ سیارون - قائم ستارون - دُم دار تارون - شہاب ثاقب کسوف و خسوف - اور سمندرون کے مدّ و جزر کے حالات حسب تحقیق جدید بڑی خوبی و خوش اسلوبی سے ذہن نشین کیے گئے ہین - ۲۰+۲۶ سائز کے صفحون کا قابل قدر درس رسالہ ہے - قیمت ۴ر - سکریٹری صاحب انجمن طلبۂ قدیم دارالعلوم حیدر آباد دکن سے منگوایا جائے -

---

گلچین حضرت ریاض و وسیم کی سخندانی و طباعی نے پھر اس رسالے کو زندہ کر دیا - اب کی یہ نہایت ہی خوبی و قابلیت اور معمولی ترقی و خوش اسلوبی سے نکالا گیا ہے - ملک مین کسی اچھے گلدستے کے نہ ہونے کا عام افسوس اور بازار شعر و سخن کے سرد پڑ جانے کا سب کو صدمہ تھا - ہمارے دونون دوستون کی حوصلہ مندی و توجہ نے اِس سلسلہ کو جاری کیا ہے تو امید ہے کہ یہ برابر قائم رہے گا - اس مین اولاً قابل و مشہور احباب کے قلم کے چند عالمانہ مضامین ہین اور اُن کے بعد طرح مین مقبول زمانہ شعرا کی غزلین ہین ۲۰×۲۶ تقطیع کے دو جزکا ماہوار رسالہ ہے - چھپائی اور کاغذ بلحاظ حالت موجودہ بہت اچھے ہین - اور تین روپیہ سالانہ قیمت - نمونہ کی قیمت ۴ر منشی سید محمد عسکری صاحب وسیم ایڈیٹر گلچین سے دسیتاپور - اودھ کے پتے پر خط و کتابت کر کے جاری کرایا جائے -

---

سخن سنج - لکھنؤ کا ایک ادبی سہ ماہی رسالہ جس مین نثر و نظم مضامین ہوا کرتے ہین - چندہ سالانہ معہ محصولڈاک ۹ر سب سے نیا رسالہ جو اکتوبر ۱۹۱۶ء مین شائع ہوا ہے اُس کے حصۂ نثر مین مولنا شرر مدظلہ کی لکھی ہوئی شیرین نہ جبین ملکہ عجم کی بقیہ سوانح عمری ہے - اور حصۂ نظم مین قریب ایکسو مشاہیر زمانہ اور منتخب شعرا کی غزلین ہین - اِن مضامین کے لحاظ سے اگر غور کیا جائے تو فقط اس ایک پرچے کے لیے ۸ر قیمت موزون ہو سکتی ہے - حالانکہ نمونے کے طور پر دو ۲۵ کے ٹکٹ وصول ہونے پر روانہ ہوتا ہے

منیجر سخن سنج کٹرہ بزن بیگ خان لکھنؤ -

ہمارے شاعروں نے بلبل اور پپیہے وغیرہ کی نغمہ سنجی و شوریدہ بیانی سے تو اپنے مجموعۂ کلام میں جابجا فائدہ اُٹھایا۔ مگر سرخ رو و زمردین پیرہن توتے کی طرف کبھی توجہ نہ کی جو پری جمال مہ جبینوں کا پرانا ہمصحبت اور سچا ہمدم و ہمراز ہے جو لوگ سگ لیلی کے دلدادہ ہوں اُن سے اتنی بڑی اہم فرو گذاشت قابل معافی نہیں ہو سکتی۔

توتا اور مینا دونوں حسینوں کے پیارے مصاحب اور محفل جاناں کے زبان آور و بذلہ سنج ندیم ہیں۔ مگر بہشتی خلعت پہننے والے توتے کو دلدار ناز آفرین کی ہمصحبتی کا جس قدر موقع ملا ہے بھولی بھالی سیہ پوش مینا کو نہیں نصیب ہوا۔ ہندوستان کی مشہور و معروف ہندو شہزادیوں کا سب سے بڑا ہمدم و ہمراز اور دلداری کرنے والا مصاحب وہ عجیب و غریب توتا تھا جس کے لیے پہلے پہل "ہیرامن" (جواہر طبع) کا خطاب تجویز کیا گیا۔ اور جس کی برکت سے اُس کی ساری نوع یعنی ہر توتے کا نام "ہیرامن" قرار پا گیا۔

اور توتے تو فقط سنے سُنائے فقرے زبان سے ادا کر دیا کرتے ہیں۔ مگر ہیرامن کو خدا نے زیور عقل سے اس قدر آراستہ کیا تھا کہ شہزادیوں سے بے تکلف باتیں کرتا۔ اُن کی سنتا۔ اپنی کہتا۔ اور مشکل معاملوں میں مشورہ دیتا۔ اسی قدر نہیں اسی توتے نے چتوڑ کے راجہ رتن سین

کے ساتھ اُس کی نسبت ٹھہرائی۔ عالم حسن و عشق کا نامہ بر بنا۔ محبوب کا سفیر بن کے گیا۔ اور جواب لایا۔ جن واقعات کو ہندی کا کے جادو بیان شاعر ملک محمد جائسی نے اپنی منظوم کتاب پدماوت مین تفصیل و تشریح سے بیان کیا ہے۔

اِس توتے کے حالات کو اکثر لوگ ایک بے بنیاد کہانی خیال کرتے ہین ممکن ہو کہ ایسا ہی ہو۔ مگر توتے کی گفتگو مین اکثر سمجھ اور ارادہ پایا گیا ہے اور بعض اوقات اُس نے ایسی ہوش و حواس کی باتین کین کہ سننے والے دنگ رہ گئے۔ چنانچہ تاریخ گجرات "مرآۃ سکندری" مین مذکور ہے کہ دولت مغلیہ کے نامور شہنشاہ ہمایون نے گجرات کے فرمان روا بہادر شاہ پر فوج کشی کی تو قلعۂ چانپانیر کا محاصرہ کیا جو بہادر شاہ کا مستقر اور اُس کی قلمرو کا سب سے زبردست قلعہ تھا۔ اور سلطان بہادر کا خزانہ سلح خانہ اور مال دولت سب اسی قلعہ مین تھا۔ دوران جنگ مین سلطان بہادر کا معتمد علیہ سپہ سالار اور میر آتش یعنی ناظم توپ خانہ رومی خان ہمایون سے مل گیا۔ اور اپنی سازش سے قلعہ پر مغلون کا قبضہ کرا دیا۔ فتح کے بعد جب وہان کا مال غنیمت ہمایون کے دربار مین پیش کیا گیا تو اُس مین ایک زبان دان توتا بھی تھا جو آدمی کی طرح باتین کرتا۔ اور سمجھکر بات کا جواب دیتا۔ سلطان بہادر اُسے ایسا چاہتا تھا کہ سونے کے پنجرے مین رکھا تھا۔ نہایت اہتمام سے اُس کی داشت کیجاتی۔ اور جلوت و خلوت مین ہر گھڑی فرمان روائے گجرات کا مونس و ہمدم رہتا۔ جب وہ ہمایون کے سامنے پیش ہوا اور اُس کی صفت بیان ہو رہی تھی کہ چوبدارون نے عرض کیا "رومی خان حاضر ہے۔ اُسے باریابی کی اجازت دی گئی۔ اور جیسے ہی وہ تخت شاہی کے سامنے آکے آداب بجا لایا۔ توتے نے اُس کی صورت دیکھتے ہی کہا "پھٹ پاپی رومی خان نمک حرام" توتے کے اِن کلمے کے ساتھ ہی رومی خان کی آنکھین ندامت سے جھک گئین۔ سارا دربار متحیر ہو گیا۔ اور ہمایون نے کہا۔ "رومی خان چکنم کہ جانور است ورنہ زبانش ہمی بریدم"۔

یعنی رومی خان کیا کرون مجبور ہون کہ یہ جانور ہے ورنہ اس کی زبان کاٹ لیتا۔
توتے کی زبان آوری وزبان دانی کے صدہا قصے ہماری صحبتون مین مشہور ہین۔ جن مین چاہے کسی قدر مبالغہ ہو مگر اصلیت سے خالی نہین ہین۔ خود ہمارے گھر مین ایک توتا تھا جس کا پنجرا دروازے کے قریب ٹنگا رہتا۔ جہان دروازے پر کسی فقیر نے صدا لگائی وہ بے تکلف کہہ دیا کرتا "شاہ جی لیتے جاؤ"۔ فقیر کسی چھوٹے بچے کی آواز خیال کر کے اُس قسم کی دعائین دینے لگتا جیسی کہ بچون کو دیجاتی ہین۔ اسی طرح ہمارے ہی یہان کے ایک اور معمولی توتے کا واقعہ ہے کہ گھر کے تمام لڑکے ایک محترم بزرگ خاندان کو "بابا" کہا کرتے۔ توتا بھی اُن کو بابا کہنے لگا۔ ایک دن اُس کا پنجرا بالاخانے پر ٹنگا ہوا تھا کہ ایک بڑا بھاری بندر آ کے اُس کے پنجرے کو اُٹھالے چلا ساتھ ہی توتے نے غل مچایا "ارے بابا! ارے بابا!" سب کو خبر ہو گئی اور پنجرا بندر کے ہاتھ سے چھینا گیا۔

یہ واقعات بتا رہے ہین کہ توتا فقط بولیان نہین سیکھتا بلکہ بعض اوقات اُس مین اتنی عقل آجاتی ہے کہ سمجھ کے بات کا جواب دینے لگتا ہے۔ یا اپنی سیکھی ہوئی بولیون کو ٹھیک موقع اور صحیح محل پر استعمال کرنے لگتا ہے۔

انگریزون مین بھی ہمارے یہان کی طرح توتے کے باتین کرنے کے صدہا واقعات مشہور ہین۔ چنانچہ رابنسن کروسو کے افسانے مین جو بعض لوگون کے نزدیک تاریخی واقعہ ہے ایک توتے کی باتون کا ذکر ہے۔ جس نے غربت وبیکسی مین اُس کی مدد کی تھی۔

اسی وجہ سے یورپ کی مہ جبین دلربائین بھی توتے کی دلدادہ ہین دربار حسن مین توتے نے اپنی باتون سے ایسی خصوصیت حاصل کر لی ہے کہ ہر پری جمال نازنین کا محبوب دوست اُس کا توتا ہی ہوا کرتا ہے۔ فسانۂ عجائب ایک افرنجی قصہ ہے اور اُس مین داستان کا آغاز توتے ہی سے ہوا ہے۔ جان عالم نے ایک بولتا توتا مول لیا۔ گھر مین لایا۔ اُس کی ملکہ نے اپنے حسن پر ناز کیا توتے نے اُس کے حسن کی مذمت کر کے ایک دوسری مہ جبین انجمن آرا

کے حسن کی تعریف کی۔ اور جان عالم کو اُس کا عاشق بنا کے دیوانہ بنا دیا۔

اس قصے مین توتے کا خیال غالباً پدماوت کے واقعے سے لیا گیا ہے۔ لہذا اِس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ مشرقی حسن و عشق کے عالم مین توتا کیا چیز ہے۔ اور حسینون کے ساتھ اُسے کیسی خصوصیت ہے۔ اسی کا ایک کرشمہ یہ ہے کہ جس طرح ہندوستانی دیو مالا مین حسین دیویون کے خاص خاص شعار اور بانے مقرر کر دیے گئے ہین۔ مثلاً کسی دیوی کا شعار مور ہے۔ کسی کا شعار یہ ہے کہ ہاتھی اُس پر بار چڑھا رہا ہے۔ اُسی طرح بیان کی عام دلربا نازنینون اور پری وش مہ جبینون کا شعار اور بانا اکثر توتا قرار پا گیا ہے۔ اگلے مصورون نے اگر کسی معشوق کی تصویر بنائی ہے تو اُس کے پاس ایک توتا بھی بنا دیا ہے۔ جس سے باتین کر کر کے وہ خوش ہو رہی ہے۔ عشرت کدۂ ناز مین وہی اُس کا دل بہلانے والا مونس تنہائی ہے۔ اور اُسی پر اُس کے دل کے جذبات آشکار ہوتے ہین۔

مجھ کو اُن کے ایسے رفیق و انیس کی طرف سے حُسن پرست شاعرون کا اس قدر غافل ہو جانا بڑی حیرت کی بات ہے۔ کیا وہ اُسے اپنا رقیب سمجھے؟ ایسا ہونا کوئی تعجب کی بات نہین۔ اس لیے کہ رقابت کا وہم ادنے ادنے چیزون اور معمولی باتون پر ہو جایا کرتا ہے۔ دل اِس کو مشکل سے گوارا کرتا ہے کہ جسے ہم چاہتے ہین وہ کسی اور کی طرف متوجہ ہو۔ یا کسی دوسرے سے باتین کرے۔ لیکن ایسا تھا بھی تو توتے کی شکایت کیا کرتے۔ ہمارے عاشق مزاج رقیب سے جلتے ہین۔ اور جلنے ہی کی وجہ سے اُس کی شکایتون کا دفتر کھول دیا کرتے ہین۔ مگر توتے کی رقابت مین کیا خصوصیت ہے کہ اُس کا نام بھی نہین لیا جاتا۔

غرض ہمارے نزدیک اس کی کوئی صحیح توجیہ نہین ہو سکتی۔ اور درحقیقت عاشقانہ شاعری کی یہ بہت بڑی فروگذاشت ہے۔ لہذا ہمارے شعرا کو چاہیے کہ اپنی اِس غلطی کا اعتراف کریں۔ اور آیندہ توتے کا مضمون حسن مین ضرور شامل کر لیا جائے۔

توتا علاوہ حسینون کا محرم راز ہونے کے خود بھی حُسن کا ایک مکمل

نمونہ ہے۔ اُس کی سرخ یاقوت کی سی چونچ جو پہری جالون کی ناک کے مشابہ ہے کس قدر خوبصورت ہے؟ اس کی نازک اندامی کیسی دلکش ہے؟ اور پھر یہی نزاکت پہ اُس کا بہشتی سبز حلہ جو ظاہر کرتا ہی کہ وہ خاص جنت سے حورون کے ہاتھ کے سیا ہوا جوڑا پہن کے دنیا مین آیا ہے اور جنت سے نہین آیا تو کسی ناز آفرین وشوخ طبع محبوبہ نے اسے اپنا دھانی دوپٹہ اُڑھا دیا ہے۔ یہ سب ایسی چیزین ہین کہ اس نازک اندام وخوش جمال طائر کو بجاے خود ایک محبوب دلربا ثابت کر رہی ہین۔

ارشدامیہ

(یونان کی ایک بہادر خاتون)

حضرت سرور کائنات علیہ السلام سے ساڑھے آٹھ سو برس پیشتر یونان کا آخری اور زوال پذیری کا زمانہ تھا۔ اُن دنون رومی جزیرہ نماے اٹیلیہ مین اپنی قوت بڑھا رہے تھے۔ اور یونان کی تہذیب وشجاعت کی تاریخ ختم ہو چکی تھی۔ اُسی زمانے مین آپائرس مین پیرھس نامی ایک عیش طلب فرمان روا تھا جس کا عہد سلطنت ۲۶۶ قبل محمد سے شروع ہوا۔ وہ محض اس لیے کہ اُس کے آبا واجداد سکندر اعظم کی ان کے ہم نسب تھے چاہتا تھا کہ اپنے آپ کو دوسرا سکندر ثابت کرے۔ مگر حوصلہ ہی حوصلہ تھا نہ سکندر کا سا استقلال اور اُس کی سی دانائی وفراست کہان سے لاتا؟ مما لک غیر پہ حملہ کرنا در کنار یونان کے قدیم نامی شہرون پر بھی قبضہ نہ پا سکا۔

یونان اِس زمانے مین مٹ چکا تھا۔ نہ ایتھنز مین وہ اگلا علم وفضل تھا۔ اور نہ اسپارٹا مین وہ اگلی شجاعت وسپہگری تھی۔ تاہم جب پیرھس ۳۰۰ نے اسپارٹا پر حملہ کیا تو وہان کے لوگ اپنی گزشتہ عظمت کو یاد کر کے لڑنے اور کٹنے مرنے کو تیار ہو گئے۔ چنانچہ ان بہادر لوگون نے یہ قطعی ارادہ کر لیا کہ اپنی تمام عورتون کو محفوظ رکھنے اور

اور حریف کی دست برد سے بچانے کے لیے جزیرہ اقریطش (کریٹ) مین بھیج دین اور خود وطن کی حمایت مین جان پر کھیل جائین۔

(اسی نازک زمانے مین یہ مذکورہ یونانی خاتون آسپارٹا مین تھی اور اپنے شہر کی اُن گزشتہ ناموریون سے واقف تھی جو لوح زمانہ پر ثبت تھین۔ آسپارٹا کی سینیٹ یعنی مجلس حکمرانی نے جیسے ہی یہ فیصلہ کیا کہ ساری عورتین حفاظت کے لیے کریٹ مین بھیج دی جائین آرشدامیہ کو طیش آگیا۔ جوش کے ساتھ ایک تلوار اُٹھالی۔ اُسے کھینچے ہوے قصر حکومت مین گھس پڑی۔ اور ارکان مجلس سے جوش وخروش کے لہجے مین کہا "آسپارٹا کی عورتین اپنے ملک کی تباہی کے بعد زندہ نہین رہنا چاہتین۔ بلکہ وہ بھی مردون کی طرح وطن کی حمایت مین لڑین گی۔ اور کامیاب نہ ہوئین تو لڑکے مرجائین گی")

اس کی ہیئات کذائی۔ اُس کے جوش وخروش۔ اُس کی شعلہ باز آنکھون۔ اُس کے تمتمائے ہوئے سرخ گالون کو دیکھ کے تمام ارکان مجلس سناٹے مین آگئے۔ دیر تک خاموشی رہی۔ پھر ارکان حکومت نے اُس کو اس ارادے سے روکنا چاہا اور سمجھایا۔ مگر جون جون سمجھاتے آرشدامیہ کا جوش بڑھتا جاتا۔ اور آخر نظر آیا کہ اُس کا جوش شجاعت ایک برقی لہر کی طرح آسپارٹا کی تمام عورتون مین دوڑ گیا ہے اور سب اس کی ہم خیال وہم آہنگ ہین۔ اب بھلا کیونکر ممکن تھا کہ ایسی فدائے وطن عورت اور اُس کی جان باز ساتھ والیان ایسے نازک وقت پر اپنی مرضی کے خلاف اپنے محبوب وطن سے جُدا کی جائین۔ چنانچہ وہی سینیٹ جس نے ابھی ابھی یہ قانون پاس کیا تھا کہ عورتین کریٹ مین بھیجی جائین اُسی نے اپنی اِس تجویز کو منسوخ کیا۔ اور کہا گیا کہ "عورتین چاہتی ہین تو اُنھین لڑنے دو"

اس حکم کو منسوخ کرانے کے بعد آرشدامیہ نے [illegible] کی بہادر [illegible] جانباز اور سرفروش وسر بکف عورتون کو جمع کرکے اُن کا ایک لشکر [illegible] اُنھین دو ہی چار روز مین لڑنے کے قابل بنالیا۔ اور جب

پیرہوس کا لشکر اسپارٹا پر آیا ہے اور اسپارٹا چارون طرف سے محصور ہو گیا ہے تو وہان کے دلیر و شجاع مردون کے دوش بدوش یہ عورتین بھی جوہر شجاعت دکھا رہی تھین۔ یا تو اس زبردست حملہ آور کی دہشت سے اسپارٹا والون کا یہ حال تھا کہ عورتون اور بچون کو ایک دوسرے جزیرے مین بھیجے دیتے تھے اور یا عورتون کی مدد سے اُنھون نے دشمنون کو متواتر شکستین دین۔ اور اِس قدر پریشان کیا کہ آخر پیرہوس عاجز آکے ناکام و نامراد واپس گیا۔ اور اہل شہر کو تسلیم کر لینا پڑا کہ اِس موقع پر حمایت وطن کا نہایت ہی اعلے جوہر ارشدامیہ اور اُس کی زنانی فوج سے ظاہر ہوا۔

اسپارٹا سے نامراد واپس جانے کے بعد ۲۷۲ قبل محمد مین پیرہوس نے یونان کے شہر ارغوس پر حملہ کیا۔ اِس مہم مین وہ نہایت ہی شجاعت سے حملہ کرکے شہر کے اندر گھس پڑا۔ اور سڑکون پر لڑائی ہو رہی تھی کہ ایک مقام پر پیرہوس کو دلیری سے شمشیر زنی کرتے دیکھ کے ایک عورت نے کوٹھے پر سے ایک بڑا سا کھپرا اُس کو کھینچ مارا جس نے آہن پوش پیرہوس کے ساتھ وہی کام کیا جو حضرت داؤد کی گوپھن کے پتھر نے زبردست فیلقی پہلوان جالوت کے ساتھ کیا تھا۔ یہ کھپرا پڑتے ہی پیرہوس گرا اور وہین ڈھیر ہو گیا۔

غالباً یہ کھپرا بھی اُسی برقی لہر کا ایک کرشمہ تھا جو ارشدامیہ کی تحریک سے تمام یونانی عورتون کے دلون مین دوڑ گئی تھی۔ خلاصہ یہ کہ عورتون ہی کی مستعدی نے پیرہوس کے حملے کو ناکام و مسترد کیا۔ اور آخر اُنھین کے ہاتھ سے وہ مارا گیا۔

مدرسۂ الٰہیات کانپور

اِس گداز کے آخری صفحات پر ہم مدرسۂ الٰہیات کانپور کا نصاب اور وہان کے انتظامی قواعد و ضوابط شائع کرتے ہین اُن کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ مدرسہ فقط اسی لیے نہین ہے کہ مسلمانون مین مناظر

کرنے والے حامیان دین پیدا ہون بلکہ یہ نصاب مجتہدانہ غور و خوض کے بعد ایسا مرتب کیا گیا ہے جس کی تعلیم کی بلحاظ اغراض و مقاصد زمانہ فی الحال ہر مسلمان کو ضرورت ہے۔ اس دور مین ہر قسم کے عالمون کی مسلمانون کو ضرورت ہے وہ اسی نصاب کے ذریعے سے پیدا کیے جا سکتے ہین۔ خوشی کی بات ہے کہ اصلی الٰہی شعبہ کے ساتھ اس مدرسے مین ابتدائی تمہیدی شعبہ بھی کھول دیا گیا ہے جس کے ذریعہ سے ابتدائی تعلیم بھی دی جا سکے گی۔

ہم مسلمانان کانپور کو اُن کی اس سچی دینی خدمت پر مبارکباد دیتے ہین۔ آٹھ سال کی زندگی مین اس مدرسے نے اگرچہ متعدد طلب پیدا کر دیے۔ مگر اُس وقت تک جو کچھ ہوتا رہا مولانا عبدالقادر صاحب آزاد سبحانی کی ابتدائی کوششون کا نمونہ تھا۔ مگر اب مولانا صاحب ممدوح نے دوبارہ اس کی پرنسپلی قبول فرما کے اُس مین نئی جان ڈالنا چاہی ہے۔ اور یہ نصاب از سر نو مرتب فرمایا ہے جو صاف طور پر ظاہر کرتا ہے کہ مسلمانون مین خدا شناسی اور رہنمائی دین کی کتنی بڑی اہم تحریک اس مدرسے اور اس نصاب سے پیدا ہو سکتی ہے۔

نصاب علم الٰہی کے طلبہ کو اگر عربی مین فارغ التحصیل ہون تو دس روپیہ اور اگر قریب بفراغت ہون تو سات روپیہ ماہانہ وظیفہ دیا جاتا ہے۔ ماسوا اس کے انگریزی کے منتہی طلبہ کو بصورت عربی زبان سے واقف ہونے کے۔ اور عربی کے منتہی طلبہ کو بصورت انگریزی زبان جاننے یا کسی علم مین اعلیٰ مہارت و خصوصیت رکھنے کے بیس روپیہ ماہانہ۔ اور متوسطین انگریزی کو بصورت عربی جاننے کے اور متوسطین عربی کو بشرط انگریزی دانی یا کسی خاص علم مین زیادہ ماہر ہونے کی بارہ روپیہ ماہانہ وظیفہ دینے کا وعدہ کیا جاتا ہے۔

اس وقت تک اس مدرسے کو مسلمانان کانپور نے بغیر اس کے کہ باہر کے پرجوش لوگون سے مدد لین اسے چلایا اور چلا رہے ہین۔ مگر ضرورت ہے کہ وظائف کی تعداد بڑھائی جائے۔ اور سارے ہندوستان کے مسلمان شریک ہون ہمین مسلمانون سے اُمید ہے کہ وہ بڑی مستعدی سے مسلمانان کانپور کا ہاتھ بٹا کے اپنا فرض ادا کرین گے۔

حسن بن عباس والی صقلیہ

غالباً اسی شکست کی بنیاد پر ۲۶۷ھ مین جعفر بن محمد کی جگہ حسن بن عباس والی صقلیہ مقرر ہوا۔ اُس نے عنان حکومت ہاتھ مین لیتے ہی جزیرے کے اطراف و جوانب مین اپنی فوجین روانہ کرنا شروع کین۔ تاکہ نظم و نسق سلطنت قائم ہو۔ اور بحری سطوت مین فرق نہ آنے پائے۔ بہت سے مقامات پر مختلف فوجین بھیج کے خود شہر قطانیہ پر پہونچا۔ اُس کے گرد و جوار کی زراعت تاراج و تباہ کی۔ اور بڑھ کے طبرمین کے کھیتون کو غارت و پامال کرنے لگا۔ اور جہان جہان جو باغ ملے اُن کو کاٹ ڈالا۔ اِس کے بعد شہر نقارہ پر پہونچا اور اُس علاقے کی بھی یہی حالت کر ڈالی۔ اور اِن کارروائیون کے بعد اپنے مرکز حکومت بلرم مین واپس آیا۔

رومیون کی فتحین

حسن بلرم مین واپس آیا تھا کہ رومیون کے لشکر مسلمان شہرون پر حملہ کرنے کی غرض سے روانہ ہوئے اِن لشکرون مین ایسے زبردست اور بہادر سپاہی تھے کہ اُنھون نے عربون پر کثرت سے فتحین حاصل کین۔ رومیون کی اِس چیرہ دستی کا حال سُن کے ابو الثور نام ایک اولو العزم شخص مسلمانون کے ایک لشکر کا سپہ سالار بن کے ۲۶۸ھ مین بغرض جہاد بلرم سے روانہ ہوا۔ اور ایک ایسے زبردست رومی لشکر سے دوچار ہو گیا کہ کسی طرح پیش نہ پا سکا۔ مگر ساتھ ہی اسلامی حمیت نے یہ بھی نہ گوارا کیا کہ مشتاقان فردوس بریں عرصۂ جہاد سے قدم پیچھے ہٹائین۔ نتیجہ یہ ہوا کہ سوا سات مسلمانون کے اِس اسلامی فوج کے تمام مجاہدین نے جام شہادت پیا۔

محمد بن فضل والی صقلیہ

اِن ناکامیون کی خبر افریقیہ مین پہونچی تو امیر ابراہیم نے حسن بن عباس کو معزول کر کے محمد بن فضل نام ایک بہادر شخص کو والی صقلیہ مقرر کیا۔ اس نے امارت صقلیہ کا چارج لیتے ہی اطراف وجوانب مین عربی فوجین بھیجین کہ جزیرے کے سرکشون کی سرکوبی کرین۔ اور خود ایک زبردست لشکر کے ساتھ شہر قطانیہ پر حملہ کیا۔ شہر والون نے چونکہ باہر نکلنے کی جرأت نہ کی اس لیے اُس کے سارے علاقے کو لوٹ مار کے تباہ کر دیا۔ تمام کھیت اور باغ جو راستے مین پڑے اُنھین غارت کیا۔ اور آگے بڑھا۔ قطانیہ کے علاقہ سے قدم بڑھاتے ہی رومی لشکر سے اُس کا سامنا ہوا۔ سخت لڑائی ہوئی۔ اور مسلمان گزشتہ ناکامیون کے انتقام مین ایسے جوش وخروش سے لڑے کہ رومیون کو بڑی بھاری شکست ہو گئی۔ اُن کے تین ہزار آدمی جان سے مارے گئے جن کے سرکٹ کے بلرم مین آئے۔ اور وہان کی رعایا کو پھر اپنے غلبے اور اپنی فتحون کا یقین ہوا۔

شاہی شہر پر مسلمانون کا قبضہ

اس کے بعد عربون نے رومیون کے ایک نئے قلعے پر حملہ کیا جسے رومیون نے اپنے غلبے کے زمانے مین بڑی مضبوطی سے تعمیر کیا تھا تاکہ مسلمانون کے حملون کا سد راہ ہوا کرے۔ اس قلعے کا اُنھون نے مدینۃ الملک یعنی شاہی شہر نام رکھا تھا۔ مسلمانون نے زبردست حملہ کر کے اُس قلعے پر قبضہ کر لیا۔ رومی اُسے کسی طرح نہ بچا سکے۔ اور اُن کے بہت سے آدمی پکڑ کے لونڈی غلام بنا لیے گئے۔

اسی والی کی ایک اور مہم

۲۶۹ھ مین محمد بن فضل نے ایک عربی لشکر ساتھ لے کے شہر رمطہ کے اطراف پر تاخت کی۔ یہ لشکر لوٹتا مارتا علاقۂ قطانیہ تک جا پہونچا۔ راستے مین بہت سے رومی قتل کیے۔ بہت گرفتار کر لیے۔ اور ختم سال یعنی ماہ ذی الحجہ مین غانم و سالم اپنے مرکز حکومت شہر بلرم مین واپس آیا۔

حسین بن احمد والی صقلیہ

۲۷۰ھ مین معلوم ہوتا ہے کہ دربار بنی اغلب نے محمد بن فضل کی جگہ حسین بن احمد نام ایک شخص کو والی صقلیہ مقرر کیا تھا۔ اُس والی کے عہد مین مسلمانون کے ایک زبردست لشکر نے ۲۷۱ھ مین پھر رمطہ پر حملہ کیا جو لوگ قتل و غارت کرکے اور دشمن کی قوت کو پامال کرکے واپس آئے۔ مگر اُن کے واپس آتے ہی حسین بن احمد نے وفات پائی۔

سوادہ بن محمد بن خفاجہ والی صقلیہ

حسین کی وفات کی خبر افریقیہ مین پہونچی تو وہان کے اغلبی فرمان روا ابراہیم بن احمد نے محمد بن خفاجہ کے بیٹے سوادہ کو والی افریقیہ مقرر کیا اور اُس نے ۲۷۱ھ مین جزیرۂ صقلیہ مین پہونچ کے عنان حکومت اپنے ہاتھ مین لے لی۔ وہ اسی سال ایک بڑا بھاری لشکر لے کے قطانیہ پر حملہ آور ہوا۔ خوب قتل و غارت کیا۔ اور لوٹ مار کے طبرمین پر پہونچا۔ وہان کے لوگون کو بھی قتل کیا۔ کھیتیان برباد کین۔ اور آگے بڑھنے کا قصد کر رہا تھا کہ رومی حاکم صقلیہ کا سفیر یہ پیام لے کے آیا کہ تین مہینے کے لیے جنگ ملتوی کیجائے۔ اور جو رومی سپاہی مسلمانون کے ہاتھ مین اسیر ہین وہ زر فدیہ لے کے آزاد

کرا دیے جائین۔ سوادہ نے اُس کی یہ درخواست قبول کی تین سو مسلمان جو مسیحیون کے ہاتھ مین اسیر تھے وہ بھی زر فدیہ ادا کر کے چھڑا لیے گئے۔ اور تین مہینے کے لیے صلح کر کے وہ بلرم مین واپس چلا آیا۔

رومیون کا غلبہ

۲۷۲ھ مین مدت عہدنامہ ختم ہوئی۔ فوراً سوادہ نے اُن شہرون پر جو رومیون کے قبضے مین تھے تاختین شروع کر دین۔ اور اُس کی چھوٹی فوجین متعدد شہرون کو لوٹ مار کے واپس آگئین۔ اسی اثنا مین انجفور نام ایک بہادر رومی سپہ سالار بڑے زبردست لشکر کے ساتھ قسطنطنیہ سے آیا۔ آتے ہی مسلمانون کے مقبوضہ شہر سبرنیہ پر اُترا اور اُس کا محاصرہ کر لیا۔ شہر مین جو مسلمان سپہگر تھے تھوڑی قوت رکھنے کی وجہ سے سخت مصیبت مین مبتلا ہو گئے۔ یہان تک کہ زندگی سے مایوس ہو کے اُنھون نے امان مانگی۔ اور شہر دشمنون کے حوالے کر دیا۔ اس کے بعد انجفور نے ایک لشکر شہر منتیہ پر روانہ کیا جو ناگہان جا پہونچا اور مسلمان مقابلے کا بند دلبست نہ کر سکے۔ آخر اُس شہر والون نے بھی معاہدۂ امان کر کے شہر دشمنون کے حوالے کیا۔ اور خود اُس مین سے نکل کے بلرم مین چلے گئے۔

ابو العباس بن ابراہیم بن احمد بن اغلب والی صقلیہ

۲۷۲ھ کے بعد پندرہ برس تک حکومت صقلیہ کے حالات کا پتہ نہین لگتا۔ فقط اس قدر معلوم ہوتا ہے کہ درمیان مین حاکم افریقہ امیر ابراہیم نے سوادہ کی جگہ ابو مالک احمد بن عمر بن عبد اللہ نام ایک شخص کو حکومت صقلیہ پر مقرر کیا تھا۔ مگر چندہی روز مین اُس کی نسبت خلاف امید یہ سنا گیا کہ وہ نہایت کمزور ہے اور مسلمانان صقلیہ اُس کی اطاعت سے باہر ہو کے سرکشیان ظاہر کر رہے ہین۔ چنانچہ وہان کا انتظام

درست کرنے کے لیے اُس نے اپنے فرزند ابو العباس کو والی صقلیہ مقرر کر کے روانہ کیا۔ چونکہ صقلیہ مین اب خود مسلمانون کو سرکشی کی سزا دینا تھی اس لیے بہادر شاہزادہ ابو العباس ایک سو بیس جہازون پر ایک لشکرِ عظیم کو سوار کرا کے اور چالیس جنگی جہاز اپنے ساتھ لے کے ساحل افریقیہ سے چلا۔ اور غرۂ شعبان ۲۸۷ھ کو صقلیہ کے ایک بندرگاہ طرابلس پر اُترا اور اُس شہر کا محاصرہ کر لیا۔

عرب فاتحان صقلیہ مین باہمی جنگ و پیکار

ابو العباس کے آنے کی خبر بلرم مین پہونچی تو ان لوگون مین کھلبلی پڑ گئی۔ وہ خود سر ہو رہے تھے۔ اور بغیر اپنی حکومت کی اجازت کے انطالیہ کے شہر جرجنت پر حملہ آور تھے۔ شاہزادے کے آنے کا حال سنتے ہی جرجنت سے واپس آئے اور اپنے چند معززین کا ایک وفد اُس کی خدمت مین بھیجا۔ جنھون نے ابو العباس کی خدمت مین حاضر ہو کے اظہار اطاعت کے ساتھ جرجنت پر حملہ کرنے کے بارے مین معافی مانگی۔ یہ لوگ واپس نہین گئے تھے کہ اہل جرجنت کا ایک وفد بھی شاہزادے کی خدمت مین حاضر ہوا۔ اُن لوگون نے اہل بلرم کی سرکشی و بدعہدی کی شکایت کی۔ اور اطلاع دی کہ اہل بلرم دراصل حضور کے خلاف ہین اور اُن کا یہ وفد دھوکا دینے کے لیے مکر و فریب کی راہ سے آیا ہے۔ اُن لوگون کے نہ عہد پیمان کا اعتبار ہے اور نہ اُن کی قسمون کا۔ ہمارا اعتبار نہ ہو تو حضور بلرم کے فلان فلان لوگون کو بُلوائین۔ اگر وہ حاضر ہو جائین تو جانیے کہ ہم جھوٹے ہین اور نہ آئین تو سمجھ لیا جائے کہ وہ مکار ہین۔

ابو العباس نے امتحان کے لیے بلرم کے وفد کو روک لیا اور جن لوگون کے نام اہل جرجنت نے بتائے تھے اُن کو بلوایا۔ اُن لوگون نے حاضری سے انکار کیا۔ اور وہی ہوا جو اہل جرجنت نے بتایا

تھا۔ یعنی اہل بلرم فساد پر آمادہ ہو گئے۔ خود اپنے فرمان رواکے مقابل اشتہار جنگ دیدیا۔ اور وسط شعبان ۳۰۸ھ کو اُن کی فوج ابو العباس کے مقابلے کو روانہ ہوگئی۔ اس لشکر کا سردار مسعود نام ایک شخص تھا۔ اور وہان کے شورہ پشت بدمعاشون کا سرغنا رکمو یہ اپنے شریرون کے ساتھ اُس کے ہمراہ ہوا۔ ساتھ ہی اُنھون نے تیس جہازون کا ایک بیڑا بھی دریا کے راستے پر ابو العباس کے مقابلے کے لیے روانہ کردیا۔ یہ بیڑا سمندر مین تھوڑی ہی دور گیا تھا کہ طوفان مین پڑ گیا۔ بہت سے جہاز ڈوب گئے۔ اور جو بچے ڈگمگاتے ہوے بلرم مین واپس گئے۔

جو فوج خشکی کی راہ سے روانہ ہوئی تھی وہ طرابلس مین پہونچی۔ اور ابو العباس سے اُس سے سخت لڑائی ہوئی۔ اس لڑائی مین سخت خونریزی ہوئی۔ دونون طرف بہت سے مسلمان مارے گئے۔ اتنے مین شام ہوگئی۔ اور شام ہوتے ہی بغیر کسی انجام کے دونون حریفون کو جدا ہونا پڑا۔ ۲۲ شعبان کو دوسری لڑائی ہوئی۔ اور پھر اسی شدت سے میدان جنگ گرم ہوا۔ صبح کو جدال و قتال کا آغاز ہوا تھا عصر کا وقت ہوتے ہوتے سرکش مسلمانان بلرم بھاگ کھڑے ہوے۔ مغرب کے وقت تک پیچھا کرنے والے فاتح مفرورون کو قتل کرتے رہے۔ اور اس کے بعد خشکی اور تری کے دونون راستون سے ابو العباس نے اُن کا تعاقب کیا جو آغاز ماہ مبارک رمضان مین بلرم کے پھاٹک پر جا پہونچا۔ ۱۰ رمضان کو بلرم کے پھاٹک پر پھر لڑائی ہوئی۔ یہان بھی صبح سے سہ پہر تک تلوار چلی۔ اور عصر کے وقت آتے ہی اہل بلرم بھاگے۔ شام تک یہان بھی مفرورون کا قتل عام ہوا۔

اب ابو العباس نے حوالی بلرم مین جہان مسلمان امرا کے باغ اور دلفریب تفرج گاہین تھین اُن کے لوٹنے کے لیے مختلف لشکر روانہ کیے جن کے خوف سے وہان کے زن و مرد گھربار چھوڑ چھوڑ کے بھاگے۔ بہت سے بلرم مین پناہ گزین ہوئے۔ بہتون نے اور شہرون کی راہ لی۔

خود دبکو یہ اور اُس کے متعدد شہسوار اِس درجہ خائف ہوئے کہ اُنھون نے
قسطنطنیہ اور مسیحیون کے دیگر بلاد مین جا جا کے پناہ لی۔ آخر ابو العباس
دھاوا کر کے بلرم کی آبادی مین گھس پڑا۔ بے ضرر رعایا کو امان دی۔ اور
جو معززین شہر فساد مین شریک ثابت ہوئے اُن مین سے بہتون کو پکڑ کے
پابزنجیر اپنے باپ کے پاس افریقہ مین بھیج دیا۔ جہان وہ اپنے کیفر کردار
کو پہونچے ہون گے۔

ابو العباس کے حملے دشمنان اسلام پر

بلرم پر قبضہ کر کے باغیون کو کافی سزا دینے کے بعد ابو العباس نے اپنا
لشکر مرتب کیا۔ اور اُن شہرون پر حملہ شروع کیا جو مسیحیون کے قبضے مین تھے۔ پہلے
وہ طبرمین پر جا پہونچا۔ لوٹا مارا۔ وہان کی کھیتیان غارت کین۔ پھر قطانیہ
پر پہونچ کے اُس کا محاصرہ کر لیا۔ مگر اُسے فتح نہ کر سکا۔ اور بلرم مین واپس
چلا گیا۔ اور وہان ٹھہر کے جہاد کی تیاریان کرنے لگا۔ فوج درست کی۔
جہازون کا بیڑا درست کیا۔ اور جب خوب تیاری کر لی تو ربیع الاول
۲۵۸ھ کے آغاز مین جہازون پر سوار ہو کے دمشق نام صقلیہ کے ایک شہر
پر لنگر انداز ہوا۔ ساحل پر اُتر کے شہر کا محاصرہ کر لیا۔ اور اُس کے گرد منجنیقین
لگا دین۔ چند روز تک اُس کے محاصرے مین مشغول رہنے کے بعد اُس نے
شہر مسینا کا رخ کیا۔ اور جنگی جہازون پر سوار ہو کے مقام ریو تک بڑھتا چلا گیا
جہان رومیون کا ایک بڑا بھاری لشکر جمع تھا۔ خاص ریو کے پھاٹک پر لڑائی
ہوئی۔ اور آخر سخت معرکہ آرائی کے بعد اُن کو شکست دے کے بزور شمشیر شہر
کے اندر گھس پڑا۔ یہان لوٹ مین بیحد چاندی اور سونا ہاتھ آیا۔ فتح کے بعد
اُس نے غلہ۔ آٹا۔ اور بہت کچھ مال و دولت جہازون پر لادا۔ اور غانم و سالم
مسینا مین واپس آیا۔ یہان آتے ہی اُس نے مسینا کی شہر پناہ منہدم کرا دی۔
ابو العباس مسینا ہی مین تھا کہ قسطنطنیہ سے رومیون کا ایک تازہ دم

بیڑا آپہونچا - اُس کی آمد سنتے ہی وہ اپنے بحری بیڑے کو لے کے مقابلے کے لیے بڑھا - دونون بیڑون مین بڑی بھاری لڑائی ہوئی - خدا نے اِس بحری مہم مین بھی ابو العباس کو فتحیاب کیا - چنانچہ اُس نے دشمنون کے تیس جہاز پکڑ لیے - اور باقی شکست کھا کے بھاگے۔

ابو العباس کی واپسی افریقہ مین

۲۸۹ھ کے شروع ہونے تک وہ مسینا ہی مین تھا کہ اُس کے باپ حکمران افریقہ ابراہیم کا خط آیا جس مین لکھا تھا کہ فوراً افریقہ مین واپس آؤ - یہ حکم پاتے ہی وہ افریقہ مین واپس گیا - اور صقلیہ کی عنان حکومت اپنے دو بیٹون ابو مضر اور ابو معد کے ہاتھ مین دے گیا۔

ابو العباس افریقہ مین پہونچا تو باپ نے اُسے حکومت افریقہ مین اپنا جانشین بنایا - اور بذات خود صقلیہ کی راہ لی تاکہ پہلے وہان جہاد کرے اور اُس کے بعد دریا کے راستے سے سفر کر کے حج بیت اللہ کی دولت سے شرفیاب ہوا۔

حکمران افریقہ ابراہیم بن احمد صقلیہ مین

ابراہیم کی نسبت ہم بتا چکے ہین کہ بڑا مدبر و منتظم اور نہایت ہی نیک فرمانروا تھا - ۲۶۱ھ سے افریقہ کی حکومت اُس کے ہاتھ مین تھی - اتنی مدت مین اُس نے اپنی سلطنت کو خوب مضبوط کیا اور بہت سے کار خیر کیے - آخر دینی جوش نے ۲۷ سال کی حکمرانی کے بعد اُسے جہاد اور حج مبرور پر آمادہ کیا - اور بیٹے کو جانشین کر کے نہایت ہی بے نفسی اور زہد و تقوی کی اسلامی زندگی اختیار کر لی - مگر اتنے دنون حکمران رہ کے اُس نے سارے افریقہ کو اپنی عدالت سے غیر معمولی ترقی دیدی تھی ڈکیتیان فنا ہو گئی تھین - اور ہر جگہ امن و امان قائم تھا۔

ہندوستان مین مشرقی تمدن کا آخری نمونہ

کھانے پینے اور پہننے اوڑھنے کی بحث ختم کرکے اب ہم اُن چیزون کی طرف توجہ کرتے ہین جن کو سوسائٹی اور میل جول سے خصوصیت ہے۔ اور جن پر مناسب اور اپنے مذاق کا تصرف کرکے لکھنؤ نے اُنھین اپنا بنا لیا۔

دنیا کے ہر ملک مین میل جول اور معاشرت کا ایک تمدن قائم ہوجاتا ہے جس مین زیادہ تر تعلق وضع قطع اخلاق و عادات نشست برخاست طرز کلام۔ طریقۂ مذاق مکان اور فرنیچر وغیرہ کو ہوتا ہے۔ اور ان باتون کے بعد اُس سامان زندگی کو جس کی اس سوسائٹی کو ضرورت ہو۔ فطری طور پر یہ چیزین ہر گروہ ہر طبقے اور ہر شہر و قریے مین پیدا ہوجاتی ہین۔ اور آج بھی دنیا مین پھر کے دیکھیے تو ہر جگہ سوسائٹی کی خاص نوعیت اور اُس کے خصوصیات نظر آجائین گے۔ مگر جن مقامون مین کوئی معزز دربار قائم ہوجاتا ہے اور علم و ادب کو ترقی ہوتی ہے وہان کی سوسائٹی ایک بڑے حصۂ ملک کو اپنا تابع بنا کے اُس کے ہر شہر و قریے کی معاشرت کا مرجع اور اصول تہذیب کا مرکز بنجاتی ہے

ہندوستان مین تہذیب و تمدن اور آداب سوسائٹی کا اصلی مرکز یقینی طور پر دہلی تھی۔ اس لیے کہ بہت سی صدیون تک وہ ہندوستان مین حکومت کا مستقر اور علم و فضل کا منشا و مستقر رہ چکی ہے۔ سارا ہندوستان اُس کے زیر نگین تھا۔ اور وہان کی صحبت کے تربیت یافتہ تمام صوبون کے حاکم اور ادب آموز ہوا کرتے تھے۔ لکھنؤ کے لیے اُس کے مقابل مین نہ کوئی خصوصیت ہے اور نہ اُسے کوئی امتیاز حاصل ہو سکتا ہے۔ مگر اس محل پر لکھنؤ کا نام لیا جانے کی اگر کوئی وجہ ہو سکتی ہے تو وہ یہ ہے کہ زمانے کے اتفاق سے پچھلی صدی مین وہی دہلی کی معاشرت پوری پوری لکھنؤ مین منتقل ہوآئی۔ اور وہین کے امرا و شرفا علما و شعرا۔ اتقیا و صلحا سب کے سب لکھنؤ مین چلے آئے۔ اور جو دربار دہلی مین اجڑتا تھا لکھنؤ مین آکے جمع ہوتا۔ اس لیے کہ وہان کے تمام وضعدار لوگ ایک ایک کرکے سب یہین چلے آئے۔ اور یہان اطمینان

حاصل ہونے کی وجہ سے اپنی ترقی یافتہ معاشرت پر اور ترقیان کرنے لگے۔ اور پھر لطف یہ کہ دہلی والون کی جو معاشرت اودھ مین آکے قائم ہوئی تھی اُس مین سوا دہلی والون کے کوئی غیر شخص نہ تھا۔ حتی کہ لکھنؤ کے پرانے معزز باشندون کو بھی اُس مین بالکل جگہ نہین ملی۔

لہذا لکھنؤ کی معاشرت دراصل دہلی کی معاشرت اور وہین کی ترقی یافتہ سوسائٹی کا آخری نمونہ ہے۔ اِس پچھلی صدی مین دہلی کے پرانے تمدن کے دو اسکول ہو گئے تھے۔ ایک وہ جو خاص دہلی مین موجود تھا اور دوسرا وہ جو لکھنؤ مین منتقل ہو آیا۔ لیکن اس مین شک نہین کہ زوال سے پیشتر کی آخری صدی مین اُس اسکول کے لیے جو دہلی مین تھا دربار مغلیہ کے کمزور پڑ جانے اور دولت مندی کے مٹ جانے کی وجہ سے میدان ترقی مین آگے قدم بڑھانے کا ویسا موقع نہین نصیب تھا جیسا لکھنؤ والے دہلی کے اسکول کو حاصل تھا۔ اور یہی وجہ ہوئی کہ اس زمانے مین لکھنؤ کا تمدن ترقی کر رہا تھا۔ اور دہلی کے قدیم تمدن کی ترقی رُک گئی تھی۔ الغرض یہی ترقیان لکھنؤ کی سوسائٹی کے خصوصیات ہین۔ بلکہ غور کرنے سے یہ نظر آتا ہے کہ دہلی مین تمدن و معاشرت کو قدیم شہنشاہی دربار کی برکتون سے جو ترقی حاصل ہوئی تھی پچھلے دور مین تجارت پیشہ جاہل قومون کے غلبے اور قدیم خاندانی شرفا کے دیگر بلاد مین منتشر ہو کے۔ یا خانہ نشین ہو جانے کے باعث وہ بھی تشریف لے گئی۔ اور سچ یہ ہے کہ اودھ کے شاہی دربار کے ٹوٹ جانے کے بعد سے بیرونی لوگون کے میل جول۔ اور پرانے مہذب خاندانون اور اُن کے اثر کے مٹ جانے کی وجہ سے جو تہذیب لکھنؤ مین پیدا ہوئی تھی وہ بھی روز بروز رخصت ہوتی جاتی ہے۔

مگر ہمین اُس بدتمیزی کی سوسائٹی اور اُن متمردانہ اخلاق و آداب سے بحث نہین جو غدر کے بعد سے لکھنؤ مین پیدا ہونا شروع ہوئے اور ترقی کرتے جاتے ہین۔ ہماری غرض محض اُس تہذیب کو بتانا ہے جو لکھنؤ کے شاہی دربار کے آغوش مین پرورش پا کے یہان کی صحبتون مین پیدا ہو گئی تھی،

یہان کی معاشرت کے متعلق اپنے اس مضمون کے سلسلے مین ہم مندرجہ ذیل امور کو بیان کرنا چاہتے ہین۔(۱) مکان (۲) فرنیچر (۳) وضع قطع (۴) اخلاق و عادات۔(۵) نشست برخاست (۶) صاحب سلامت و مزاج پرسی۔(۷) طرز کلام۔(۸) طریقۂ مذاق۔(۹) شادی وغمی کی محفلین (۱۰) مجلسین۔(۱۱) مولد شریف کی محفلین۔پھر اُن کے بعد ہم اُن چیزون کو بیان کرین گے جو لوازم صحبت اور سامان معاشرت ہین۔

(۱) مکان۔ دہلی اور لکھنؤ مین مکانون کے متعلق پرانا مذاق یہ تھا کہ ظاہری نمایش اور شانداری صرف شاہی قصرون اور ایوانون کے لیے مخصوص تھی۔ اُمرا و تجار اپنے رہنے کے لیے جو مکان تعمیر کراتے وہ اندر سے چاہے کیسے ہی وسیع اور نفیس ہون مگر اُن کی ظاہری حالت بالکل معمولی مکان کی سی ہوتی۔ اور اس مین مصلحت یہ تھی کہ جو مکان ظاہر مین شاندار ہوتے اکثر بادشاہون کو پسند آ جاتے۔ اور بنوانے والون کو اُن مین رہنا بہت کم نصیب ہوتا۔ ساتھ ہی یہ بھی تھا کہ رعایا مین سے کسی کا تعمیر مکان مین شاہانہ اولوالعزمی دکھانا تمرد و سرکشی پہ محمول کیا جاتا۔ اور اُس سے سلامتی کے ساتھ زندگی بسر کرنا دشوار ہو جاتا۔

اسی وجہ سے آپ کو دہلی کے ان مقبرون کے سوا قدیم الایام کی ایک بھی ایسی عمارت نہ نظر آئے گی جو عالیشان ہو اور رعایا مین سے کسی عالیمرتبہ امیر یا دولتمند تاجر کی بنوائی ہوئی ہو۔ لکھنؤ مین بھی ابتدا یہی حالت تھی۔ نواب آصف الدولہ اور نواب سعادت علیخان کے زمانون مین ایک دولتمند فرنگی تاجر میجو مارٹن نے دو ایک عالیشان عمارتین تعمیر کین مگر اُن کی تعمیر مین اصلی منشا یہ تھا کہ فرمان روا سے شہر کو پسند آئین اور اُس کے ہاتھ فروخت کر ڈالی جائین۔ اُنھیں عمارتون مین لامارٹنیر کالج ہی جس پر نواب سعادت علیخان کی جبر رسی کی وجہ سے اسٹیٹ کا قبضہ نہ ہو سکا یہی کوٹھی ہی جو مدتون عوام مین "جنرل صاحب کی کوٹھی" کے نام سے مشہور رہی۔

اس کے بعد یہان کے ایک امیر روشن الدولہ نے اپنے رہنے کے لیے ایک عمدہ عمارت بنوائی تھی جس کا انجام یہ ہوا کہ سلطنت کے حکم سے ضبط کر لی گئی اور انتزاع سلطنت کے وقت اُس کا شمار مقبوضات شاہی مین تھا۔ چنانچہ انگریزی دور مین وہ سرکاری جائداد ہونے کے باعث

گورنمنٹ کے قبضے مین آگئی اور روشن الدولہ کے ورثہ کو نہین دیگئی۔ مگر آج تک وہ روشن الدولہ ہی کی کوٹھی کہلاتی ہی تو کہ اُس مین صاحب ڈپٹی کمشنر بہادر اور اُن کے اسسٹنٹ اجلاس کرتے ہین۔

رعایا کے عام مکانون کی وضع یہان یورپ کی کوٹھی نما مکانون سے بالکل جُداگانہ ہوتی ہی۔ یورپ مین مکان کے اندر صحن کی ضرورت نہین ہی۔ اس لیے کہ مردون کی طرح عورتین بھی پردہ نہ کرنے کی وجہ سے باہر جا کے کھُلی فضا مین ہوا کھا لیتی ہین۔ لہذا وہان کے خلاف یہان ضرورت ہی کہ مکان کے اندر صحن ہوا کرے۔ تاکہ عورتین گھر کے اندر ہی کھلی فضا کا لطف اُٹھا سکین۔

اس ضرورت اور یہان کی معاشرت کے دیگر تقاضون نے یہان کے مکانون کی عام قطع یہ کر دی ہی کہ بیچ مین صحن اُس کے گرد عمارت۔ اِس عمارت مین ایک رخ صدر قرار دیدیا جاتا ہی اور اُدھر اینٹ چونے کے ستونون پر کم از کم تین اور کبھی اس سے زیادہ محراب دار در قائم کیے جاتے ہین محرابین عموماً شاہجہانی محرابون کے نمونے کی ہوتی ہین یعنی اُن مین چھوٹی چھوٹی قوسون کو خوشنمائی سے جوڑ کے بڑی محراب بنائی جاتی ہی۔ صدر مین اکثر ایسی محرابون کے دوہرے تہرے ہال ہوا کرتے ہین پچھلا ہال کبھی دروازے لگا کے ایک بڑا کمرہ بنا دیا جاتا ہی۔ اور اکثر یہ بھی ہوتا ہی کہ تقریباً کمر کمر تک اُس کی کرسی بلند کر کے وہ شہ نشین بنا دیا جاتا ہی۔

ان بڑے ہالون کے دونون پہلوؤن پر کمرے ہوتے ہین۔ اور ہال کی چھت اتنی اونچی ہوتی ہی کہ پہلو مین تلے اوپر دو کمرے ہال کی ایک چھت کے اندر آجاتے ہین۔

اب صحن کے دونون پہلوؤن پر اُس کے طول کے مناسب دالان۔ کمرے اور کوٹھریان بنا دیجاتی ہین۔ جن مین باورچیخانہ۔ پاخانہ۔ تودی خانہ۔ زینہ۔ حمام۔ کنوان۔ اور ماما اصیلون کے رہنے کے مقامات ہوتے ہین۔ صدر دالان کے مقابل جانب بھی اگر ضرورت معلوم ہوئی یا استطاعت ہوئی تو ویسے ہی عالیشان دالان اُدھر بھی بنا دیے جاتے ہین جیسے کہ صدر جانب ہوتے ہین۔ دروازہ اکثر پہلو مین یعنی اُن سمتون مین ہوتا ہے جدھر باورچی خانہ اور شاگرد پیشہ کے رہنے کے کمرے ہوتے ہین جس کے سامنے اندر کے رُخ پر مقابل والے پہلو مین قدآدم سے ذرا بلند ایک دیوار قائم کر دیجاتی ہے تاکہ دروازے سے اندر کا سامنا نہ رہے۔

غریبون اور اوسط درجے والون کے مکانون مین اکثر پختہ محرابون کے عوض اُسی وضع کے چوبی سہ درے قائم کر کے دالان بنا دیئے جاتے ہین۔ جن مین صدر مین اور کبھی اُس کے مقابل جانب بھی دالان در دالان ہوتے ہین۔ اس قسم کے

جو مکان زیادہ مکمل ہوتے ہین اُن مین چارون طرف سہ درے اور دالان ہوتے ہین۔ اور اُن کے پہلوؤن مین ایک ایک دروازے کی کوٹھریان نکلتی ہین جو مختلف ضروریات کا کام دیتی ہین اور انھین مین سے کسی مین باہر کا دروازہ ہوتا ہے۔

یہ یہان کے مکانون کا ایک عام خاکہ تھا۔ مگر اسی مجموعی وضع کو قائم رکھ کے اکثر مکانون مین نیچے اوپر ہر جگہ ایسی حکمت اور خوش اسلوبی سے یکدرے سہ درے کمرے اور کوٹھریان نکالی جاتی ہین کہ تعجب معلوم ہوتا ہے اتنی تھوڑی سی جگہ مین اتنی مکانیت کیونکر آگئی۔

فن عمارت کی تاریخ پر نظر ڈالیے تو نظر آئے گا کہ ابتداءً پست عمارتین بنتی تھین۔ پھر بلند اور مضبوط مگر سادی عمارتین بننے لگین۔ اس کے بعد زیب و زینت کے لیے اُن پر نقش و نگار بننے لگے۔ پچی کاری کی ایجاد ہوئی۔ اور عجیب و غریب طریقے سے رنگ آمیزیان کیجانے لگین۔ لیکن باوجود ان سب کمالون کے اب تک بڑے بڑے چوڑے آثارون کی دیوارین ہوتین۔ اور اُن مین بڑے بڑے ہال۔ اور دیوان خانے بنا دیے جاتے۔

سب سے بعد کا کمال ہندوستانی عمارت مین یہ تھا کہ درزی کی سی کتر بیونت کر کے تھوڑی سی زمین مین بہت زیادہ مکانیت نکال دیجائے۔ عمارت کا یہ کمال خاص دہلی سے شروع ہوا۔ وہین اُس نے بڑے اعلیٰ درجے تک ترقی کرلی۔ وہان سے سب جگہ پھیلا۔ اور لکھنؤ مین اُس نے سب مقامات سے زیادہ ترقی کی۔

آج کل بڑے بڑے اُستاد انجنیر موجود ہین جنھون نے بڑی بڑی عالیشان عمارتین بنوائی ہین۔ وہ نمائشی طور پر عمارت کی ایک نہایت ہی اعلیٰ کا خوبصورت اور شاندار شکل قائم کردین گے۔ لیکن یہ کام فقط پرانے کاریگرون کا حصہ ہے کہ زمین کے ایک چھوٹے سے ٹکڑے پر عالیشان عمارت بنا کے کھڑی کردین۔ اور اُس مین مہندسانہ کمال سے اتنے دالان کمرے کوٹھریان اور صحنچیان نکال دین کہ دیکھنے والے کی عقل چکر مین آجائے۔ اندرونی پردے

کی دیوارین اتنی پتلی نازک سبک اور اس کے ساتھ مضبوط ہوں کہ معلوم ہوا اینٹ چونے کی دیوارین نہین لکڑی کی اسکرینین ہین۔

عمارت مین لکھنؤ کی یہی خصوصیت تھی جس کو اگلے دربار نے نشو و نما دیا۔ مگر اب انگریزی عہد مین یہ ناقدری کیوجہ سے مٹتا جاتا ہے۔ پرانے کاریگر فنا ہو گئے اور جو دو ایک باقی ہین اُن کی قدر نہین۔

اگر پرانے ہی زمانے سے ہندو مسلمانون کے مکانون مین ایک بین فرق چلا آتا ہے جو آج تک موجود ہے۔ ہندو اپنے مکانون مین صحن بہت چھوٹا اور تنگ رکھتے ہین۔ اور بلا لحاظ اس کے کہ ہوا اور روشنی کا گزر ہوگا یا نہین مکانیت بڑھاتے چلے جاتے ہین۔ بخلاف اِس کے مسلمان کھلے ہوادار مکان چاہتے ہین۔ اور مکانیت اُسی درجے تک بڑھاتے ہین جہان تک کہ ہواداری اور روشن رہنے مین فرق نہ آئے۔ لیکن باوجود مسلمانون کے اس مذاق کے اگلے کاریگرون نے اُن کے ہوادار مکانون مین بھی اِس قدر مکانیت نکالی ہی کہ دیکھنے والے عش عش کر جاتے ہین

اس کے علاوہ اُس زمانے کے باکمال معمار دروازون کمرون کی محرابون اور دالانون اور کمرون کی دیوارون پر مختلف رنگون سے ایسے نفیس و اعلے درجے کے نقش و نگار بناتے تھے جیسے اب مشکل سے بن سکتے ہین۔ اور آج کل مصوری کا فن بے شک ترقی کر گیا ہے۔ مگر معمار جیسی نقاشی در و دیوار پر کیا کرتے تھے وہ مٹ گئی۔ اور عہد جدید کی سادگی پسندی کی وجہ سے روز بروز مٹتی جاتی ہے۔ تاہم اب بھی یہان اس کام کے بعض اُستاد معمار ایسے پڑے ہین کہ اُن کی سی نقاشی شاید کسی شہر کے معمار نہ کر سکین گے۔ نقش و نگار ہی نہین وہ چھتون اور دیوارون پر اعلے درجے کی تصویرین بھی بنا سکتے ہین۔

معمارون ہی پر منحصر نہین اُس وقت کے بڑھیون کو بھی یہی کمال حاصل تھا۔ وہ چاہے اعلے درجے کی میز ین کرسیان اور الماریان یا ریلوے ٹرین کی گاڑیان نہ بنا سکین۔ مگر ستونون محرابون اور دروازون کے چوکھٹ بازون پر ایسے نفیس و نازک نقش و نگار کھود کے بنا دیا کرتے تھے جیسے مشکل سے بن سکین گے۔

نصاب کابل جامعۂ الٰہیۂ اسلامیہ (مدرسۂ الٰہیات)

علم موضوع جامعہ "علم الٰہی"

دو شعبوں میں منقسم۔ شعبۂ ابتدائیہ تمہیدیہ۔ شعبۂ انتہائیۂ اصلیہ۔

شعبۂ تمہیدیہ درس نظامیہ۔ شعبۂ اصلیۂ درس الٰہیہ۔

نصاب شعبۂ اصلیۂ درس الٰہیۂ نصاب الٰہی دو قسموں میں منقسم۔

نصاب الٰہی کبیر عربی۔ نصاب الٰہی صغیر اردو۔

نصاب الٰہی کبیر عربی دو حیثیتوں میں۔ بہ حیثیت علوم و فن و بہ حیثیت کتاب و طریقۂ درس۔

النصاب الالٰہی الکبیر العربی من حیث العلوم والفنون۔

(۱) علم الدین۔ یعنی فلسفہ دین مطلق۔ مقابلۂ لادینی و الحاد۔

(۲) علم الکتاب (قرآن کریم) بطرز حاوی و جامع مباحث و رموز قدیمہ و جدیدہ۔ خصوصاً اعتراضات مذاہب مقابل اسلام بطریق رد و تنقید۔

(۳) السنۃ (حدیث و سیرت) بطرز اقتصار بہ مباحث و دقائق اصولیہ۔ خصوصاً اعتراضات و شکوک مخالفین و موافقین۔

(۴) علم الادیان۔ یعنی علم عقائد و احوال مذاہب۔ بہ طریق موازنہ و استخراج نتائج۔

(۵) علم الاسلام (کلام) یعنی فلسفۂ اسلام مطلق (بدون تعرض مسائل جزئیہ و تفصیلیہ) بمقابلہ مذاہب غیر۔

(۶) علم تاریخ الدین۔ یعنی مخصوص تاریخ مذہب و مذاہب۔ باختصاص مذاہب عظیمہ۔ بہ طریق استخراج نتائج و تقدیم بحث تاریخ مطلق۔

(۷) علم جغرافیۃ الدین۔ یعنی مخصوص جغرافیہ مذہب و مذاہب۔ بہ تخصیص نظریہ اسلام۔ بہ تقدیم بحث جغرافیہ مطلق۔

(۸) علم تمدن الدین۔ یعنی علم نشو و ارتقاء مذہب۔ باختصاص نظریۂ اسلام۔ بہ تقدم بحث مطلق تمدن انسانی۔

(۹) علم الحقیقۃ (تصوف) بہ طرز تطبیق بین الحقیقۃ و تمدن۔ بین الحقیقۃ و فلسفہ۔ بین الحقیقۃ و دین۔ و موازنہ بین علم الحقیقۃ اسلام و علم الحقیقۃ مذاہب غیر۔

(۱۰) علم الدعوۃ۔ یعنی علم ماہیت و اصول دعوت۔ خصوصاً دعوت دینیہ و بالاخص دعوت اسلامیہ متضمن بہ تاریخ الدعوۃ والداعیین۔

(۱۱) الالسنہ۔ سنسکرت۔ بھاشا۔ انگریزی۔ عبری۔ سنسکرت و بھاشا بقدر کفایت لازم۔ انگریزی و عبری اختیاری۔

(۱۲) مشق المناظرہ۔ والخطابۃ والانشاء۔ مناظرہ مخصوص بہ مسائل مذہبیہ خلافیۂ اصولیہ۔ ہر ہفتہ یکبار۔ خطابت۔ محدود بہ مضامین علمی و مذہبی۔ ہر ماہ دو بار۔ انشاء۔ بلا تحدید و تعیین اوقات عند الموقع والضرورت۔

النصاب الالٰہی الکبیر العربی من حیث الکتب و طریق التعلیم

علم	طریق تعلیم	کتب
(۱) علم الدین۔	درس	(الدین) و انتخابات کتب ذیل۔ نقد المحصل۔ التشریع و فلسفہ
(۲) علم الکتاب (القرآن)	(درس و املا)	القرآن الکریم باعانت تفاسیر قدیمہ و جدیدہ و انتخابات کتب مقدسہ و اناجیل اربعہ۔ کتب توراۃ۔ و ساتیر و ژند و پاژند۔ وید اربعہ۔ گیتا۔ وغیرہ۔
(۳) علم السنۃ (حدیث و سیرت)۔	(درس و املا۔)	تیسیر الوصول الطریقۃ المحمدیۃ والسیر النبویہ۔ و انتخابات کتب سیر و احادیث۔ مغازی الرسول۔ شفاء عیاض۔ نفس کا لاکل وغیرہ۔
(۴) علم الادیان۔	(درس)	(الادیان) و انتخابات کتب ذیل۔ کیفیت انتشار الادیان۔ الملل والنحل شہرستانی۔ الملل والنحل ابن حزم۔ دبستان مذاہب و کتب عقائد مذاہب مختلفہ۔

مہ جبین روم لُقریطیہ

لُقریطیہ رومتہ الکبریٰ کے عہد قدیم کی ایک نامور حسینہ وعفیفہ تھی۔ حاکم روم لُقریطیوس کی بیٹی اور قلاطینوس نام ایک رومی سردار کی بیوی تھی اُن دنون روم پر ایک بیرونی قوم ونسل کے بادشاہ طارکوئین کا قبضہ تھا جس نے رومیون کو اپنا غلام بنا کے نہایت ہی ذلیل وخوار کر رکھا تھا۔ مگر لُقریطیہ کے شوہر قلاطینوس سے شاہ طارکوئن سے قرابت تھی جس کے باعث دونون میان بیوی نہایت معزز سمجھے جاتے۔ اور شاہزادون اور شاہزادیون کے ہم مرتبہ تھے۔

اتفاقاً طارکوئن کے حکم سے قلعۂ آردیہ کا محاصرہ کیا گیا۔ جو روؔمہ سے ایک منزل سے زیادہ مسافت پر نہ تھا۔ وہان طارکوئن کے تین بیٹے اور لُقریطیہ کا جوان سال شوہر قلاطینوس محاصرہ کیے پڑے تھے کہ ایک رات کو کھانے پر چارون مین اپنی اپنی بیویون کی دانائی وقابلیت پر بحث ہوئی۔ ہر ایک اپنی بیوی کی خوبیان بڑھا بڑھا کے بتاتا۔ اور اُسے سب کی بیون پر ترجیح دیتا۔ آخر یہ رائے قرار پائی کہ علی الصباح چارون گھوڑون پر سوار ہو کے روؔمہ مین جائین اور دیکھین کہ اُن کی بیبیان اپنے گھرون مین کیا کر رہی مین۔ اور کن کامون مین مشغول ہین

دوسرے دن چارون روؔمہ مین پہونچے اور چارون نوعمر خاتونون سے ملے۔ شاہ طارکوئن کی تینون بہوین تو اپنی سہیلیون کے ساتھ کھیلتی اور

لہو ولعب مین مصروف ملین مگر لقریطیہ کو دیکھا کہ اپنی ہم سن سہیلیون کے ساتھ بیٹھی ایک سادگی و نازنینی کی ادا سے اُون کات رہی ہے۔ اس امتحان کے نتیجے مین سب کو تسلیم کر لینا پڑا کہ چارون عورتون مین اچھی اور قابل قدر لقریطیہ ہے۔ اور اُس کی خوبی کا اعتراف کر کے چارون نوجوان پھر قلعۂ آردیہ کے گرد اپنے پڑاو مین چلے گئے۔

(لیکن اِس دلگی دلگی کے مناظرے اور جورُوؤن کے مقابلے مین ایک نیا فتنہ اُٹھ کھڑا ہوا۔ وہ یہ کہ جھگڑے کے فیصلے کے لیے چارون نوجوانون نے ایک دوسرے کی جورو کو جو دیکھا تو طارکوئن کا بڑا بیٹا سکسطوس جو ایک ضدی نفس پرست۔ اور خواہشات نفسانی کا بندہ تھا۔ لقریطیہ کا جمال جہان آرا دیکھتے ہی ایک جان چھوڑ ہزار جان سے اُس پر فریفتہ ہو گیا۔ اور دل مین ٹھان لی کہ چاہے آبرو جائے یا رہے۔ بدنامی ہو یا نیکنامی۔ اور اصول اخلاق کے موافق ہو یا مخالف مین اِس بے نظیر پری وش کے حسن کا مزہ ضرور لوٹون گا۔)

چنانچہ دو چار روز بہلا دادے کے ایک دن چپکے سے محاصرے کے پڑاؤ سے روما مین آیا۔ اور سیدھا لقریطیہ کے پاس جا کے اُس کا مہمان ہوا۔ لقریطیہ شاہزادہ سمجھ کے اُس سے بڑے تپاک سے ملی۔ نہایت ہی خاطر تواضع سے پیش آئی۔ اور اُس کے ٹھہرانے کے لیے بہت تکلف کا سامان کیا۔ رات کو کھانا اُس کے ساتھ کھایا۔ اور جب سونے کا وقت آیا تو اُسے اُس کمرے مین پہونچا کے جو اُس کے لیے آراستہ کیا گیا تھا اپنی خوابگاہ کے کمرے مین گئی۔

(جب آدھی رات سے زیادہ گزر گئی اور سکسطوس کو یقین ہو گیا کہ سب گھر والے سو گئے ہین شمشیر برہنہ ہاتھ مین لیے ہوئے اپنے کمرے سے نکلا۔ اور دبے پاؤن جا کے لقریطیہ کے کمرے مین گھس پڑا۔ آہستہ سے اُسے جگایا۔ اور اظہار عشق و فریفتگی کر کے اُسے بہلانے پھسلانے لگا۔ مگر صاحب عفت لقریطیہ نے صاف انکار کیا۔ اور پہلے تہذیب و ادب سے پھر ناراضی ناگواری سے اُسے سمجھانے لگی کہ اِس ارادے سے باز آ۔ مگر ضدی

سکسطوس پر کیا اثر ہو سکتا تھا؟ جب تقریطیہ کو یون راضی نہ پایا تو ڈرانے دھمکانے لگا۔ مگر دھمکی بھی کارگر نہ ہوئی۔ ادھر سے جس قدر اصرار ہوتا تھا اُسی قدر اُدھر سے ضد اور نفرت بڑھتی جاتی تھی۔ آخر سکسطوس نے طیش کے لہجے مین کہا "تم نے میرا کہنا نہ مانا تو تمھین اسی وقت مار ڈالون گا۔"

تقریطیہ نے غیر معمولی استقلال سے اِس کا یہ جواب دیا کہ "مار ڈالو۔ مین جان دون گی مگر آبرو نہ دون گی۔" سکسطوس اب اور برافروختہ ہوا اور بولا "اچھا مین تمھاری جان بھی لون گا اور آبرو بھی۔ پہلے تم کو قتل کرون گا۔ پھر تمھارے حبشی غلام کو جو دوسرے کمرے مین موجود ہے مار ڈالون گا۔ اور اُس کی لاش کو تمھاری لاش کے برابر لٹا کے غل مچا دون گا کہ مین نے تم کو اپنے سیہ فام غلام کے ساتھ ہم آغوش دیکھا۔ اور مارے غیرت کے دونون کو مار ڈالا۔ انجام یہ ہو گا کہ میری سب مین تعریف ہو گی۔ اور تم پر سارے شہر مین تھڑی تھڑی۔ اپنے شوق اور اپنی آرزو مین نامراد البتہ رہون گا۔ مگر تمھارے اِس خوبصورت چہرے مین بھی قیامت تک کے لیے بے عصمتی و رسوائی کی کالک لگا دون گا۔"

یہ اِس بلا کی دھمکی تھی کہ تقریطیہ کانپ گئی۔ چنانچہ اِس موقع پر اُس کی اخلاقی شجاعت نے کمزوری دکھائی۔ اور اُس کے پائے استقلال کو لغزش ہو گئی۔ ہاتھ پاؤن ڈال دیے۔ اور مجبور ہو کے بداخلاق دشمن عصمت کو اپنی خواہش پوری کرنے کا موقع دیدیا۔ غرض سکسطوس اپنی ضد پوری کر کے اپنے کمرے مین گیا۔ اور صبح ہوتے ہی خوش خوش اپنی کامیابی پر ناز کرتا ہوا کیمپ مین واپس گیا

اُسی صبح کو تقریطیہ نے آدمی بھیج کے اپنے خسر اور شوہر کو بلا بھیجا۔ اور جیسے ہی آئے اُن کے سامنے رات کی سرگزشت بلاکم و کاست بیان کر دی دونون کو بے حد صدمہ ہوا۔ سکسطوس سے انتقام لینے کا وعدہ کیا اور اُس کے شکستہ دل کو تسلی دینے لگے۔ مگر دیکھا تو اُس کی وحشت کسی طرح کم ہونے کو نہین آتی۔ آخر کمال یاس کے لہجے مین بولی "تم بے شک انتقام لے لو گے۔

مگر تمھارے انتقام لینے سے مجھے اپنی کھوئی ہوئی آبرو نہین مِل سکتی،" یہ کہتے ہی جوش کے ساتھ خنجر کھینچ لیا۔ جسے پہلو مین چھپائے ہوے تھی۔ اور ایک ہی ہاتھ مین سینہ اور دل چاک کر کے گری اور تڑپ کے مرگئی۔)

اس واقعے نے لقریطیہ کے شوہر اور سُسرے کو ایسا جوش دلایا کہ اُسی وقت انتقام لینے کو اُٹھ کھڑے ہوے۔ تمام رومی رعایا نے اُن کا ساتھ دیا۔ اور طارکوئن کے لیے یہ ایسا بدنام کرنے والا واقعہ تھا کہ خود اُس کا سگا بھتیجا بروطوس بھی لقریطیہ کے خون کا انتقام لینے والون مین آکے شریک ہوگیا آخر شاہ طارکوئن کے خلاف لوگون مین ایسا جوش و خروش پیدا ہوا کہ اُس سے اور اُس کے تمام خاندان والون سے سوا بھاگ کھڑے ہونے کے کوئی تدبیر نہ بن پڑی۔ اُس کے جاتے ہی رومیون مین جمہوری سلطنت قائم ہوگئی۔ اور وہ بادشاہون کی غلامی کرنے سے آزاد ہو گئے۔ جو دراصل اسی لقریطیہ کی عصمت و شرافت کی برکت تھی۔

۵۰۹ قبل محمد صلعم مین لقریطیہ نے جان دیدی تھی اور ۴۹۵ قبل محمد مین خاندان طارکوئن کا کہین پتہ نہ تھا اور رومی قوم جمہوریت کے آغوش مین پرورش پارہی تھی۔

چلتے پھرتے باغ و مکان

خدا کی عجیب و غریب قدرت کا ایک یہ بھی نمونہ ہے جو ہمارے لیے حد سے زیادہ حیرت انگیز ہو سکتا ہے کہ دریاؤن اور جھیلون مین پانی کی سطح پر تیرتے اور چلتے پھرتے قطعات زمین بن جاتے ہین۔ اور وہ اس قابل ہوتے ہین کہ اُن پر باغ لگائے جائین۔ کھیت بوئے جائین۔ اور شاداب ترکاریان تیار کی جائین۔

ہمارے ہندوستان مین جابجا گنگا میں زمین کے بڑے بڑے تختے سطح آب پر پانی کے بہاؤ کے ساتھ بہتے ہوے دیکھے جاتے ہین۔ مگر یہ عموماً انسانون کے بنائے ہوے نہین بلکہ خود قدرت الٰہی کی صنعت ہوتے

ہین۔ یہ تختے درختون کی ٹہنیون لکڑی کے ٹکڑون اور سوار وغیرہ کے باہم مل اور جڑ جانے سے بن جاتے ہین۔ اور جب تیار ہو چکتے ہین تو سیلاب مین پانی کا زور انھین کنارے سے چھڑا کے بہالاتا ہے۔ اور معلوم ہوتا ہے کہ دریا کے آغوش مین ایک شاداب اور نزہت بخش مرغزار بہتا چلا جاتا ہے۔ ان مین سے بعض پر اکثر بڑے بڑے پیڑ بھی دیکھے جاتے ہین۔ اور اُن کو چلتے پھرتے دیکھ کے عقل انسانی چکر مین آجاتی ہے۔

انگلستان کی جھیلون مین بھی دو ایک ایسی جھیلین ہین جن کی سطح پر اسی قسم کے تختہ ہاے زمین پانی مین سدا بہار باغ لگانے کے لیے پیدا ہو گئے ہین اور اس سے بھی زیادہ لطف وحیرت کی یہ بات ہے کہ وہان کی جھیل "درونٹ واٹر" مین جو ایسا ہی ایک مصنوعی تختۂ زمین ہے اُس کے آغوش مین ایک اور جھیل پیدا ہو گئی ہے۔

مملکت پروشیا (جرمنی) مین ایک "جھیل باغ" ہے اُس کی سطح آب پر بڑے بڑے تیرنے والی اور چلتے پھرتے جزیرے ہین۔ اور ایسی ہی ایک جھیل مین ایسے مضبوط قطعات زمین بن گئے ہین جن پر اچھے اور نفیس جھاؤ کے درخت لگائے جاتے ہین۔ اسپین والون نے جب امریکہ کو فتح کیا ہے تو میکسکو کی جھیل مین بھی تیرتے اور چلتے پھرتے باغ دیکھے تھے۔

شمالی ومغربی ہند مین یعنی کشمیر مین اور تبت و ایران کی سرحد پر لوگ اپنی جھیلون مین خود ہی ایسے جزیرے اور قطعات زمین بنا لیا کرتے ہین جن پر وہ باغ لگاتے ہین۔ اور تربوزون۔ اور خربزون۔ کھیرون۔ ککڑیون اور دیگر بقولات کے جو مرطوب زمین چاہتے ہون بڑے بڑے کھیت تیار کرتے ہین۔ جن کی نسبت اختیار رہتا ہے کہ جبتک چاہین کسی جگہ قائم رکھین اور جب چاہین کسی اور مقام پر ہٹا لیجائین۔ یہان کوئی کسی سے کہے کہ فلان شخص کے کھیت کو چور چرالے گئے تو اُسے مجنون و فاتر العقل کہو گے۔ مگر وہان یہی تمھارے خیال کے خلاف فطرت واقعات روز پیش آیا کرتے ہین۔ اور اکثر کھیتون کی چوریان ہوتی رہتی ہین۔ یعنی مالک کو غافل پا کے لوگ اُس کے کھیت کہین اور کھینچ لے جاتے ہین

پاپنے کھیت مین ملا لیتے ہین - کشمیر مین اِس قسم کے تختون پر جہان باغ ہو گیا ہے اور پھول کھلے ہین وہان کی بہار سارے مناظر قدرت کو مات کر دیتی ہے -

یہ تختہ ہاے زمین بہت پتلے سُبک اور نازک ہوتے ہین - اور اُن کا دَل کہین شاذ و نادر ہی ایک فٹ سے زیادہ ہوتا ہے - اصلی چیز جن پر اُن تختون کی بنیاد قائم کی جاتی ہے - درختون کی ٹہنیان - لکڑی کے ٹکڑے ہین جن کو سوار بُن کے جوڑ دیتی ہے - پھر اُس پر چٹائیان بچھا کے تھوڑی تھوڑی مٹی ڈال دی جاتی ہے - اور اُس مین تخم پاشی ہوتی ہے -

مگر ان سب چیزون سے زیادہ حیرتناک ملک سیام کے چلتے پھرتے گاؤن ہین - جن کے بنانے مین دارالسلطنت سیام بنکوک کے لوگ ساری دنیا سے سبقت لے گئے ہین - وہ لوگ سیلاب سے بچنے اور پانی کے ضرر سے محفوظ رہ کے آرام و اطمینان سے زندگی بسر کرنے کے لیے ایسے مکان بناتے ہین جو پانی پر تیرتے اور چلتے پھرتے رہین - اِن مکانون کو برابر برابر جما کے اور لنگرون کے ذریعے سے ایک جگہ قائم کر کے وہ بڑی بڑی بستیان بنا لیتے ہین جن کے بیچ مین پانی کی کشادہ سڑکین ہوتی ہین اور پانی اتنا گہرا ہوتا ہے کہ اُن آبی سڑکون مین دو دو سو تین تین سو ٹن کا بوجھ لیجانے والے جہاز گزرتے رہتے ہین - ان بستیون کی وضع و قطع بدلنے کا اُنھین اختیار رہتا ہے - مکان کا رخ جدھر چاہین پھیر سکتے ہین - اور یہ اُن کے بس کی بات ہے کہ جب چاہین اپنے اس بحری گاؤن کی وضع و صورت بدل دین - اُن کے یہ مکان علی العموم بانس کی کھماچون - ٹہنیون - اور کھجور کے درختون سے بنتے ہین اور نہایت ہی سُبک اور خوشنما ہوتے ہین - جن مین سامنے کے رخ پر عموماً ایک برآمدہ ہوتا ہے - جس سے کشتیان اور جہاز آ کے لگ جاتے ہین اور اُن کے ذریعے سے بہ آسانی ہر حصۂ آبادی اور ہر سڑک کی سیر ہو سکتی ہے - اور وہی ذریعۂ آمد و رفت ہوا کرتے ہین -

اٹلی مین شہر وینس کی بڑی تعریف کی جاتی ہے کہ سمندر کو

شہر کے اندر کاٹ لائے ہین۔ اور پانی کی نہرین سڑکون کا کام دیتی ہین جن مین کشتیون کے ذریعے سے آمد و رفت ہوتی ہے۔ مگر جو خوبی سیام کی ان چلتی پھرتی بستیون مین ہے وینس کو بھلا کہان نصیب ہو سکتی ہے؟ وینس کی جو قطع ہے نہین بدل سکتی۔ اس لیے کہ پانی کی سڑکون کے کنارے دونون جانب پختہ عمارتین ہین۔ بخلاف اس کے سیام کی بستیون مین یہ صنعت ہے کہ جس گاؤن کو جہان اور جتنی دور چاہین لے جا کے قائم کر دین۔ اور جب ایک وضع کی آبادی سے دل اکتائے بدل کے دوسری وضع کر دین۔ جس کسی کا جب تک جی چاہے ایک جگہ رہے اور جب چاہے مع مکان کے دوسرے محلے اور دوسرے احباب کے جوار مین چلا جائے۔

ایشیا۔ تجھ مین سب طرح کے کمال ہین۔ سارے مذہب۔ سارے تمدن۔ اور ساری صنعتین تجھ سے نکلی ہین۔ مگر یورپ کی زبردستیون نے تیرے سارے کمالات پر خاک ڈال دی۔ اور اسی ناقدری کا نتیجہ ہو مردل کی تمنا و آرزو ہے۔

ایک عبرتناک واقعہ

کہتے ہین ظہور اسلام کے وقت قدیم قوم جرہم کا ایک معمر شخص موجود تھا جس کی عمر تقریباً تین سو برس کی بتائی جاتی تھی۔ اس کا نام عبید ابن شریہ جرہمی تھا۔ عہد اسلام مین بھی وہ مدت دراز تک زندہ رہا۔ یہان تک کہ جناب معویہ کے عہد خلافت مین ملک شام مین آ کے اُن سے ملا۔ اور وہ اپنی عادت کے موافق اُس سے بہ اخلاق و تواضع پیش آئے۔ دوران گفتگو مین معویہؓ نے اُس سے کہا "آپ نے بہت بڑی عمر پائی ہے کوئی عجیب و عبرتناک واقعہ دیکھا ہو تو بیان کیجیے" عبید نے کہا سنیے:-

"ایک دن مین نے دیکھا کہ لوگ ایک میت کو دفن کر رہے ہین۔ دل پر کچھ ایسا اثر پڑا کہ ٹھہر گیا تاکہ مٹی دینے مین شریک ہون۔ مگر خدا جانے کیا بات تھی کہ خود بخود دل بھر آیا۔ آنکھون مین آنسو ڈبڈبا آئے۔ اور پر سوز و گداز لہجے مین مین نے چھ شعر پڑھے جن مین موت کی حالت۔ انسان کی بیکسی اور دنیا کی بے وفائی کا اظہار تھا۔ پچھلا شعر تھا۔

یَبْکِی الْغَرِیْبُ عَلَیْہِ لَیْسَ یَعْرِفُہٗ　　وَذُو قَرَابَتِہٖ فِی الْحَیِّ مَسْرُوْرٗا

انجان غریب الوطن جو اُسے جانتا بھی نہین اُس پر رو رہا ہے اور اُس کے عزیز و قریب قبیلے مین خوشیان منا رہے ہین۔

میری زبان سے یہ اشعار سنتے ہی ایک شخص نے میری طرف توجہ کی اور کہا "آپ جانتے ہین یہ اشعار جو آپ نے پڑھے کس کے ہین؟" مین نے کہا "جی نہین اچھے معلوم ہوے۔ یاد کر لیے" اُس نے مسکرا کے کہا "جی یہ اِنھین مرحوم کے شعر ہین جنھین آپ نے مٹی دی۔ مین اِس عجیب اتفاق پر تعجب کرنے لگا۔ اُس نے کہا "اور اس سے بھی زیادہ حیرت کی بات سُنیے۔ آپ تو وہ غریب الوطن ہین جو اِن مرحوم کی موت پر غمگین اور متاسف ہین۔ اور یہ صاحب جو ابھی اِن کو قبر مین اُتار کے باہر نکلے ہین ان کے سب سے زیادہ قریب عزیز ہین اور اُن کے مرنے پر سب زیادہ مسرت انھین کو ہے"

پھر عتبیؔ نے معاویہؓ کو بتایا کہ یہ لاش عثیرؔ بن لبید عُذری کی تھی۔ اور اُنھی کے یہ شعر تھے۔

اسی طرح کا ایک پُرحسرت واقعہ یہ ہے کہ ایک ادیب شخص جو علامہ رضی کے ادبی کمالات کا بہت بڑا معترف تھا کسی ضرورت سے سُرَّ مَن رَّاٰے (سامرہ) مین گیا اتفاقًا اس کا گزر ایک منہدم مکان پر ہوا۔ اُن کھنڈرون کے سناٹے نے اُس کے دل پر بڑا اثر کیا۔ ٹھہر گیا۔ اور تین شعر پڑھے جن کا مضمون یہ تھا کہ "مین اُن مسکنون پر ٹھہرا جن کی رونق کو مصیبت نے لوٹ لیا ہے" اتنے مین اُدھر سے ایک شخص گزرا اور وہ اشعار سُن کے بولا "یہ اشعار تو علامہ رضی کے ہین مگر یہ بھی آپ جانتے ہین کہ یہ منہدم مکان کس کا ہے؟" کہا "مین کیا جانون؟" جواب ملا "جی یہ مکان بھی اُنھین علامہ بے ہمتا کا ہے جن کے یہ اشعار ہین۔ یہ علامہ رضی کا مکان ہے۔ کبھی اُن کی ذات سے یہ مقام علم و فضل کا مرکز اور نہایت بارونق تھا اور آج اِس کی یہ حالت ہے"

لوگ دنیا مین بقاے نام کے لیے کوئی یادگار چھوڑ جانا چاہتے ہین۔ لیکن اس کا کیا علاج کہ یادگار کے باقی رہنے پر بھی نام مٹ جاتا ہے۔

اس کا دیندارانہ سفر

اس دینی سفر کو اختیار کرتے وقت ابراہیم بن احمد نے پہلے یہ قصد کیا کہ خشکی کی راہ سے سفر حج کرے۔ اور مصر ہوتا ہوا جائے۔ مگر اس مین اندیشہ تھا کہ حاکم مصر ابن طولون سے لڑائی ہوگی۔ اور مسلمان ایک دوسرے کے مقابلے مین اپنی قیمتی جانین ضائع کرین گے۔ اس خطرے سے بچنے کے لیے اُس نے یہ رائے قائم کی کہ دریا کے راستے سے سفر کرے۔ پہلے صقلیہ مین جا کے جہاد کرے۔ اور اُس کے بعد بغرض حج ملک شام مین ہوتا ہوا ارض حجاز مین پہونچے۔

صقلیہ مین اس کا جہاد اور طبرمین پر قبضہ

چنانچہ اُس نے دنیوی نمائشون کو چھوڑ دیا۔ راہبون اور عابدو زاہد لوگون کی وضع بنائی۔ اپنا کل مال واسباب اونٹون پر لاد کے اور آغاز ۲۸۹ھ مین تارک الدنیا درویشون کا بھیس کیے ہوئے شہر سوسہ مین پہونچا۔ وہان سے جہازون پر سوار ہو کے صقلیہ مین آیا۔ پہونچتے ہی ۲۰ رجب ۲۸۹ھ کو شہر برطینو پر حملہ کر کے اُسے فتح کر لیا۔ اور رعایا کے ساتھ بہت اچھا سلوک کیا۔

اس کے بعد شہر طبرمین پر پہونچا۔ یہان کے لوگون نے اُس کی آمد سنتے ہی مقابلے کی خوب تیاریان کر لی تھین۔ چنانچہ ابراہیم کے پہونچتے ہی میدان کارزار گرم ہو گیا۔ لڑائی ہو رہی تھی کہ لشکر اسلام کے قاری نے سورۂ "اِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُّبِيْنًا" پڑھنا شروع کی۔ امیر ابراہیم نے کہا نہین آیۂ "هٰذَانِ خَصْمَانِ اخْتَصَمُوْا فِيْ رَبِّهِمْ" پڑھو۔ اور قاری نے جیسے ہی یہ آیت پڑھی دعا کے لیے ہاتھ اُٹھا کے درگاہ باری تعالی مین عرض کیا الٰہی مین کفار سے لڑ رہا ہون۔ اور آج ہی تیری خدمت مین حاضر ہونے

کو تیار ہون"۔ یہ کہتے ہی دشمنون پر ایسا صف شکن حملہ کیا کہ سب بے اختیار بھاگے۔ اور مسلمانون نے تعاقب مین اُنھین بے دریغ تہ تیغ کیا۔ اُن کو رگیدتے ہوئے ساتھ ہی شہر کے اندر گھس پڑے۔ اور جو شہر متعدد حملون مین نہین فتح ہو سکا تھا ایک آن واحد مین مفتوح ہو گیا۔

نتیجہ یہ ہوا کہ بعض اہل شہر تو جہازون پر سوار ہو کے بھاگ گئے اور جو بچے اُنھون نے شہر کے اندر والے قلعے مین جا کے پناہ لی۔ امیر ابراہیم نے اُس قلعہ کا محاصرہ کر لیا۔ اور ایسی سختی سے گھیرا کہ مجبور ہو کے نکلے۔ اب قلعہ اور شہر دونون مسلمانون کے قبضے مین تھے۔ لوٹ مار ہو رہی تھی۔ اور لونڈی غلام اسیر کیے جا رہے تھے۔ یہ واقعہ ۲۳ رشعبان ۲۸۹ھ کا ہے۔

شہنشاہ قسطنطنیہ کو اس شکست کا صدمہ

طبرمین کے ہاتھ سے نکل جانے کی خبر قسطنطنیہ مین پہونچی تو شہنشاہ کو بڑا صدمہ ہوا۔ وفور غم سے تاج سر سے اُتار کے پھینک دیا اور سات دن تک نہین پہنا۔ جو کوئی تاج پہننے کو کہتا اُسے جواب دیتا کہ "جو غمگین و حزین اور رنجیدہ و ملول ہو تاج کیا پہنے؟" اُس کی اس حرکت کا رومیون کے دل پر بڑا اثر پڑا۔ ایک عجیب قسم کا ہیجان پیدا ہو گیا۔ اور ادنے و اعلے سب تیار ہو گئے کہ صقلیہ مین جا کے مسلمانون سے لڑین۔ فوج کشی کی تیاریان ہو ہی رہی تھین کہ خبر آئی مسلمان حاکم صقلیہ خود قسطنطنیہ کی طرف بڑھ رہا ہے۔ اس خبر نے سب کے وضو شکست کر دیے۔ منصوبے بدل گئے۔ اور شہنشاہ نے ایک بہت بڑا لشکر جمع کر کے زیادہ حصہ اپنے شہر کی حفاظت کے لیے وہین روک رکھا اور کافی تعداد مین فوج صقلیہ کی طرف روانہ کی۔

امیر ابراہیم کی باقی ماندہ مہمین

طبرمین پر قابض ہو کے امیر ابراہیم نے غیر مفتوح بلاد صقلیہ پر جو فوجین

اور بہین روانہ کرنا شروع کین - ایک لشکر مینفش پر بھیجا - ایک دمنش کی طرف روانہ کیا - ایک فوج آرمطہ پر گئی - ایک نے شہر باج کا رخ کیا - اول الذکر دونون شہرون کے لوگ مسلمانون کی آمد سنتے ہی شہر چھوڑ چھوڑ کے بھاگ گئے - اور پچھلے دونون مقامات کے لوگون نے عاجزی کے ساتھ درخواست کی کہ "ہم جزیہ دینے کو تیار ہین - لہذا ہم پر فوج کشی نہ ہو" ابراہیم نے اُن کی اِس درخواست کے قبول کرنے سے انکار کیا - اور کہلا بھیجا "جب تک تم اپنے قلعے ہمارے حوالے نہ کر دو گے تمھاری کوئی التجا نہین سُنی جا سکتی" آخر مجبور ہو کے اُنھون نے قلعے حوالے کر دیے - اور امیر ابراہیم نے قبضہ پاتے ہی اُن کو منہدم کرا ڈالا - اِس کے بعد وہ شہر کسنتہ کی طرف بڑھا - وہان کے لوگون نے جو یہ حال سُنا تو علم اسلام کے پہونچنے سے پہلے ہی خود حاضر ہو کے امان مانگی جس درخواست کے قبول کرنے سے صاف انکار کیا گیا -

اُس کی بیماری اور وفات

اپنے لشکر کے ساتھ وہ شہر کسنتہ کی طرف روانہ ہی ہوا تھا کہ مرض اسہال مین مبتلا ہوا - چنانچہ منزل مقصود پر پہونچ کے لشکر تو شہر مذکور کے گرد اُترا - مگر وہ خود شدت مرض کے باعث سب سے الگ اور تن تنہا فوج سے دُور جا کے فروکش ہوا - اُس کے ساتھ نہ ہونے کی وجہ سے یا اُس کی صحت کے انتظار مین فوج نے لڑائی نہین چھیڑی - مگر امیر ابراہیم کی یہ حالت ہوئی کہ مرض ساعت بساعت بڑھتا ہی گیا - نیند اُڑ گئی - اور ہچکیون کا سلسلہ بندھ گیا - آخر شب شنبہ ۱۹ ذیقعدہ ۲۸۹ھ کو غیر مفتوح شہر کسنتہ کی دیوارون کے نیچے سفر آخرت کیا - اور فوج مین کہرام مچ گیا - لشکر کے صاحب رائے لوگون اور سردارون نے جمع ہو کے اُس کے پوتے ابو مضر بن ابو العباس عبد اللہ کو امیر فوج اور صقلیہ کا حاکم قرار دیا - پھر امیر ابراہیم کی لاش کو تابوت مین رکھ کے افریقیہ لے گئے - اور قیروان مین آغوش لحد کے سپرد کیا -

ابو العباس عبد اللہ بن ابراہیم فرمانروائے افریقیہ

ابراہیم کی وفات کے ساتھ ہی اُس کا بیٹا ابو العباس جسے اُس نے خود بلا کے اپنا جانشین بنا دیا تھا مستقل طور پر مسند آرائے حکومت ہوا۔ اُس نے لائق اور دیندار باپ کے آغوش تربیت مین بہت اچھی اور اعلی درجہ کی تعلیم پائی تھی۔ عالم و فاضل۔ ادیب و شاعر اور اس کا ساتھ بڑا بہادر اور اول درجہ کا کامل فن سپاہی تھا فنون جنگ مین لوگ کسی کو اُس کا مماثل نہ پاتے اور دنیا کے اُن نامور حکمرانون مین تھا جنھون نے علم و فضل کے ساتھ شجاعت و سپہ گری کے فنون مین بھی ناموری حاصل کی ہے۔ فنون حرب مین اُسے ایسا کمال حاصل تھا کہ اُن مین مجتہدانہ تصرف کرتا۔ اور سپہ سالاران ملک مین سے کوئی اُس کی ہمسری کا دعوے نہ کر سکتا۔

عنفوان شباب مین البتہ اُس سے بعض اخلاقی بے اعتدالیان ظاہر ہوئی تھیں جن پر برہم ہو کے باپ نے اُسے اپنے سے دور کرنے اور اظہار ناراضی کے لیے ولایت صقلیہ پر بھیج دیا۔ اور وہ بھی باپ سے اس قدر ڈرتا تھا کہ فوراً جہاز پر سوار ہو کے وہان چلا گیا۔ اور باپ کی ناراضی دور کرنے کے لیے اپنے اخلاق کی اصلاح کی عدالت پروری و رعایا نوازی کی۔ جہاد کیا فتحین حاصل کین۔ جن باتون کا باپ پر اس قدر اثر ہوا کہ اُسے واپس بلا کے اپنی جگہ مسند حکومت پر بٹھایا۔ اور نظم و نسق سلطنت کی باگ اُس کے ہاتھ مین دے کے خود جہاد و حج کے شوق مین روانہ ہو گیا۔

اب اُس کے بعد ابو العباس کا آزادانہ عہد شروع ہوا تو اُس نے پہلی یہ کارروائی کی کہ اپنی قلمرو کے تمام شہرون مین اپنی طرف سے اِس مضمون کا اعلان شائع کرایا کہ "مین نیکی۔ فیاضی۔ اور نیک انصاف گستری سے حکومت کرون گا۔ رعایا کے ساتھ نرمی سے پیش آؤن گا۔ اور جہاد کرون گا،، ویسا ہی کیا۔ اپنے دربار مین بہت سے مستند علما جمع کیے۔ اور اُن کو اپنا مشیر بنایا۔

ابو مضر زیادۃ اللہ اور اُس کے بعد محمد بن سرقوسی والی صقلیہ

اس زمانے مین اُس کی طرف سے والی صقلیہ اس کا بیٹا ابو مضر زیادۃ اللہ تھا۔ جس نے وہان جہاد اور اصلاح ملک سے بے پروا ہو کے عیش پرستی و دلکشی شروع کر دی۔ ہر وقت مخمور رہتا۔ خوبصورت عورتون مین بیٹھ کے نغمۂ و طرب کی محفل گرم کرتا۔ اور سوا لہو لعب اور عیش و طرب کے کسی چیز سے سروکار نہ تھا۔ یہ حال باپ نے سُنا تو فوراً اُسے حکومت سے واپس بلا کے قید کر دیا تاکہ بداخلاقی کی عادتین چھوٹین۔ اور بداعمالیون کی سزا ملے۔ اور اُس کی جگہ محمد بن سرقوسی کو والی صقلیہ مقرر کر دیا۔

ابو العباس حاکم افریقہ کی شہادت

اسی ابو العباس کے زمانے مین عبید اللہ مہدی کے داعی و نقیب ابو عبد اللہ نے روز پکڑا تھا۔ اس نے جب دیکھا کہ فتنہ بڑھتا جاتا ہے تو اپنے بھائی احول (بھنگے) کو جو حقیقت مین بھنگا نہ تھا بلکہ محض ہر چیز کو گھور کے دیکھنے کی وجہ سے احول مشہور ہو گیا تھا ابو عبد اللہ کی قوت توڑنے کے لیے بھیجا۔ اور ابو عبد اللہ بہت بڑا لشکر لے کے اُس کے مقابلے پر آیا۔ مقام کوشہ کے میدان مین ایک قیامت خیز لڑائی ہوئی جس مین دونون طرف کے ہزارون نامی شہسوار مارے گئے۔ اور احول کو شکست ہوئی۔ مگر وہ ایسا مدبر و شجاع سپہ سالار تھا کہ شکست ہونے پر بھی ابو عبد اللہ کو روکے رہا۔ اُس کے مقابل پڑا رہا۔ اور اُسے اس کی جرأت نہ ہونے دی کہ سبقت کرے۔

اسی دوران مین آخر شعبان ۲۹۰ھ کے آخری چہارشنبہ کو تین صقلبی[۵] شخص شہر تونس مین

[۵] صقلب سے مراد سلیو (سلیو) قوم مراد ہے جو جزیرہ نمائے بلقان اور روس مین آباد ہے۔ روس، سربی، بلغاری، لو، پلنٹی نگرو والے اسی قوم مین ہین۔ ان لوگون مین سے اکثر مسلمان ہو گئے تھے اور اُن دنون مغرب کے تمام اسلامی درباروں مین سپاہیون نیز نوکری کا کرتے تھے۔ ان کی پلٹنین اور رسالے افریقہ و اندلس مین ہر جگہ موجود تھے۔ جن کو عرب صقلبی و صقالبہ کہتے

شاہی قصر کے اندر تلوارین کھینچے ہوے گھسے۔ ابو العباس کو کاٹ کے ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالا۔ اور اُس کا سر کاٹ کے سیدھے قیدخانے مین گئے۔ وہان باپ کے سر کو ناخلف بیٹے کے سامنے پیش کر کے انعام و ترقی کے امیدوار ہوے۔ (ان) بدمعاشون کو زیادۃ اللہ ابو مضر ہی نے اس خدمت پر مامور کیا تھا۔ مگر اُس کے ہاتھ سے اُن کو انعام یہ ملا کہ ابو مضر ہی کے حکم سے فوراً گرفتار کر کے مار ڈالے گئے۔ اور اُن کی لاشین سُولیون پر لٹکا دی گئین۔

ابو مضر زیادۃ اللہ آخری فرمانروائے بنی اغلب

نیک نفس باپ کو جام شہادت پلا کے بدکار اور شرابی ابو مضر اغلبی سریر حکومت پر بیٹھا۔ اور چونکہ اپنے خاندان کا پچھلا حکمران تھا اس لیے اُس کی حرکتین اور اُس کے افعال بھی ویسے ہی تھے جیسے کہ اپنے خاندان اور اپنی عزت کو برباد کر ڈالنے والے بادشاہون کے کام ہوا کرتے ہین۔ اُس کے تخت پر بیٹھتے ہی اول درجے کا شہدپن ہونے لگا۔ علانیہ اور آزادی سے شرابین لنڈھائی جانے لگین۔ ہر وقت محفل رقص و سرود قائم رہتی۔ جس مین پریزاد عورتین ناچتین گاتین۔ اور وہ اُن کے سامنے بیٹھ کے نشہ مین جھومتا۔ عالم و فاضل مشیران سلطنت گھرون مین بٹھا دیے گئے۔ اور دربار مین مسخرون اور شہدون کا زور تھا۔ جن کے سامنے کسی کی نہ چلتی۔

باپ کو قتل کرواتے ہی پہلی حرکت یہ کی کہ اپنے چچا احول کو جو ابو عبداللہ کو رو کے میدان مین پڑا تھا باپ کی طرف سے جعلی حکمنامہ بھیج کے اپنے دارالسلطنت تونس مین بلوایا۔ اُسے صاحب تاج و سریر بھائی کے مارے جانے کی خبر نہ تھی بلا تامل چلا آیا۔ اور آتے ہی خونخوار بھتیجے کے ہاتھ سے مارا گیا۔ اس کے بعد احول کے دوست اور رشتہ دار قتل ہونے لگے۔ یہان تک کہ سوا دو چار کے اس نے اپنے تمام عزیزون اور بھائی بندون سے دنیا خالی کرا لی۔

افریقیہ مین شاہی خاندان بنی اغلب کا آخری خطرناک زمانہ

ان باتون کا لازمی نتیجہ تھا کہ ابو عبداللہ کا زور بڑھا۔ اُس کے لشکر قلمرو

آلِ اغلب کو پامال کرنے لگے۔ اور تمام مشہور و مضبوط شہروں پر یکے بعد دیگرے اُس کا قبضہ ہونے لگا۔ یہ حالت دیکھ کے زیادۃ اللہ گھبرایا۔ اور سارا نشہ ہرن ہو گیا۔ آخر اُس نے اپنے ایک ابن عم ابراہیم بن ابوالاغلب کو جو اُس کے پنجۂ ستم سے بچ رہا تھا چالیس ہزار فوج کے ساتھ ابوعبداللہ کے مقابلے پر روانہ کیا۔ مگر بادشاہ کی بدکاریوں نے فوج کو اس درجہ بددل کر رکھا تھا کہ ابوعبداللہ کے لشکر کا سامنا ہوتے ہی ابراہیم کو شکست ہو گئی۔

بادشاہ کا تخت و تاج چھوڑ کے بھاگنا

اس شکست کا حال سُن کے زیادۃ اللہ کامیابی سے مایوس ہو گیا۔ شکست کو رعایا سے چھپایا۔ بلکہ اُن میں یہ مشہور کیا کہ ابوعبداللہ کو شکست ہوئی۔ مگر اپنے مخصوص ندیمان صحبت پر اصل حقیقت آشکارا کر دی اور کہا "میرا ارادہ ہے کہ جو کچھ مال و دولت ہاتھ آسکے اپنے ساتھ لوں اور یہاں سے بھاگ جاؤں۔ تم بھی جو کچھ لے سکے لے کے میرے ساتھ چلنے کی تیاریاں کر دو"۔ کسی غیرت دار مصاحب نے ادب سے عرض کیا "ابوعبداللہ حضور پر غالب نہیں آسکتا۔ حضور مقابلے کی تیاری کریں بھاگنا کسی طرح مناسب نہیں ہے"۔ اس پر زیادۃ اللہ بہت بگڑا اور کہا "تم چاہتے ہو کہ ابوعبداللہ یہاں آکے مجھے پکڑ لے"۔ اُس کی یہ ضد دیکھ کے سارے مصاحبوں نے بھی کوچ کی تیاریاں شروع کر دیں۔

آخر ایک انبوہ کثیر کے ساتھ جس میں اُس کے دوست اور اُس کی کافر ماجرا دلربائیں تھیں اور سارا خزانہ اور سامان دولت اونٹوں پر لدا ہوا تھا وہ تونس کو خیرباد کہہ کے طرابلس میں پہونچا۔ یہ شہر بھی اُسی کی قلمرو میں تھا۔ اور ابوعبداللہ کا بھائی ابوالعباس یہاں کے قیدخانے میں مقید تھا۔ سب کو گمان تھا کہ وہ ابوعبداللہ کا بھائی ہے مگر وہ خود اس سے منکر اور ایک معمولی تاجر ہونے کا مدعی تھا۔ زیادۃ اللہ نے اُسے اپنے سامنے بلوا کے پوچھا کہ "تمہاری نسبت جو گمان کیا جاتا ہے سچ ہے؟" اُس نے کہا بالکل غلط۔ مجھے ابوعبداللہ سے کوئی قرابت نہیں ہے۔ تب زیادۃ اللہ نے کہا ہر حال میں تم

چھوڑے دیتا ہون۔ اگر یہی صحیح ہی جو تم کہتے ہو تو تمھین چھوٹنا ہی چاہیے۔ اور اگر حقیقت مین تو عبداللہ کے بھائی ہو تو بھی مضائقہ نہین۔ کچھ تو میرا احسان مانو گے۔ اور اپنے جن دوستون اور عزیزون کو مین تونس مین چھوڑ کے آیا ہون اُن کے ساتھ اچھا سلوک کرو گے۔

اب زیادۃ اللہ ولایت مصر کے حدود مین داخل ہوا۔ خلیفہ بغداد المقتدر باللہ کی جانب سے وہان کا والی عیسیٰ نوشیری تھا۔ اُس نے پہلے اپنے ملک مین آنے سے اُسے روکا اور کہا خلیفہ کی اجازت کے بعد آپ آ سکتے ہین مگر زیادۃ اللہ جا پہونچا۔ اور نوشیری نے کسی قدر جھگڑے کے بعد اُسے اپنا مہمان کیا۔ اور اُس کی حالت و کیفیت المقتدر کی خدمت مین لکھی۔ اور اپنے ذریعے سے اُسے بغداد بھیجا۔ آخر دشت و در کی خاک چھانتا ہوا وہ شہر رقہ مین پہونچا۔ اور وہان رک کے وزیر خلافت ابن الفرات کے پاس اجازت حاضری کی درخواست بھیجی۔ حکم آیا کہ وہین ٹھہرے رہو۔ مجبوراً زیادۃ اللہ رقہ مین ٹھہر گیا اور ایک سال تک وہین پڑا رہا۔ اب گو کہ بہت سے رفقا ساتھ چھوڑ کے چلے گئے تھے مگر خود اُس کی وضع و حالت مین اس تباہی و خانہ بربادی پر بھی کوئی اصلاح نہین ہوئی تھی۔ وہی میکشی تھی اور وہی شاہد پرستی۔ وہی شہدپن تھا اور وہی ہر دم کی محفل رقص و سرود۔

اُس کے یہ حالات سُن کے مقتدر نے حکم دیا کہ تمھین بغداد مین آنے کی ضرورت نہین مصر کو پلٹ جاؤ۔ والی مصر سے کمک حاصل کر کے اپنے ملک پر قبضہ کرو۔ اور دشمنون سے بدلہ لو۔ والی مصر کو اس بارے مین ہدایت کر دی گئی ہے۔ اس فرمان خلافت کے مطابق وہ مصر مین واپس گیا۔ مگر نوشیری نے مدد نہ کی۔ بلکہ وہان خود والی نے کوئی ضرر پہونچایا یا کسی نے کوئی زہر دے دیا کہ ڈاڑھی موچھون کے بال گر گئے۔ اور عجیب حلیہ کے ساتھ اُس نے زیارت بیت المقدس کا قصد کیا۔ مگر شہر رملہ ہی تک پہونچا تھا کہ زندگی ختم ہو گئی۔ اور رملہ کی خاک مین دبا دیا گیا۔

یہ تھا اس خاندان بنی اغلب کا آخری فرمان روا جس نے افریقہ مین ایک سو بارہ سال تک بڑے جاہ و حشم سے حکمرانی کی۔ اور جس کے حکمرانون کا کبھی یہ دعویٰ تھا کہ مصر و شام پر ہم چڑھائی کرینگے۔ اور ارض فلسطین کے زیتون کے درختون مین اپنے گھوڑے باندھینگے۔

ہندوستان مین مشرقی تمدن کا آخری نمونہ

ا معاشرت مین دوسری چیز مکانون کا فرنیچر یعنی وہ سامان ہے جس سے مکان آراستہ کیے جاتے ہین۔ اُن دنون آج کل کی سی میز کرسیان نہ تھین بلکہ خاص ہندوستانی اور اسلامی مذاق کا سامان تھا۔ مکانون مین تختون کے چوکے ہوتے۔ پلنگ ہوتے۔ یا تختون کے اُوپر بچھانے کے لیے نازک اور خوشنما پلنگڑیان ہوتین۔ غریبون اور متوسط حیثیت والون کے یہان بانون کے پلنگ ہوتے۔ اور اُمرا کے گھرون مین علی العموم نواڑ کے پلنگ ہوا کرتے۔

نفیس طبع لوگون کے گھرون کی یہ شان ہوتی کہ جھاڑو دی ہوئی ہر۔ دیوارون پر سفیدی پھری ہے۔ چھت پر اُجلی سفید چھت گیری کھچی ہوئی ہے جس کے چارون طرف چُنٹ دی ہوئی جھالر لٹک رہی ہے۔ دالان کمرے یا صحن مین تختون کا چوکا ہے اُس پر دری ہے اور دری پر سفید براق چاندنی۔ جو اس نفاست سے کھینچ کے بچھائی گئی ہے کہ شکن کا کہین نام نہین۔ چارون کونون پر سنگ مر مر کے گنبد نما میر فرش کے کونون کو دبائے ہوئے ہین تاکہ ہوا مین چاندنی اُڑنے نہ پائے یا اُس مین شکنین نہ پڑین۔

اُوپر اُجلا فرشی پنکھا ہے۔ اُس کا بھی بعد کے زمانے مین رواج ہوا ورنہ دراصل ان مکانون کی زینت دستی پنکھون سے ہوتی جو حسب درجہ و رتبہ بڑے تکلف و اہتمام سے بنائے جاتے۔ اور اُن کا حال ہم آئندہ کسی موقع پر بیان کرین گے۔ اُس چوکے اور فرش پر خواہ کمرے کے اندر ہو یا باہر ایک جانب جو صدر مقام قرار پاجاتا نواڑ کا نفیس اور خوبصورت پلنگ بچھا ہوتا۔ پلنگ کے اوپر گرمیون مین دری اور جاڑون مین توشک ہوتی اور اُس کے اوپر ایک اُجلی چادر بچھی رہتی۔ پلنگ کی چادرین شاہی محلون یا اُن کے ہمرتبہ محلسرائون مین ایک نیچی زمین کے قریب تک کی چُنٹ دار جھالر چارون طرف ٹنکی ہوتی جو پلنگ مین ایک خاص شان پیدا کردیتی۔ چارون پائون پر بچھونے کے چارون کونے ریشم کی رنگین ڈوریون سے ایک خوشنما بندش سے باندھ دیے جاتے تاکہ بیٹھنے

اور کروٹین بدلنے مین بچھونا کھسکنے اور اپنی جگہ سے سرکنے اور ہٹنے نہ پائے۔
سرہانے پلنگ کے عرض کے برابر مربع مستطیل قطع کے تلے اوپر چار نہایت ہی نرم تکیے ہوتے۔ یہ تکیے اکثر شالباف (تول) کے ہوتے اور اُن پر تنزیب یا تیل مین دُھلے ہوئے سفید غلاف چڑھے ہوتے۔ جن مین تول کی سرخی اپنی جھلک دکھاتی اور وہ پراٹھے کی پرتون کی طرح تلے اوپر رکھے جاتے۔ پھر اُن کے اوپر اودھر اُدھر اُسی کپڑے کے دو ننھے ننھے نرم گل تکیے ہوتے تاکہ کروٹ سے لیٹنے مین گالون کے نیچے رہین۔ یہ گل تکیے ہاتھ کی ہتھیلی سے زیادہ بڑے نہ ہوتے اس کے بعد بچھونے پر دونون جانب دونون پٹیون کی جانب دو گول تکیان رہتین جن کو کروٹ لیتے وقت رانون کے نیچے دبا لینے مین آرام ملتا۔ پائنتی دولائی رضائی یا لحاف موسم کے مناسب لگا دیے جاتے۔ اور دن کو جب کوئی لیٹنے والا نہ ہوتا سارے پلنگ پر ایک پلنگ پوش پڑا رہتا۔
چوکے پر پلنگ کے آگے صدر نشینی کے لیے فرش کے اوپر ایک قالین مسند کی وضع مین بچھا دیا جاتا۔ اور قالین پر پلنگ سے ملا ہوا گاؤ ہوتا جس پر روز کے استعمال کے لیے تو سفید غلاف رہتا۔ مگر اعلی تقریبون کے موقعون پر نہایت قیمتی ریشمی اور اکثر کارچوبی کام کے غلاف چڑھا دیے جاتے۔
اور اگر چوکے پر پلنگ نہ ہوتا تو اُس کے کسی ایک رُخ پر جو مناسب معلوم ہو مسند تکیہ ہوتا۔ اور اُس پر نشست ہوتی۔
دیوارون پر اگرچہ کبھی کبھی تصویرین ہوتین مگر تصویرون کا جس قدر اب رواج ہے اُن دنون نہ تھا۔ بلکہ تصویرون کے عوض عمدہ قطعات جن پر بڑی نفاست سے نقش و نگار بنائے جاتے فریم مین جڑ کے دیوارون پر لگا دیے جاتے۔ ان قطعات کا اُس زمانے کے رئوسا کو اس قدر شوق تھا کہ اُنھین کے لکھنے اور تیار کرنے پر خوشنویسون کی زندگی بسر ہوتی۔ اور سچ یہ ہے کہ اسی شوق نے اُس زمانے مین وہ نامور و باکمال خوشنویس پیدا کر دیے جو سوا قطعات لکھنے کے کتابت کو اپنے لیے ننگ اور اور اپنے معمولی شان کے خلاف اگر دون کا کام سمجھتے۔

تختون کے علاوہ صحن ڈیوڑھی اور دروازے کی باہر کی نشستت کے لیے مونڈھے ہوتے جو اگرچہ اب بھی کہین کہین نظر آجاتے ہین مگر اُن دنون شریفون کا کوئی گھر اُن سے خالی نہ تھا۔ یہ سینٹھے اور بانون سے بنائے جاتے۔ اور جن گھرون مین اُن کا زیادہ اہتمام ہوتا اُن مین اِن مونڈھون پہ بکری کی خشک کھال جس مین بال موجود ہوتے چڑھا دیجاتی۔ یا مضبوطی کے لیے وہی بالدار چمڑا فقط اُن کے کنارون پہ چڑھا ہوتا۔ یہ مونڈھے اُن دنون بڑی بکار آمد چیز تھے۔

اُمرا کے سوا جو زنانے اور مردانے دو مکان رکھتے تھے عوام اور اکثر متوسط طبقے والے فقط ایک ہی مکان پہ زندگی بسر کرتے۔ اب علی العموم کوشش کیجاتی ہے کہ ہر مکان مین دروازے کے پاس کوئی بیرونی کمرہ ضرور موجود ہو۔ اُن دنون اِس کا چندان خیال نہ تھا۔ بلکہ ڈیوڑھی مین اور اُس مین گنجایش نہ ہوتی تو دروازے کے باہر ہی مونڈھے ڈال کے لوگ احباب سے ملتے۔ اور اُس مین کوئی مضائقہ نہ سمجھا جاتا۔

کمرون اور دالانون کے اندر اکثر طاقون پہ خوشنمائی و زیبائش کے لیے کاغذ کے گلدستے رکھ دیے جاتے۔

دالانون کی محرابون کے لیے عموماً پردے ضروری سمجھے جاتے مگر آج کل سینٹھون سرکیون یا قنات کے پردون کا جو رواج ہے اُن دنون نہ تھا بلکہ اِس قسم کے پردے معیوب سمجھے جاتے۔ اور اُن کی جگہ تول یا جازم کے روئی دار پردے تیار کرائے جاتے۔ جو اکثر بندھے رہتے۔ فقط ضرورت کے اوقات مین کھول کے لٹکا دیے جاتے۔ زنانی محلسرائون کے بیرونی دروازہ پر بھی اسی قسم کے پردے ہوتے۔ جس کے پاس کوئی ماما یا کہاری اکثر کھڑی نظر آتی۔

(۳) وضع قطع۔ اس کا ذکر لباس کے سلسلے مین آچکا ہے۔ مگر اس موقع پر ہمین یہ بتانا ہے کہ اُن دنون شرفا کے مذاق مین اپنے گھر کے اندر یا باہر پورے کپڑے پہننے کی ضرورت نہین سمجھی جاتی تھی۔ بلکہ سر سے پاؤن تک

برہنہ رہنا اور فقط ایک تول کی غرقی یعنی مختصر سی لُنگی باندھے رہنا معیوب نہ تھا۔ یہ غرقی اِس قطع کی ہوتی کہ جانگھیا کی طرح بجز ستر پوشی کے ٹانگین بھی ننگی رہتین فی الحال ہمارے شرفا اپنے گھر پہ بھی اندر یا باہر بنیان۔ کرتا اور پائجامہ پہنے رہنا لازمی سمجھتے ہین۔ مگر جس عہد کا ہم ذکر کر رہے ہین اُن دنون یہ ظاہر ہر گھر مین اتنے کپڑے پہنے رہنا وضعداری کے خلاف تھا۔ اُس وقت بہت سے ایسے لوگ تھے جو فقط گھر سے نکلتے وقت انگرکھا پائجامہ پہن لیتے اور اِس طریقے سے ایک شوب کو مہینون تک نباہ لے جاتے۔ اور کپڑون کی یہ حالت ہوتی کہ معلوم ہوتا آج ہی دھو کے آئے ہین۔ معمول تھا کہ دھوبی کے وہان سے آیا ہوا انگرکھا پہنا جاتا تو اُس کی دامن گوٹ اور آستینین چُنی جاتین۔ اِس چُناوٹ کے نشان مہینون اُسی طرح برقرار رہتے۔

ہان عورتون کے لباس مین البتہ کوئی فرق نہ آتا۔ وہ اپنے گھر مین اُتنے ہی کپڑے پہنے رہتین جتنے کہین مہمان جانے مین پہنتین۔ یہ اور بات ہو کہ آنے جانے کا جوڑا بھاری اور قیمتی ہوتا۔ اور گھر مین پہننے کا معمولی کسی کے وہان مہمان جانے کی صورت مین مرد اور عورت دونون عمدہ نفیس اور بھاری پوشاکین پہن کے جاتے۔ اور لباس کی عمدگی کی وجہ سے مردانی و زنانی دونون صحبتین بہت صاف ستھری اور بارونق رہتین۔

گرجستان کا ولایت دستگاہ مجاہد شامل

اِس پچھلی صدی مین جبکہ اسلام آماجگاہ حوادث تھا مسلمانون کی ایسی ایسی قیمتی جانین اپنی قوت کی حمایت اور اپنی آزادی کی نگہداشت مین ضائع ہوئی ہین کہ مؤرخین اگر دل دردمند رکھتے ہین تو قیامت تک اُن کا ماتم کرتے رہین گے۔ جس طرح افریقہ کے پامال کرنے مین اہل فرانس کی نا انصافیون نے عبد القادر کے ایسے نامور بہادر کو تباہ کیا اُسی طرح روس کے دست ستم سے کوہ قاف مین مسلمانون پہ طرح طرح کے مظالم ہوئے۔ اور وہان شامل نامور کے ایسے ولی اللہ مجاہد کی زندگی

ناکامی پر ختم ہوئی - اُن دنون علاقہ ہاے داغستان اور گرجستان پُر جوش بہادر اور دیندار مسلمانون سے بھرے ہوے تھے - روس اُن کو اپنے زیر فرمان بنانا چاہتا تھا اور اُنھین دُھن تھی کہ مر جائین گے مگر دشمن دین حملہ آور دن کی اطاعت نہ قبول کرین گے جو بڑی بڑی فوجون سے اُن پر یورشین کرتے - اور مکر و فریب کی کوئی کارروائی نہ اُٹھا رکھتے -

گرجستان اور داغستان کا صاحب اثر حاکم انیسوین صدی عیسوی کے آغاز مین قاسم مُلا نام ایک بہادر مقتداے دین تھا وہ شجاعت و دیانت داری سے روسیون کا مقابلہ کرتا - اور اُس کے ساتھ والی مجاہد دشمنون کے مقابلے پر ہر وقت سر بکف رہتے - اِن سر فروش حامیان وطن مین ایک ستائیس اٹھائیس سال کا نوجوان بہادر شامل نام تھا جس کی شجاعت کے کارنامے پہلے پہل ۱۲۵۳ محمدی (۱۸۳۲ء) مین دنیا کو نظر آنا شروع ہوئے - شامل علاقہ داغستان کے شہر حمری مین ۱۲۲۶ محمدی مین پیدا ہوا تھا - اور وطنی پہاڑون مین پل کر بڑے کے اپنے ہاتھ پاؤن ایسے مضبوط کر لیے تھے کہ کسی خطرے سے نہ ڈرتا وطنی حمیت کے جوش مین وہ ہر آفت کا سامنا کرنے اور ہر مصیبت کو اپنے سر پر لینے کے لیے تیار تھا - اکثر دیکھا گیا کہ اپنے حاکم مقتدا قاسم مُلا کا اشارہ پاتے ہی وہ دشمنون کے بڑے بڑے زبردست لشکرون مین تلوار کھینچ کے گھس پڑا اور سینکڑون کو خاک و خون مین نہلا کے جس طرح بجلی بڑی بڑی عمارتون مین گھس کے اور در و دیوار کو توڑ کے نکل آتی ہے اسی طرح صحیح و سالم واپس چلا آیا - ایسے واقعات بارہا پیش آئے - اُسکے ساتھیون کو یقین ہونے لگا کہ وہ کسی روحانی قوت اور دینی کرامت سے بچ جاتا ہے - اور دشمنون کے ہتھیار اُس پر کارگر نہین ہوتے -

اس نوجوان بہادر کی شجاعت نے جب کئی بار روسیون کے دانت کھٹے کر دیے تو ۱۲۶۲ محمدی (۱۸۳۱ء) مین روسیون نے بڑی زبردست قوت سے داغستان و گرجستان پر قبضہ کرنے کا ارادہ کیا - اور اُن کا سپہ سالار جنرل روزن اتنا بڑا لشکر لے آیا کہ اُس کا روکنا اور اُس پر غالب آنا غیر ممکن تھا - مگر جان باز و سر بکف حامیان وطن اب بھی جان پر کھیل کے لڑتے - مگر کچھ زور نہ چلتا - قلعے پر قلعے اور شہر پر شہر قبضے سے نکلتے جاتے - اور کوئی تدبیر نہ بن پڑتی - آخر قاسم مُلا مع اپنے تمام جان باز سپاہیون

گے داغستان کے قلعۂ حمزی مین محصور ہو گیا جو مقام شامل کا مولد و موطن تھا۔
چند ہی روز کے محاصرے کے بعد روسیون نے قلعہ بھی دھا دیا۔ اور اپنے
بڑے بڑے بہادر دون اور ہزار ون سپاہیون کو قربان کر کے اور بے حد
نقصان اُٹھا کے قلعے پر قابض ہو گئے۔ محصورین نے جان دینا گوارا کر لیا مگر اس
کے روادار نہ ہوئے کہ دشمنون کے ہاتھ مین زندہ اسیر ہون قاسم مُلّا اور
اُس کے تمام رفقا قلعے کے فصیل کے نیچے شمشیر زنی کر کے شہید ہو گئے۔ اور کوئی
نہ بچا جس کو دشمنون کے آگے سر جھکانا پڑا ہو۔

شامل کا بھی کہین پتہ نہ لگا۔ اور ہر شخص کو یقین ہو گیا تھا کہ اُس نے
بھی اپنے فردوس مقام آقا کے ساتھ جام شہادت پیا۔ لیکن اِس فتح سے بھی روسیون
کو ملک گرجستان پر قبضہ کرنا نہ نصیب ہو سکا۔ اس لیے کہ اور بہت سے داغستانی
و گرجستانی اُٹھ کھڑے ہوے۔ اور مرحوم قاسم مُلّا کے عوض کسی اور کو اپنا سردار
بنا لیا۔ یہ نئے حامیان وطن جو روسیون سے لڑ رہے تھے ایک دن کیا دیکھتے
ہین کہ شامل آ کے اُن کی فوج مین شامل ہو گیا۔ سب نے بیخودانہ جوش سے
نعرہ ہاے مسرت بلند کیے۔ اکثر کو یقین ہو گیا کہ خدا نے ہماری مدد کے لیے اُسے
دوبارہ زندہ کر دیا۔ اور وہ قبر سے اُٹھ کے آیا ہے۔ گو کہ اُس نے بیان
کر دیا کہ مین زخمی ہو کے گرا تھا اور لاشون مین پڑا رہ گیا۔ پھر جب وہ زخم اچھے
ہو گئے تو پھر حمایت وطن کے لیے کمر باندھی۔ مگر کسی کو یقین نہ آتا۔ اور سب یہی سمجھتے
کہ ہماری حمایت کے لیے خدا نے اُسے شہادت کے بعد پھر اُٹھا کے کھڑا کر دیا ہے۔
نئے سرگروہ قوم کو خیال ہوا کہ شاید شامل اب سرگروہی قوم کا خواستگار ہو گا
مگر اُس نے صاف ظاہر کر دیا کہ مجھے حکومت نہین آزادی وطن چاہیے۔ اپنا
قوم کے ہر سردار کی غلامی کرنے کو خوشی سے تیار ہون۔ چنانچہ اب اِس نئے
حاکم داغستان کے جھنڈے کے نیچے وہ جوہر شجاعت دکھانے لگا۔

روسیون نے پھر پوری قوت سے حملہ کیا۔ اور اُس کا انجام یہ ہوا کہ
گرجستان کا یہ دوسرا حاکم بھی مع اپنے تمام جان بازون کے شہید ہوا۔ اور سب
کو یقین ہو گیا کہ شامل کا شمار بھی شہداے اُمت مین ہے۔ مگر اب کی بھی وہ کسی

پھر نا تدبیر سے زندہ نکل گیا جس کو لوگون نے اُس کی کرامت اور ولی اللہ ہونے کا قطعی ثبوت خیال کیا۔ اور اس قدر معتقد ہوئے کہ اُسی کو اپنا سردار اور فرمان روا قرار دے کے اُس کے مطیع و منقاد ہو گئے۔ مذکورہ شجاعت اور کرامتون کے علاوہ شامل بڑا عابد و زاہد متقی و پرہیزگار اور انتہا درجے کا دیندار بھی تھا۔ لہذا اب وہ فقط اپنی قوم کا سپہ سالار ہی نہین بلکہ اُن کا صاحب ولایت مقتدا بھی تھا جس کے ادنیٰ اشارے پر ہر شخص جان دینے کو تیار ہو جاتا۔

روسیون نے پھر فوج کشی کا ارادہ کیا تو اُس نے اُن کے مقابلے مین جہاد کا اعلان کر دیا۔ اور جوش و خروش سے صف آرائیان شروع کین۔ چنانچہ روسیون کو چند ہی روز مین اُس نے عاجز کر دیا۔ اُن کی کوئی قوت اُس پر غالب نہ آ سکتی۔ بڑے بڑے لشکر اُس کے مقابلے پر آ کے زک اُٹھاتے۔ اور ناکام و نامراد واپس جاتے۔ اپنے کوہستانی وطن مین اُس نے قدم قدم پر روسیون سے مقابلہ کیا۔ بارہا روسیون کے نامور سرلون اور زبردست لشکرون کو اس نے کسی گھاٹی یا جنگل مین اس طرح پھانس لیا کہ سب کو ہتھیار رکھ دینا پڑے۔ اور ایسی ایسی فاش شکستین دین کہ اتنی بڑی سلطنت کے حوصلے پست کر دیے۔ اس طرح ایک چوتھائی صدی روسیون کو زکین اُٹھاتے گزر گئی۔

آخر روسیون نے شجاعت مین ہار کے مکاری و سازش سے کام لینا شروع کیا۔ اور رشوتین دے دے کے اور لالچ دلا دلا کے اُس کے رفقا کو توڑنے لگے جس کا انجام یہ ہوا کہ تقریباً پچیس سال تک سلسلۂ جہاد قائم رکھنے اور روسیون کو شکستین دینے کے بعد ۱۲۷۵ھ محمدی (۱۸۵۹ء) مین بہت سے بے حمیت سرداران وطن اُس کا ساتھ چھوڑ کے چلے گئے۔ اور اُس کی قوت کمزور پڑ گئی۔ اور روسیون نے جیسے ہی اُسے کمزور پایا بہت بڑے زبردست لشکر سے حملہ کر دیا۔ اب اُسے مجبوراً اپنے قلعے مین محصور ہو جانا پڑا۔ آخر روسیون نے شہر پناہ ڈھا دا کے اُسے

اور اُس کے بیٹے کو گرفتار کر لیا - جن کے اسیر ہوتے ہی روسی سارے داغستان و گرجستان کے مالک ہو گئے - جن ملکون کی اُنھین مدت ہاے دراز سے ہوس تھی - اور جن کے فتح کرنے کی کوشش مین اُنھون نے بے انتہا جانون اور مال و دولت کا نقصان اُٹھایا تھا -

یہ ہم کو نہین معلوم کہ روسیون نے اسیر کر لینے کے بعد اس بہادر مجاہد اسلام کے ساتھ کیا سلوک کیا - مگر یہ جانتے ہین کہ ۱۲۷۶ھ محمدی مین گرفتار ہونے کے بعد اُس نے بارہ سال تک قید رہ کے ۱۲۸۸ محمدی (۱۸۷۱ء) مین روسیون ہی کی قید مین وفات پائی - جب کہ اُس کی عمر چوہتر سال کی تھی -

---

سخن سنجان وطن

ان دنون اشاعت دلگداز مین جو بد نظمی رہی خاکسار ایڈیٹر کی بیماری کے سبب سے تھی - آپ کے اس ادبی خادم کو سینتیس سال کی خدمت گزاری کے بعد اب بعض امراض نے ستانا شروع کر دیا ہی - جو غالباً جان لے کے جائین گے - لیکن اُس کا حوصلہ وہی ہی اگر قطعی معذوری و مجبوری نہ ہوئی تو وہ مرتے دم تک ان قومی و وطنی خدمات کو انجام دیتا رہیگا - یہ اُسی دُھن کی برکت ہی کہ دلگداز کے باقی ماندہ پرچے تیار ہو گئے - اب کی نذر کے لیے ناول "بابک خرمی" کا دوسرا حصہ تکمیل کے قریب پہونچ گیا - اور چھپ رہا ہے - جو امید ہے کہ آیندہ جنوری مین ۱۹۱۸ء کے چندے اور محصول کل عہ ۱۱ کی وی پی حاضر ہوگا -

فی الحال خاکسار کے ذمے بہت سے کام ہین - اور فقط آپ حضرات کی حوصلہ افزائی اُن کو انجام دلا رہی ہے - دلگداز اور دل افروز کے مضامین اور ناولون کے علاوہ بڑی اہم کتاب "تاریخ ارض مقدس" ہی جس کے حصے جُدا جُدا کتابون کی صورت مین مورخ کے ذریعے سے شائع ہو رہی ہین - اُن مین سے تین کتابین "تاریخ یہود" "مسیح و مسیحیت" اور "جاہلیت عرب" مکمل ہو کے مرتب ہو گئین - چوتھی کتاب "خاتم المرسلین" مورخ کے ساتھ جنوری ۱۸ء سے شائع ہونا شروع ہو گی - اور بعد کی تاریخ بھی کم از کم تین کتابون مین پوری ہو گی مسلمانون کے لیے یہ بڑی اہم اور نہایت ضروری کتاب ہے - دعا کیجیے کہ خدا پورا کرا دے -

حمام کی تاریخ

انگریزی مین حمام کو "باتھ" کہتے ہین جس کے لغوی معنی غسل یا نہانے کے ہین۔ اور اس وجہ سے وہان یہ سمجھا جاتا ہے کہ جسم انسانی کے گرد پیش معمولی اوقات مین جس مقدار کی گرمی یا سردی رہا کرتی ہے اس کے خلاف کسی جگہ زیادہ درجے کی گرمی یا سردی اُس کے جسم پر اپنا اثر ڈالنے کے لیے پیدا کیجائے تو وہ مقام "حمام" ہے۔ مگر ہمارے یہان حمام جس لفظ سے نکلا ہے اُس کے معنے گرمی کے ہین۔ اس لیے ہمارے یہان صرف اُسی مقام کو حمام کہنا چاہیے جہان کی فضا معمول سے زیادہ گرم کردی گئی ہو۔ اگرچہ اسی مکان مین گرمیون کے موسم مین کبھی لوگ ٹھنڈے پانی سے بھی نہا لیا کرتے ہون۔

دراصل حمام اُس عمارت کا نام ہے جس مین پانی کے حوض کے نیچے آگ جلا کے حوض کا پانی خوب گرم کیا جائے۔ پھر اس پانی سے جو بخارات اُٹھین اُن کو دروازے اور باہر کے منافذ بند کر کے محفوظ کیا جائے۔ اور مکان کی فضا اور ہوا جس درجے تک ضرورت ہو گرم کردی جائے اُس مین ایک ٹھنڈا حوض رکھنا بھی لازمی ہے تاکہ جب پانی بہت زیادہ گرم ہو جائے تو اُس کو جس درجے تک مناسب معلوم ہو سمو کے معتدل کر دیا جائے۔

اس مین نہانے کے طریقے بھی مختلف ہین۔ کہین لوگ حوض مین اُتر کے غوطہ لگاتے ہین۔ کہین حوض سے لوٹے مین پانی لے کے بدن پر

ڈالتے ہین۔ اور بعض جگہ چھت پر لگے ہوئے فوارون اور ہزارون سے مینہ کی طرح اپنے اوپر پانی برساتے ہین۔

نہانے کا آغاز تو اُسی وقت سے دنیا مین ہوگیا ہوگا جب انسان پیدا ہوا۔ اور اُسے صفائی کی ضرورت محسوس ہوئی لیکن مذکورہ بالا خاص شان کے گرم حمامون کا آغاز غالباً بابل اور مصر مین بھی ہوا ہوگا جہان تمدن انسانی یورپ سے پہلے ترقی کر گیا تھا۔ مگر یورپ مین یونان کے پہلے شاعر ہومر کے زمانے تک گرم حمامون کا پتہ لگتا ہے۔ جو حضرت سرور کائنات علیہ الصلوٰۃ والسلام سے ۱۷۰۰ سال پیشتر کا زمانہ تھا۔

اُس کے بعد یونانیون مین ایسے گرم حمام کثرت سے بن گئے جو یا تو معززامرا کے گھرون مین تھے اور خاص اُن کے اور اُن کے احباب کے غسل کرنے کے لیے مخصوص تھے۔ اور یا عام لوگون کے نہانے کی غرض سے تھے۔ لیکن اِس کا پتہ لگانا دشوار ہے کہ یونانیون کے وہ حمام کس وضع قطع کے تھے۔ اُن مین گرمی کس درجے تک بڑھائی جا سکتی تھی اور کیونکر بڑھائی جاتی تھی۔ اور نہانے کے کیا مدارج اور طریقے تھے۔ زیادہ تفتیش سے اُن کے حمامون کے متعلق فقط اِس قدر معلوم ہو سکا ہے کہ اُن کے جو حمام عوام کے لیے تھے وہ علی العموم "جمنے شیہ" یعنی ورزش خانون اور اکھاڑون سے متعلق ہوا کرتے تھے۔ اور ورزش کرنے کے بعد فوراً اُن مین جا کے وہ لوگ گرم پانی سے نہایا کرتے تھے۔

یونانیون کے بعد رومیون کا زمانہ شروع ہوا تو ابتداءً اُنھون نے وہی یونانیون کی وضع کے حمام اپنے وہان بنوائے۔ پہلے پہل رومیون مین حمامون کو زیادہ اہمیت نہ تھی۔ یہان تک کہ اگسٹس قیصر کا زمانہ آیا۔ اور اُس کے شوق نے حمامون کو غیر معمولی اہمیت دے کے اُن مین شاہانہ شوکت و رونق پیدا کر دی۔ رومی حمامون کو "تھرمہ" کہتے تھے جس کے معنے گرم غسل خانے کے ہین۔ اور اُس کا صحیح ترجمہ ہمارا عربی لفظ "حمام" ہے گو کہ رومیون مین ہمارے یہان کی طرح ٹھنڈے حمام بھی تھے۔

رومی اُمرا اور قیصرون کی شوقینی کا آخر یہ انجام ہوا کہ رومۃ الکبری کے محلّون محلّون مین کثرت سے عالیشان حمام تیار ہو گئے۔ مختلف مورخین کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ اکیلے شہر رومہ مین آٹھ سو سے زیادہ ہی حمام تھے۔ جن مین زیادہ مشہور و معروف حمام اگرپا۔ حمام انطونیوس۔ حمام قراقلا۔ حمام دیوقلی طین۔ حمام نیرو اور حمام طیطوس تھے۔ دیوقلیطین حمام مین کہتے ہین کہ ۱۸۰۰ آدمیون کے نہانے کے چبوترے تھے۔ اور اُن کی عظمت و رونق اور آراستگی و زیبائش کے جو افسانے بیان کیے جاتے ہین حیرت انگیز ہین۔ جن رومی حمامون کے منہدم آثار آج باقی ہین اُن کے دیکھنے سے معلوم ہو سکتا ہے کہ یہ عمارتین جب اپنی اصلی حالت پہ قائم ہون گی تو کیسی شاندار ہون گی۔ اور یقین آجاتا ہے کہ اُن کی نسبت جو کچھ کہا جاتا ہے بالکل سچ ہے۔

(رومیون مین حمام کرنے کا وقت علی العموم گرمیون مین دن کو دو بجے اور جاڑون مین تین بجے تھا۔ اور اُن مین نہانے کا طریقہ یہ تھا کہ حمام مین داخل ہونے کے بعد کپڑے اُتارتے ہی کوئی عام قسم کا گاڑھا اور سستا تیل سارے بدن مین لگا دیا جاتا۔ جس کے بعد وہ اقار سٹوریم مین داخل ہوتے۔ اقار سٹوریم ایک بہت بڑے ہال کا نام تھا جس مین ہر طرح کی مروجہ ورزشون کا سامان موجود رہتا۔ وہان وہ خوب ورزش کرتے یہان تک کہ خوب پسینہ آجاتا۔ جو ورزش زیادہ عام تھی یہ تھی کہ بھاری فولادی گولون کو اُٹھایا اور مختلف طریقون سے گھمایا اور پھرایا جاتا۔ جی بھر کے ورزش کر لینے کے بعد وہ ایک دوسرے گرم کمرے مین جاتے جو کالڈریم کہلاتا۔ اور اُس مین خوب تیز گرمی ہوتی۔ یہان سینگ اور اور دھات کے پھانودن سے خوب رگڑ رگڑ کے بدن ڈھویا جاتا۔ خوب نہا دھو لینے کے بعد یہان اُن کے بدن مین ایک لطیف خوشبودار تیل لگا دیا جاتا۔ جس کے بعد وہ ٹپی ڈوریم مین داخل ہوتے۔ یہ وہ کمرہ تھا جس مین نہانے کے کمرے کے مقابل خفیف درجے کی گرمی ہوتی۔ تھوڑی دیر یہان توقف کر کے وہ فریجی ڈاریم مین جاتے جو ٹھنڈا کمرہ ہوتا تھا۔ اور اُس ٹھنڈے کمرے مین آنے کی ضرورت یہ ہوتی کہ کالڈوریم کی سخت گرمی کے بعد ایک ٹھنڈے مقام مین ٹھہر کے جسم مین کھلی فضا اور باہر کی ہوا

مین آنے کی صلاحیت پیدا ہو جائے -)

یہ تھا رومی حمام جس کا رومیون کو اس قدر شوق تھا کہ جس سرزمین پر جا کے اُنھون نے قیام کیا اسی قسم کے پبلک حمام وہان اُنھون نے تعمیر کرا لیے۔ گرم چشمون سے فائدہ اُٹھایا اور اُن کے پانی کو حمام مین پہونچایا۔ چنانچہ مغربی انگلستان مین شہر باتھ (حمام) رومیون کے اس مذاق کی یادگار آج تک موجود ہے

رومیون کے زوال کے بعد قرون وسطیٰ مین یورپ پر مسیحی مقتداؤن کا اثر تھا اور اُنھین طہارت اور نہانے اور دھونے سے اس قدر نفرت تھی کہ رومیون کے بنائے ہوے تمام حمام منہدم ہو گئے۔ اور جن لوگون کو اس پر فخر و ناز ہو کہ عمر بھر ہمارے بنڈے مین پانی نہین لگا اُن کے زمانے مین اگلے حمامون کے باقی رہنے اور کسی نئے حمام کے تعمیر ہونے کی کیا امید کیجا سکتی تھی؟ چنندہی روز مین اہل ملک حمام اور اُس کے لطف کو بھول گئے۔ اور اس کے ساتھ ہی طہارت و نجاست کا امتیاز بھی اُٹھ گیا۔ اور یورپ کی پبلک مین وہ تمام عیب پیدا ہو گئے جو صفائی اور طہارت کا خیال نہ ہونے کے لازمی نتائج ہین۔ جیسے کہ پیشاب پھرانے کے بعد بھی دھونے کی ضرورت نہ باقی رہی۔ اگرچہ اب بہت سے ہندوستانی بھی نجس رہنے مین یورپ کی تقلید کرنے لگے ہین مگر وہ ننگ وطن ہین۔ اور اس نجس رہنے پر اُنھین تو شرم نہین آتی مگر ہم بجاے خود اُن کے عوض شرما لیا کرتے ہین۔

رومیون کے بعد سرزمین عرب سے نیر اسلام طلوع ہوا۔ اور عرب لواے توحید کندھے پر رکھ کے افریقہ سے ہوتے ہوے یورپ مین پہونچے۔ ان موحدون کے نزدیک نہانا اور وضو کرنا خدا کی عبادت کے لیے لازمی تھا۔ اسی قدر نہین جنابت کی حالت مین اُنھین بغیر نہائے ایک گھڑی بسر کرنا بھی دشوار تھا۔ اُن کو غسل و وضو کرتے اور گھڑی بھر کے لیے بھی نجاست کو نہ برداشت کر سکتے دیکھ کے تعصب نے مسیحیون کو یقین دلایا کہ نہانا دھونا اور بدن کو پانی مین بھگونا ایمانداری کے خلاف اور کافرون (مسلمانون) کا کام ہے۔ دینداز مسیحیون کو ان باتون سے کیا غرض؟ بہرحال مسیحیون کو طہارت کرنے اور نجاست دور کرنے سے روز بروز نفرت و مغائرت ہوتی گئی۔ اور نہانے دھونے کا جو کچھ سامان اگلے رومیون کا مہیا کیا ہوا باقی

تھا سب اِن کے ہاتھون فنا ہو گیا۔ جس کا عجیب نتیجہ آج یہ نظر آ رہا ہے کہ اُسی سرزمین (یورپ) مین جہان رومیون نے گاؤن گاؤن مین حمام بنوائے تھے آج اگر ایک آدھ حمام عجائباتِ قدرت کے نمونے کے طور پر بنا بھی لیا گیا ہے تو اپنی چیز نہین بلکہ "ٹرکش حمام" یعنی ترکون اور مسلمانون کی چیز کہا جاتا ہے۔

مسلمانون کو تمدن و دولت حاصل کرتے ہی اپنی طہارت اور صفائی کی ضرورتون کے لحاظ سے حمام ایک نعمت غیر مترقبہ نظر آیا۔ اُنھون نے فوراً اُسے اختیار کر لیا۔ اور جہان جہان عرب جا کے آباد ہوئے یا دین اسلام پہونچا ہزارون حمام تعمیر ہو گئے۔ اسی قدر نہین اُنھون نے اپنے حامون مین رومی حمام سے بھی زیادہ ترقی کی۔ چنانچہ فی الحال دنیا کے تمام باعظمت و شان حمام مسلمانون کے بنائے ہوئے ہین۔

اہل اسلام کے حمامون مین سے وہ ورزش خانہ نکل گیا جس کی وجہ یہ تھی کہ سپہگری کے فنون اور اسلحۂ جنگ کی ورزشون کا جداگانہ مستقل انتظام ہو گیا۔ اور یہ چیزین کبھی کبھی کے لیے نہین بلکہ روزانہ تعلیم مین داخل ہو گئین۔ اِن اسلامی حمامون مین پہلے انسان ایک کمرے مین داخل ہوتا ہے جس کی گرمی اس قدر معتدل ہوتی ہے کہ ناگوار نہین ہوتی اور کوئی مضر اثر نہین ڈال سکتی۔ وہان کپڑے اُتار کے اور ایک مناسب زمانے تک ٹھہر کے انسان ایک اور کمرے مین جاتا ہے جو پہلے کمرے سے زیادہ اور نہانے کے کمرے سے کم گرم ہوتا ہے۔ یہان بھی تھوڑی دیر ٹھہر کے وہ اُس کمرے مین جاتا ہے جہان نہاتا ہے۔ یہانتک پہونچتے پہونچتے خوب پسینہ آ جاتا ہے۔ میل چھوٹنے کے لیے خوب پھول جاتی ہے۔ اب حمامی ایک چوکی پر بٹھا کے تمام جسم پر تیز گرم پانی ڈال دیتا ہے پھر کیسے سے خوب مل مل کے میل چھڑاتا ہے اور بدن کو صاف کرتا ہے۔ بالون کو بیسن کھلی یا کسی اور چیز سے مل کے دھوتا ہے۔ اِس کے بعد وہ مختلف پیچون اور طریقون سے ہڈیون کے جوڑون کو کھینچتا ہے اور ایسی اچھی دلک کرتا ہے کہ نہایت آرام ملتا ہے۔ اور معلوم ہوتا ہے کہ سارے اعضا نرم پڑ گئے۔ تھکن اور سستی دور ہو گئی۔ اور ہاتھ پاؤن کھل گئے۔ اس کے بعد جسم پر خوب پانی بہا کے اور بخوبی طہارت کر کے انسان لنگی بدل کے حسب ترتیب اُنھین کمرون سے گزرتا ہے جن مین سے ہو کے گیا تھا۔ اور آخری کمرے مین دم بھر ٹھہر کے اور کپڑے پہن کے اپنے گھر چلا آتا ہے۔

تدریجی گرمی کی وجہ سے انسان آخری کمرے مین اُس درجے تک کی حرارت کو برداشت کر لیتا ہے کہ اگر براہ راست نہانے کے کمرے مین چلا جائے تو وہان کی حرارت اُس کے لیے اس قدر ناقابل برداشت ہو کہ ضرر پہونچا دے۔ ترکی حامون مین پتھرون پر گرم پانی چھڑک چھڑک کے نہانے کے کمرے کی حرارت ۱۴۰ درجے تک پہونچا دی جاتی ہے۔

حمام اگرچہ سرد ممالک اور ہمارے یہان بھی جاڑون مین نہایت لُطف کی چیز ہے اور اُن سے اطبا نے اپنے فن مین بھی بہت فائدہ اُٹھایا ہے مگر اُس کے ساتھ نہایت ہی خطرناک چیز بھی ہین۔ اگر حرارت اعتدال سے تجاوز کر جائے تو جان کا خطرہ ہے۔ چنانچہ اگلی تاریخ سے معلوم ہوتا ہے کہ متعدد بادشاہون اور بہت سے امیرون کی جانین حامیون سے سازش کر کے حمام ہی کے ذریعے سے لی گئی ہین۔

حُسن کی کرشمہ سازیان

نینون لانکلون

یعنی آنکھو والی "نینون" یہ ایک عجیب مذاق اور عجیب و غریب قابلیت کی نامور فرانسیسی خاتون تھی۔ جو آج سے تین سو برس پیشتر ۱۶۱۶ء مین خاص دارالسلطنت فرانس پیرس مین پیدا ہوئی تھی۔ بچپن ہی مین ایسی حسینہ و جمیلہ اور پری جمال و حور تمثال تھی کہ دیکھنے والے عش عش کر جاتے۔ اس کے ساتھ ایسی شوخ چلبلی اور عشوہ ساز تھی کہ جو دیکھتا بے ساختہ زبان سے نکل جاتا کہ اب تو فتنہ ہے کوئی دن مین قیامت ہو گی۔

مان چاہتی تھی کہ کسی خانقاہ رہبان کی تعلیم گاہ مین داخل کر کے اُسے مذہبی زندگی کی تعلیم دلائے۔ مگر باپ عیاش طبع رنگین مزاج اور ریاکار پادریون کے خلاف تھا بیٹی کے لیے ثقاہت کی راہبانہ زندگی نہ پسند کی۔ اور اس کی تعلیم کے لیے دوسرے ذرائع اختیار کیے۔ لیکن پندرہ ہی سال کی تھی کہ سر سے

ماں باپ دونوں کا سایہ اُٹھ گیا۔ اور اپنی دنیوی زندگی کے لیے بغیر کسی رہبر کے خود ہی اپنا راستہ نکالنا پڑا۔

بلوغ کے بعد ہی اُس کا حُسن و جمال یک بیک ایسا نکھر آیا اور اُس کے ناز و انداز میں ایسی دلربائیاں پیدا ہو گئیں کہ اُس کی چشمِ فتّان کا تیر جس پر پڑ جاتا کلیجے کے پار ہوتا۔ یک بیک سارے فرانس میں اُس کی کافرماجرائی کا چرچا ہونے لگا۔ اور فرانس کے دھنعدار اور شوقین امیرزادے اس خداداد حسن کی قدردانی کو تیار ہو گئے۔ اعلیٰ ترین رتبے اور دولت کے کئی امیروں نے اُس پر اپنے شوق کی کمندیں پھینکنا شروع کیں۔ اور جو تھا چاہتا تھا کہ اُسے اپنا بنا لے۔ مگر نینون نوعمری ہی سے ایسی انجام بین اور زمانہ شناس تھی کہ کسی کی نہ ہوئی۔ بڑے بڑے دولتمندوں نے لاکھ سر مارا اظہارِ عشق کیا مگر وہ کسی کے ہاتھ نہ آئی۔ دراصل خود داری و خودپرستی نے اُس کے دل میں یہ بات ڈال دی تھی کہ میں کسی کی جورو بن کے اُس کی تابع فرمان اور محکوم نہ بنوں گی۔

(لیکن کمال یہ تھا کہ اِس خودداری و بے پروائی کے ساتھ اُس میں خشک مزاجی رُکھا وٹ یا زاہدانہ بے تعلقی کہیں نام کو نہ تھی۔ کوئی شوق کے ساتھ ملتا تو اُس سے زیادہ شوق سے وہ اُس سے ملتی۔ پیاری باتوں شوخی کی حرکتوں اور طرح طرح کی اداؤں سے اُس کی دلربائی کرتی۔ لیکن جہاں کوئی اِس حد سے آگے قدم بڑھانے کا ارادہ کرتا اُس کوئی ایسی حرکت کرتی کہ وہ اپنا مُنہ لے کے رہ جاتا اور سمجھ جاتا کہ یہ پھول اگرچہ حسن و خوبی میں لاجواب ہے مگر اُس تک میرا ہاتھ نہیں پہونچ سکتا۔

اِن قدرتی و مزاجی محاسن کے ساتھ وہ اعلےٰ درجے کا علمی و ادبی کمال رکھتی تھی۔ اُس میں غیر معمولی ذکاوت و فراست تھی اور اُس نے اعلیٰ درجے کی طبع رسا پائی تھی۔ بذلہ سنج تھی اور سخن فہم۔ جس کا نتیجہ یہ تھا کہ اُس دور کے نامور شعرائے فرانس مولیئر اور فونتنل اس کی دوستی کا دم بھرتے اور روز اُس کے دروازے پہ کھڑے رہتے تھے۔ اسی قدر نہیں اُس عہد کے بہت سے صاحب کمال انشا پرداز اور شاعر اپنے کلام میں اُس سے اصلاح لیتے تھے۔ اس سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ اِس علمی و ادبی کمال نے اُس کے حُسن اور اُس کے جمال میں

کیسا چلتا ہوا جادو پیدا کر دیا ہوگا۔

اس علمی ذوق کے ساتھ اُسے خود آرائی کا بھی بیحد شوق تھا۔ بغیر سنورے اور خوب نکھار کیے گھر سے باہر قدم نہ نکالتی۔ لباس کی تراش خراش اور سجاوٹ مین اور حُسن کی آرایش وزیبایش مین اِس قدر اہتمام کرتی کہ اُس کے زمانے مین لوگ اُس کا ایک جلوہ دیکھتے ہی دیوانے ہو جاتے۔ اور آج تک فرانس مین بہت سے بٹنے اور پوڈر اُسی کے نام سے مشہور کیے جاتے ہین۔ کہا جاتا ہے کہ اپنے خود آرائی کے کمال سے اُس نے عہد شباب کے گزر جانے کے بعد بھی مدتون اپنے آپ کو جوانی پری تمثال بنائے رکھا۔

لیکن باوجود ان تمام لگاوٹون۔ ناز آفرینیون۔ اور خود آرائیون کے اُس نے اپنے دامن عصمت مین کبھی دھبہ نہ لگنے دیا۔ چنانچہ اُس کے حالات بیان کرنے والے دعوے کے ساتھ کہتے ہین کہ "اُس کا مذاق تو ایپی کیورس کا تھا مگر زندگی ذانس کی تھی" جس کا مطلب ہماری زبان مین یہ ہوا کہ "مذاق شہوت پرستی کا تھا اور زندگی خدا پرستی کی تھی"

اُس نے اپنے عہد شباب مین ہمیشہ عشق بازی کا کھیل کھیلا مگر اُس عشق بازی مین نہ کوئی غرض تھی اور نہ کوئی شخص اُس کا مقصود و مطلوب تھا۔ اس کے ساتھ یہ بھی تھا کہ اُس کی پاک و بے غرض محبت و الفت کو فقط ہم مذاقی و لطف صحبت سے تعلق تھا حصول دولت کے لیے اُس نے کبھی کسی کی طرف رخ نہین کیا۔

بناؤ چناؤ اور خود آرائی کرتی۔ مگر اس بناؤ مین کچھ ایسی شریفانہ سادگی اور پاکدامنی کی ادا ہوتی کہ فرانس کی پاکدامن و عفیفہ عورتین جو باہر کی ملنے جلنے والیون سے حتی الامکان گریز کرتین اُس کی دیوانی ہو رہی تھین اور اُس سے میل ملاپ پیدا کرنے کو اپنا فخر سمجھتین ذی علم لوگ اور ادیبان زمانہ اُس کی بڑی عزت کرتے تھے۔ اور اپنے کلام مین جب تک اُس سے اصلاح نہ لے لیتے ہرگز شائع نہ کرتے۔ خود اس کے تصانیف بہت کم شائع ہوے۔ اور جو اُس کی جانب منسوب ہین اُس کے نہین ہین۔ اس نے عمر بہت زیادہ پائی۔ اور سنہ ۱۷۰۶ع مین نوّے برس کی ہو کے مری۔

دولت بنی فاطمہ کا پہلا امام عبیداللہ مہدی

اب مراکش سے طرابلس تک سارا ملک عبیداللہ مہدی کے زیر نگین تھا حسن بن ابو عبداللہ نے سطوت پیدا کر کے امام واجب الاتباع کی حیثیت سے اُسے ملک کے سامنے پیش کیا۔ عبیداللہ نے عنان حکمرانی ہاتھ مین لینے کے بعد ملک کا انتظام کیا۔ اپنی جانب سے ملکی خدمات پر عہدہ دار مقرر کیے۔ اور اُن تمام صوبون مین جو فرمان روایان بنی اغلب کے زیر نگین تھے اپنے طرف سے والی و حاکم مقرر کر کے بھیجنا شروع کیے۔

حسن بن احمد بن ابی الخنزیر والی صقلیہ

اسی سلسلے مین اُس نے حسن بن ابی الخنزیر کو حاکم صقلیہ مقرر کر کے روانہ کیا۔ فرمان تقرر پاتے ہی وہ جہاز پر بیٹھ کے روانہ ہوا۔ اور ۱۰ ذی الحجہ سنہ ۲۹۷ کو صقلیہ کے ساحلی شہر مازر مین پہونچا۔ اپنے بھائی کو اپنی نیابت مین جزجنت کا حاکم بنایا۔ اور اسحٰق بن منہال کو قاضی صقلیہ مقرر کیا۔ سنہ ۲۹۸ھ تک ابن ابی الخنزیر مازر ہی مین مقیم رہا۔ پھر لشکر جمع کر کے جہاد کی تیاریان کین۔ اور شہر دمنش پر حملہ کر دیا۔ وہان والون کو مقابلے کی جرأت نہ ہوئی۔ اور ابن ابی الخنزیر لوٹ مار کے اور بہت سے لونڈی غلام گرفتار کر کے پھر مازر مین واپس آیا۔

علی بن عمر البلوی والی صقلیہ

ابن ابی الخنزیر سے صقلیہ مین پہونچتے ہی ایسی بدمزاجی اور کبر و نخوت کی سرکشی ظاہر ہوئین کہ وہ تمام مسلمان جو صقلیہ مین متوطن ہو گئے تھے

اُس کے دشمن ہو گئے۔ اور ایک ہی سال مین ساری رعایا اُس سے سخت ناراض تھی۔ ان باتون کا انجام یہ ہوا کہ ایک دن لوگون نے ناگہان نرغہ کرکے اُسے پکڑ لیا۔ اور اُس کے بعد خود ہی عبید اللہ مہدی کو تمام واقعات کی اطلاع دی۔ اپنی مجبوری ظاہر کرکے عذر خواہ ہوے۔ اور کسی دوسرے والی کو مانگا۔ عبید اللہ نے اُن کے عذرات کو قبول کیا۔ اور علی بن عمر البلوی کو والی مقرر کرکے روانہ کیا چنانچہ اُس نے آخر ذی الحجہ ۲۹۷ھ مین وہان پہونچ کے حکومت کا چارج لے لیا۔

احمد بن قرہب والی صقلیہ

علی بن عمر و البلوی بہت بوڑھا اور اُس کے ساتھ نہایت ہی نرم دل اور کمزور طبیعت کا حاکم تھا۔ اور غالباً عبید اللہ نے عمداً ایسے شخص کو بھیجا تھا تاکہ صقلیہ والون کو پھر شکایت نہ ہو۔ مگر اس کا اُلٹا یہ اثر ہوا کہ اہل صقلیہ اُس کے اختیارات سے باہر ہو گئے۔ نہ اُس کی اطاعت کرتے اور نہ اُس کا حکم مانتے۔ نوبت یہانتک پہونچی کہ سب نے مل کے حکومت سے معزول کرکے صقلیہ ہی کے ایک صاحب اثر شخص احمد بن قرہب کو اپنا حاکم بنا لیا۔ اور اُس نے دھڑلے سے حکومت شروع کر دی۔ عنان حکومت ہاتھ مین آتے ہی اُس نے ایک لشکر اٹلی کے جنوبی صوبہ قلوریہ پر روانہ کیا۔ یہ لشکر وہان رومیون کو شکست دے کے اور اُس علاقے کے شہرون کو تاخت و تاراج کرکے بڑی کامیابی سے واپس آیا۔ پھر ۳۰۰ھ مین اُس نے اپنے بیٹے کو ایک لشکر کا سردار بنا کے طبرمین کے قلعہ جدید پر بھیجا۔ اور حکم دیا کہ اُسے محاصرہ کرکے جس طرح بنے فتح کرے۔ ابن قرہب کی خواہش یہ تھی کہ اسی شہر طبرمین کو اپنا مستقر قرار دے۔ اور اس کے قلعے مین جو بڑا مضبوط تھا اپنے اہل و عیال اور زن و فرزند کو لیجا کے رکھے۔ علی نے جا کے طبرمین کا محاصرہ کیا۔ اور چھ مہینے تک اُسے گھیرے پڑا رہا۔ اپنے دنون تک ایک ہی جگہ پڑے رہنے کی وجہ سے لوگ تنگ آکے

شائق اور بے صبر سپاہیون مین ناراضی پھیلنا شروع ہوئی - جس کا انجام یہ ہوا
کہ ایک دن اسی محاصرے کی اثنا مین اُس کے ہمراہی مسلمان سپاہیون نے
نرغہ کر کے اُس کے خیمے مین آگ لگا دی - اور ساتھ ہی لشکر گاہ کے سارے خیمون
پر بھی شعلے بلند ہوے - بہت سے سپاہیون کا قصد ہوا کہ اپنے سپہ سالار علی
کو پکڑ کے قتل کر ڈالین - مگر بعض عربون نے ایسی بے اعتدالی سے روکا - اور
علی کی جان بچ گئی ؎

صقلیہ مین دعوت عباسی اور عبیداللہ مہدی کی مخالفت

مذکورہ واقعے کے ساتھ ہی احمد بن قرہب نے عبیداللہ مہدی کی اطاعت کا جوا گردن پر سے اُتار کے پھینک دیا - علانیہ دعوت عباسی کا غلغلہ بلند کیا - لوگون سے المقتدر باللہ خلیفہ بغداد کی بیعت لینے لگا - اور ایک آنا فانا مین صقلیہ کی تمام مسجدون مین عبیداللہ مہدی کا نام خطبون مین سے نکل گیا -

ابن قرہب نے اسی قدر نہین کیا بلکہ صقلیہ کے بیڑے کو زبردست لشکر سے آراستہ کر کے سواحل افریقہ پر روانہ کیا تاکہ ساحلی شہرون کو لوٹے مارے - اور عبیداللہ کو افریقہ مین بھی آرام سے نہ بیٹھنے دے - یہ پہلا موقع تھا کہ سرکش مسلمانان صقلیہ نے خود اپنے مرکز افریقہ پر چڑھائی کی - اُدھر سے عبیداللہ کا افریقی بیڑا اُس کے مقابلے پر آیا جس کا امیر البحر حسن بن ابی الخنزیر تھا جو اہل صقلیہ کے ہاتھ سے چھوٹ کے افریقہ پہونچ گیا تھا - دونون بیڑون مین سخت لڑائی ہوئی - اور صقلیہ کے جہازون نے اس طرح جان پر کھیل کے اور اس شدت سے حملہ کیا کہ عبیداللہ مہدی کے بیڑے کو تباہ کر دیا - اُس کے بہت سے جہازون مین آگ لگا دی - بہتون کو غرق کیا اُن کے امیر البحر ابن ابی الخنزیر کو پکڑ کے قتل کر ڈالا - اور اُس کا سر کاٹ کے ابن قرہب کے پاس صقلیہ مین بھیجا - اس بحری فتح سے صقلیہ والون کا حوصلہ بڑھ گیا - اور اُن کے بیڑے نے حریف کی بحری قوت کو پامال کر کے سواحل افریقہ پر لوٹ مچا دی - پہلے شہر سفاقس

پہونچ کے لوٹا مارا - اور ساحلی آبادیون کو غارت کرتا ہوا طرابلس الغرب پر پہونچا
وہان عبید اللہ مہدی کا بیٹا القائم ایک زبردست لشکر کے ساتھ موجود تھا
اُسے دیکھ کے اہل صقلیہ کو زمین پر اترنے کی جرأت نہ ہوئی فوراً اُن کے
جہازون نے لنگر اُٹھا دیا اور صقلیہ مین واپس چلے گئے -

اتنی مدت مین یہ ہوا کہ خلیفہ المقتدر عباسی بغدادی کے بھیجے ہوئے سیاہ
علم اور خلعت صقلیہ مین ابن قرہب کے پاس پہونچ گئے - جنھین مسلمانون کے سامنے
پیش کر کے اُس نے عبید اللہ کی مخالفت کا جوش اور بڑھا دیا - اور آزادی [illegible]
سے خلافت عباسی کے زیر حمایت اس جزیرہ مین حکومت کرنے لگا - چنانچہ اُس نے
صقلیہ کا ایک زبردست بیڑا تیار کر کے اٹلی کے صوبۂ قلوریہ پر بھیجا - جہان
کے شہرون کو لوٹ مار کے جدید دولت اسلامیہ صقلیہ نے خوب دولت و ثروت
حاصل کی - اور بیڑا اپنی مہم کو کامیابی سے پورا کر کے واپس آ گیا -

جس وقت صقلیہ کا ایک بیڑا قلوریہ پر گیا ہے اُسی وقت وہان
کا دوسرا بیڑا افریقہ کی طرف روانہ ہوا تاکہ جدید دولت فاطمیہ افریقہ کے
مقابل کمزوری نہ ظاہر ہو - اب کی پھر افریقہ کا بیڑا آ کے مقابل ہوا - اور
بڑی بھاری لڑائی ہوئی - مگر اب کی سابق کے خلاف صقلیہ کے جہازون کو
شکست ہوئی - اور مہدی کے جہاز پوری طرح فتحیاب ہوئے -

مسلمانان صقلیہ مین یہ نہایت ہی سخت عیب تھا کہ قابو پا کے
جس طرح بے سوچے سمجھے بغاوت و سرکشی پر تیار ہو جایا کرتے تھے - اُسی طرح
اپنے کسی سردار کو کمزور دیکھتے ہی اُس کا ساتھ بھی چھوڑ دیا کرتے - چنانچہ جیسے ہی
خبر آئی کہ مہدی کے بیڑے کو فتح ہوئی سب نے یکقلم ابن قرہب کا ساتھ چھوڑ دیا
اور اسی قدر نہین اُس کی دشمنی اور اُس سے انتقام لینے پر آمادہ ہو گئے
اور وجہ یہ تھی کہ ابن قرہب کی سخت گیریون کے باعث سب اُس سے ڈرتے
اور دل مین بغض رکھتے تھے - اس وقت موقع پاتے ہی فوراً اُس کی اطاعت
چھوڑ دی - اور عبید اللہ مہدی کی خدمت مین سرخرو ہونے کے لیے اپنا
سفیر بھیج کے اُسے ابن قرہب کی شکایتین لکھین - [illegible] ہی مقام سے ہیکن

صقلیہ کے تمام اسلامی شہروں نے اسی مضمون کی عرضداشتین مہدی کے پاس بھیجین۔ اور ساتھ ہی سب نے ۳۰۰ھ مین ابن قرہب پر یورش کر دی۔ اُسے گرفتار کر لیا۔ اور مع رفیقوں اور ساتھیوں کے اُسے پابزنجیر عبید اللہ مہدی کے پاس بھیجا۔ مہدی نے ان دشمنون کو اپنے قبضے مین پا کے حکم دیا کہ ابن ابی الخنزیر کی قبر پر لیجا کے سب کی گردن ماری جائے جس مین اُس کا سر دفن تھا۔

ابوسعید موسی بن احمد والی صقلیہ

باغیان صقلیہ کو قتل کر کے عبید اللہ مہدی نے ابوسعید موسی بن احمد کو جزیرہ صقلیہ کا والی مقرر کر کے روانہ کیا۔ اور اُس کے ہمراہ بار آور آزمودہ شیوخ کتامہ کی ایک زبردست جماعت بھی تھی کسی موقع پر ابن قرہب نے مہدی کو لکھا تھا کہ اہل صقلیہ مین بے وفائی و سرکشی کا مادہ بہت زیادہ ہے اُن کا معمول ہے کہ اپنے حاکمون اور امیرون کو ذرا بھی کمزور پاتے ہین تو فوراً مخالف ہو کے اُسے لوٹ لیتے ہین۔ اور جب تک حاکم کے ساتھ زبردست لشکر نہین ہوتا۔ یہ زبردست لشکر صقلیہ مین پہونچا تو لوگ خائف ہوئے۔ مگر ذرا سنبھلے بھی اپنی وضع نہ چھوڑی۔ اہل جرجنت اور اہل مدینہ بلرم والون نے اس پر حملہ کیا۔ اور سخت مقابلہ کرنے کے بعد قلعہ بند ہو کے بیٹھ رہے۔ ابوسعید نے محاصرہ کر لیا۔ دریا کی جانب بندرگاہ اپنے قبضے مین کر لی۔ اور اُدھر اپنے اور شہر والون کے درمیان مین ایک نئی فصیل بنا کے کھڑی کر دی۔

آخر چند ہی روز کے محاصرے کے بعد اہل صقلیہ نے قلعہ سے نکل کے مقابلہ کیا۔ اور ابوسعید نے اُن کو ایسی زبردست شکست دی کہ اُن کے بہت سے لوگ ابوسعید کے ہاتھ مین گرفتار ہو گئے۔ اور اہل شہر نے مجبور ہو کے امان مانگی۔

ابوسعید نے سوا دو شخصون کے سب کو امان دیدی۔ یہ دو شخص اصلی بانی فتنہ تھے۔ اور اُنھین کے اغوا سے اہل صقلیہ لڑنے اور مقابلہ کرنے پر تیار ہوئے تھے اہل شہر اُن کو اپنا سرغنہ مانتے تھے اور اُس کے روادار نہ تھے کہ اُن کو دشمنون

کے حوالے کر دین - مگر کوئی چارہ کار نہ تھا - پکڑ کے اُنھین ابو سعید کے پاس بھیجدیا - اور ابو سعید نے اُن کو فوراً عبیداللہ مہدی کی خدمت مین بھیجا - اس کے بعد ابو سعید نے شہر پر قبضہ کر کے اُس کے پھاٹک منہدم کرا ڈالے - چند ہی روز مین مہدی کے پاس سے ابو سعید کو اس مضمون کا فرمان ملا کہ اہل صقلیہ کا قصور معاف کیا گیا - لہذا سب کو امان دیجے -

سالم بن راشد والی صقلیہ

اس کے بعد تیرہ سال تک صقلیہ مین خاموشی نظر آتی ہے اور معلوم ہوتا ہے کہ سکون و امن کے ساتھ یہ جزیرہ عبیداللہ مہدی کے زیر فرمان رہا - ۳۱۳ھ مین وہان کا والی عبیداللہ مہدی کی جانب سے سالم بن راشد تھا جس کی نسبت نہین بتایا جا سکتا کہ اس خدمت پر اُس کا تقرر کس سال ہوا - لیکن اس مین شک نہین کہ وہ بہادر منتظم اور رعب و داب کا والی تھا - بغاوت پسند سرکشان صقلیہ کو سر نہین اُٹھانے دیتا تھا -

ممالک اٹلی پر اُس کی تاختین

اُسے جہاد اور حملہ آوری پر آمادہ دیکھ کے مہدی نے افریقیہ سے اُس کی مدد کے لیے تازہ دم فوجین بھیجین جن کو اپنے ساتھ لے کے اُس نے اٹلی کے جنوبی علاقون پر حملے شروع کر دیے - پہلے اُس نے صوبہ انکبردہ پر حملہ کیا - وہان کے غارون اور برجون کو فتح کیا - اور بہت کچھ مال غنیمت لے کے صقلیہ مین واپس آیا - اُس کے دل مین شوق جہاد اس قدر بڑھا ہوا تھا کہ اس کامیاب مہم سے آتے ہی پھر پلٹ پڑا - اور اٹلی کے صوبہ قلوریہ پر یورش کی - جاتے ہی شہر طارنت (طارنٹم) کا محاصرہ کر لیا - اور گو کہ ماہ مبارک رمضان کا مہینہ تھا مگر اُس کے بہادر سپاہیون نے دھاوا کر کے طارنت کو بزور شمشیر فتح کر لیا - اور بڑھ کر فتح کرتا ہوا شہر آدرنت پر جا پہونچا - اور وہان لوگون کی سخت مزاحمت کی وجہ سے اُسے فتح کر کے مسمار کر دیا -

ان فتحون اور حملہ آوریون کا سلسلہ جاری تھا کہ ناگہان لشکر اسلام مین ایک سخت وبائی مرض پیدا ہوا۔ جس کی شدت سے پریشان ہو کے سالم مع فوج کے صقلیہ مین واپس چلا آیا۔ سالم کو اپنی خوش تدبیری اور سلطنت افریقیہ کی مہربانی سے بہت دنون تک حکومت کرنے اور سلسلہ جہاد جاری رکھنے کا موقع ملا۔ وہ برابر فوجون پر فوجین بھیجتا اور جہاد کرتا رہا۔ اور مسلمانان صقلیہ اپنے اندرونی جھگڑون اور باہمی لڑائیون کو بھول کے یا تو جزیرۂ صقلیہ کے اُن شہرون پر حملہ کرتے جو ابتک شہنشاہ قسطنطنیہ کے قبضے مین تھے۔ یا اٹلی کے صوبہ قلوریہ پر تاخت کرکے مال غنیمت حاصل کرتے جو اُن کے جزیرے سے ملا ہوا تھا۔

القائم بامر اللہ ابو القاسم محمد بادشاہ افریقیہ

صقلیہ کی یہی حالت تھی اور وہان کا حاکم وہی مسلمان والی سالم تھا کہ ۳۲۲ھ مین عبید اللہ مہدی نے سفر آخرت کیا۔ اور اس کا جانشین اُس کا ولی عہد بیٹا ابو القاسم محمد ہوا۔ جس نے مسند حکمرانی پر جلوہ فرما ہوتے ہی القائم بامر اللہ لقب اختیار کیا۔ مہدی نے ترسٹھ (۶۳) سال کی عمر مین چوبیس سال حکومت اور دعوائے امامت کرکے اپنے آباد کیے ہوے شہر مہدیہ مین وفات پائی تھی۔ اور لوگون پر اُس کا اور اُس کی امامت کا اس قدر اثر تھا کہ القائم کو ایک سال تک اُس کے مرنے کی خبر شائع کرنے کی جرأت نہ ہوئی۔ لہذا ایک سال تک باپ کی طرف سے نیابۃً حکومت کرنے اور رعایا و عہدہ داران سلطنت کو اپنے موافق بنا لینے کے بعد اُس نے مہدی کی موت ظاہر کی۔

شہر جنوا پر مسلمانون کا حملہ

القائم نے اپنی حکومت کا اعلان کرنے کے بعد سلسلہ فتوحات جاری کرنے کے لیے مختلف اطراف مین فوجین بھیجین۔ سرکشون کو مطیع بنایا۔ اور اسی ذیل مین اُس نے امیر البحر یعقوب بن [illegible] کو ایک زبردست بیڑے [illegible]

بنا کے یورپ کے مشہور شہر جُنوا پر بھیجا۔ یہ بیڑا جنوا کے ساحل پر پہونچا۔ مسلمان فوج خشکی پر اُتری اور اہل جنوا کو شکست دے کے شہر مذکور کو خوب لوٹا۔ اور بہت سے لونڈی غلام اسیر کر کے دولت سے لدا پھندا افریقیہ مین واپس آیا۔ اس مہم کو صقلیہ کی حکومت سے کوئی تعلق نہ تھا۔ مگر اس مین شک نہین کہ اس سے فاتحان صقلیہ کی ہیبت اہل یورپ پر چھا گئی۔

صقلیہ مین بغاوت

القائم نے بھی اپنے زمانے مین سالم ہی کو والی صقلیہ رکھا تھا۔ جس نے ابتداءً تو بڑی خوش تدبیری سے حکومت کی مگر آخر مین معلوم ہوتا ہے کہ اُس کے مزاج مین کبر و نخوت پیدا ہوا۔ پھر اُس کے ساتھ ہی سخت گیری بھی کرنے لگا۔ اور مسلمانان صقلیہ مین اُس کے جور و تشدد کی شکایت پیدا ہوئی۔ انجام یہ ہوا کہ لوگون نے اپنے لیے ایک نیا حاکم منتخب کر کے بغاوت کر دی۔ اور لڑنے کو تیار ہو گئے۔ سالم نے اپنے طرفدار عساکر صقلیہ و افریقیہ کا ایک زبردست گروہ جمع کر کے روانہ کیا کہ باغیون کی سرکوبی کرے۔ اس بغاوت کا مرکز شہر جرجنت تھا وہ لوگ فوراً بہت بڑی قوت سے مقابلے کو بڑھے۔ اور ایک سخت لڑائی ہوئی جس مین باغیون نے سالم کی فوج کو شکست دیدی۔ اور دور دور تک اُن کا تعاقب کرتے چلے گئے۔ یہ سُن کے خود سالم باغیون کے استقبال کے لیے روانہ ہوا۔ اور ۳۱۶ھ کے ماہ شعبان مین دوسری خونریز لڑائی ہوئی۔ اِس لڑائی مین اہل جرجنت کو شکست ہوئی۔ اور وہ میدان چھوڑ کے بھاگے۔

اُن دنون صقلیہ مین مدینہ نام ایک شہر تھا جسے مسلمانون نے آباد کیا تھا۔ یہی اسلامی قوت کا مرکز تھا۔ مدینے والے بھی دل مین اہل جرجنت کے طرفدار تھے۔ جب اُنھون نے دیکھا کہ اُن لوگون کو شکست ہو گئی تو وہ بھی سالم کے خلاف اُٹھ کھڑے ہوئے۔ اور سخت شورش مچا دی۔ سالم نے فوج کشی کر کے ماہ ذیقعدہ مین اُنھین بھی شکست دیدی۔ اور بڑھ کے مدینے کا محاصرہ کر لیا۔ اس محاصرے کے زمانے مین سالم نے ایک عرضداشت مہدیہ مین القائم کے پاس بھیجی جس مین اطلاع دی کہ اہل صقلیہ باغی ہو گئے۔ اور میری اطاعت سے باہر ہین۔ میری مدد کے لیے وہان سے فوراً نیا لشکر بھیجا جائے۔

ہندوستان مین مشرقی تمدن کا آخری نمونہ

مردون کی وضع مسلمانون مین قدیم الایام سے یہ چلی آتی تھی کہ سر پہ بال-
کتری ہوئی موچھین اور ڈاڑھی گول اور مقطع- مذہبی لوگ علما و زہاد ڈاڑھی کو حسب
سُنت بتوسّی بالکل چھوڑ دیا کرتے اور موچھون کے قصر مین کبھی اتنا مبالغہ کرتے کہ مُنڈا ڈالتے
لیکن امرا و شرفا کی وضع یہ تھی کہ ڈاڑھی کے لیے نیچے گلے کے پاس اور اُوپر گالون
پر حدین قائم کیجاتین- اور جو بال زیادہ بڑھ جاتے اُن کو کاٹ کے ڈاڑھی مین گولائی
پیدا کر کے اُس کی درازی کی ایک حد مقرر کر دی جاتی- سب سے پہلے شہنشاہ اکبر
نے ڈاڑھی کو خیرباد کہی- اور اُس کے بعد جہانگیر کے مُنہ پر بھی ڈاڑھی نہ تھی- اکبر
و جہانگیر کے درباریون پہ اِس کا چاہے کسی حد تک اثر پڑ گیا ہو مگر امرائے اسلام
کی عام وضع وہی رہی جو پہلے سے چلی آتی تھی-

لکھنؤ مین دربار قائم ہونے کے بعد ڈاڑھی مین قصر شروع ہوا- اور
ہوتے ہوتے اکثر کے مُنہون پر سے ڈاڑھیان غائب ہوگئین- غالباً اس کا
اثر یہ ہو کہ ہم مذہبی کی وجہ سے یہان کے دربار پہ ایرانیون کا اثر پڑ رہا
تھا- اور اُن شاہان صفویہ کے عہد سے بادشاہون اور امیرون مین ڈاڑھی کی
وہ اہمیت نہین باقی رہی تھی جو آغاز اسلام سے چلی آتی تھی- یا تو مسلمانون مین
کسی کی ڈاڑھی مونڈ دینا سزا دینے یا اُس کی تذلیل و تحقیر کرنے کے لیے تھا یا ایران
بے ڈاڑھی کے رکھنا شان امارت و حکومت مین داخل ہو گیا- لکھنؤ کے خاندان نیشاپوری کے پہلے
بانی نواب برہان الملک کے مُنہ پر مقطع ڈاڑھی تھی- شجاع الدولہ نے ڈاڑھی مُنڈائی
اور اُس کے بعد سے یہان کے تمام اُمرا و بادشاہ ڈاڑھیان مُنڈاتے رہے
اِس کا لازمی نتیجہ تھا کہ عام شیعون سے ڈاڑھی کا رواج اُٹھ گیا- پھر بعد کے
زمانے مین بہت سے سُنیون نے بھی ڈاڑھیان کتروائین- یا مُنڈا ڈالین-
ڈاڑھی مُنڈانے کا شوق پیدا ہونے کے بعد طرح طرح کی وضعین نکلنے
لگین- کسی نے کانون کے نیچے چھوٹی چھوٹی قلمین بچا لین- کسی نے ٹھپکے
رکھوا لیے- کسی نے بڑے بڑے [illegible] رکھے- اطراف و جوانب لکھنؤ قصباتیون

اور بعض شہر کے سُنیون نے بھی یہ وضع اختیار کی کہ ڈاڑھی رکھتے مگر راجپوتون اور ہندی پٹھانون کے مذاق کے مطابق ڈاڑھی کے بیچ مین ٹھڈی کے پاس مانگ نکال کے دونون طرف کے بالون کو کانون کی طرف چڑھاتے۔ اور اس وضع پر ڈاڑھی کے قائم رکھنے کے لیے گھنٹون ڈھاٹہ باندھے رہتے۔ پھر اُس چڑھی ہوئی ڈاڑھی کیساتھ مونچھین بھی کنگھی کر کے اور باندھ باندھ کے اُوپر کے رخ پر چڑھائی جاتین۔ چنانچہ یہی وضع یہان اور سارے ہندوستان مین سپہگری اور شجاعت کی علامت تصور کیجاتی۔

سر کے متعلق حضرت سرور کائنات صلعم کے مبارک عہد مین عام مذاق تھا کہ سر پر بڑے بڑے بال ہوتے جو حج کے زمانے مین مُنڈا یا کٹوا دیے جاتے ہین۔

مگر عرب ہی مین ظہور اسلام کے چند روز بعد سر مُنڈانے کا عام رواج ہوگیا۔ اور یہی رواج ایران مین معلوم ہوتا ہے۔ اور مسلمان ابتدائً جب ہندوستان مین آئے ہین اُس وقت اُن کی عموماً یہی وضع تھی کہ مُنڈے ہوئے سر اور اُن پر عمامے۔ ہندؤن مین مسلمانون کے آنے کی وقت سر پر بال رکھنے کا رواج تھا۔ یہی وضع یہان کے مسلمانون کو پسند آئی۔ چنانچہ آخر عہد مین علما و اتقیا اور مشائخ و صوفیہ کے سوا دہلی کے شریف وضع کی عام وضع یہ تھی کہ سر پر بال ہوتے۔ جو کانون تک رہا کرتے۔ سوا بانکون کے جو نئی نئی وضعین نکالا کرتے۔

اسی وضع مین شرفاے دہلی لکھنؤ مین آئے۔ یہان آکے نازک مزاجیان بڑھین۔ خود آرائی کے شوق مین ترقی ہوئی۔ اور نہایت نزاکت اور صفائی سے کنگھی کر کے ماتھے پر عورتون کی طرح پٹیان جمائی جانے لگین۔ اور ایسی دھج پیدا ہو گئی کہ نوخیز لڑکون مین عورتون کی سی دلکشی پیدا ہو گئی۔ پھر چند روز کے بعد جب انگریزون سے سیکھ کے عورتون نے ماتھا خوب کھول کے پیشانی کے بال اُلٹنا شروع کیے تو یہ وضع بھی بعض

بعض مردون نے اختیار کر لی۔

اب غدر کے بعد جب انگریزی وضع قطع اختیار کی جانے لگی تو سارے ہندوستان کے لوگون کی طرح یہان بھی بال کٹ کے انگریزی فیشنون کے ہو گئے اور جتنے مُنھون پر ڈاڑھیان باقی رہ گئی تھین وہ بھی تشریف لے گئین۔

عورتون کے بالون کی وضع غالباً لکھنؤ مین وہی ہو گی جو دہلی مین تھی۔ لیکن یہان شاہی مین دُلھنون اور بناؤ چناؤ کرنے والی عورتون کی چوٹیون مین بڑے بڑے رنگین دوپٹون کے موباف ہوتے جو خوب پیچ دے کے موخر داغ سے کمر تک بٹ کے لٹکا دیے جاتے۔ اور زیادہ تکلف کے وقت اُن مین چوڑا لچکا لپیٹ دیا جاتا۔ اور معلوم ہوتا کہ بڑی بھاری موٹی چوٹی سرتاپا چاندی کی ہے۔ ماتھے پر محراب دار پٹیان جمائی جاتین۔ اور اُن کے بیچ مین چاند ٹیکلی کے گرد سُنہری یا روپہلی افشان اور ستارون سے نقش و نگار بنائے جاتے۔

ہاتھون پاؤن مین مہندی عورتون کے لیے لازمی تھی۔ مگر اُن کے ساتھ رنگین مزاج مردون نے بھی کثرت سے مہدی لگانا شروع کر دی تھی جس کو دیکھ کے باہر والے لکھنؤ کے مردون مین زنانہ پن پاتے۔ اور اُن کا نام رکھتے

(۴) معاشرت مین چوتھی چیز اخلاق و عادات ہین۔ اس بات مین لکھنؤ والون نے خصوصیت کے ساتھ نمود حاصل کی۔ یہی چیز لکھنؤ مین خاص طور پر قابل لحاظ ہے۔ اور اس پر بحث کرنا سب سے زیادہ اہم ہے۔ دراصل لکھنؤ مین ایشیائی تہذیب کو انتہائی ترقی ہو گئی۔ اور کسی مقام کے لوگون مین معاشرت کے وہ قواعد نہین ملحوظ خاطر رہتے جن کے اہل لکھنؤ عادی ہو گئے ہین۔

تہذیب دراصل اُن اخلاقی تکلفات کا نام ہے جن کو کوئی قوم تقاضائے شرافت سمجھنے لگے۔ آج کل ہم اکثر لوگون کو یہ کہتے دیکھتے ہین کہ ملنے جُلنے کی چنان چنین اور معاشرت کے تکلفات ایک قسم کی فضول ریاکاری ہین۔ مگر یہ اُن کی غلطی ہے۔ یون تو فضول ریاکاری لباس اور بود و باش کا انتظام بھی ہے اور بہیمیت کی زندگی کو چھوڑ کے انسانیت کی زندگی اختیار کرنے کے تمام امور فضول ریاکاری کہے جا سکتے ہین۔ اصل یہ ہے کہ جن لوگون کو انسانی تہذیب

نہین آتی اور مہذب لوگون سے ملنے کا سلیقہ نہین ہوتا اُنھون نے اپنے لیے عذر داری کا بہانہ اِس بات کو قرار دے لیا ہے کہ ہمین شہر والون یا مہذب لوگون کی ایسی دکھاوے کی باتین نہین آتین۔ مگر غور کرو تو انسانیت ہی دکھاوا ہے اچھا پہننا۔ اچھا سامان معیشت رکھنا۔ اچھا کھانا۔ اور ہر کام مین صفائی کا خیال کرنا سب دکھاوا ہے۔

تہذیب اخلاق کا پہلا اصول یہ ہے کہ میل جول مین دوسرے کو ہر لطف اور نفع کی بات مین اپنے اوپر فوقیت دیجاے۔ اور آپ کو اُس کے پیچھے اور اُس سے اونچے درجے پر رکھا جاے۔ کسی کی تعظیم کے لیے اُٹھ کھڑا ہونا۔ اُس کے سامنے جھکنا۔ اُس کے لیے صدر کی جگہ کو خالی کرنا اور اُسے صدر مین بٹھانا۔ اُس کے سامنے ادب سے دوزانو بیٹھنا۔ اُس کی باتون کو توجہ سے سننا۔ اور عاجزی کے لہجے مین جواب دینا یہ سب باتین دوسرے کو اپنے اوپر فوقیت دینے کی ہین۔ اور یہ جس درجے تک وضعدار شرفاے لکھنؤ مین مروج تھین لکھنؤ کے عہد شباب کے زمانے مین اور کہین یا نہ تھین۔

یہ تو وہ باتین ہین جن کو ملنے جُلنے کے طرز عمل سے تعلق ہے۔ مگر یہی چیزین جب اخلاق و عادات مین پوری طرح پیدا ہو جاتی ہین تو انسان مین ایثار نفس کا مادہ پیدا ہو جاتا ہے۔ اور وہ آمادہ ہو جاتا ہے کہ دوستون کے ساتھ ہر طرح کی رفاقت اور ہر بات مین اُن کی اعانت کرے۔ عہد شاہی مین یہ چیزین اہل لکھنؤ مین پورے کمال کے ساتھ پیدا ہو گئی تھی۔ اور اِسی کا نتیجہ ہے کہ یہان کثرت سے ایسے لوگ پیدا ہو گئے تھے جن کا بہ ظاہر کوئی ذریعۂ معیشت نہ تھا۔ اُن کے احباب ایسے مخفی طریقون سے اُن کی کفالت کرتے کہ کسی کو کبھی پتہ بھی نہ چل سکتا۔ اور ذرائع معاش کے مخفی رہنے کے باعث وہ سفید پوشی اور امیرانہ وضع کے ساتھ بڑے بڑے امیرون کی صحبتون مین شریک ہوتے۔ اور کسی کے سامنے اُن کی آنکھ نیچی نہ ہوتی۔ لکھنؤ ایسے لوگون سے بھرا ہوا تھا کہ انقلاب سلطنت ہو گیا۔ اور یک بیک اُن کے بسر کرنے کے ذریعے مفقود ہو گئے۔

اُمرا کے ایثار کی اِس شان نے یہان شرافت کا یہی معیار قرار دیدیا

تھا۔ کہ دوسرون کے ساتھ ایسے اخلاق سے پیش آئین اور اُن کی خاطرداشت مین ایسی فیاضی دکھائین جس مین احسان رکھنے کا نام کو بھی شائبہ نہ ہو۔ دنیا کے تمام بڑے شہرون مین بڑے بڑے تاجر اور دولتمند موجود ہین۔ جو لاکھون روپیہ مستحقون کو دے ڈالتے ہین۔ مگر اُن کے طرزِ عمل سے ظاہر ہوتا ہے کہ ایک پیسہ بھی اُنھون نے بے غرضی سے نہین صرف کیا۔ بخلاف اِس کے لکھنؤ والون کی دوست پروری اور شریف نوازی ایسی تھی کہ دنیا کو دینے اور لینے والے مین کوئی فرق نہ نظر آتا۔

اس مین شک نہین کہ جب بعد انقلاب سلطنت بڑے بڑے امرا مفلس و نادار ہو گئے۔ اور وہ گروہ جو مخفی ذرائع معاش پر بسر کر رہا تھا فاقے کرنے لگا تو امرا فیاضی و ایثار نفس کا جوہر دکھانے سے معذور ہو گئے۔ مگر ظاہری اخلاق جو سرشت مین داخل ہو گیا تھا ویسا ہی باقی رہا۔ اور اِس کا نتیجہ یہ ہوا کہ بہت سے لوگون کی یہ حالت ہو گئی کہ اپنی باتون سے تو اعلیٰ درجے کی مہمان نوازی کی امید دلاتے ہین۔ مگر اُن کے مہمان ہو جیے تو اُس کے خلاف ظاہر ہوتا ہے۔ اِسی کو اکثر لوگون نے ریاکاری و لفاظی سمجھ رکھا ہے۔ مگر افسوس یہ ریاکاری نہین بلکہ حوصلہ مندی ہے جس کی استطاعت نہین۔ ایسے لوگون پر اعتراض نہ کیجیے بلکہ اُن کی حالت پر ترس کھائیے۔

لیکن اِس سے انکار نہین کیا جا سکتا کہ دولتمندی کے زمانے مین چونکہ شہر کی آبادی کا زیادہ حصہ امرا و شرفا اور احباب کی مخفی دستگیری پر بسر کر رہا تھا اُس کی وجہ سے محنت جفاکشی۔ اور وقت کی قدر و قیمت جاننے کا مادہ علی العموم اہل لکھنؤ مین فنا ہو گیا۔ اور جو مشاغل اُنھون نے اختیار کیے وہ اُن کو ترقی قومی کی شاہراہ سے روز بروز دور کرتے گئے۔ اُن کے مشغلے لہو و لعب کے سوا کچھ نہ تھے۔ بےفکری اور فکر معاش سے سبکدوش ہونے نے اُنھین کبوتر بازی۔ بٹیر بازی۔ مرغ بازی۔ چوسر۔ گنجفے۔ اور شطرنج کا شائق بنایا۔ جن کا ہو پر وہ آمدنی کا زیادہ تر حصہ صرف کرنے لگے۔ اور "اندیشۂ فردا" کے لفظ سے سارزی آبادی ناآشنا تھی۔ کوئی امیر نہ تھا جو ان مزخرف کامون مین سے کسی ایک کا

دلدادہ نہ ہو۔ اور اُس کے شوق نے اور بہتوں کو بھی اس کام مین نہ لگا یا ہو۔
عیاشی اور تماش بینی سے دنیا کا کوئی شہر خالی نہین۔ خصوصاً یورپ
کی سی بدتمیزی اور بدسلیقگی کی عیاشی خدا نہ کرے کہ ہمارے شہرون مین پیدا ہو۔
لیکن لکھنؤ مین شجاع الدولہ کے زمانے مین رنڈیون سے تعلقات پیدا کرنے کی جو
بنیا د پڑی تو روز بروز اُسے ترقی ہی ہوتی گئی۔ امیرون کی وضع مین داخل ہو گیا
کہ اپنا شوق پورا کرنے یا اپنی شان دکھانے کے لیے کسی نہ کسی بازاری حسن فروش
سے ضرور تعلق رکھتے۔ حکیم مہدی کا سا قابل وہوشیار اور مہذب وشائستہ
شخص جو وزیر اعظم کے رتبے تک پہونچ گیا تھا اُس کی ترقی کی بنیاد پیازو نام
ایک رنڈی سے پڑی جس نے دھڑوت کی رقم اپنے پاس سے ادا کر کے
اُسے ایک صوبے کی نظامت کا عہدہ دلوایا تھا۔ اِن بے اعتدالیون کا ایک دلچسپ
کرشمہ یہ تھا کہ لکھنؤ مین مشہور تھا کہ "جب تک انسان کو رنڈیون کی صحبت نصیب
ہو آدمی نہین بنتا"۔ آخر لوگون کی اخلاقی حالت بگڑ گئی۔ اور ہمارے زمانے تک
لکھنؤ مین بعض ایسی رنڈیان موجود تھین جن کے گھر مین علانیہ اور بیباکی سے چلا
جانا۔ اور اُن کی صحبت مین رہنا معیوب نہ سمجھا جاتا۔ بہر تقدیر اس چیز نے ایک
بڑی حد تک اُن کے عادات وخصائل بگاڑ دیے۔ گو کہ اِسی کے نتیجے مین اُنھین
نشست وبرخاست کا سلیقہ بھی آگیا۔

رہے عورتون کے اخلاق وعادات اِس بارے مین ہمارا عام
دعوی ہے کہ جن لوگون مین زناکاری کا شوق ہو اُن کی عورتین پارسا
نہین ہوسکتین۔ تاہم اِس سے انکار نہین کیا جا سکتا کہ لکھنؤ مین عورتون کے اخلاق
اتنے خراب نہین ہوئے جتنے کہ مردون کے خراب ہوئے تھے ملنساری اور اپنی
ملنے والیون کے ساتھ ادب وتعظیم سے ملنا عورتون مین بھی ویسا ہی تھا جیسا
کہ مردون مین تھا کبھی زمانے مین چرخہ کاتنا شریف عورتون کا شریفانہ مشغلہ
سمجھا جاتا تھا۔ اب اگرچہ عورت کی کلون نے اِس مشغلہ کو بالکل بیکار اور بے نتیجہ
کر دیا۔ مگر شوقینی وامارت نے اِس سے پہلے ہی یہ مشغلہ یہان کی عورتون سے چھڑا دیا
تھا۔ یہان اُس کے عوض عورتون نے سینے پرونے کاڑھنے گھرون کی صفائی کا انتظام

کرنے ماماؤن لونڈیون اور پیش خدمتون سے کام لینے اور بننے سنورنے کا زیادہ شوق تھا۔ اور بیویون کو گھر کے کامون اور شوہر اور بچون کے کپڑون سے اتنی فرصت نہ ملتی تھی کہ جن لہو ولعب کے کامون مین مرد مبتلا ہو گئے تھے اُسی مین وہ بھی مبتلا ہون درحقیقت اُس دور مین مرد گھرون مین بیٹھے کھیلا کرتے تھے۔ گھربار اور دنیا کا سارا کارخانہ فقط عورتون کے دم سے چل رہا تھا۔

مگر امیرون کے محلون مین جب سارا کاروبار ماماؤن مغلانیون پیش خدمتون اور اناؤن کے ہاتھ مین ہو گیا تو عالی مرتبہ بیگمون کی صحبت مین ڈومنیون کا رسوخ بڑھنے لگا۔ کوئی بڑی سرکار نہ تھی جس مین بیگمون کے سامنے مجرا کرنے کے لیے ڈومنیون کے طائفے نہ ملازم ہون۔ اور جن محلون مین مستقل طور پر ڈومنیان نوکر نہ تھین وہان شہر کی عام ڈومنیون کی جلد جلد آمد و رفت رہتی اور آئے دن وہ طبلہ سارنگی لیے ڈیوڑھی پر کھڑی ہی رہتین۔ اِس لیے اُن کے سیکڑون طائفے شہر مین موجود تھے۔ ڈومنیون کا مذاق جہان تک مجھے معلوم ہے نہایت فحش اور بیہودہ ہوا کرتا ہے۔ اور اُن کی صحبت عورتون پر کوئی اچھا اثر نہین ڈال سکتی ہے۔ چنانچہ جس طرح مردون کی بداخلاقی کی باعث زنڈیان تھین عورتون کا اخلاق بگاڑنے کی باعث ڈومنیان ہوئین۔

(لیکن شرفا کے خاندان ڈومنیون کی صحبت سے بچے ہوئے تھے اور اسلیے اُن کی عورتین اس مضرت سے بچی رہین جو عمدہ خصائل و اخلاق کا بہترین نمونہ ہین۔ لکھنؤ کی عورتون کا کیرکٹر ہے کہ وہ شوہر پر اپنی ہر چیز کو قربان کرنے کو تیار رہتی ہین۔ اپنی ہستی کو شوہر کی ہستی کا ایک ضمیمہ تصور کرتی ہین۔ اور بعض اور شہرون کی عورتون کی طرح جو خانہ داری کے سلیقے مین لکھنؤ والیون سے اچھا بڑھی ہوئی ہین یہان کی عورتون کو کبھی یہ خیال نہین پیدا ہوا کہ اپنا روپیہ شوہر سے چھپا کے الگ جمع کرین۔ اور شوہر کی بیماری مین بھی اپنی دولت صرف کرتے مین تامل کرین۔ لکھنؤ کی عورتین وہان کی عورتون کی سی ہنرمند نہین اور گھر گرستی کے کام مین اُن کے مقابل پھوہڑ ہین۔ حد درجے کی مصرف ہین۔ چٹوری ہین۔ مگر شوہر کا ساتھ دینے اور اُس پر اپنی جان قربان کر دینے مین سب سے اول ہین ع

رقص موریق

یورپ کا ایک خاص قسم کا ناچ ہی جس مین ناچتے وقت پاؤن مین گھنگرو باندھ لیے جاتے ہین۔ہندوستان مین ناچ مین علی العموم گھنگرو باندھنے کا رواج ہی۔بلکہ یہان ناچ مین گھونگھرو باندھنا لازمی ہے۔مگر انگریز ایسا نہین کرتے۔ بلکہ اُن کے وہان جس ناچ مین گھونگھرو باندھے جائین وہ ناچ رقص موریق کہلاتا ہے۔ اور اُن کا خیال ہے کہ اِس کے موجد خاص عرب لوگ ہین جن کی صحبت سے پہلے اسپین والون نے سیکھا۔ اور اُن سے سارے یورپ نے تعلیم پائی۔

اِس رقص مین خصوصیت یہ ہے کہ گھونگھرو کی آواز تال سُر کے موافق رہتی ہے۔ اور اُن کے نغمے کی دلکشی اور اُن کے بجنے کی مناسب ترتیب حاضرین محفل کو لطف دیتی ہے۔ اگرچہ ممالک یورپ مین تو اب اِس رقص کا رواج بہت کم رہ گیا۔ مگر اسپین مین آج تک باقی ہے۔ اور "فنڈانگو" کہلاتا ہے۔

غور طلب یہ امر ہی کہ محققین یورپ پاؤن مین گھونگھرو باندھ کے ناچنے کو مسلمانون کی ایجاد بتاتے ہین۔ مگر ہمین اِس کا رواج ایشیا بلکہ تمام مشرقی ممالک مین اِس کثرت سے نظر آتا ہے خصوصاً ہندوستان کے قدیم فن رقص مین اس قدر ضروری پایا جاتا ہی کہ اِس کی ایجاد کو عربون سے منسوب کرنا بعید از قیاس معلوم ہوتا ہی۔ ہندوستان کی رواتیین بتا رہی ہین کہ رقص خاص دیوتاؤن سے اور دیوتاؤن کی پرستش سے شروع ہوا۔ اور اُس قدیم ترین زمانے سے آج تک اُسی حال پر چلا آتا ہی۔ جس مین غالباً گھونگھرو باندھ لینا اسی زمانے سے لازمی ہوگا۔

ہندوستان کی موسیقی کی نسبت بھی پہلے ہمارا یہی خیال تھا کہ موجودہ موسیقی وہی ہی جو ہندو ن کے قدیم عہد مین موجود تھی۔ مگر بعد کی تحقیقات سے ثابت ہوا کہ ہندی موسیقی خالص ہندو موسیقی نہین بلکہ اُس مین بہت بڑا حصہ عربون کی موسیقی کا مِل گیا ہی۔ اسی طرح ممکن ہی کہ رقص مین بھی گھونگھرو باندھنے کا رواج مسلمانون کے آنے سے پہلے نہ ہو۔ اور اِس چیز کو یہان کے ناچ مین مسلمانون ہی نے اضافہ کیا ہو اور یہ بھی ممکن ہی کہ مسلمانون نے ہندؤن سے سیکھا ہو۔

دین مسیحی کو یہ عجیب خصوصیت حاصل ہے کہ ابتدا ہی سے اُس کے مبلغین نے حضرت مسیح کی حقیقی تعلیمون سے بے پروا ہو کے اپنے قیاسی اور خیالی منصوبون کو اصل دین قرار دے لیا۔ پہلے جناب پولوس نے عام اشاعت دین کی ہوس مین توراۃ کو جسے جناب مسیح ہمیشہ اپنا ایمان بتاتے رہے تھے پس پشت ڈال کے اپنی من مانی شریعت بنائی۔ اِس کو نہ دیکھا کہ حضرت مسیح کا دین کیا ہے فقط یہ دُھن تھی کہ رومی و یونانی کسی طرح مسیح کے ماننے والے بنا لیے جائین۔

اس کے بعد مسیحیت کی قسمت مقتدایان امت کی کونسلون کے ہاتھ مین تھی۔ جو روز روز نئی باتین دین مین بڑھاتین۔ اور اپنے قیاس اور اپنی رائے سے جو فتوے چاہتین دے دیتین۔ ان باتون کا لازمی نتیجہ تھا کہ مسیحیون مین بدعت کوئی چیز نہ تھی۔ اصلی شارع سے سروکار نہ تھا۔ اور جس کارروائی کو جی چاہتا بشپون کی پنچایت اور پوپ صاحب کی جو دُم رائٹ مین منظور کر لی جاتی۔ اور سمجھ لیا جاتا کہ اُسے روح القدس نے اُن بزرگون کے سینے مین القا کر دیا۔

چنانچہ ان آزادیون نے تصویر پرستی صلیب پرستی رہبان پرستی اور اسی طرح کی سیکڑون بدعتین جو شرک کے درجے کو پہونچی ہوئی تھین ساری مسیحی دنیا مین پھیلا دین۔ انھین جدتون مین سے ایک "تماشائے معجزات" بھی تھا۔ یعنی آسمانی مقدس کتابون کے قصون اور واقعات کو ناٹک کی طرح تھیٹرون کے اسٹیج پر دکھانا۔ جس کا رواج حضرت سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے

تقریباً دو سو برس پیشتر سے شروع ہو کے گیارھوین صدی نبوی تک زور پر تھا۔ اور آج بھی بعض جگہ باقی ہے۔

ابتداءً مقتدایان دین مسیحی اور سرگروہان کلیسا ڈراما یا ناٹک کے بہت ہی خلاف تھے۔ اور کوشش کرتے کہ مسیحی ان تماشون سے باز رہین۔ مگر اس مین کامیابی نہ ہوئی۔ طلوع کوکب احمدی سے دو سو برس پیشتر جب اُنھین یہ نظر آیا کہ تھیٹرون کے دیکھنے کا شوق ہمارے دبائے نہین دبتا تو آمادہ ہو گئے کہ لوگون کو تھیٹرون سے روکنے کے عوض یہ طریقہ اختیار کرین کہ اس تماشا بازی ہی کو اپنا بنا لین۔ چنانچہ لاڈ دیقیہ کے اُسقف اپالی نارس اور اس کے سے چند اور اشخاص نے ایسے ڈرامے لکھے جو توراۃ و انجیل کے بعض اہم واقعات سے ماخوذ تھے۔

اس کے بعد تاریخ خاموش ہے۔ اور صاف طور پر نہین پتہ چلتا کہ وہ مذہبی ڈراما ٹکون مین اسٹیج پر دکھائے بھی گئے یا نہین۔ لیکن چھٹی صدی نبوی مین قسطنطنیہ کے ایک مسیحی مقتدا تھیو تی لیکٹ نے اس اندیشے سے کہ لوگ مسلمانون کی باتین سُن سُن کے اپنے دین سے برگشتہ نہ ہو جائین کئی مسیحی ڈراما لکھ کے عوام کے سامنے پیش کیے۔ اب مقتدایان ملت عیسوی اس قسم کے اور ڈرامے لکھنے لگے۔ اور لکھنے ہی تک محدود نہین رکھا۔ بلکہ خود ہی اُن کو اسٹیج پر لا کے دکھانے لگے۔ یک بیک عوام مین دلچسپی پیدا ہوئی۔ راہبون اور پادریون مین اِن تماشون کے دکھانے کا جوش اور بڑھا۔ گرجے اور خانقاہین چند ہی روز مین خاموش اور سنسان عزلت کدون کے بجاے تھیٹر بن گئین۔ اور عبادت گاہین ایک قسم کے ناچ گھر بن گئین۔

تھوڑے دنون مین ایسی تاجرانہ کمپنیان قائم ہو گئین جنھون نے خاص طور پر تعلیم دے کے اچھے اچھے ایکٹر تیار کیے۔ اور پادریون کے اُن تماشون کو ایسی خوبی سے دکھانا شروع کیا کہ مقتدایان دین پیچھے پڑ گئے اور ساری خلقت ان کمپنیون کے تھیٹرون کی طرف متوجہ ہو گئی۔ سرد اہت

ہوگیا کہ امیرون اور معزز لوگون کے وہان کوئی تقریب یا دعوت ہوتی تو یہ کمپنیان بلائی جاتین جو اپنا تماشا دکھا کے محفل کو خوش کر دیتین۔ اب ایسی بہت سی کمپنیان قائم ہو گئی تھین جو کسی ایک تماشے کو اپنے لیے اختیار کر لیتین۔ اُسی کے مناسب سینریان بنائی جاتین۔ اُسی کے لیے ایکٹر اور ایکٹرسین تعلیم دے کے تیار کرتین۔ اور اپنا سارا سرمایہ اُسی ایک تماشے مین صرف کر دیتین۔

ان تماشون کا رواج روز بروز ترقی کرتا گیا۔ اور اُن مین جدتین اور ترقیان ہونے لگین۔ ان مذہبی ناٹکون کی شان اور حالت دکھانے کے لیے ہم ایک تماشے کا خاکہ ناظرین کے سامنے پیش کر دینا چاہتے ہین۔ مثلاً ایک تماشا "کشتی نوح" کا تھا۔ اس مین نظر آتا کہ ایک بڑی سی کشتی زمین پر قائم ہے۔ جس کی صورت اُس زمانے کے بڑے اور پُر تکلف جہازون کی سی ہے۔ اُس کے اوپر ایک بنگلہ نما مکان ہے جس کی چوٹی پر صلیب لگی ہے۔ کشتی پر چڑھنے کے لیے ایک سیڑھی لگی ہوئی ہے۔ حضرت نوح (ایک سفید لمبی داڑھی والا آدمی) جن جن لوگون کو اجازت دیتا ہے اُس پر چڑھ جاتے ہین۔ اُن کی بیوی اور اُن کے دو فرزند مع اپنی بیویون کے چڑھ گئے ہین جو وہان کے فحش مذاق کے مطابق اپنی اپنی بیویون سے ہم آغوش کشتی کے اوپر منظر عام مین کھڑے ہین۔ تیسرا بیٹا ابھی سیڑھی پر ہے۔ اور اُس کی بیوی جو شاہزادیون کا سا لباس پہنے ہے کشتی کے نیچے سر جھکائے کھڑی رو رہی ہے اور حضرت نوح اُسے بھی اوپر بلا رہے ہین۔ کشتی کے سامنے صدہا زن و مرد کا ہجوم ہے۔ جو حضرت نوح کی اس کشتی کا تماشا دیکھ رہے ہین۔ کشتی کے اوپر پال چڑھا ہوا ہے۔ جس پر کچھ نقش و نگار بنے ہین اور چند حروف لکھے ہین جو کمپنی کا نام بتاتے ہین۔

اسی طرح کے جملہ واقعات جو توراۃ مین مذکور ہین تھیٹر کی شان سے دکھائے جاتے اور لوگون کی بڑی دلچسپی ہوتی۔ ان مین فقط آدمی فرشتے۔ شیاطین۔ تثلیث کے اقانیم ثلثہ یعنی باپ بیٹا۔ روح القدس بھی ان لوگون کے مذاق کی خیالی شکلون مین تماشائیون کے سامنے پیش کیے جاتے

اور لوگون کے دلون پر اُن کا بڑا اثر پڑتا۔ حضرت نوح کی کشتی تو ایک دنیا کی چیز تھی۔ مسیحیون کے یہ مذہبی تھیٹر جنت دوزخ تخلیق عالم کے ہفتے۔ اور تمام چیزون کے فنا ہو جانے کا تماشا بھی دکھا دیا کرتے۔ جس طرح ہندو رہس کے ذریعے سے سری کرشن جی کی زندگی اول سے آخر تک دکھاتے ہین۔ یہ مسیحی تھیٹر حضرت مسیح کی ساری زندگی آپ کے ورود بیت المقدس سے لے کے اُسوقت تک جبکہ مریم مگدلینی نے آپ کو زندہ ہو کے قبر سے نکلتے دیکھا تھا اسٹیج کے اوپر دکھا دیا کرتے۔

اِن مذہبی تھیٹرون ہی سے منتقل ہو کے یورپ کے موجودہ تھیٹر بن گئے ہین جو مذہب کے دائرے سے نکل کے اب تاریخی واقعات اور اخلاقی اسلوب زندگی کے حالات سے وابستہ ہو گئے ہین۔ اِن ڈرامون مین لوگون کی دلچسپی بڑھنا شروع ہوئی۔ اور آخر یہان تک نوبت پہونچی کہ وہ اگلے مذہبی ڈرامے نظرون سے غائب ہو کے فنا ہو گئے۔ لیکن یہ نہ خیال کیجیے کہ اُن کا نام و نشان بھی نہین رہا۔ یورپ کے بعض مقامات مین اب بھی کبھی کبھی اُن کا تماشا دیکھ لیا جا سکتا ہے۔

علاقۂ بویریا کے ایک شہر مین سنہ ۱۶۳۲ عیسوی مین ایک قسم کا شدید طاعون پیدا ہوا تھا۔ جس سے لوگ بہت ہی پریشان ہو رہے تھے۔ اسی پریشانی مین اُس طاعون کے دور کرنے کے لیے حضرت مسیح کی زندگی کا مذہبی تماشا دکھایا گیا۔ اور منت مانی گئی کہ اگر یہ مرض دور ہو گیا تو ہر دسوین برس ہم اِس تماشے کو ضرور کیا کرین گے۔ طاعون جاتا رہا۔ اور وہ منت آج تک پوری ہو رہی ہے۔ اور اُس کے ذریعے سے آج جبکہ وہ دینی ملاعبت ساری دنیا سے مٹ چکی ہے۔ بویریا مین اب بھی ہر دس برس مین ایک بار یہ تماشا بڑی دھوم دھام سے ہوا کرتا ہے۔

اسی سلسلہ مین قدیم اہل یورپ مین ایک ہولناک ناچ کا بھی رواج تھا جو "رقص مرگ" کہلاتا۔ آٹھوین صدی ہجری مین وہ بکثرت دکھایا جاتا۔ اِس عجیب ناچ کا مقصود یہ تھا کہ دینداروں کو آنکھون سے دکھایا جائے کہ موت نوع انسانی پر کیسی قدرت تامہ رکھتی ہے۔ اس مین ملک الموت اپنے ہیبت

فرشتون کے ساتھ اسٹیج پر آتا۔ پھر وہ لوگ آتے جن کی وہ روح قبض کرنے والا ہے۔ یہ سب ناچتے۔ اور ناچ ناچ کے ملک الموت اپنا دست قضا اُن پر دراز کرتا۔ وہ اُس سے بچنے کی بیسیون تدبیرین کرتے۔ مگر بچ نہ سکتے۔ یہ ناٹک بھی خاص گرجون کے اندر یا اُن کے زیر سایہ دکھایا جاتا۔ خود پادری ایکٹر ہوتے۔ جو اپنے خیال کے مطابق ملائکۂ موت کے بہروپ مین آتے۔ ملک الموت مین اور اُس کے بیس ماتحت فرشتون مین کچھ دیر تک مختصر و موثر گفتگو ہوتی۔ اس کے بعد اُن لوگون پر دست درازی شروع ہو جاتی جن کی قضا آگئی تھی۔

اس قسم کے رقص مرگ کا تماشا پہلے پہل جرمنی مین ایجاد ہوا تھا۔ جہان کا فرمان روا آج کل اپنے بزرگون کی بہ نسبت زیادہ خوبی و وسعت سے ساری دنیا کو یہ تماشا دکھا رہا ہی۔ جرمنی کے بعد یہ رقص فرانس مین شروع ہوا۔ جہان چند ہی روز مین اُس کا بہت رواج ہو گیا۔ فرانس مین یہ رقص خدا جانے کیون اور کس مناسبت سے مصر کے ایک قدیم تارک الدنیا راہب و ولی سینٹ مکاریوس کی جانب منسوب ہو کے اُسی کے نام سے مشہور کر دیا گیا۔

فرانسیسیون کو یہ موت کا ناچ ناچتے تھوڑے ہی دن ہوئے تھے کہ بجاے اس کے کہ ایکٹر اسٹیج پر آ کے یہ ناچ دکھائین اِسی ناچ کے بڑے بڑے مرقع اسٹیج پر دکھائے جانے لگے۔ اور جو واقعات مرگ پیشتر ڈراما کی صورت مین دکھائے جاتے تھے اب تصویرون کی وضع مین کر دیے گئے۔ مختلف مرقعے تھے جن مین پہلے مروجہ ڈراما کے تمام سین بنا دیے گئے تھے۔ موت کے اُن مرقعون کے دکھانے کا رواج فرانس سے ترقی کر کے انگلستان مین پہونچا۔ لیکن یہ ایسا تماشا تھا کہ تھوڑے دنون مین لوگ اکتا گئے۔ اور اُس کا رواج جاتا رہا۔ مگر رقص مرگ کے مرقعے جو اُس زمانے کی یادگار ہین اکثر ممالک یورپ اور انگلستان مین آج تک موجود ہین۔ جو عبرت کی نگاہون سے دیکھے جاتے ہین۔ نوین صدی ہجری مین رقص مرگ کا ڈراما بالکل موقوف ہو گیا اور اُس کی جگہ فقط ملک الموت کی کارروائیون کے مرقعے نظر آ رہے تھے۔

لیکن یہ مرقعے بھی آغاز رواج کے وقت صرف زاہدون اور ننون کی خانقاہون کے خاموش حجرون مین رہا کرتے - اور کسی جگہ نہ دیکھے جا سکتے تھے - تھوڑے زمانے کے بعد وہ اُن خانقاہون سے نکال کے عام لوگون کے سامنے اور عام مقامات مین دکھائے جانے لگے - اور زندہ آدمیون کا بہروپ بھر کے آنا اِس قدر ترک ہو گیا کہ لوگون کو یاد بھی نہ رہا - اور ان ہولناک مرقعون کی اصلیت لوگون کو بھول گئی -

اب دسوین صدی نبوی کے ایک مشہور نقاش ہو بیان نے باکمال نقاشی اُن مرقعون مین دکھایا اُس نے رقص مرگ کے ڈراما کو ترپن مناظر مین تقسیم کیا - اور اُن کے ترپن اعلےٰ درجے کے مرقعے بنائے جن کو وہ "تصورات مرگ" کہتا - یہ مرقعے جن لوگون نے دیکھے بہت پسند کیے اور ہو بیان کے ہاتھ کے وہ اصلی مرقعے آج تک دار السلطنت روس پیٹرو گراڈ مین حفاظت سے رکھے ہوئے ہین - مگر آج کل خود ملک روس مرقع مرگ بنا ہوا ہے -

دنیا مین ناول نویسی کی ابتدا

ناولون اور ناول نویسی کو فی الحال ہم نے اہل یورپ سے لیا ہے - مگر تاریخ بتاتی ہے کہ یہ ہماری ہی قدیم امانت ہے جس کو ہم اِن امانت داران مغرب سے واپس لے رہے ہین - ناول کا آغاز خیالی اور طبعزاد قصون سے ہے - جو ابتداً محض داستان گوئی کی شان سے قلم بند کر لیے گئے - اِس کے بعد یہ ترقی ہوئی کہ محض خیال آفرینی چھوڑ کے تاریخی واقعات مین رنگ آمیزی کر کے دلچسپ داستانون کی شان پیدا کی گئی - اس کے بعد ناول کی ترقی کا تیسرا درجہ یہ تھا کہ انسانی زندگی کے واقعات نئے نئے اسلوب سے دکھائے جائین - اور اُن کے ذریعے سے معاشرت و اصلاح زندگی کا سبق دیا جائے -

مشرق مین سب سے پہلا متمدن ملک مصر ہے - اور مصر والون ہی سے قصہ نویسی کا آغاز بھی ثابت ہوتا ہے فراعنہ مصر کے عہد قدیم کا لکھا ہوا ایک قصہ جو آج سے چھ [illegible] تین ہزار سال پیشتر لکھا گیا تھا ایک پیاپرس (قدیم مصریون کا پرانے مکتوب نما کاغذ جو ایک درخت کی لکڑی کے ورق اُتار کے بنایا جاتا تھا) پر لکھا

ہو لنڈن کے عجائب خانہ برٹش میوزیم ‘‘ مین موجود ہے - اس کے مختلف اجزا الگ الگ لیے گئے تھے - مگر اُس کا مکمل ترجمہ سب سے پہلے مشہور جرمنی محقق علوم مصریہ ڈاکٹر برو غش نے جرمنی زبان مین کیا - جو ۱۸۵۶ء مین شائع ہوا تھا - اس قصہ کو دربار شاہی مصر کے ایک وقائع نگار نے فرعون مصر رامی سسس ثانی ‘‘ کے فرزند اور ولی عہد ’’ ستی منی فاتہ ‘‘ کے تفنن طبع کے لیے لکھا تھا -

اس قصے کے رنگ عبارت اور اُس کے مذاق ادبی کی نسبت جرمنی محقق ’’ سٹرایا نوئیل دیورخ ‘‘ لکھتے ہین کہ ’’ عبارت سادی اور صاف ہے - اور گو کہ شاعرانہ تخئیل سے خالی نہین مگر اس پر بھی سادی اور سلجھی ہوئی ہے - اس کی عبارت بھی اُسی رنگ کا نمونہ ہے جو قدیم الہامی کتابون خصوصاً توریۃ مین پایا جاتا ہے - یعنی بیحد صفائی اور سادگی ہے ‘‘

اس قدیم مصری قصے کا خاکہ یہ ہے کہ دو بھائی ہین - بڑے بھائی کی جورو چھوٹے کے ساتھ وہی سلوک کرتی ہے جو پوطیفار (عزیز مصر) کی بیوی زلیخا نے حضرت یوسف کے ساتھ کیا تھا - چنانچہ وہ اُسے اپنے شوہر کی نظر مین ملزم و مجرم ثابت کر دیتی ہے - آخر چھوٹا بھائی بڑے بھائی کے خوف سے گھر چھوڑ کے بھاگتا اور سورج دیوتا کی مدد سے انسانی پیکر چھوڑ کے ایک عجیب قسم کے نئے پیکر کو اختیار کر لیتا ہے - اب اصلی واقعہ بڑے بھائی پر کھلتا ہے اُس کی مکار جورو اپنے کیفر کردار کو پہونچتی ہے - جس کے بعد چھوٹا بھائی پھر انسانی صورت اختیار کرتا ہے - اور دونون بھائی الفت و محبت سے ملتے ہین - بڑا چھوٹے کی قدر اور چھوٹا بڑے کا ادب کرتا ہے - اور انجام یہ ہوا کہ بڑا بھائی ترقی کر کے عزیز مصر ہو گیا -

اس مصری قصے کے سوا یہ یقینی طور پر ثابت ہے کہ ایران و عرب اور دیگر ممالک مشرق مین بہت قدیم زمانے سے خیالی اور طبع زاد قصون کا عام رواج چلا آتا تھا - اُنھین سے یونانیون نے قصہ خوانی و قصہ نویسی سیکھی - پھر یونانیون سے اس مذاق کو اہل روم نے حاصل کیا - چنانچہ سب سے پہلے لاطینی مین رومیون نے یونان کی داستانہاے ’’ ارسٹائڈیز ‘‘ کا ترجمہ نہایت اہتمام سے کیا - اور یہ ترجمہ اُس عہد مین ہوا جب رومیون مین عنان حکومت ہاتھ مین لینے کے لیے باہمی خونریزی

ہو رہی تھی۔ اور مارٹوس اور رسیلا ایک دوسرے کے خون کے پیاسے تھے۔ رومیون نے اس قصے کو بہت پسند کیا۔ اور ان مین بھی افسانہ نویسی و قصہ خوانی کا رواج ترقی کرنے لگا۔

مسلمانون نے اپنے عہد مین افسانہ نویسی کو کسی اور قوم سے نہین لیا۔ اس لیے کہ خود ان مین داستان گوئی کا حد سے زیادہ رواج تھا۔ اور عہد جاہلیت سے اُن مین داستان گوئی کی محفلین مرتب ہوا کرتی تھین۔ عرب کے اکثر قصون کا مجموعہ "الف لیلہ" ہی جو ساری دنیا کے افسانون سے زیادہ پسندیدہ اور ہر قوم و ملک مین رواج پا چکی ہی۔ الف لیلہ کے اصلی مصنف یا مولف کا نام کسی کو نہین معلوم مگر کہا جاتا ہی کہ فارسی کے قصۂ "ہزار افسانہ" سے ماخوذ ہی جو ساسانیون کے عہد مین ایران مین مروج اور اہل عجم کو بہت پسند تھا لیکن اگر یہ صحیح بھی ہے تو عربون نے اُسے اِس خوبی کے ساتھ لیا کہ اُس مین عجمی معاشرت کا نام بھی نہین خالص عربی معاشرت اور خلفائے عباسیہ بغداد کی اعلیٰ ترین معاشرت کا نمونہ ہی۔ مگر کمال یہ ہی کہ اس کے مختلف قصون مین ایسے ایسے عجیب اور جدید واقعات زندگی دکھائے گئے ہین کہ باوجود عربی معاشرت ہونے کے ہر قوم اور ہر زبان مین جا کے تمام افسانون سے زیادہ دلچسپ ثابت ہو جاتی ہی۔

انگریزی ناولونکا آغاز رومیون کے ناولون کے ترجمون سے ہوا۔ جن سے انگلستان کے بہت سے قدیم ترین اور اعلیٰ ترین مصنفان ڈرامانے اپنی تصانیف کے لیے مختلف قصون کے خاکے لیے ہین۔ مگر یہ عموماً رومیون کی عام پسند مذاق اور مضحک کا ٹکڑون سے ماخوذ تھے۔ انھین طبعزاد خیالی قصون سے تاریخی ناولون کا آغاز ہوا۔ کسی عشق یا جنگ کے واقعے کو گھٹا بڑھا کے ایسی رنگین عبارت مین لکھا جاتا کہ قصہ سے زیادہ لطف تاریخ مین پیدا ہو جاتا۔ ملکۂ الزبیتھ کے عہد مین اسپین کے ناول ترجمہ ہوئے جن کا ماخذ عربی مذاق تھا۔ اُنکا پہلا مترجم "جان نے لیا" تھا۔ جس کی عبارت مین کسی قسم کی رنگینی یا عبارت آرائی نہ تھی۔

سترھوین صدی کے وسط مین "مسز افرا بہن" نے یہ جدید طریقہ اختیار کیا کہ افسانون مین انسان کی معاشرت اور گھریلو زندگی کے نئے نئے نمونے دکھائے جائین۔ اور اسی عہد مین "مسز مین لے" نام ایک انگلش خاتون نے اپنے ناولون کے ذریعے سے اس دور کی مروجہ اور پسندیدہ بدکاریون کے نمونے دکھائے۔ اور سارے مصنف اُسی کے رنگ کے پیرو ہو گئے۔

بغاوت دور کرنے کو خلیل بن اسحق کا آنا

القائم نے یہ حال سنتے ہی اپنے ایک زبردست سپہ سالار خلیل بن اسحق کو جو غالباً مجاہد جنو ایعقوب بن اسحق کا بھائی تھا ایک زبردست افریقی لشکر کے ساتھ سالم کی مدد پہ روانہ کیا۔ خلیل صقلیہ مین پہونچ کے شہر مدینہ کے قریب لنگر انداز ہوا۔ مدینے والون نے کمال اطاعت سے اُس کا استقبال کیا۔ اور اُنھین مطیع و منقاد پا کے خلیل بہت خوش ہوا۔ اہل شہر نے اُسے اپنا ہمدرد پایا تو اُس کی خدمت مین حاضر ہو کے سالم کے جور و ستم کی شکایت کی۔ عورتین اور بچے گھرون سے نکل نکل کے اُس کے سامنے آئے۔ بلک بلک کے روئے۔ اور ایسی مظلومی کی شان سے رو رو کے اپنا دُکھڑا بیان کیا کہ خلیل اور اُس کے ہمراہیون کی آنکھون مین آنسو بھر آئے۔ خلیل کی ہمدردی کی شہرت ہوئی تو اور شہر والون نے بھی اُس کی طرف رجوع کیا۔ اور اہل جرجنت اور دیگر بلاد صقلیہ کے لوگ ادب و تعظیم کے ساتھ اُس کی خدمت مین حاضر ہوئے۔

اِس اثنا مین سالم بن راشد نے اپنے مخالفون کو بتایا کہ خلیل تمھاری سرکوبی اور میری مدد کے لیے حسب الحکم القائم یہان آیا ہے۔ یہ تمھاری طرفداری کرنے کو نہین بلکہ گزشتہ شورشون پہ تم کو سزا دینے کے لیے وارد صقلیہ ہوا ہے۔ شاہی فوج کے جتنے آدمی تمھارے ہاتھ سے مارے گئے ہین اُن سب کے خون کا بدلہ یہ تم سے لے گا۔ یہ سنتے ہی اہل صقلیہ پھر بگڑ کھڑے ہوئے۔ تمام شہرون مین ناگہان ایک آگ سی بھڑک اُٹھی اور خلیل کی جانب سے بھی بدگمانی ہوئی

صقلیہ مین مدینۂ خالصہ کی بنیاد

لوگون کی یہ حالت دیکھ کے خلیل نے قلعۂ مدینہ کے پاس بندرگاہ پر ایک شہر آباد کیا جس کا نام ”خالصہ“ رکھا۔ اِس نے شہر کی تعمیر کے لیے اُس نے مدینے کی

بہت سی عمارتین منہدم کرادین۔ اُنھین توڑ کے اُن کا سامان لے لیا۔ اور مدینے کے پھاٹک بھی اُکھڑوا منگائے جن کو خالصہ کی فصیل مین لگا دیا۔ کہا جاتا ہے کہ اس شہر کی تعمیر کے شوق مین اُس نے مدینے کی رعایا پر بڑی سختیان کین جس کی وجہ سے نالہ و فریاد کی آواز بلند ہوئی۔

صقلیہ کی بغاوت

یہ حالات جرجنت کے لوگون نے سُنے تو ڈر سے اور اُنھین یقین آ گیا کہ سالم نے خلیل کی نسبت جو کچھ بیان کیا تھا بالکل صحیح ہے۔ اس خوف اور خطرے نے اُن مین ناراضی پیدا کی جس کے نتیجہ مین فوراً بغاوت پر آمادہ ہو گئے۔ اور لڑائی کا سامان کرنے لگے۔ یہ سنتے ہی خلیل جمادی الاول ۳۲۶ھ محمدی مین اُن کے مقابلے پر روانہ ہوا۔ جاتے ہی جرجنت کا محاصرہ کر لیا۔ اور لڑائیان شروع ہو گئین۔ مسلسل آٹھ ماہ تک یہ طریقہ جاری رہا کہ بلا ناغہ اہل شہر باہر نکل کے مقابلہ کرتے۔ اور جب لڑائی سے تھک جاتے واپس جا کے پھاٹک بند کر لیتے۔ اسی اثنا مین جاڑے دن کا موسم آیا اور ذی الحج سنہ مذکور مین خلیل موسم کی سختیون سے ڈرا۔ اور محاصرہ چھوڑ کے خالصہ مین واپس گیا۔ اُس کے واپس جانے سے لوگون مین بغاوت کا حوصلا اور بڑھ گیا۔ چنانچہ ۳۲۷ھ مین اہل مازر نے بھی بغاوت کر دی۔ اور صقلیہ کے تمام قلعون نے عَلَم بغاوت بلند کر دیا۔ یہ ساری کارروائی جرجنت والون کی تھی۔ چنانچہ تمام باقی شہرون نے خلیل کے مقابلے کے لیے لشکر روانہ کیے۔ اور شہنشاہ قسطنطنیہ کو لکھا ہماری مدد کیجیے۔ وہ تو ایسے موقعون کو ڈھونڈا ہی کرتا تھا۔ فوراً جہازون پر سوار کر کے ایک بڑا بھاری لشکر اور اہل صقلیہ کے مشکلات رفع کرنے کے لیے بہت سا غلہ لدوا کے بھیج دیا۔

بغاوت کی سزا

خلیل نے سارے جزیرے کا یہ رنگ دیکھا تو افریقہ مین عرضداشت بھیج کے القائم بامراللہ خلیفۂ فاطمی سے مدد مانگی جو یہان کا اصلی حاکم و شہریار تھا۔ قائم نے فوراً کافی فوج اُس کی کمک پہ بھیج دی۔ اس کمک کے آتے ہی خلیل نے اپنی صقلیہ کی فوج بھی اکٹھا کر لی۔ اور اُن سب کو اپنے علم کے نیچے جمع کر کے شورش کے دور کرنے کے لیے بڑھا۔ پہلے جا کے قلعۂ ابو ثور کا محاصرہ کر لیا۔ اور چند ہی روز مین فتح کر کے شہر بلوط کی طرف بڑھا اور اُسے فتح کیا۔ پھر شہر ابلاطنو فتح ہو گیا۔ اور اب سارے لشکر نے بڑھ کے پھر جرجنت کا محاصرہ کیا۔ یہ محاصرہ ایک مدت تک قائم رہا یہانتک کہ خلیل نے ابو خلف ابن ہرون نام اپنے ایک سردار کو کافی فوج کے ساتھ جرجنت کے محاصرے پر چھوڑ کے خود آگے کی راہ لی تاکہ اور شہرون کو بغاوت کی سزا دے۔

ابو خلف نے محاصرے مین بڑی سختی کی جو ۳۲۹ھ تک جاری رہا۔ اب جرجنت کے لوگ چھپ چھپ کے بھاگنے لگے۔ یہانتک کہ بہت سے لوگ بھاگ کے بلاد روم مین ہو رہے۔ اور جو بچے اُنھون نے عاجز آ کے امان مانگی۔ اس مین جب اُن لوگون کی طرف سے اصرار ہوا تو اس شرط پر امان دی گئی کہ بلاتامل اور بغیر کسی عذر کے قلعہ سے اُتر کے حاضر ہو جائین۔ یہ سنتے ہی سب لوگ نکل کے حاضر ہو گئے۔ مگر اُن کے ساتھ بدعہدی کی گئی۔ یعنی بجائے اس کے کہ جان بخشی کیجائے سب گرفتار کر کے شہر [illegible] مین بھیج دیے گئے۔

جرجنت والون کی سرکشی کا یہ انجام اور لوگون نے سُنا تو سہم گئے۔ اور مارے خوف کے سب نے اطاعت قبول کر لی۔ الغرض ۳۲۹ھ مین جب تمام بلاد صقلیہ مطیع و منقاد ہو گئے تو خلیل بن اسحق ولایت صقلیہ کی باگ سالم بن راشد کے ہاتھ مین چھوڑ کے افریقہ کو واپس چلا گیا۔ مگر سربرآوردہ باغیان جرجنت کو چھانٹ چھانٹ کے ایک جہاز پر سوار کرا کے اپنے ساتھ

لیتا گیا۔ جس وقت جہاز بیچ سمندر میں پہونچے جہاں سے کنارہ نہیں دکھائی دیتا تھا تو اُس نے باغی اسیروں کے جہاز کو تڑوا دیا۔ اور وہ مع اُن سب لوگوں کے ڈوب گیا

القائم بامر اللہ خلیفۂ فاطمی کی وفات اور المنصور باللہ کی جانشینی

اس کے بعد کئی سال تک صقلیہ کے کچھ حالات نہیں معلوم ہو سکے۔ یہانتک کہ ۳۳۴ھ میں القائم بامر اللہ فاطمی نے جس کی قلمرو میں جزیرہ صقلیہ بھی شامل تھا وفات پائی۔ اور اُس کا بیٹا اسمٰعیل "المنصور باللہ" کا لقب اختیار کر کے فرمان روائے افریقیہ ہوا۔

ابو عطاف والی صقلیہ

معلوم ہوتا ہے کہ القائم بامر اللہ نے وفات سے پہلے صقلیہ کے پہلے والی کو حکومت سے ہٹا کے ابو عطاف نام ایک اور شخص کو وہاں کا امیر و والی مقرر کر دیا تھا۔ یہ شخص نہایت ہی کمزور طبیعت کا آدمی تھا۔ وہاں اپنا رعب قائم نہ رکھ سکا۔ اور صقلیہ والے جن کی سرشت میں بغاوت کا مادہ داخل تھا اُس کے احکام کی طرف سے بے پروائی کرنے لگے۔ جب مسلمانان صقلیہ نے اپنے والی کو کمزور ثابت کیا تو عیسائی رعایا یہ سمجھ گئی کہ مسلمانوں کی قوت اب کمزور ہو گئی ہے اور کچھ دشوار نہیں کہ اُن کی حکومت کا جُوا اپنی گردن پر سے اُتار کے پھینک دیں۔ جس کا آغاز یوں ہوا کہ اُنھوں نے خراج دینے سے ہاتھ روکا اور جب تقاضا ہوا تو صاف الفاظ میں ادا کرنے سے انکار کر دیا۔ مسیحیوں کا یہ رنگ دیکھ کے مسلمانوں میں برہمی پیدا ہوئی۔ اور ہر جگہ ایک شورش مچ گئی۔

جن عرب خاندانوں نے صقلیہ میں جا کے توطن اختیار کر لیا تھا اُن میں بنی طبری کا ایک بڑا معزز و ذی اثر گھرانہ تھا۔ اُن لوگوں کے پیرووں کی بڑی کثرت تھی۔ جس کی وجہ سے حکومت کو بھی اُن کا اثر ماننا پڑتا تھا۔ اِس

نازک موقع پر بھی طبری نے اپنے تمام طرفدارون کو جمع کیا - اور سب کے سب ایک بڑی بھاری جماعت سے اپنے کمزور والی عطاف پہ چڑھ دوڑے - اہل مدینہ یعنی اسلامی دارالحکومت صقلیہ کے لوگون نے بھی والی کی رفاقت چھوڑ کر بلوائیون کا ساتھ دیا۔ ۳۳۵ھ مین خاص عید الفطر کے دن اِن سب لوگون نے قصر امارت کو گھیر لیا اور ابو عطاف پر حملہ کیا - چند فوجی سپاہی جو پہرے پر تھے اُنھین قتل کر ڈالا - اور اندر گھس پڑے ان لوگون کو خاص قصر کے اندر گھستے دیکھ کے ابو عطاف گھبرا کے دوسری طرف سے نکل بھاگا - قلعہ مین جا کے پناہ لی - اور اُس کے پھاٹک بند کروا لیے - مگر بلوائیون نے اکثر جھنڈے جو قصر امارت کے برجون پر نصب تھے - اور اُس کا نقارہ جو قصر کے پھاٹک پہ بجا کرتا تھا قبضہ کر لیا - اور اپنے اپنے شہرون کو واپس گئے۔

اب ابو عطاف نے اس واقعے کی اطلاع المنصور کو کی جو افریقہ کے شہر مہدیہ مین جانشین دولت فاطمیہ تھا - اور اُس سے مدد مانگی کہ فوجی قوت سے اِن سب خرابیون اور بدنظمیون کو دور کر دے۔

حسن بن علی بن ابوالحسن کلبی والی صقلیہ

المنصور کو خیال ہوا کہ اب صقلیہ کی حالت کی اصلاح ابو عطاف کے ایسے کمزور والی کے ہاتھ سے غیر ممکن ہے - چنانچہ اُس نے اُسے معزول کر کے اپنے ایک بڑے معتمد علیہ سردار اور آزمودہ کار سپہ سالار حسن بن علی بن ابوالحسن کلبی کو والی صقلیہ مقرر کر کے مہدیہ سے روانہ کیا کہ زور و شور سے جا کے اِن شورشون کا خاتمہ کر دے - وہ تھوڑی فوج کے ساتھ جا کے شہر مازر مین لنگر انداز ہوا۔ شہر والون کو اپنے پہونچنے کی اطلاع کر دی - مگر کوئی حکم نہین دیا - اور ساحل پر اُتر کے دیکھنے لگا کہ شہر والے اُس کے ساتھ کیا برتاؤ کرتے ہین - شہر والے خبر بھی نہ ہوئے - اور اُس کے آنے کی مطلق پروا نہ کی - یہانتک کہ دن ختم ہو گیا اور رات ہوئی۔

رات کے اندھیرے مین مازر مین رہنے والے افریقی گمنامی کے عروہ(؟)

کی ایک جماعت چور دن کی طرح آکے اُس سے ملی اور کہا "ہم لوگ آپ کے پاس آتے اور آپ سے ملتے ڈرتے ہین۔ یہان ابن طبری اور اُس کے طرفدار دن کا زور ہے اور اُس سے سب ڈرتے ہین۔ اور واقعہ یہ ہے کہ علی بن طبری اور اُس کے رفقا محمد بن عبدون وغیرہ المنصور کے پاس افریقیہ مین گئے ہوئے ہین۔ اور جاتے وقت اپنے بیٹون سے کہہ گئے ہین کہ حسن بن علی سند ولایت صقلیہ لے کے آئین تو اُنھین شہر مین نہ گھسنے دینا۔ وہ لوگ اپنے جہازون پر جزیرے سے دور ہی دور رہین۔ افریقیہ مین پہونچ کے جب وہان سے مین تم کو اطلاع دون کہ المنصور سے ہم کس طرح پیش آیا۔ اور ہماری درخواست پر کہان تک لحاظ کیا اُس وقت دیکھا جائے گا۔ وہ لوگ دراصل آپ کے تقرر کو منسوخ کرانے گئے ہین۔ اور چاہتے ہین کہ آپ کے عوض کوئی اور والی مقرر کیا جائے۔

حسن بن علی فقط زبردست سالار ہی نہ تھا بلکہ بڑا اسٹیٹسمین اور اعلی درجے کا مدبر و خوش تدبیر سردار تھا۔ ان لوگون کے ساتھ بڑے اخلاق سے پیش آیا۔ اور بڑی شکر گزاری کے بعد رخصت کیا۔ ان لوگون کے بعد ابن طبری کے گروہ کے چند اشخاص آئے۔ مگر محض خبر لینے اور یہ دیکھنے کو کہ حسن بن علی کے پاس کتنی فوج ہے۔ اور وہ کیا کارروائی کرتا ہے۔ یہان کی حالت دیکھ کے اُنھین یقین ہو گیا کہ اِس نئے والی صقلیہ کے پاس بہت ہی کم سپاہی ہین۔ اور دل مین رائے قائم کر لی کہ یہ یہان کچھ نہین کر سکتا۔ مگر حسن ابن علی نے ان لوگون کی بھی بڑی خاطر و تواضع کی۔ اور وہ لوگ یہ وعدہ کر کے واپس گئے کہ ہم مدینے جا کے واپس آئین تو آپ سے ملین گے۔ حسن بن علی نے اس کے جواب مین کہا اور جب تک آپ لوگ واپس نہ آئین گے مین یہین ٹھہرا رہون گا۔

مگر جس رات کو یہ لوگ مل کے گئے اُس کے دوسرے ہی دن وہ سرعت کے ساتھ مدینے کی طرف روانہ ہوا۔ تا کہ اُن کا جتھا قائم ہونے سے پہلے ہی اُن کے سر پر پہونچ جائے۔ جب شہر بیضا مین پہونچا تو شہر کے باہر اُترپڑا۔ وہان کا حاکم اُس کے نشیر تمام عہدہ داران دیوانی اور شہر کے امن دوست ڈرکے سی آکے

اور اظہار اطاعت کیا۔ حسن بھی اپنی عادت کے موافق اُن سے بڑے اخلاق اور نہایت شگفتگی کے ساتھ ملا۔ اور یہان کے حالات دریافت کیے۔ اسمٰعیل بن طبری یہان موجود تھا۔ اُس نے جو دیکھا کہ تمام حکام و معززین شہر حسن کی خدمت مین ادب و اطاعت سے حاضر ہو گئے۔ تو اپنا نہ ملنا خلاف مصلحت سمجھ کے مجبوراً وہ بھی دوڑا آیا کہ نئے والی کا خیر مقدم ادا کرے۔ حسن نے اُس کی بھی بڑی تعظیم کی۔ نہایت آؤ بھگت سے ہاتھوں ہاتھ لیا۔ اور جیسے ہی وہ رخصت ہو کے گیا خود حسن بھی شہر مین جا دھمکا۔ اور سب کے ساتھ کچھ ایسا طرز عمل اختیار کیا کہ دوست دشمن سب اُس کا دم بھرنے لگے۔ اور جو لوگ مخالف تھے وہ بھی موافق ہو گئے۔

اہل صقلیہ کی ذلیل کیادی

ابن طبری نے جو یہ دیکھا کہ ساری خلقت حسن بن علی کا کلمہ پڑھنے لگی تو اس فکر مین لگا کہ کسی تدبیر سے اُسے بدنام کر کے رعایا کو اُس کے خلاف کرے۔ چنانچہ صقلیہ کے ایک عیسائی شخص کو اشارہ کر دیا جس نے حسن کے ایک غلام کی اپنے گھر مین دعوت کی۔ لیکن جیسے ہی وہ اندر جا کے بیٹھا وہ مسیحی شخص سر پیٹ پیٹ کے چلانے اور فریاد کرنے لگا۔ محلے والے اُس کی فریاد پر دوڑے تو اُن سے کہا "حسن کا یہ غلام میرے گھر مین گھس آیا۔ اور میری آنکھوں کے سامنے زبردستی میری جورو کو پکڑ کے خراب کیا۔ غلام حیران و ششدر تھا۔ اور سب اُسے چاروں طرف سے گالیان دے رہے تھے کہ اسمٰعیل بن طبری آ پہونچا۔ اور کہنے لگا "شہر پر ابھی قبضہ نہین ملا ہے اس حالت مین تو یہ حال ہے۔ جب حسن کو حکومت مِل جائی گی تو غریبوں کی کیا گت بنے گی۔ تم لوگ بیٹھے کیا کرتے ہو؟ حسن بن علی کے پاس جا کے کہو کہ آپ کے غلام یہ کر رہے ہین"۔ اُس کا منصوبہ یہ تھا کہ حسن اپنے بے گناہ غلام سے کسی قسم کا تعرض نہ کرے گا۔ اس پر شہر والے برافروختہ ہو کے اُٹھ کھڑے ہون گے اور اُسے اپنے یہان سے مار کے نکال دین گے۔ بہرحال ایک انبوہ کثیر فریاد کرتا ہوا بن کے حسن کے پاس پہونچا۔ اُس نے کہا "مین کسی کی طرفداری نہ کرونگا۔ تم لوگ حلف اُٹھاؤ کہ تم نے اِس غلام کو زنا کرتے دیکھا ہے۔ اگر تم نے حلف اُٹھا لی تو اُسے پوری سزا دیجائے گی۔ وہ لوگ بلا تامل قسم کھا گئے اور حسن نے حسب حکم

شرع اپنے غلام کو قتل کرا ڈالا۔ اُس کی یہ عدالت پروری دیکھ کے شہر والے بہت ہی خوش ہوئے۔ ہر طرف اُس کی واہ واہ ہونے لگی۔ لوگ پہلے سے زیادہ اُس کے گرویدہ ہو گئے۔ اور ہر ایک کی زبان پہ تھا کیسا منصف و عدالت گستر والی ہے۔ اِس کے زمانے مین ہر شخص خوش رہے گا۔ اور شہر خوب آباد ہو جائے گا" غرض ابن طبری دل مین بے انتہا ذلیل ہوا۔ اور الٹی آئین گلے مین پڑین۔ اِس لیے کہ اب رعایا کو حسن کے خلاف کرنا امکان سے باہر تھا۔

حسن کے دشمنون کا استیصال

اب حسن شہر بیضا مین مقیم تھا اور دل مین اہل صقلیہ سے غیر مطمئن اور اُن کی ذلیل مکاریون سے خائف تھا کہ المنصور کا فرمان آیا جس مین لکھا تھا کہ "یہان تہدہ مین مین نے علی بن طبری۔ محمد عبدون۔ محمد بن حنا اور اُن کے دیگر رفقا کو گرفتار کر لیا ہے لہذا تمھارے لیے کامیابی کا میدان کھلا ہوا ہے۔ اب تم وہان اسمٰعیل بن طبری رجا ابن حنا اور دیگر سرغنایان بغاوت کو گرفتار کر لو"

یہ فرمان پڑھ کے حسن بہت ہی خوش ہوا۔ اُسے معلوم ہو گیا کہ خاندان ابن طبری اور فتنہ جویان صقلیہ کی کارروائی نہین چلی۔ اور اُن لوگون کی گرفتاری کے بعد اب کسی سرکشی و شرارت کی جرأت نہ ہوگی۔ مگر پھر بھی یہان کے لوگون کی کیا دیون سے وہ ڈرتا تھا۔ اور دل سے یہ خدشہ نہ دور ہوتا تھا کہ مکر و فریب سے اِن بدمعاشون نے کوئی اور ہنگامہ اُٹھا کے کھڑا کر دیا تو مجھے بڑی دشواریان پیش آئین گی۔ المنصور کا حکم تھا کہ ابن طبری کے تمام عزیزون اور رفیقون کو گرفتار کر لو۔ مگر اُن کے دوست اور طرفدار صقلیہ کے تمام اسلامی شہرون مین پھیلے ہوئے تھے۔ اور یہان کے مسلمانون پہ اُن کا اثر پڑا ہوا تھا۔ ڈرتا تھا کہ اگر مین نے ان لوگون پر ہاتھ ڈالا تو کیا نہ ہو ساری رعایا اور تمام مسلمان رؤسا جزیرہ بغاوت نہ کر دین۔ اور یہ ہوا تو مجھے بڑی دشواری پیش آئے گی۔ میرے ہمراہ اتنی فوج بھی نہین آئی ہے کہ یہان کے فتنون کو بزور شمشیر فرو کر سکون۔ غرض کئی دن تک حسن اسی سوچ مین پڑا رہا۔

ہندوستان مین مشرقی تمدن کا آخری نمونہ

(۵) معاشرت مین پانچوین چیز نشست و برخاست ہے۔ ہر متمدن قوم مین نشست و برخاست کے مختص قوانین اور اصول موضوعہ ہوا کرتے ہین۔ اور اُنھین سے اُس قوم کی ترقی و تہذیب کا درجہ قائم ہوا کرتا ہے اگر آپ عیسائیون کے متمدن شہرون پیرس لنڈن اور برلن مین یا مسلمانون کے مہذب بلاد قسطنطنیہ طہران اور شیراز مین جائیے اور وہان کے مہذب لوگون کی صحبت مین شریک ہوجیے تو نظر آئے گا کہ اُن مین نشست و برخاست کے اخلاقی قوانین کس قدر سخت ہین۔ مگر ہندوستان کے بڑے تاجرانہ شہرون مین آپ جائین اور وہان کے اُمراد معززین سے ملین تو آپ کو اخلاقی قوانین تہذیب کا بالکل پتہ نہ چلے گا۔ مگر اُن شہرون مین جہان کوئی خاص دربار قائم ہے۔ یا رہ چکا ہے۔ مثلاً حیدرآباد دکن بھوپال اور رامپور وغیرہ معزز دہلی دربارون کے قائم ہونے کی برکت سے عوام و خواص سب مین حفظ مراتب کے قواعد نظر آئین گے۔ بخلاف تاجرانہ شہرون کے جہان تمیزداری ادب اور حفظ مراتب کا نام و نشان بھی نہ ہوگا۔

دہلی مین اگلے دنون یہ اخلاقی اصول یقیناً سب جگہ سے زیادہ بڑھے ہوئے ہون گے۔ اس لیے کہ وہان کا دربار سب سے بڑا تھا اور صدیون سے قائم چلا آتا تھا۔ مگر وہان تجارت پیشہ اقوام کے سوسائٹی پر غالب آنے کی وجہ سے اگلی ساری تہذیب خاک مین مل گئی نشست و برخاست کی بنیاد امارت ریاست اور حکومت سے پڑتی ہے۔ حکومت و ریاست بتاتی ہے کہ چھوٹون کو بڑون سے اور بڑون کو چھوٹون سے کیونکر ملنا چاہیے۔ اور برابر والون سے کیسا برتاؤ کرنا چاہیے۔ مگر تجارت کو اِن امارت کے چوچلون اور اخلاقی تکلیفون سے دشمنی ہے۔ وہ معاملت اور خودغرضی کے آغوش مین پلتی ہے۔ اور سلف سیکری فائس یعنی اپنے وقت، اپنے روپیے اپنے ہنر اور اپنی دولت کو بے وجہ کسی پر قربان کردینے کو حماقت اور لغویت بتاتی ہے بخلاف اُس کے ریاست کا جوہر یہ ہے کہ بے غرضی کے ساتھ اپنے طرفدارون یا قابل لوگون سے مراعات کیجائے۔ اور اِس کا

یہ لازمی نتیجہ کہ جہان تجارت کو فروغ ہوگا اور تاجرون کی معاشرت خوش باش امیرون اور شریفون کی معاشرت پر غالب آجائے گی وہان کوئی اخلاقی قانون نہین باقی رہ سکتا۔ چنانچہ اسی چیز نے دہلی کے اگلے عظیم الشان دربارون کی ساری آن بان مٹا کے رکھ دی۔ اور وہ بات نہین باقی رہی جو اُس ناموری کی تاریخ کے شایان تھی۔

دہلی کی تہذیب کو جب تاجرون کا ہجوم تباہ کرنے لگا تو اُس نے اپنے قدیم وطن سے بھاگ کے لکھنؤ کے چھوٹے دربار مین پناہ لی جو اگرچہ چھوٹا تھا مگر اُس کی سواد مین داخل ہونے کے بعد کسی کو نہ نظر آسکتا تھا کہ دنیا مین یہان سے بڑا کوئی اور دربار بھی ہے۔ پھر یہان آزادی سے بیٹھ کے شرفاے دہلی نے اپنے قوانین نشست و برخاست کو برتنا شروع کیا تو چند ہی روز مین یہ حالت ہوگئی کہ اکیلا لکھنؤ ہی سارے ہندوستان مین تہذیب و شائستگی اور آداب نشست و برخاست کا مرکز تھا اور تمام شہرون کے مہذب لوگ اہل لکھنؤ کی تقلید اور پیروی کر رہے تھے۔ ان مراتب کا قائم کرنا کہ کس شخص کا استقبال دروازے تک آکے کرنا چاہیے۔ کس کے لیے فقط کھڑے ہو جانے کی ضرورت ہے کس کے لیے نیم خیز ہوکے اور کس کے لیے اپنی جگہ پر بیٹھے ہی بیٹھے "آئیے۔ تشریف لائیے" کہہ دینا کافی ہے۔ زیادہ تر اپنے دلی فیصلے اور اجتہاد پر موقوف۔ اور اِس اجتہاد کا جیسا ملکہ لکھنؤ کے مہذب شرفا کو حاصل ہے کسی کو نہین۔

یہان کوئی برابر والا آئے گا تو کھڑے ہوکے تعظیم دین گے۔ اس کے لیے بہترین جگہ خالی کرین گے۔ اور جب تک وہ بیٹھ نہ جائے گا خود نہ بیٹھین گے اُس کے سامنے ادب اور تمیزداری سے بیٹھین گے۔ چہرہ بشاش رکھین گے تاکہ اُسے کسی قسم کا تنغص نہ ہو۔ جب وہ کوئی چیز دے گا تو ادب سے تسلیم کرکے لین گے۔ اس کا پورا خیال رکھین گے کہ ہماری کوئی حرکت اُسے ناگوار نہ ہو۔ اور اُس کی صحبت مین کسی اور ضروری کام کی طرف توجہ کرین گے تو اُس سے معذرت خواہ ہوکے اور معافی مانگ کے توجہ کرین گے۔ کہین اُٹھ کے جانے کی ضرورت پیش آئے گی تو اُس سے اجازت لے کے جائین گے۔ اگر اُس کے

ساتھ جانے کی نوبت آئے تو رستے مین اُس کے پیچھے رہین گے - اور اُسے آگے بڑھائین گے - اصول تہذیب کی پابندی مین وہ بھی اصرار کرے گا کہ "پہلے آپ تشریف لے چلین" لیکن ادھر سے بار بار یہی کہا جائے گا کہ جناب آگے تشریف لے چلین. مین کس قابل ہون - اور اگر وہ کسی طرح نہ مانے اور مجبور ہی کر دے تو شکر گزاری مین آداب بجا لا کے آگے قدم بڑھائین گے بھی تو اِس انداز سے کہ اُس کی طرف پیٹھ نہ ہو -

اکثر لوگ ان آداب کا مضحکہ اُڑاتے ہین اور ضرب المثل ہو گیا ہے کہ چند لکھنؤ والے "پہلے آپ" "پہلے آپ" کہتے رہے اور ریل چھوٹ گئی - چنانچہ دونون اسٹیشن پر پڑے رہ گئے - اِس سے انکار نہین کیا جا سکتا کہ ہر چیز کا اعتدال سے گزر جانا بدنما اور مضر ہو جاتا ہے - مگر کیا اس سے یہ ثابت نہین ہوتا کہ آداب معاشرت کی نگہداشت اہل لکھنؤ کے اخلاق مین اس حد کو پہونچ گئی ہے کہ اُن کے برتنے مین اُنھین ضرر پہونچ جانے کا بھی خیال نہین رہتا ہے جو لوگ تہذیب و شائستگی سے معری ہین جو اعتراض چاہین کرین لیکن ایک مہذب و شائستہ آدمی اِن باتون کو بجاے عیب کے اخلاقی جوہر تسلیم کرے گا -

اب تو سب شہرون کی طرح یہان بھی میز کرسیون اور انگریزی فرنیچر کا رواج ہو گیا ہے - مگر پہلے نشست فرش کی تھی جو حسب حیثیت و دولت قیمتی اور پر تکلف ہوا کرتا - اگر کوئی ہمرتبہ غیر یا بزرگ اور واجب التعظیم شخص آ جاتا تو اُسے گاؤ کے آگے بٹھا کے سب لوگ حاضرین صحبت کی تعداد کے مطابق چھوٹا یا بڑا حلقہ باندھ کے مودب اور دو زانو بیٹھ جاتے جس کسی سے وہ بات کرتا وہ شخص ہاتھ جوڑ کے نہایت ہی فروتنی سے جواب دیتا - اور اُس کے سامنے زیادہ باتین کرنا یا اپنی آواز کو اُس کی آواز سے بلند کرنا اخلاقی جرم خیال کرتا -

لیکن اگر سب برابر والے حریفان صحبت اور یاران ہم مذاق ہوتے تو نشست مین بے تکلفی رہتی - اور باوجود ہم رتبہ و ہم سن ہونے کے بے تکلفی پر بھی سب ایک دوسرے کا ادب کرتے - اس کا خیال رہتا کہ کسی کی طرف پیٹھ نہ - اور کوئی ایسی بات نہ ہونے پائے جس سے کسی کی سبکی یا اُس کی عزت کرنے سے بے پروائی ثابت ہو - نوکر اور خدمتگار پاس یا اُس فرش پر نہ بیٹھ سکتے جس پر یاران صحبت بیٹھے

ہوتے۔ وہ تعمیل احکام کے لیے سامنے ادب سے کھڑے ہوتے یا نظر سے غائب کسی قریب ہی ایسے مقام پر ٹھہرتے جہان تک آواز پہونچ جائے۔ اور اُن کا ہر وقت کھڑا رہنا یا زیادہ باتین کرنا بدتمیزی سمجھا جاتا۔

وہ خاصدان یا حقہ لاکے لگاتے تو صاحب خانہ اپنے ہاتھ سے دوستون کے سامنے بڑھاتا اور وہ اُٹھ کے اور تسلیم کر کے لیتے۔ بے تکلفی کی صحبتون مین خُردون کا بے ضرورت آنا نامناسب تھا۔ اگر کبھی ضرورت سے وہ آجاتے تو باپ کے دوستون کو نہایت ہی ادب سے جھک کے اداب بجا لاتے۔ اور اُن کے آتے ہی بزرگون کی صحبت بے تکلف سے مہذب بن جاتی۔ اور جس طرح وہ خُرد سب کی بزرگی کا ادب کرتا اُسی طرح بزرگ اُس کی خُردی کا پاس کر کے اپنی بے تکلفیان چھوڑ دیتے۔

یہان کی صحبت مین روز کے ملنے والون سے مصافحے یا معانقے کا رواج نہ تھا۔ مصافحہ مقتدایان قوم کی دست بوسی تک محدود تھا۔ اور معانقہ صرف اُن دوستون کے لیے تھا جو کسی سفر سے واپس آئین۔ یا مدت کے بعد ملین۔

زنانے مین مرد جاتے تو عورتون کا احترام کرتے۔ اُن کے سامنے ممکن نہ تھا کہ وہ زیادہ بے تکلفی برتین۔ یا اُن مین زیادہ نشست رکھین۔ میان بیوی مین بے تکلفی لازمی تھی لیکن گھر کی بزرگ عورتون کے سامنے وہ بھی ہرگز بے تکلف نہ ہوتے۔ دہات کے شرفا مین معمول تھا کہ نئی دولھن جب تک چار پانچ بچون کی مان نہ ہوجائے گھر کی تمام عورتون کے سامنے شوہر سے پردہ کرتی۔ اور مجال نہ تھی کہ کوئی عزیز مرد یا عورت اُسے شوہر کے پاس یا شوہر کو اُس کے پاس جاتے دیکھ لے۔ یہ سختی شہر کے شرفا مین نہ تھی۔ شہر کے خاندانون مین میان بیوی ابتدا ہی سے ایک ساتھ دسترخوان پر بیٹھ کے کھانا کھاتے۔ مگر یہ معیوب تھا کہ ماماؤن اور پیش خدمتون کے سامنے بھی باہم بے تکلفی اختیار کرین۔

عورتون کی باہمی صحبت سوا بڑے بڑے امیرون کے گھرانے کے نسبتہً بے تکلف رہتی۔ اُن مین مہمان آنے والی بیویون کے ساتھ ایک معتدل درجے تک تکلف رہتا۔ مگر اُس تکلف کے ساتھ خلوص اور یکجہتی کا اظہار زیادہ ہوتا۔

سوگواری

کسی دوست یا عزیز کے مرنے پر علانیہ طور پر وضع و لباس کے ذریعہ سے اظہار غم کو "سوگواری" کہتے ہین۔ دنیا کی تمام قومون کی معاشرت کو دیکھیے تو کوئی قوم سوگ منانے سے خالی نہ نظر آئے گی۔ لہذا ہر ملک مین سوگواری کی خاص خاص وضعین اور اُس کے اظہار کے خاص خاص طریقے اور رسمین مروج ہین۔ یون تو جس دن دنیا مین پہلا انسان مرا اُسی دن سے رونے اور سوگ کرنے کی بنیاد پڑ گئی۔ مگر اس سوگ مین مختلف قومون نے جو جدتین کین اور جیسے جیسے کرشمے دکھائے اُن کا بتانا لطف سے خالی نہین ہے۔

سب سے قدیم قوم مصر والون کی ہے۔ اور اُنھین مین سوگواری تمام قومون سے بڑھی ہوئی تھی۔ اس کی زیادتی اور مدت تک قائم رہنے کی وجہ یہ تھی کہ لاش کی ممی بنائی جاتی۔ جس کام کے لیے بہت زمانہ درکار ہوتا۔ ممی کے تیار ہونے تک مرنے والے کے خاندان مین برابر ماتم ہوتا رہتا۔ جب لاش ممی بنانے کے لیے کسی ممی بنانے والے کے گھر مین لے جائی جاتی اور جب تیاری کے بعد وہان سے لائی جاتی تو رونے اور ماتم کرنے والون کا اُس کے گرد ہجوم ہوتا۔ کوئی سن رسیدہ عورت جو رونے اور بین کرنے مین زیادہ کمال رکھتی بال کھول کے آتی اور لاش کے سرہانے کھڑی ہو جاتی۔ غم و الم کی دُھن اور دردبھری آواز مین اُس کے حالات اور محامد و خصائل بیان کر کر کے روتی اور سینہ کوبی کرتی اور ماتم مین تمام لوگ اُس کا ساتھ دیتے۔ اکثر فرعونون اور امیرون کے مرنے پر سال بھر تک مجلس ماتم بپا رہتی۔ اور کسی وقت رونے پیٹنے کا سلسلہ موقوف نہ ہوتا۔

اُن کے بعد اور نیز اُن کے زمانے مین بنی اسرائیل جب ارض موعود مین جا کے مقیم ہوئے ہین تو وہ بھی بڑے جوش و خروش سے اپنے عزیزون اور دوستون کا سوگ کیا کرتے۔ اور غالباً اظہار غم کے بھی وہی طریقے تھے جن کو وہ مصر کے قبطیون سے سیکھ کے آئے تھے۔ اُن کا سوگ یہ تھا کہ گریبان

چاک کرتے - کپڑے پھاڑ ڈالتے - بالون کو نوچتے کھسوٹتے - سینہ کوبی کرتے - سر پر خاک ڈالتے - نہانا چھوڑ دیتے - فرش سے اُٹھ کے زمین پر جا بیٹھتے - اور لوگون مین ننگے سر اور ننگے پاؤن پھرتے - مرنے والے کے سوگوار دن کی یہ حالت سات دن تک رہتی جس مدت کے گزر جانے کے بعد یہ سوگواری کے طریقے موقوف ہو جاتے - مگر بنی اسرائیل نے اپنے رسم و رواج کے خلاف حضرت موسٰی اور جناب ہارُون کا سوگ پورے ایک مہینے تک قائم رکھا تھا -

اب اس کے بعد زمانے یونانیون کا طریقۂ سوگ دیکھیے جو علم و فضل مین سب سے بالا تھے اور اُن کا شہر ایتھنز مدینۃ الحکما کہلاتا تھا - یونانیون مین کوئی عزیز و قریب مرتا تو اپنے بال کٹوا ڈالتے - کپڑے پھاڑ ڈالتے - سر پر خاک اُڑاتے - اور اکثر شہرون مین سیاہ اور ارغوانی وغیرہ خاص خاص بستیون مین سفید کپڑے پہنتے - عام مجمع کو چھوڑ کے کسی تنہائی کے مقام مین جا بیٹھتے - زمین پر لوٹتے - ڈھکنیان کھاتے - اور بغیر مُنہ پر نقاب ڈالے مجمع عام مین نہ آتے -

یونانیون کے بعد رومیون کا زمانہ آیا - وہ تمام باتون یہانتک کہ بہت سے مذہبی عقائد مین بھی یونانیون کے شاگرد تھے - چنانچہ ان کی سوگواری بھی یونانیون کی سوگواری تھی اور اُن کے طریقۂ ماتم سے زیادہ متغایر اور جدا نہ تھی - اُن مین مرنے والے پر رونے پیٹنے اور بین کرنے کا زیادہ رواج تھا - اور تجہیز و تکفین کے موقعون پر رونے والے کرائے پر بُلوا لیے جاتے جو صف باندھ کے کھڑے ہوتے اور رو رو کے بین کرتے - اس کے سوا اُن مین تقریباً وہ تمام باتین تھین جو یونانیون مین تھین -

ماتمی لباس کا رنگ بھی قدیم قومون مین بدلا ہوا تھا - اور آج بھی جدا جدا ہے - یونانیون مین بعض جگہ سیاہ تھا - اور بعض جگہ سفید - رومیون مین علی العموم سیاہ رنگ ماتمی تھا - یورپ مین آج بھی سیاہ ہی رنگ سوگواری کے لیے مخصوص ہے - اہل چین و جاپان سوگ مین سفید کپڑے پہنتے ہین - ترکون مین نیلے یا عباسی رنگ کا رواج ہے - ایران مین سیاہ لباس پہنا جاتا ہے

مصر مین زرد رنگ سوگواری کا ہے۔ اور حبشیون مین سوگ اور غم کے موقع پر خاکستری رنگ اختیار کیا جاتا ہے۔

جاہلیت عرب مین بھی مرنے والے کی میت پر بڑے زور و شور کا ماتم ہوتا تھا عورتین گریبان چاک کرتین۔ روتین پیٹتین۔ اور مرثیون اور بین کے فقرون کے ساتھ علی العموم نوحہ خوانی کرتین۔ اور سر و سینہ پیٹتین۔ یہان تک کہ اسلام ظاہر ہوا۔ اور تعلیمات ربانی سے انسانی اخلاق کی اصلاح ہونے لگی۔

اسلام نے سوا آنسو بہانے اور سادگی و تہذیب کے ساتھ رنج و الم کرنے کے سر و سینہ پیٹنے۔ چلا چلا کے بین کرنے۔ زیب و زینت چھوڑ دینے۔ اور ماتمی لباس پہننے کو حرام بتایا۔ چنانچہ نور اسلام کے نمایان ہوتے ہی سوگواری اور سینہ زنی عرب مین یکقلم ترک ہو گئی تھی۔

حضرت امام حسین علیہ السلام کے شہید ہونے کے بعد عزاداران حسین نے سوگواری و عزاداری کو جزو دین بنا دیا۔ اور اُن کے جوش رنج و الم نے تھوڑی ہی مدت مین سوگواری کو اس قدر اہم اور باقاعدہ بنا دیا کہ شاید محبان حسین سے زیادہ جوش عزاداری دنیا کی کوئی قوم نہ دکھا سکی ہو گی۔ اِس اسلامی سوگواری کی شان دیکھنے کا جسے شوق ہو محرم مین لکھنؤ کی سیر کرے اور دیکھے کہ یہ دینی سوگواری دیگر اقوام و ملل کی سوگواریون سے کس قدر بڑھی چڑھی ہے۔

یہان محرم کے شروع ہوتے ہی عزاداران حسین کا لباس سیاہ نیلا یا سبز ہو جاتا ہے۔ عورتین چوڑیان اور تمام زیور بڑھا دیتی ہین۔ اور اُس کے عوض ہاتھون مین سیاہ یا سبز ریشمی پہونچیان اور کانون مین سیاہ و سبز ریشمی پھول پہن لیے جاتے ہین۔ بال کھول دئیے جاتے ہین۔ اور خاص عاشورے کے روز بھوسا اور خاک اُڑا کے سر پہ ڈالا جاتا ہے۔ پان کھانا مرد و عورت سب چھوڑ دیتے ہین۔ اور پانون کے عوض گوٹا کھایا جاتا ہے۔ تعزیون کے جلوس عزاداری کا ایک مکمل ترین نمونہ ہوتے ہین۔ اور مجالس عزا ثبوت دیتی ہین کہ غم منانے مین ہم دنیا کی قومون سے کس قدر بڑھ گئے ہین۔

چند ریویو

نقاد- اپریل ۱۹۱۶ء سے یہ دلچسپ ادبی رسالہ پھر اُسی آب و تاب سے نکلنا شروع ہوا- اور حضرت شاہ دلگیر کا سچا ادبی مذاق اور اُن کی نفاست طبع اسے روزافزون ترقی دے رہی ہے- اکتوبر ۱۹۱۶ء تک جتنے نمبر شائع ہوئے ہین سب یکے بعد دیگرے ترقی کرتے رہے ہین- ہم امید کرتے ہین کہ پبلک کی توجہ کے لیے یہ ترقیان بخوبی کافی ہون گی- جن حضرات کو نظم و نثر اردو کا ذوق ہے اُنھین نقاد کی کوششون کی قدر کرنی چاہیے- یہ ۲۰×۲۶ تقطیع کے ۵۲ صفحون کا ماہوار رسالہ کاغذ لکھائی چھپائی مین نایاب- اور مضامین کے لحاظ سے لاجواب ہے- قیمت سالانہ للعہ ر (میوہ کٹرہ- آگرہ) کے پتے پر خط بھیج کے حضرت شاہ دلگیر سے منگوایا جائے-

سعیدہ کے خطوط- جناب ابوالاثر بہزاد نے "اسرار سیرت انسانیہ" کے نام سے ناولون کا ایک سلسلہ جاری فرمایا ہے- جس کا پہلا نمونہ یہی ناول ہے جو چھوٹے ورقون کے ۷۲ صفحون پر ختم ہوا ہے- دیباچہ مین جناب مصنف ان تمام ناولون کو جو اس وقت تک اردو مین شائع ہوئے ہین ناول کے اصلی مفہوم سے باہر لغو و بیکار اور بداخلاقی کا محرک بتاتے ہین- اور مدعی ہین کہ اردو مین اصلی اور پہلا ناول یہی "سعیدہ کے خطوط" ہین یا وہ ہون گے جو اس سلسلہ مین آیندہ شائع ہون گے- "سعیدہ کے خطوط" مین سعیدہ نام ایک لڑکی اپنے خطون مین جو زکیہ کے نام ہین اپنے حالات بیان کرتی ہے- پہلا خط تو "ڈیر ذکیہ!" کے القاب سے شروع ہوا ہے- باقی تمام خطون مین القاب و آداب کی مطلق ضرورت نہین سمجھی گئی- معلوم نہین یہ بی سعیدہ کی سیرت و جبلت ہے یا اُنھون نے اپنی بہنون کو اس بے تکلفی کے اخلاق کی تعلیم دی ہے- ہمارا خیال نہ تھا کہ "ڈیر" کا لفظ پردے کی بیٹھنے والیون تک بھی پہونچ گیا ہے- باقی رہا زکیہ کو "ذ" سے "ذکیہ" لکھنا یہ یقیناً کاتب کی اصلاح ہو گی- اس ناول کی قیمت ۸ آنہ ہے- اور ملنے کا پتہ "سید علی یاور صاحب محلہ بنگلا- امروہہ"

حضرت ۱۹۱۷ء کی رحلت

دنیا کی فطرت قدامت پرستی ہے چندروز کے لیے ہم کو مغربی اوضاع واطوار اور یورپین مذاق کے اختیار کرنے کا جنون سا ہو گیا تھا۔ مگر اب ہم دیکھتے ہین کہ اکثر تعلیم یافتہ نوجوان اور بہت سے ہیٹ پہننے والے بیرسٹر اور معزز عہدہ دار بھی اپنے وطنی لباس اور پرانی عادتون اور رسمون کو اختیار کرنے لگے ہین۔ لہذا اگر ہم بھی کوئی بہت پُرانا طریقہ اختیار کرلین تو شاید بیجا نہ ہو گا۔

محقق مورخین کا خیال ہے کہ دنیا کا پہلا مذہب جو اکثر وحشی قومون مین آج بھی موجود ہے یہ تھا کہ اذیت رسان اور خونخوار دیوتاؤن کی پرستش کی جائے تاکہ وہ ہم سے خوش اور راضی ہو کے ہم پر جور و ستم نہ کرین اور ہمین اذیت نہ پہونچائین۔ اُن کے نزدیک ہیضہ۔ طاعون۔ قحط۔ لڑائی اور اسی قسم کی تمام بلائین غیر مجسم دیوتا یا دیویان ہین۔ اور اُن کی پوجا کرنا اُن کی نیازین اور نذرین کرنا اُن پر بھینٹ چڑھانا۔ اُن کے مخصوص و مقررہ ایام مین اُن کے رجھانے کے لیے ناچ کود اور گانے بجانے کی محفلین کرنا انسان کو اُن کی مضرت و آزار سے بچا لیا کرتا ہے۔

چار سال کے تجربے نے ہمین یقین دلانا شروع کر دیا ہے کہ یہ سفاک و خونریز برس بھی اسی قسم کے خونخوار دیوتا ہین جو لڑائی کے علاوہ ہمین ہر قسم کی مصیبتون مین مبتلا کر رہے ہین اور کسی طرح اپنے جور و ستم سے ہمین

باز آتے - خدا پرستی کے جوش اور اپنے مہذب مذہب کے غرے مین ہم گزشتہ ظالم و ناخدا ترس سالون کو کوستے اور برُا بھلا کہتے رہے - جس پر جھنجھلا کے اور برافروختہ ہو کے اُنھون نے اور زیادہ جور و ستم پہ کمر باندھ لی - اُن کی ایذا رسانی کو روز بروز ترقی ہی ہوتی رہی - اور ہم جس دہاڑے کو پہونچ گئے بیان کے قابل نہین - مجبور ہو کے اب ہم اس پہ آمادہ ہوئے ہین کہ دنیا کے قدیم مذاق کے مطابق ان خونخوار دیوتاؤن کو بجاے برُا بھلا کہنے کے اُن کی خوشامد و پرستش کرین - اور اُن کی مدح و ثنا کا راگ گائین -

اسی خیال سے جناب ۱۹۱۷ء کو رخصت کرتے وقت بجاے کوسنے اور گالیان دینے کے ہم اُنھین میان بھائی کے خطابون کے ساتھ الوداع کہتے اور اُن کے کارنامون کو مدح و ثنا اور تہنیت و مبارک باد کے انداز سے بیان کرتے ہین تاکہ یہ ہم سے خوش جائین - اور اپنے آنے والے فرزند جناب ۱۹۱۸ء کی خدمت مین چند سفارشی کلمات کے ساتھ ہماری یہ التجا عرض کر دین کہ ع مرا از خیر تو امید نیست شر مرسان -

لیجیے حضرت ۱۹۱۷ء صاحب تشریف لیے جاتے ہین - حضور دنیا کو جو آپ سے بیحد خوش ہے خوشی خوشی رخصت فرمائین - آپ نے جو کچھ کیا خوب کیا - ہم شاکی نہین شکرگزار ہین - احسان مند ہین - اور جب آپ یاد آئین گے آپ کی تعریفون کے گیت گانے لگین گے - آپ کے باپ دادا اور پردادا یعنی ۱۹۱۴ و ۱۹۱۵ اور ۱۹۱۶ جس جلالی کام کو چھیڑ گئے تھے اُسے آپ نے بڑی خوبی سے انجام دیا - اگرچہ وہ بھی بڑے بڑے ناموری کے کام کر گئے ہین مگر آپ نے اپنے اوج و عروج اور جلال و جبروت کے دکھانے مین اُن سب سے زیادہ نام پیدا کیا - اس مین شک نہین کہ آپ کی ان زبردست ہنگامہ آرائیون کو دیکھ کے ہم سے بزدل اور بودے کلیجے والے اکثر سہم گئے دہل گئے - اور گھبرا گھبرا کے صلح کی دعا مانگنے لگے شاید ہماری یہ کمزوری اُنھین یا آپ کو ناگوار گزری ہو - اس لیے آپ کے چلتے چلاتے عفو تقصیر کے امیدوار ہین ہم اس بارے مین معافی ہی نہیں مانگتے بلکہ حضرت کے شکرگزار ہین -

اس لیے کہ ہم سے بزدلون کو آپ نے بہادر بنا دیا۔ ہم لڑنا بھول گئے تھے۔ سلاح جنگ کی صورت دیکھ کے لرز جاتے تھے۔ اور اپنے دل مین سمجھنے لگے تھے کہ لڑنا گنوارون جاہلون اور بازاری لوگون کا کام ہے۔ شریفون کو لڑنے بھڑنے سے کیا کام؟ اُن کا کام تو یہ ہے ہر زبردست کے آگے سر جھکا دین۔ اور خوشامد درآمد کر کے اپنی جان بچائین۔ لیکن حضور کی مہربانی سے ہمین نظر آیا کہ بہادری انسانیت کا جوہر ہے۔ اور شریفانہ مقاصد کے لیے یا تہذیب کی حمایت مین لڑنا اور خونریزی کرنا عین شرافت ہے۔ آپ نے ہمین بہت بڑی عزت دے دی جس کی واقعی ہمین امید نہ تھی۔ ہمارا خیال تھا کہ اگر ہم لڑ بھی سکتے ہین تو اپنے ہی ایسے رنگین فام اور سیہ رو لوگون سے۔ مغرب کی گوری اُمتون کے مقابلے مین تلوار کھینچنا ہمارے ظرف ہمارے رُتبے۔ اور ہمارے درجے سے زیادہ ہے۔ مگر حضرت آپ نے ہمین اُن ملاءِ اعلیٰ والون کے مقابلے مین لیجا کے کھڑا کر دیا اور اُن سفید دیوتون سے لڑا دیا جن کے ہاتھ سے مارے جانے مین بھی ہماری عزت ہے۔ جیسے کبھی اندر دیوتا زمین والون کو آسمانی بلاؤن کے دفع کرنے کے لیے بُلاتے تھے۔

آپ نے عالم بالا سے آکے دنیا کا چارج لیتے ہی دو بڑے بھاری کام کیے۔ اور وہ دونون ہماری امید سے باہر تھے۔ اور ہمارے وہم و گمان مین بھی نہ تھے۔ اول تو آپ نے روس مین انقلاب عظیم کر دیا۔ مملکت روس کی رعایا کو کچھ ایسا اشتعال دلایا کہ ایک چشم زدن مین سب نے مل کے زار روس کے سر سے تاج شاہی اُتار کے پھینک دیا۔ اور دوسرا کارنمایان یہ کہ آپ نے امریکہ کو تہذیب کی حمایت اور حق کی جانبداری مین اُٹھا کے کھڑا کر دیا۔ آپ کے ان دونون کامون سے ہم بہت خوش ہوئے۔ زار کے متعلق سُنا تھا کہ وہ دیوزادانِ جرمنی کا دبا ہوا ہے اُن کے خفیہ سازشین کرنا چاہتا ہے۔ اور دوستون کو دغا دے کے جداگانہ صلح کر لینے کی فکر مین ہے۔ ایسے دغا باز کا معزول و ذلیل ہونا ہی ٹھیک تھا۔ مگر بعد کو خدا جانے کیا ہوا یا آپ ہی شاید کرتے دھرتے نہ بنی کہ روس مین ہمارے جن دوستون

سنے آخر تک بنا ہنے اور ساتھ دینے کا ارادہ کیا تھا۔ وہ قیصر کی پُر شور شر
ساز شوں سے دودھ کی مکھی کیطرح نکال کے پھینک دیے گئے اور عنان
حکومت جن دغا بازون کے ہاتھ مین آئی وہ بے اصول تھے اور
بد عہد۔ توتے کی طرح آنکھین بدل لین۔ بلا تامل بے پوچھے گچھے اور بے
مشورہ کیے جداگانہ صلح کرنے پر آمادہ ہو گئے۔ اور افسوس آپ
اُنھین ایسی حالت مین چھوڑے جاتے ہین کہ دنیا انگشت بدندان ہے
تہذیب و شائستگی اُن کی حماقت پر کف افسوس مل رہی ہے۔ اور دلوزار
جرمنی کھڑا بغلین بجا رہا ہے۔ روس کو ایسی نازک حالت مین چھوڑ کے آپ کا
چلا جانا دنیا سے کسی مہذب و عاقل کو تو اچھا نہین معلوم ہوا مگر ہم تو آپ
کے ڈر کے مارے یہی کہین گے کہ اِس مین بھی آپ کی کوئی مصلحت ہوگی۔

رہا امریکہ کا ہماری مدد کے لیے اُٹھ کھڑا ہونا یہ بے شک
روس کے فتنے کا نعم البدل ہے۔ امریکہ کی دولت و عظمت۔ اُس کی صنعت
اور اُس کی فوج کی کثرت۔ اُس کی بحری شوکت۔ اور ہوائی قوت اِن
تمام چیزون کی خیالی تصویرا پنی نظر کے سامنے کھینچ کھینچ کے ہم مارے
خوشی کے پھولے جاتے ہین۔ اور زور و شور سے کہہ رہی ہین کہ اگر
امریکہ ہمارے ساتھ ہے تو ایک کیا ایسے چودہ جرمنیون کو ہم مار کے گرادین
گے۔ آپ کی اس عنایت کا شکریہ نہین ادا ہو سکتا بے شک آپ کی مرحمت
سے ہمین بہت بڑا حامی و مددگار مل گیا جو سارے دشمنون کو کچل کے رکھ
دے گا۔ مگر جہان حضرت نے اُسے لڑنے پر آمادہ کیا ہے وہان اپنے
جانے سے پہلے اتنا آشکار دیتے کہ جن مددون کا وعدہ کر رہا ہے
اُن سے جانباز حامیان تہذیب فائدہ اُٹھائین۔ فرانس تباہ ہوا جاتا ہے
اٹلی کی جان پر بنی ہوئی ہے۔ بلجم۔ سرویہ۔ رومانیہ۔ مانٹی نگرو۔ از کار رفتہ
ہین۔ جاپان اپنے ہی ساحل پر ڈنڈ پیل رہا ہے۔ اور انگلستان بھی چار
سال کی مسلسل زور آزمائیون کے بعد آخر کچھ تو تھکا ہو گا۔ مگر امریکہ
ابھی تک لڑائی کی تیاریان ہی کر رہا ہے۔ آخر یہ تیاریان کب تک؟ خالی

وعدون کو لے کے کوئی اوڑھے بچھائے کیا کرے؟ غرض حضرت کی یہ پالسی کہ روس نے ہاتھ پاؤن ڈال دیے اور امریکہ کے ابھی وعدے ہی وعدے ہین قابل برداشت نہین۔ اور پھر قیامت یہ کہ بغیر اس کا کچھ انتظام کیے آپ واپس تشریف لیے جاتے ہین۔

آپ کی ایک کارستانی یہ ہے کہ دنیا مین آ کے لڑائی کا رنگ بدل دیا۔ یا تو خونریزی اور جدال و قتال اُنھین ملکون اور سمندرون تک محدود تھا جو حریفون کے درمیان مین واقع ہوئے ہین۔ یا آپ نے آتے ہی اپنے حوصلے کی وسعت کے مطابق لڑائی کو ساتون سمندرون مین پھیلا دیا۔ جرمنی کی تہ آب کشتیان پہلے فقط ایک محدود رقبۂ بحر مین ستم ڈھا رہی تھین آپ کا اشارہ پاتے ہی یا آپ کے ورود کے جوش مین اُس نے ساتون سمندرون کو رزمگاہ بنا دیا۔ اور غوطہ زن جہاز ہر طرف ہر جگہ اور ہر سمندر مین دست تعدی دراز کرنے لگے۔ اگرچہ انگلستان کی بحری عظمت نے اُس فتنے کو بہت کچھ دبا دیا اور عام بحری قزاقیون کا سلسلہ روز بروز کمزور پڑتا جاتا ہے مگر آپ نے ساری دنیا کو اپنے جلال کا تماشا دکھانے مین کوئی کمی نہین کی اور یہ دنیا سے نرالا طرز جنگ آپ کی برکت سے نہایت ترقی کر گیا۔

یہ بھی آپ کی بڑی نمایان کارگزاری ہے کہ دولت برطانیہ نے سبقت کر کے عراق کی ناکام مہم کا خاطرخواہ معاوضہ حاصل کر لیا۔ چنانچہ آپ کے ورود کے آغاز مین سر اسٹیلی ماڈ زبردست لشکر لے کے بڑھے۔ پہلے قط العمارہ پر قبضہ کر کے جنرل ٹون شنڈ کی ناکامی کا انتقام لیا۔ پھر بڑھ کے بغداد اور سامرہ پر قابض ہو گئے۔ اور بیسوین صدی کی سب سے بڑی اسلامی سلطنت برطانیہ خلافت اسلامیہ کے قدیم دارالخلافت کی بھی وارث ہو گئی۔

حجاز مین ایک عربی دولت یونین جیک کے سایے مین پہلے ہی قائم ہو چکی تھی۔ اور ام البلاد مکۂ معظمہ آل عثمان کی قلمرو سے پہلے ہی خارج ہو چکا تھا۔ آپ کے آخر عہد مین ارض فلسطین کی طرف اتحادیون نے برطانی سپہ سالار جنرل الینبی کی سربراہی مین شہر غزّہ سے سبقت کی اور چند ہی روز مین

یافا۔ رملہ اور بیت المقدس ترکون سے خالی اور برطانیہ کے علم اقبال کے نیچے تھے۔ بیت المقدس کا فتح کر لینا کوئی معمولی بات نہین ہے۔ اگرچہ بیت المقدس اب ہمارے عہد مین وہ پولٹیکل حیثیت نہین رکھتا ہی جو اسے آج سے دو تین صدی پیشتر حاصل تھی مگر پھر بھی یہ شہر یہودیون عیسائیون اور مسلمانون سب کی نظر مین مقدس و محترم ہے۔ بڑے عظمت و جلال کا شہر ہے۔ انبیا اور حاملان وحی الٰہی اس کے بانی اور حکمران رہے ہین۔ اس کی دیوارون کے نیچے ہزارون لڑائیان ہوئین۔ عہد عتیق کے خدا پرست و بت پرست لڑے بابل نینوا۔ اور مصر والون نے لوٹا اور تباہ کیا۔ اور بنی اسرائیل کی دینی سرگرمی نے جب دوبارہ آباد کیا تو یونانیون اور رومیون نے زبردست حملے کیے یہان تک کہ حضرت مسیح اس زمین مین پیدا ہوکے اور اپنے سچے دین کی تبلیغ فرما کے دنیا سے رخصت ہو گئے۔ جس کے بعد یہود کو اپنی سرکشی و بدکرداری کی سزا ویسپین قیصر اور طائی ٹس کے ہاتھ سے ملی۔ جبکہ پرانا خانۂ خدا جلا کے خاک سیاہ اور شہر لوٹ مار کے منہدم کر دیا گیا۔

اب اس کے بعد سے مسیحون کا عروج شروع ہوا جنھون نے حضرت مسیح کے مولد و مدفن اور اُن تمام مقامون مین جن کو آپ سے کوئی خصوصیت تھی عالیشان کنیسے اور عمارتین بنائین۔ یہودی نکال دیے گئے۔ اور یہ خالص مسیحی شہر ہو گیا۔ پھر جب کوکب اسلام نے طلوع کیا تو پرجوش عربی دلدادگان توحید علم اسلام لے کے پہونچے۔ اور اس مدینۂ انبیا پر مسلط ہو گئے۔ اُنھون نے حضرت سلیمان کی اگلی ہیکل ربانی اور انبیاے سلف کے قدیم معبد کو پھر زندہ کیا۔ اور پرانے منہدم کھنڈرون پر عالیشان اور یادگار زمانہ عمارت بنا کے کھڑی کر دی۔ حضرت رسول آخر الزمان علیہ التحیۃ والثنا نے اس شہر اور اس کے محترم عبادتکدۂ انبیا کو مقدس و متبرک فرمایا تھا۔ لہذا مسلمانون نے اُس کی خدمت شروع کی۔ اِس کے بعد کئی صدیون تک یہ مقدس شہر اسلام کا مرکز اور مسیحون کی زیارت گاہ رہا یہان تک کہ یورپ مین ایک جوش پیدا ہوا کہ چونکہ اس شہر کے آغوش میں مسیحیت کا نشو و نما ہوا ہی

لہذا یہ خالص مسیحی شہر ہے۔ اور مسیحیون سے زیادہ اس کی خدمت کرنے کا کوئی مستحق نہین۔ یورپ کے اس جوش سے صلیبی لڑائیون کا آغاز ہوا۔ پہلی صلیبی مہم مین لاکھون جانین ضائع کر کے مسیحیون نے اس شہر کو لے لیا۔ اور کہتے ہین کہ اُس مہم مین مسیحی فاتح گھٹنون تک سیلاب خون مین ڈوبے ہوئے مرقد مسیح تک پہونچے تھے۔ اُس وقت سے یہان ایک لاطینی مسیحی سلطنت قائم ہوئی جس کا تقریباً اسّی برس بعد سلطان صلاح الدین اعظم نے استیصال کیا۔ اُس زمانے سے غیر مسیحی یورشون کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ اور کئی صدیون کی خونریزی کے بعد سب کو تسلیم کر لینا پڑا کہ خدا ہی کو منظور ہے کہ ارض فلسطین اور بیت المقدس پر مسلمانون کا قبضہ رہے۔ چنانچہ پھر کسی کو ادھر رخ کرنے کا حوصلہ نہین ہوا۔ آخر اِس سرزمین اور اُس کے تمام شہرون کی نگہبانی کا ورثہ ترکان آل عثمان کو ملا۔

بہر حال اِس شہر کا اِس آخری زمانے مین یون آسانی کے ساتھ مسلمانون کے قبضے سے نکل کے پھر مسیحیون کے قبضے مین جانا تاریخ عالم کا اتنا بڑا اہم واقعہ ہے کہ دولت برطانیہ اس پر جس قدر ناز کرے بجا و زیبا ہے۔ اور یا حضرت سنہ ۱۹۱۷ء یہ آپ کا اتنا بڑا کارنامہ ہے جس مین آپ اپنے تمام ہم مذاق سنین ماضیہ سے بڑھ گئے۔ اور ترکون کو ایک ہی سال کے اندر تقریباً تمام مذہبی مقامات سے نکال باہر کر دیا۔

مگر چلتے چلاتے آپ نے یہ عجیب کارروائی کی جنرل ماڈ کو جنھون نے برٹش اسلحہ کو موصل و نینوا کے قریب تک پہونچا دیا تھا یک بیک دنیا سے رخصت کر کے اُن کے دوستون کو خون کے آنسوؤن سے رُلا دیا۔ اس کا ملال تو ہمین بھی ہوا مگر ہم قسم کھا چکے ہین کہ آپ کی شکایت نہ کرین گے۔ آپ نے جو چاہے کیا ہو۔ اور ہمین اور ساری دنیا کو چاہے جس قدر تباہ و برباد کر دیا ہو۔ ہم آپ کی تعریف ہی کیے جائین گے۔

آپ کا یہ کارنامہ بھی غیر معمولی نہین ہے کہ چلتے چلاتے جرمنیون کے ہاتھ سے اٹلی کو بڑا بھاری نقصان پہونچا دیا۔ رومی جاہ و جلال اور لاطینی عظمت و جبروت کو ساری دنیا جانتی ہے۔ قطع نظر اِس کے اٹلی آجکل

بھی اُن قومون مین نہین جو گئی گزری کہی جائین۔ وہ یورپ کے جنوب وسطیٰ مین واقع ہے۔ آجکل کی زبردست قومون مین اُس کا شمار ہے۔ جو ہمیشہ اپنی قوت سے زیادہ حوصلہ دکھانے کو تیار ہو جاتی ہے آیسی سلطنت کو اتنا بڑا زبردست دھکا دے دینا کہ پہاڑون کی بلندی سے لڑھکتی ہوئی نشیبی میدانون مین جا پڑے آپ ہی کی انیٹے زبردست کا کام تھا۔ لاکھون سپاہی پکڑوا دیے۔ ہزارون توپین چھنوا دین۔ اور پورے ایک صوبے مین عجیب و غریب ہلچل ڈالدی۔ اور دشمن کو جس تمام اور دریا تک بڑھا یا تھا دین ڈٹا دیا۔ آپ کی اس حرکت کو ساری دنیا بُرا سمجھتی اور خدا جانے آپ کی شان مین کیا کیا سخت و مکروہ الفاظ زبان سے نکال رہی ہے۔ مگر ہم اس مین بھی آپ کی مدح ہی کرین گے۔

مگر آپ کا سب سے بڑا کارنامہ یہ ہے کہ روس کو جو بڑے کر و فر سے دیوزادان شمال یعنی جرمنیون کا مقابلہ کر رہا تھا۔ اور امید تھی کہ وہ میدان صاف کرتا ہوا برلن مین جا کے دم لے گا۔ ایسا غارت کیا کہ کہین کا نہ رکھا۔ دشمنون کی سازشون اور فتنہ انگیزیون نے اس بلا کی پھوٹ ڈالدی کہ نہ دوستون کی ہمدردی کارگر ہوتی ہے اور نہ ہمدردون کی خیر خواہی سے فائدہ پہونچتا ہے۔ دشمن کا یہ جادو چلتے ہی آپ نے کچھ اُسے ایسی پٹی پڑھا دی کہ اپنا نیک و بد نہین سمجھتا دوستون سے جو عہد و پیمان تھے بلا تکلف توڑ دیے جن سے قرضہ لیا تھا اُن کا روپیہ ہضم کر گیا۔ اور دشمن کے سامنے ہاتھ جوڑے کھڑا صلح کے لیے التجا کر رہا ہے۔ دشمن نے یہ پٹی پڑھا دی ہے کہ ہم نہ تم سے کوئی معاوضۂ جنگ لین گے۔ اور نہ تمھارا کوئی حصۂ ملک اپنی قلمرو مین شامل کرین گے۔ مگر یہ تو یہ نہین دیکھتا کہ جمہوریت نے اُس کے جن تمام مغربی صوبون کو آزادی دی تھی وہ خود جرمن کے آغوش مین دوڑے چلے جاتے ہین جو دراصل موت کا آغوش ہے۔

ہم شکایت تو اس کی بھی نہ کرین گے اور آپ کی تعریف ہی کرتے رہین گے مگر اتنی التجا ضرور پیش کرین گے کہ جانے سے پہلے روس کو اس کا نیک و بد ضرور سمجھا دیجیے

حسن کی حکمت عملی

آخر سوچتے سوچتے حسن نے ایک دن ابن طبری کے پاس کہلا بھیجا "آپ نے وعدہ کیا تھا کہ ہمیں اپنے باغ میں لے چلیں گے اور وہاں ان کی سیر و تفریح میں بڑا لطف آئے گا۔ آج دن اچھا ہے تشریف لائیے تو آپ کے باغ میں چل کے دو گھڑی سیر کریں"۔ اس کے ساتھ اُس نے یہ دوسری کارروائی کی کہ ابن طبری کی طرف سے اُس کے تمام معزز و ذی اثر رؤسائے شہر کے پاس کہلا بھیجا کہ "آپ سب صاحب والی حسن بن علی کے مکان پر تشریف لائیں۔ ارادہ ہے کہ ہم سب مل کے آج اپنے باغ میں چلیں"۔ چنانچہ خود ابن طبری اور اُس کے تمام طرفدار دوست آ کے جمع ہو گئے۔ حسن سب سے نہایت اخلاق کے ساتھ پیش آیا۔ قدر و منزلت سے اپنے قصر میں بٹھایا اور ایسا باتوں میں لگایا کہ شام ہو گئی۔ اور چراغ جل گئے تب حسن نے تمام مہمانوں سے کہا "اب تو رات ہو گئی باغ میں چلنے کا وقت نہیں رہا۔ اب مناسب یہ ہے کہ آج شب کو آپ سب صاحب میری میزبانی کو قبول کریں۔ دلچسپی کا کل سامان یہیں جمع ہو جائے گا۔ صبح تڑکے اُٹھ کے سب صاحب باغ کو چلیں اور کل کا دن وہیں گزرے"۔ امیر و حاکم کا کہنا سب نے قبول کر لیا یہ تمام معزز مہمان پورے جلوس اور اپنے خدم و حشم کے ساتھ آئے تھے۔ اور اُن کے ملازمین اور ہمراہی سپاہی قصر کے بیرونی صحن میں ٹھہرے ہوئے تھے۔ لہذا اُن رئیسوں کو اپنے یہاں روکنے کے بعد حسن نے اُن کے ملازموں اور سپاہیوں کے پاس کہلا بھیجا "آپ کے آقا آج رات کو یہیں رہیں گے آپ سب صاحب اپنے گھروں کو واپس جائیں" یہ حکم پاتے ہی اُن امرا کے تمام ہمراہی واپس چلے گئے۔ اور خود اُن کو حسن دیر تک باتوں میں لگائے رہا۔ جب زیادہ رات آ گئی اور شہر میں ہر طرف سناٹا ہوا تو حسن نے سب کو گرفتار کر لیا۔ اور اُسی وقت رات کے پچھلے حصے میں فوج بھیج کے اُن سب کے گھروں کو بھی لٹوا لیا۔ صبح کو جب یہ خبر مشہور ہوئی

ہوئی تو تمام مخالفون کے ہوش جاتے رہے اور شہر کی باقی تمام لوگ حسن کے طرفدار ہو گئے۔ اور چند ہی روز مین صقلیہ کے تمام اسلامی شہرون نے اُس کے آگے سر جُھکا دیا۔ اور جو لوگ مالگزاری ادا کرنے مین تامل کر رہے تھے اکٹھا تین سال کی رقم ساتھ لا کے حاضر ہوئے۔ اور خزانہ دولت سے مالا مال ہو گیا۔

حسن بن علی کی کارگذاریان اور فتوحات

مگر شہنشاہ قسطنطنیہ سے بھی خاموش نہ بیٹھا جاتا تھا۔ چنانچہ اب اُس نے اپنے ایک معتمد کار آزمودہ سردار کو بہت سی فوج دے کے جہازون پر سوار کرایا۔ جو بڑے کر و فر سے لنگر اُٹھا کے صقلیہ مین پہونچا۔ اور صقلیہ کے رومی حاکم سرِ دغوس سے آملا۔ لیکن اُس رومی بیڑے کی روانگی کی خبر سنتے ہی حسن نے یہ واقعات افریقیہ مین خلیفۂ منصور فاطمی کے دربار مین لکھے۔ منصور نے فوراً ایک نیا بیڑا اُس کی کمک کو بھیجا جس پر بحری حملہ آورون کے علاوہ خشکی مین لڑنے کے لیے سات ہزار سوار اور ساڑھے تین ہزار پیدل سپاہی تھے۔ یہ بیڑا اور جدید لشکر جیسے ہی حسن کے پاس پہونچا اُس نے صقلیہ کی فوج کا بہت بڑا حصہ اُس کے ہمراہ کیا اور حکم دیا کہ یہ لشکرِ عظیم سمندر اور خشکی دونون راستون سے کوچ کر کے شہر مسینی پر حملہ کرے جو پھر دشمنون کے ہاتھ مین چلا گیا تھا۔ اِن بہادرانِ اسلام نے جاتے ہی مسینی کو فتح کر لیا۔ اور شہر ریو پر حملہ آور ہوئے جو اٹلی کے جنوبی صوبۂ قلوریہ مین تھا۔ ساتھ ہی اسلامی فوجین مختلف حصون مین تقسیم ہو کے جُدا جُدا افسرون کی ماتحتی مین قلوریہ کے بہت سے شہرون پر تاخت کرنے لگین۔ خود حسن شہر جراجہ پر پہونچا۔ اور سختی سے محاصرہ کر لیا۔ اُس نے حُسن تدبیر سے اُن تمام چشمون اور تالابون پر قبضہ کر لیا جن سے شہر والون کو پانی ملتا تھا۔ اور پانی بند ہو جانے سے تمام اہل جراجہ کو اپنی ہلاکت کا قطعی یقین ہو گیا تھا کہ ناگہان

حسن کو رومی بیڑے اور دشمنون کے زبردست لشکر کے آ پہونچنے کی خبر پہونچی۔ فوراً
کچھ دولت لے کے شہر والون سے صلح کر لی۔ اور پھر بھی بلا کے دفعیہ کے لیے رومیون
کے مقابلے پر چلا۔

مگر رومیون پر سطوت کا کچھ ایسا رعب پڑا کہ حسن کے آنے کی خبر پاتے
ہی بغیر لڑے بھاگ کھڑے ہوئے۔ اور شمالی مین شہر باری کی طرف چلے گئے۔ دشمن
سے میدان خالی پا کے حسن نے شہر قسانہ پر اتر کے اوس کا محاصرہ کر لیا۔ اور پھر بہت
سی جدا جدا فوجین قلوریہ کے مختلف شہرون پر بھیجین۔ اور ہر طرف لوٹ مچا دی۔
قسانہ والے ایک ہی مہینے کے محاصرے مین گھبرا گئے صلح کا پیام دیا۔ اور حسن نے
کافی جرمانہ وصول کر کے محاصرہ اوٹھا لیا۔ اتنے مین جاڑون کا موسم آ گیا۔ جبکہ عرب
اٹلی کے شمالی شہرون مین نہین ٹھہر سکتے تھے فوراً حسن مع تمام افواج کے مسینی مین
واپس آیا۔ اور اوسی کی بندرگاہ مین اسلامی بیڑا بھی لنگر انداز ہو گیا۔ جاڑون کے
ختم ہوتے ہی منصور کا فرمان آیا کہ فوراً صوبۂ قلوریہ مین پہونچ کے پھر میدان
جنگ گرم کرو۔ اس حکم کے بموجب حسن اوس آبنائے کو قطع کر کے جو صقلیہ اور
ایطالیہ کے درمیان حائل ہے دوبارہ شہر جرابہ پھر پہونچا۔ مگر اب فقط جرابہ والون
سے مقابلہ نہ تھا اس لیے کہ خود سردغوس اور سارا رومی لشکر جو جہازون پر
سوار ہو کے آیا تھا وہان موجود تھا۔

حسن نے اِس کی پروانہ کی اور مقابلے پر جا پہونچا۔ سنہ ۳۴۲ھ مین خاص
عرفے کا دن تھا کہ دونون زبردست اور سربکف حریفون مین میدان کارزار گرم ہوا۔
بڑی سخت لڑائی ہوئی جس مین دونون طرف کے سپاہیون نے دلیری و شجاعت
دکھانے مین کوئی بات نہین اوٹھا رکھی۔ مگر مسلمانون کا اقبال اوج پر تھا رومی شکست
کھا کے بھاگے۔ اور مسلمانون نے شیران خونخوار کی طرح تعاقب کیا۔ رات تک دشمنون
کو رگید رگید کے قتل کرتے رہے مورخین کا بیان ہے کہ اس لڑائی مین عیسائی بہت
کثرت سے مارے گئے۔ اون کا مال و اسباب اور رسد کا جو کچھ سامان اون کے ساتھ
تھا سب مسلمانون کے قبضے مین آیا۔ اون کے مویشیون کے گلے اور گھوڑے بھی عرب
فاتحون کو ہاتھ لگے۔ اور بڑے بڑے معزز سرداران روم و صقلیہ کے سر کاٹ

کاٹ کے بلاد صقلیہ و افریقیہ مین بھیجے گئے۔

رومیون اور مسلمانون مین صلح

اب ۳۲۲ھ شروع ہوا۔ اور مناسب موسم کے شروع ہوتے ہی حسن نے قلوریہ مین پہونچ کر جراجہ کا محاصرہ کر لیا۔ مگر اب رومیون مین مقاومت کی تاب نہ تھی۔ فوراً انھون نے پیام صلح دے کے چاہا کہ باہم ایک معاہدہ ہو جائے۔ مسلمانون نے اُن کی درخواست صلح موجہ شرطون کے ساتھ قبول کر لی۔ اور معاہدہ ہو گیا۔ جس کے بعد حسن رومیون کے شہر ریو مین گیا۔ اور شہر مذکور کے بیچون بیچ مین ایک عالیشان مسجد تعمیر کرائی۔ اُس کے ایک پہلو پر ایک بلند مینار بنوایا تاکہ مؤذن اُس پر چڑھ کے اذان دیا کرے۔ پھر اُس کے متعلق رومیون سے شرط کی کہ اُس کی حفاظت اُن کے ذمے ہے۔ مسلمانون کی جو آبادی وہان موجود ہے اُس مین نماز پڑھے گی۔ اُن کو اُس کی مرمت اور اُس کے آباد رکھنے سے کبھی رومی مانع نہ ہون گے۔ نہ کبھی مؤذن کو اذان دینے سے روکین گے۔ اور نہ کبھی کوئی نصرانی اُس کے اندر قدم رکھے گا۔ اس کے ساتھ یہ بھی شرط تھی کہ اگر کبھی کوئی مسلمان اسیر عام اس سے کہ دین اسلام کا پابند ہو یا مرتد اسیر کرنے والون کے ہاتھ سے چھوٹ کے اُس مسجد مین داخل ہو جائے تو وہ آزاد ہو جائے گا۔ اور اُس کی نسبت خیال کیا جائے گا کہ امن کے مقام مین پہونچ گیا۔ آخر مین سب سے بڑی شرط یہ تھی کہ رومی اگر کبھی اس مسجد کا ایک پتھر بھی اُکھاڑ لین گے تو مسلمانون کے لیے جائز ہو گا کہ صقلیہ و افریقیہ مین جتنے کنیسے اور گرجے ہین ان سب کو منہدم کر ڈالین۔ یہ سخت شرطین جو حسن نے اس مسجد کے متعلق لازمی قرار دی تھین اُن کو رومیون نے بلا عذر قبول کیا۔ مسلمانون کی یہ عالیشان جامع مسجد اٹلی کے جنوب مین قائم تھی۔ اور ثبوت دیتی ہے کہ اُن دنون اُس سرزمین مین اتنے مسلمان موجود تھے کہ اُن کے عبادت کرنے کے لیے یہ عمارت تعمیر ہوئی۔ اور اُنھین مسجد کے ذریعے سے آزادی دی گئی۔

کے بہت حقوق مل گئے۔

المنصور فاطمی کی وفات اور المعز کی خلافت

اسی سال یعنی شوال ۳۴۱ھ مین خلیفہ المنصور نے جو مراکش سے طرابلس الغرب تک سارے افریقیہ کا فرمان روا تھا مر گیا۔ اور اُس کے بیٹے معد نے المعز لدین اللہ کا لقب اختیار کر کے سریر خلافت فاطمی پر قدم رکھا۔ جزیرۂ صقلیہ چونکہ اسی سلطنت کی قلمرو مین شامل تھا لہذا وہان بھی اسی فاطمی خلیفہ مغرب کا سکہ و خطبہ جاری ہوا۔

احمد بن حسن والی صقلیہ

المعز کی مسند نشینی کا حال سنتے ہی حسن بن علی نے جو اُس کے مخصوص دوستون اور معتمد علیہ رفیقون مین تھا اپنے بیٹے ابو الحسن احمد کو اپنی جگہ والی وحاکم بنا کے صقلیہ مین چھوڑ دیا اور خود جہاز پر سوار ہو کے افریقیہ مین واپس گیا۔ المعز کے دار الخلافت شہر مہدیہ مین پہونچ کے جوان دولت خلیفہ کے دربار مین حاضر ہوا۔ اُس کو تخت نشینی پر مبارکباد دی۔ اور اُس کی اجازت سے وہین ٹھہر گیا۔

خلافت اندلس اور نئی فاطمی خلافت مین جھگڑا

اِن دنون اندلس مین خلافت بنی امیہ اُندلس کے سریر فرمان روائی پر وہان کا سب سے زیادہ نامور خلیفہ عبد الرحمن الناصر لدین اللہ جلوہ افروز تھا۔ اُس نے جہان اپنی سطوت و قوت بڑھانے کے اور بہت انتظامات کیے وہان اپنے بیڑے کو بھی خوب مضبوط کر رہا تھا۔ چنانچہ اُس نے اپنی بلند حوصلگی سے ایک اتنا بڑا جہاز بنوایا کہ دنیا مین اس سے پہلے اتنا بڑا جہاز نہین بنا تھا۔ جب

وہ جہاز تیار ہو گیا تو خلیفۂ الناصر لدین اللہ نے اپنے ملک کا بہت سا مال لدوا کے اُسے اسلامی بلاد مشرق کیطرف روانہ کیا۔ یہ جہاز جاتے یا واپس آتے وقت جزیرہ صقلیہ اور ساحل افریقہ کے درمیان گزر رہا تھا کہ راستے مین اُسے صقلیہ کا ایک جہاز ملا جس پر والی صقلیہ احمد بن حسن کا قاصد المعز کے پاس جا رہا تھا۔ اندلسی جہاز والون کو شکار ہاتھ آیا۔ صقلیہ کے جہاز کو بلا تکلف لوٹ لیا۔ جس مین صقلیہ کے بہت سے لوگون کے خطوط المعز کے نام تھے۔ یہ خبر المعز کو پہونچی تو بہت برافروختہ ہوا۔ اور جو مذہبی عداوت اُس مین اور بنی امیہ مین تھی اُس نے اور زیادہ جوش دلایا جھٹ پٹ ایک بڑا زبردست بیڑا مرتب کیا۔ اُس پر سابق والی صقلیہ حسن بن علی کو امیرالبحر مقرر کیا۔ اور بہت سا لشکر اُس کے ہمراہ کر کے روانہ کیا کہ فوراً جا کے اہل اندلس سے اُن کی اس دست برد کا انتقام لے۔ حسن ۳۴۵ھ مین مہدیہ سے لنگر اُٹھا کے اندلس کی بندرگاہ مریہ پر پہونچا۔ بلائے ناگہانی کی طرح آناً فاناً وہان کے ڈاک یارڈ مین گھس پڑا۔ جتنے جہاز وہان نظر آئے سب مین آگ لگا دی۔ اور اُس بڑے جہاز کو بھی زبردستی چھین کے اپنے قبضے مین کر لیا۔ اسپین کا یہ بڑا جہاز ابھی اسکندریہ کے سفر سے واپس آ کے ٹھیرا تھا۔ لوگ اُس پر سے اُترنے بھی نہین پائے تھے۔ اور اُس مین عبدالرحمن الناصر کے لیے بہت سے ہدیے اور تحفے اور مشرقی ممالک اسلام کی تعلیم پائی ہوئی گانے والی لونڈیان تھین جو سب حسن کے قبضے مین آ گئین حسن نے اِسی قدر نہین کیا بلکہ ساحل اسپین پر اُتر کے وہان والون کو لوٹا مارا بھی اور خوب کامیاب ہو کے غانم و سالم مہدیہ مین واپس آیا۔

احمد کی ایک زبردست فتح

احمد بن حسن اپنے باپ کے واپس جانے کے بعد مدت تک صقلیہ پر حکومت کرتا رہا۔ اور اگرچہ اُس کے عہد کے ہر سال کے حالات ہمین نہین

معلوم ہو سکے مگر اس مین شک نہین کہ وہ کامیاب تھا اور غالباً اُس عہدنامے کی وجہ سے جو اُس کے باپ کی بہادری سے مسلمانون اور رومیون مین ہو گیا تھا اُس نے چندروز تک اطمینان اور امن و امان کی زندگی بسر کی مگر اُس کے عہد مین عیسائیون نے اپنی عادت کے موافق عہدشکنی کر کے طبرمین پر قبضہ کر لیا۔ یہ خبر سنتے ہی ۳۵۱ھ مین اُس نے شہر مذکور پر چڑھائی کر دی وہان والے ڈر کے شہر مین قلعہ بند ہو گئے۔ اور اُس نے محاصرہ کر لیا۔ یہ محاصرہ ایک مدت تک قائم رہا۔ اور قلعے والون کو اپنے شہر کی مضبوطی اور اپنی پامردی پر اس قدر ناز تھا کہ اِس محاصرے کی بالکل پروا نہ کرتے تھے۔ اتفاقاً ایک ندی اُس شہر مین سے ہو کے گزری تھی۔ اور اُسی سے اہل شہر کو پانی ملتا تھا۔ احمد نے دوران محاصرہ مین یہ کارروائی کی کہ شہر سے دو تین میل اُدھر جا کے ایک نئی نہر کھدوانا شروع کی۔ اور چندروز کی محنت مین اُس ندی کو دوسرے راستے سے سمندر مین گرا دیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ دریا کا جو حصہ شہر کے پاس سے ہو کے گزرا تھا وہ بالکل خشک ہو گیا۔ یک بیک نہر کے خشک ہو جانے سے شہر والون کے حواس جاتے رہے۔ اور پانی کا ایسا شدید قحط ہوا کہ دو دِن زندگی بسر کرنا بھی دشوار ہو گیا۔ ہر طرف سے صدائے العطش بلند ہوئی۔ اور عاجز آ کے اُنھون نے مسلمانون سے امان مانگی۔ احمد نے اُن کی سرکشی کے غصے مین امان دینے سے قطعاً انکار کیا۔ آخر مجبور ہو کے شہر والون نے درخواست کی "ہم فقط اتنا چاہتے ہین کہ ہمین جان کی امان ملے۔ چاہے ہم سب غلام بنا لیے جائین۔ اور ہمارا جو کچھ مال و اسباب ہے سب آپ کا ہے۔" اس درخواست کو محاصرہ کرنے والون نے قبول کیا۔ اور ماہ ذیقعدہ مین ساڑھے سات مہینے کے محاصرے کے بعد شہر طبرمین کے پھاٹک فاتحون پر کھل گئے۔ ساری رعایا لونڈی غلام بنا لی گئی۔ قلعے مین چند مسلمان آباد کیے گئے۔ اور اُس کا نام المعز کی یادگار مین بجائے طبرمین کے المعزیہ رکھ دیا گیا۔

دشمنون کی یورشس

اسی زمانے مین اُس نے اپنے ایک بہادر سردار حسن بن عمار کو ایک لشکر کا سردار بنا کے شہر رِطہ کے فتح کرنے کے لیے روانہ کیا۔ یہ جنوبی اٹلی کا شہر تھا اور اُس مین رومی آباد تھے۔ وہ مسلمانون کے حملے سے ڈرے اور شاہ قسطنطنیہ کو اپنی حالت کی اطلاع دے کے رسد اور فوج مانگی۔ اُس نے فوراً چالیس ہزار سے زیادہ سپہگرون کا ایک لشکر عظیم جہازون پر سوار کرا کے اُن لوگون کی مدد کے لیے روانہ کر دیا۔ اس کی خبر امیر احمد کو ہوئی تو اُس نے فوراً اپنا بیڑا درست کرنا شروع کیا بہت سا لشکر جمع کیا اور بری و بحری دونون طرح کی فوجین مقابلے کے لیے تیار کرین۔ ساتھ ہی مہدیہ مین اطلاع کی اور المعز سے کمک مانگی۔ معز بڑا اولو العزم اور پُرجوش خلیفہ تھا۔ کثرت سے فوجین جمع کر کے سپاہیون کو انعام و اکرام اور خلعت و عزت سے سرفراز کیا پھر اپنے زبردست بیڑے پر اُن تمام فوجون کو سوار کرا کے امیر احمد کے باپ یعنی اگلے والی صقلیہ حسن بن علی کو اُن پر سردار اور امیر البحر مقرر کیا۔ اور حکم دیا کہ فوراً جا کے اپنے فرزند اور مسلمانان صقلیہ کی مدد کرے۔ یہ بیڑا ۳۵۲ھ مین وارد صقلیہ ہوا۔ وہان پہونچتے ہی اُن مین سے کچھ لوگ آگے بڑھ کے رِطہ کے محاصرین سے شریک ہو گئے۔ اور اُس کے ایک مہینے بعد شوال مین رومی بیڑا آ پہونچا۔ جو مسینی (موجودہ سینا) پر آ کے لنگر انداز ہوا۔ اِس رومی فوج کے سردار سینا سے ایک اتنے بڑے لشکر کے ساتھ جس سے بڑا لشکر کبھی صقلیہ مین نہین جمع ہوا تھا جوش و خروش سے رِطہ کی طرف چلے۔ حسن بن عمار نے اُن لوگون کی سبقت کا حال سُنا تو تھوڑی فوج تو رِطہ کے محاصرے پر چھوڑ دی۔ اور باقی لشکر کو لے کے اُس رومی لشکر کی طرف بڑھا۔ اور محاصرہ کرنے والون کو تاکید کر دی کہ خبردار رِطہ والون کو شہر سے نکلنے کا موقع نہ دینا۔ نیا رومی لشکر ایسا زبردست تھا کہ حسن بن عمار اور بہادر اُس کے ساتھی مسلمان دراصل جان پر کھیل کے اور کفن باندھ کے مقابلے پر گئے تھے۔ رِطہ کے قریب ہی دونون حریفون کا سامنا ہوا۔ لڑائی چھڑی۔ اور دم بھر مین رومیون نے تین طرف پھیل کے لشکر اسلام کو اپنے حلقے مین کر لیا۔ اتنے مین رِطہ کے محصورین بھی سخت نرغہ کر کے نکلے۔ اور محاصرین کو ہٹا ہٹا کے حسن بن عمار کے پیچھے پہونچ گئے۔

اب مسلمانون کی حالت بہت نازک تھی۔ اُنھین فلاح کی کوئی صورت نہ نظر آتی تھی۔ اور دشمنون کے اتنے زبردست لشکر کا سامنا تھا کہ جان بری کی بظاہر کوئی امید نہ ہو سکتی تھی۔

انجمن اشاعۃ الاسلام لکھنؤ

(اس مضمون کو تمام مسلمانان ہند غور سے ملاحظہ فرمائین)

اب وقت ہے کہ مسلمان چونکین۔ اپنی حالت دیکھین۔ اور متنبہ ہون۔ اسلام ایسا سادہ مہذب اور شائستہ دین ہے کہ اُس مین توحید و رسالت اور فکر معاد وتہذیب اخلاق کے سوا نہ کوئی خلاف عقل باتین تھین۔ نہ دور از قیاس کہانیان اور افسانے۔ نہ طفلانہ مزاجی کی رسمین تھین اور نہ کھیل تماشون کے کرشمے ایک سیدھی سادی خدا پرستی تھی اور شرک سے بچنا عام راے تھی کہ چند روز مین یہی دین دنیا کا عام مذہب ہو جائے گا۔ چنانچہ ایک ہی صدی مین دعوت اسلام ساری مہذب وآباد دنیا مین پہونچ گئی۔ اور ہر ملک و قوم کے لوگ ایسے ذوق وشوق سے اسلام کو قبول کر رہے تھے کہ معلوم ہوتا تھا چند ہی روز مین تمام ادیان وملل کا خاتمہ ہو جائے گا۔

مگر تھوڑے زمانے کے بعد مسلمانون نے کچھ تو اپنے باہمی اختلافات اور کچھ دنیوی حکومت کے شوق مین اپنی وضع وحالت بدلنا شروع کر دی اور جوجو اُن کی حالت بدلتی گئی تبلیغ واشاعت دین کا اثر بھی کم ہوتا گیا۔ یہان تک کہ ہماری نالائقیون اور دینی بے پروائیون نے یہ حالت کر دی کہ بعض لوگ دین اسلام چھوڑ چھوڑ کے مرتد ہونے لگے بے شک یہ آزادی کا زمانہ ہے اور ہر شخص کو اختیار ہے کہ جس دین کو چاہے قبول کرلے۔ لیکن اس کے ساتھ ہی ہر مذہب کو اپنی حقیت ثابت کرنے کی بھی پوری آزادی حاصل ہے۔ اور مذاہب مین ایک مقابلہ شروع ہو گیا ہے کہ اپنی سچائی کو ظاہر کرین۔ اپنی خوبیان بتائین۔ اور آشکارا کر دین کہ ہمین دنیا کو اپنی طرف بلانے اور بنی نوع انسان کو اپنا پیرو و پابند بنانے کا کیون حق حاصل ہے۔

مگر افسوس کہ اس مقابلے مین ہم بے پروائی کرتے ہین اور لوگ اگر اپنے عیوب کو چھپاتے ہین تو ہم اپنی خوبیون پر پردہ ڈالتے ہین۔ اگر ہم اسلام کی اصلی خوبیون کو علانیہ طور پر دلائل کے ساتھ ظاہر کرین تو ممکن نہین کہ ایک

مسلمان بھی صراط مستقیم سے بھٹک کے گمراہی کے گڑھے مین گر ے۔ اِس کا ثبوت اِس سے زیادہ کیا ہوگا کہ افریقہ مین مشنری پادری باوجودیکہ دولت و حکومت دونون چیزون سے زور لگاتے ہین، مگر بجائے اس کے کہ کوئی مسلمان عیسائی ہو گاؤن کے گاؤن اور شہر کے شہر مسلمان ہوتے چلے جاتے ہین۔ بخلاف وہان کے ہندوستان مین ہمارے علما کی بے پروائی اور ہماری خطرناک غفلت کا یہ اُلٹا نتیجہ ہے کہ بعضے مسلمان توحید وراستی چھوڑ کے مشرک ہونے لگے ہین۔

ہندوستان مین سب سے بڑی دشواری یہ پیدا ہوئی ہے کہ یہان آریہ سماج کا ایک نیا فرقہ پیدا ہو گیا ہے جس نے ہندو مذہب کو ایک نئے فلسفہ کا لباس پہنایا اور بڑے جوش وخروش سے اِس بات کی کوشش شروع کردی کہ اُن ہندی نژاد مسلمانون کو جو صدیون سے مسلمان ہو چکے ہین بہکا کے پھر ہندو بنا لیا جائے پڑھے لکھے اور دیندار مسلمانون پر تو آریون کا فریب بالکل نہین چلتا۔ گاؤن کے بعض جاہل نومسلم البتہ کبھی کبھی اُن کے فقرون مین آجاتے ہین اور ہمین اُس وقت خبر ہوتی ہے جب اصلاح غیر ممکن ہو جاتی ہے۔

ہندوستان کے لاکھون کروڑون نومسلم دراصل ہمارے اگلے برکات اسلام کی وہ امانتین ہین جو ہمارے ہاتھ مین دی گئی ہین۔ اگر ان امانتون کو ہم ضائع کردین تو ہم سے زیادہ نالائق و ناخلف کوئی نہین ہو سکتا۔ سچ یہ ہے کہ اسلام ایسا دین نہین کہ اُس کے ایک پیرو کو بھی کوئی برگشتہ کر سکے۔ مگر اس کا کوئی علاج نہین کہ ہم خبر نہ لین۔ غافل پڑے رہین۔ اپنے دین کی خوبیون اور برکتون کو جاہل مسلمانون کے ذہن نشین نہ کرین۔ اور دوسرے لوگ دنیا کا لالچ دلا کے یا اپنی کثرت دکھانے کے ساتھ اپنے گروہ مین لینے کا وعدہ کر کے کسی کو بہکا لین۔

بہرحال ضرورت ہے کہ نہایت ہی جوش و سرگرمی سے اس طرف توجہ کیجائے اور جن مقامات کے جاہل مسلمانون پر آریہ سماجیون یا مسیحی پادریون کی کمندین پڑنے کا اندیشہ ہو اُن کو جہانتک بنے ہم قعر جہنم مین گرنے سے بچائین۔ اس

دینی و قومی خدمت کو مولانا شبلی مرحوم نے اپنے ذمے لیا تھا۔ اور بڑی خوبی سے انجام دے رہے تھے کہ خدا نے اُنھین اپنے جوار رحمت مین بلا لیا۔ اور اُن کے جانشینون نے علمی خدمت اور اُن کے مذاق کے تصنیف و تالیف کا سلسلہ جاری رکھنے کی تو کوشش کی مگر جہان تک ہمین معلوم ہے اِس کام کو بالکل چھوڑ دیا جو ہمارے خیال مین کم اہمیت نہین رکھتا۔

مولانائے مرحوم کی کوشش کے علاوہ بندیل کھنڈ کے ضلع اورئی و جالون مین بھی ایک انجمن اشاعۃ الاسلام قائم تھی جو اِس دینی خدمت کو سات آٹھ سال سے مستعدی کے ساتھ انجام دے رہی تھی۔ بندیل کھنڈ مین نومسلمون کی بڑی بھاری تعداد ہے۔ اور آریہ سماجیون نے کوشش شروع کی کہ اُن سب کو پھر ہندو بنا کے اپنے گروہ مین شامل کر لین یا اُن کی ایک نئی ہندو جماعت قائم کر دین۔ اِس انجمن نے اپنے واعظ بھیج کے اور دیگر مناسب تدابیر سے آریون کی کارروائیون کو کالعدم کر دیا۔ اور وہان کے نومسلمون کو دشمنان اسلام کے فریب ہی سے نہین بچایا بلکہ بہتون کو اپنے عقائد سے واقف کر کے دیندار بنا دیا۔

مگر افسوس کہ آریون کی کوششین اب بھی اُسی سرگرمی سے جاری ہین اور مسلمانون کی وہ انجمن بعض اسباب سے کمزور ہو گئی۔ جہان تک ہمین معلوم ہے وہان کے مسلمان چندہ بھی بڑی فیاضی سے دیتے رہے تھے۔ اور مولوی سید محمد سلیم صاحب جعفری ناظم انجمن اشاعۃ الاسلام بندیلکھنڈ جو وہان کی تمام کارروائیون کے روح رواں ہین آج بھی اُس مستعدی سے اشاعت دین کے کام کو انجام دے رہی ہین۔ مگر اب بعض مربیون کے ہٹ جانے سے انجمن مذکور کی حالت متزلزل نظر آنے لگی۔ چنانچہ مولوی محمد سلیم صاحب کے ذریعے سے معلوم ہوا کہ مسلمانان بندیلکھنڈ چاہتے ہین کہ اشاعۃ الاسلام کی ایک صدر انجمن لکھنؤ مین قائم کی جائے۔ اور اُس کے ذریعے سے اس دینی خدمت کا کام بڑے پیمانے پر اور وسعت کے ساتھ جاری کیا جائے خصوصاً مجھ سے اکثر معزز اور پُرجوش اصحاب نے اصرار کیا کہ مین لکھنؤ مین اس کی

تحریک کرون۔ چنانچہ بروز جمعہ ۳۰ محرم ۱۳۳۶ھ (۱۶ نومبر ۱۹۱۷ء) کو مین نے عام اشتہار دے کے حکیم محمد عبدالقوی صاحب کے مکان واقع جھوائی ٹولہ پر ایک عام جلسہ طلب کیا۔ اگرچہ اِس مین کثرت سے مسلمان نہین شریک ہوئے مگر جتنے حضرات شریک تھے بھروسے کے لوگ تھے۔ اور باہر کے معزز حضرات مین سے مولوی مسعودالزمان صاحب بیرسٹر رئیس باندہ اور منشی نذیر احمد صاحب ایڈیٹر اخبار سادات الہ آباد شریک تھے۔ مولوی محمد نظام الدین حسن صاحب سابق ڈپٹی کمشنر برار کی صدارت مین کارروائی شروع ہوئی۔ اور مولوی سید محمد سلیم صاحب نے اپنی اور اپنے دیگر اصحاب کی کوششون کو بیان کیا۔ مولوی مسعودالزمان صاحب اور منشی نذیر احمد صاحب نے اُن کے بیان کی تصدیق کی۔ اور بتایا کہ مولوی محمد سلیم صاحب نے جس قدر فرمایا اُس سے زیادہ کارروائیان آپ کی انجمن نے کین اور ہزارون مسلمانون کو گمراہی سے بچا لیا۔ خصوصًا منشی نذیر احمد صاحب نے ظاہر فرمایا کہ اُنھون نے خود سفر کر کے بُندیلکھنڈ کے اکثر گاؤن اور انجمن کی کارگزاریون کو دیکھا ہے اور اُس کے حالات اپنے اخبار مین شائع کیے ہین۔

بہر تقدیر باتفاق آرا سے لکھنؤ مین ایک انجمن اشاعۃ الاسلام قائم کر دی گئی۔ ارکان کی فہرست مین بہت سے معزز حضرات کے اسمائے گرامی درج ہوئے۔ اور حسب ذیل عہدہ دار منتخب ہوئے۔

(۱) نواب ذوالقدر جنگ بہادر صدر نشین جلسہ۔ (۲) شیخ شاہد حسین صاحب بیرسٹر معتمد۔ (۳) حکیم محمد عبدالقوی صاحب اول شریک معتمد۔ (۴) خاکسار محمد عبدالحلیم شرر دوم شریک معتمد۔ (۵) مولوی محمد نظام الدین حسن صاحب خازن۔

پچیس ارکان کی ایک انجمن انتظامی بھی اسی جلسے نے مقرر کر دی۔ جس کے لیے چند ارکان منتخب ہو گئے اور باقی تعداد کے پورے کر لینے کا منتخب شدہ ممبرون کو اختیار دیا گیا۔

اس انجمن کی شرکت کے لیے ارکان کے ذمے تین روپیہ سالانہ

چندہ معین ہوا۔ اور قرار پایا کہ ہندوستان کے تمام شہرون کے لوگ اس انجمن کے رکن ہو سکتے ہین۔ نیز یہ کہ ارکان انتظامی کے سوا عام ارکان بھی چاہے وہ کہین کے ہون انتظامی جلسون مین شریک ہو سکتے ہین اور اُن کے ووٹ بھی محسوب کیے جائین گے۔

مولوی مسعود الزمان صاحب بیرسٹر نے اسی جلسے مین دو سو روپیہ کا عطیہ انجمن کو عطا فرمایا اور منشی نذیر احمد صاحب نے دس روپے عطا فرمانے کا وعدہ کیا۔

بہر حال لکھنؤ مین انجمن اشاعۃ الاسلام قائم ہو گئی۔ اور اُس نے اپنے ذمے یہ دینی خدمت لی ہے کہ ہندوستان کے جن مقامات مین جاہل اور نو مسلم اہل اسلام خطرناک حالت مین ہون یا اُن کے دین سے برگشتہ ہو جانے کا اندیشہ ہو وہان اصلاح و تبلیغ کی مناسب کارروائیان کی جائین واعظ بھیجے جائین۔ مسلمانون کو دینداری سکھائی جائے۔ اور جہان تک ممکن ہو اُن مین رہنے کے لیے اُس علم اور پابند دین واعظ مستقل طور پہ مقرر کر دیے جائین۔

دلگداز نے اپنے ذمے لیا ہے کہ اس انجمن کا ارگن بنے۔ چنانچہ وہ اُس کی مختصر کارروائیون کو شائع کرتا رہے گا اور وہی چندے اور عطیے کی رقمون کی رسید بھی دے گا۔ بعد کے نمبرون مین ہم جملہ ارکان کی فہرست بھی شائع کر دین گے۔ اور لکھنؤ یا دیگر شہرون کے جو جو حضرات اس انجمن کا رکن ہونا قبول فرمائین گے اُن کے اسماے گرامی برابر شائع ہوتے رہین گے۔

اوری مین انجمن کی ایک شاخ پہلے سے قائم ہے اور کئی واعظ و امام وہان کام کر رہے ہین۔ جن کی مشرح رپورٹ بھی ہم آیندہ دلگداز مین شائع کرین گے۔ ہمین سب سے زیادہ شکر گزار مولوی مسعود الزمان صاحب بیرسٹر کا ہونا چاہیے۔ جنھون نے یہی نہین کیا کہ دو سو روپیہ انجمن کو مرحمت فرمائے بلکہ باندے کے مسلمانون مین ایک جوش اور ہیجان پیدا کر دیا۔ جہان خدا

کے فضل سے ایک انجمن بھی قائم ہو گئی۔ بیس روپیہ ماہوار مشاہرے پر ایک عالم صاحب طلب کیے گئے ہین۔ اور کوشش ہو رہی ہے کہ کوئی مستعدذی علم بزرگ تلاش کر کے وہان بھیجے جائین۔

ہر شہر کے مسلمانون سے خواہش کی جاتی ہے کہ:-

(اول) اُن کے علم مین جہان جہان مسلمانون کی حالت خطرناک ہو اور اُن کے دین سے برگشتہ ہونے کا اندیشہ ہو وہان کے مفصل مشرح حالات سے انجمن کو مطلع فرمائین۔ اور یہ بھی بتائین کہ وہان کن حضرات سے مراسلت کی جا سکتی ہے۔

(دوم) جو دیندار اور ذی علم سُنی المذہب عالم یا طلبہ خدا و رسول کی خدمت بجا لانے پر تیار ہون اور اِس کو گوارا کر سکتے ہون کہ انجمن جس شہر یا گاؤن مین انھین بھیجے وہان ٹھہر کے لوگون مین وعظ کہین گے اُن کے شکوک رفع کرین گے اور اُنھین سچا دیندار بنائین گے وہ انجمن سے مراسلت فرمائین اور بتائین کہ کس ماہانہ مشاہرے پر وہ اِس خدمت دین کو انجام دے سکین گے۔

(سوم) کن کن شہرون کے مسلمان اس خدمت کو انجام دے سکتے ہین کہ اشاعۃ اسلام کی ایک انجمن اپنے شہر مین قائم کرین۔ جس خدمت کو ہم نے اپنے ذمے لیا ہے اُس مین ہمارا ہاتھ بٹائین۔ اور اپنے قرب و جوار کے مسلمانون کو نفع پہونچائین۔

انجمن کے متعلق جملہ مراسلت خاکسار محمد عبدالحلیم شرر ایڈیٹر دلگداز سے کی جائے۔ اسلیے کہ فی الحال دفتر انجمن کی کارروائی و مراسلت میرے ہی ذمے ہے۔

محبان رسول اکرم سے التجا

انجمن اشاعۃ الاسلام نے فرض کفائی کے طور پر یہ آپ کا یہ فرض اپنے

ذمے لے لیا ہے۔ حقیقۃً انجمن آپ ہی کی طرف سے کام کر رہی ہے۔ لہذا آپ کا فرض ہے کہ اِس کار خیر مین شریک ہون۔ انجمن کی رکنیت قبول فرمائین اور اپنی فیاضی سے انجمن کو اس قابل بنائین کہ وہ اِس دینی خدمت کو آپ کے اور اپنے حوصلے کے مطابق انجام دے سکے۔ قوم فیاض ہے۔ اور مسلمانون مین راہ حق مین دولت لٹا دینے والے آج بھی موجود ہین مگر یہ بہت کم لوگ جانتے ہین کہ کس کام مین فیاضی دکھائی جائے۔ آپ نے بہت سے ضروری کامون مین چندہ دیا ہے اور جہان اسلام کا نام آیا وہان شیدائیان دین محمدی نے اپنے آپ کو لُٹا لُٹا دیا ہے۔ لیکن آپ ہی انصاف فرمائین کہ جس خدمت کو انجمن اشاعۃ الاسلام نے اپنے ذمے لیا ہے وہ سب سے اہم اور سب سے زیادہ ثواب کی خدمت ہی یا نہین۔ اگر قوم نے توجہ کی جس کی پوری امید ہے تو ہم انشاء اللہ دکھا دین گے کہ ہم عیسائی مشنریون اور آریہ سماجی واعظون سے زیادہ کامیاب ہو سکتے ہین اور انسان کے دل کو جس خوبی سے کلمۂ توحید "لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ" جیت سکتا ہے اور کوئی کلمہ اور کوئی عقیدہ نہین جیت سکتا۔

بہر حال رئیسون اور تاجرون اور سچے حامیان دین سے التماس ہی کہ جس قدر توفیق ہو فیاضی سے کام لین اور اِس موقع پر کمی نہ کرین۔ یہ بھی بتا دینا ضروری ہی کہ چندہ صرف دفتر انجمن مین بھیجا جائے جہان سے اُن کو رسید بھیج کے رقم خازن صاحب کی خدمت مین پہونچا دی جایا کرے گی۔

خاکسار۔ محمد عبد الحلیم شرر دوم شریک معتمد

بڑی جنتری سنہ ۱۹۱۸ء

نامی پریس کی مشہور بڑی جنتری تیار اور شائع ہو گئی۔ اب کی اس مین موجودہ عالمگیر یورپ کے مختصر حالات ۱۲ جون سنہ ۱۹۱۴ یعنی آغاز جنگ سے ۳۱ اکتوبر سنہ ۱۹۱۷ تک کے درج کیے گئے ہین۔ دونون جانب کے سلاطین اور حکمرانون کی سادی تصویرین ہین۔ بہر حال نہایت ضروری اور ہر سال بغرض نظر کے سامنے رکھنے کے قابل چیز ہے۔ اول درجے کی جنتری کی قیمت عہ ہے۔ منشی محمد رحمت اللہ صاحب رعد کو نامی پریس کانپور کے پتے پر خط بھیج کے منگوائیے۔ اور خط مین صاف لکھیے کہ اول درجے کی "بڑی جنتری" بھیجیے۔ اور یاد رکھیے کہ کسی اچھے آفس روم کو بغیر اس جنتری کے سچی رونق و تکمیل نہین حاصل ہو سکتی۔

شفائی جنتری۔ ۱۹۱۷ء کی جنتری کے ساتھ بیش قیمت علمی و تاریخی معلومات کا کافی ذخیرہ اور بہت سی دلچسپ باتین اور شیر شاہ کے مقبرے اور بودھ کے مندر کی عماقت اور نفیس تصویرین ہین۔ کاغذ گندہ سفید ہے۔ یہ جنتری علاوہ ٹائیٹل کے ۱۰۸ صفحون پہ پوری ہوئی ہے۔ بہرحال منگوانے اور رکھنے کے قابل ہے۔ اس کو حکیم محمد شمس الحسن صاحب سہسوانی طبیب گیا نے مرتب کرکے شائع کیا ہے انھین سے طلب کی جائے قیمت فی جلد ۸ر

صوفی جنتری یہ بھی شان کی جنتری ہے جو دراصل مشائخ صوفیہ کے بیے عرسون اور دینی تقریبون کی مکمل یادداشت ہے۔ ہر ماہ مین اُس مہینے کی دینی ہدایتین۔ اُن محترم بزرگان دین کے اسماے گرامی جنھون نے اس ماہ مین رحلت فرمائی اور اُس مہینے مین جو اہم تاریخی و دینی واقعات پیش آئے سب بتادیے گئے ہین۔ اس کے علاوہ ۴۲ نامور بزرگون اور ائمۂ دین کے روضون اور مقبرون کی تصویرین اور وسیع دینی معلومات ہین ۱۱۲ صفحون پوری ہوئی ہے۔ ہر مسلمان کو اس کی ایک جلد رکھنی چاہیے۔ قیمت ۸ر ہے۔ ملک محمد الدین صاحب ایڈیٹر صوفی سے پنڈی بہاؤالدین ضلع گجرات کے پتے پہ خط بھیج کے منگوائی جائے۔

قدردانان دلگداز

سال پورا ہوا۔ ۱۹۱۷ء کے بارھون نمبر آپ کی خدمت مین پہونچ گئے۔ ناول بابک خرمی جلد دوم جو ۱۹۱۷ء کے خریدارون کی نذر کیا جائے گا تیار ہے۔ اور اس پرچے کے پہونچنے کے دس ہی بارہ روز بعد سے اُس کے وی پی عہ۱۱ کے ۱۹۱۸ء کے چندے پر روانہ ہونا شروع ہو جائین گے۔ خیال رکھیے۔ اپنے خادمون کو تاکید فرما دیجیے کہ واپس نہ کرین۔ جنوری کا دلگداز بھی تیار ہے جو بہت جلد شائع ہوگا۔ خاکسار مینیجر دلگداز

رجسٹرڈ نمبر اے ۱۳۱

ستمبر ۱۹۱۸

دلگداز

اردو کا مشہور ادبی و تاریخی رسالہ

بہ مربی گری

مولانا مولوی محمد عبد الحلیم صاحب شرر

و بہ ہدایت

مولوی محمد صدیق حسن صاحب ایڈیٹر

خاکسار

محمد سراج الحق حکیم منیجر و پرنٹر و پبلشر

نے

دلگداز پریس میں چھاپکر لکھنؤ محلہ کٹرہ بزن بیگ خاں سے شایع کیا

حضور ۱۹۱۸ء کا ورود

آئیے آئیے کرم کیجیے۔ جس ادب سے ہم نے آپ کے پدر بزرگوار ۱۹۱۷ء کی تجہیز و تکفین کی اُسی کے مناسب تعظیم و تکریم اور شان و شوکت سے آپ کا خیر مقدم ادا کرتے اور نظام عالم کا چارج لینے پر آپ کو مبارکباد دیتے ہین۔ آپ کے اسلاف نے ساری دنیا مین لڑائی کی آگ بھڑکا رکھی ہے۔ لہذا یہان پہونچ کے آپ صفحہ ارض پر نہین بلکہ ایک جلتے توے پر قدم رکھین گے۔ اگر پاؤن جلین تو اس مین ہماری خطا نہین۔ یہ آپ کے بزرگون کا کیا دھرا ہے۔ اور دنیا آپ کی اور آپ کے اسلاف کی ہے۔ قدرت نے جو اقتدارات آپ کو عطا کیے ہین اُن کے خوف سے ہم نے عہد کر لیا ہے کہ چاہے مر جائین حرف شکایت زبان پہ نہ آئے گا۔ اور آپ کی تعریف ہی کرین گے۔

مگر آپ کے آخری اسلاف کی کمزوری یا رحم دلی سے اب دنیا کی یہ حالت ہے کہ حکومت کی گرفت سے باہر ہوتی جاتی ہے جمہوریت کا زمانہ ہے۔ اور آزادی کا دور دورہ بجائے اس کے کہ رعایا بادشاہ کی اطاعت کرے بادشاہون کو رعایا کی اطاعت کرنا پڑتی ہے۔ اور بعوض اس کے کہ چھوٹے بڑون کا پاس کرین بزرگ خُرد دون کا لحاظ کرنے لگے ہین۔ ہندوستان کی بیجان مٹی تک مین اتنی حرارت پیدا ہو گئی کہ ہوم رول مانگا جاتا ہے۔ اور نوجوانان وطن بڑھ بڑھ کے گورنمنٹ پر اعتراض کرتے ہین۔ مگر ہم پُرانے مذاق کے گرویدہ اور پُرانے اصول کے پابند اب تک اُسی اگلی دنیا مین ہین اور اپنے سے بڑون اور بزرگون کا ویسا ہی ادب کرتے ہین جیسا اگلے زمانے والے کیا کرتے تھے۔ لہذا آپ چاہے جیسے اور جس طبیعت کے ہون ہم آپ کی مدح خوانی ہی کرین گے۔ شاید اس خوشامد کا یہ صلہ ملے کہ ہمارے حال پر حضور کی نظر عنایت رہے۔

ہم نے آپ کے والد بزرگوار سے نہایت ادب کے ساتھ آپ کی خدمت مین کچھ سفارش کرنے کو کہا تھا شاید دنیا سے کوچ کرتے وقت اُنھین ہماری وہ التجا یاد رہی ہو اور ہمارے بارے مین آپ کو کچھ وصیت کر گئے ہون۔ اگر ہماری یہ امید صحیح ہی تو آپ کو ہمارا کچھ نہ کچھ خیال ضرور ہوگا۔ ہماری درخواست یہ ہی کہ اب ہم مین زیادہ برداشت کرنے اور معرض امتحان مین ٹھہرنے کی تاب نہین ہی۔ ہم جس قدر اپنا خون بہا چکے ہین وہ اظہار وفاداری اور حق جان نثاری بجا لانے مین کافی سمجھا جائے۔

اس مین شک نہین کہ آپ کے بزرگون نے جنگ وپیکار اور قتل وخونریزی کے دفع کرنے کی تدبیرین کین اور بعض جنگجو قومون کو بیکار کر دیا۔ مگر یہ سزا ہی کا کوڑا دونون جانب پڑتا رہا۔ جس کی وجہ سے اس کی نوبت نہین آتی کہ ایک جانب کمزوری پیدا ہو اور کمزور فریق صلح کرنے پر مجبور ہو جائے۔ آپ نے اگر ایک طرف ترکون کی ترکی تمام کی اور تمام مقدس ومحترم مقامون کو اُن کے قبضے سے نکال لیا تو دوسری طرف روس کے بہت سے صوبے چھنوا کے اُسے بھی بیکار کر دیا۔ ترکون کی کمزوری سے جتنا اچھا اثر لڑائی پر نہین پڑنے پایا تھا اُس سے زیادہ نقصان ہمین روس کے ہمت ہار دینے سے پہونچ گیا۔ جس طرح آپنے روس کو ہرایا ہی اور دنیا کے زبردست اسٹیم رولر کی کل بگاڑ دی ہے اُسی طرح کیا آپ سے یہ نہ ہو سکتا تھا کہ جرمنی کی توپون مین کیڑے پڑ جاتے؟ مگر ہمین آپ ہمارے دشمنون کی جنبہ داری کر رہے ہین۔ اور اس کا خیال نہین کرتے کہ ہم حق پر ہین اور وہ باطل پر۔ ہم تہذیب اور امن وامان کے حامی ہین اور وہ وحشت ناکی اور قتل وغارت کے۔

یہ تو ہم کو یقین ہے کہ فتح اُسی کی ہوگی جو حق پر ہے۔ لیکن آپ سے فقط اتنی التجا ہی کہ یہ انجام نیک آپ ہی کے دور مین انجام پا جاتا تو ساری دنیا پر احسان ہوتا۔ اور آپ کا نام قیامت تک کے لیے روشن ہو جاتا۔

شہر واسط اور اس کا بانی

عراق مین جس جگہ دجلہ وفرات ملے ہین وہان سے تھوڑی دور آگے بڑھ کے دریاے دجلہ کے مغرب جانب بیس پچیس میل ہٹ کے رود وشط الحی کے کنارے ایک پرانا کچھ کم بارہ سو برس کا آباد کیا ہوا تاریخی شہر ہے۔ واسط جس کو

اپنے نفیس "واسطی قلموں" کے اعتبار سے ساری دنیا مین شہرت حاصل ہی۔ اور ہمارے روشن خیال تعلقدار سندیلہ منشی التفات رسول صاحب کا خاندان بھی اسی شہر کی جانب منسوب ہے جس بنا پر ہمین اس سے اور زیادہ دلچسپی پیدا ہوگئی۔ فی الحال یہ بھی قدامت کے اُن قابل قدر تبرکات مین سے ہی جو دولت برطانیہ کو عراق کی مہم مین ہاتھ آئے ہین۔ موجودہ زمانے مین تو غالباً یہ ایک اُجڑی ہوئی مصیبت زدہ بستی ہوگی مگر اُن دنون جب یہ بسایا گیا ہے ایک بڑا قہار شہر تھا۔ اور بڑے قہار شخص کے ہاتھون سے اس کی بنیاد بھی پڑی تھی۔ اس لیے کہ حجاج ابن یوسف ثقفی کے ایسے سنگدل شخص نے ۸۳ھ مین اسے آباد کیا۔ اور اپنا وہ ہولناک قیدخانہ اس مین قائم کیا جو اُس زمانے مین سب سے بڑا دنیاوی جہنم تھا۔

اس شہر کے آباد کرنے کا محرک ایک عجیب دلچسپ واقعہ ہوا۔ وہ یہ کہ حجاج نے اہل کوفہ مین سرکشی و سترابی کا مادہ دیکھ کے بہت سے شامی عسکریون کو کوفے مین لا کے رکھا تاکہ کسی کو بنی اُمیہ کے خلاف سر اُٹھانے کی جرأت نہ ہو جس خاندان کے زبردست خلیفہ عبدالملک بن مروان کی طرف سے وہ عراق کا اور اُس کے ساتھ تمام مشرقی ممالک مقبوضۂ دولت عرب کا والی تھا۔ اسی دوران مین اُس نے چاہا کہ سپہگران کوفہ کا ایک لشکر مرتب کر کے کسی مہم پر خراسان کی طرف روانہ کرے۔ اس کوفی لشکر کے جمع ہونے کے لیے اُس نے کوفے کے قریب مقام "حمام عمرو" مین ایک کیمپ قائم کیا جہان کوفے سے منتخب ہو ہو کے سپاہی جاتے۔ اور ٹھہرتے تاکہ پورا لشکر مرتب ہو لے تو مشرق کی طرف کوچ کرین۔

اتفاقاً اہل کوفہ مین سے ایک نوجوان شخص فوج مین بھرتی ہو کے پڑاؤ مین گیا۔ مگر چند ہی روز ہوے اُس کی شادی ہوئی تھی۔ اپنی نوخیز دلھن سے ملنے کے شوق مین وہ ایک رات کو پڑاؤ سے نکل کے اپنے گھر مین آیا کہ رات محبوبۂ پری جمال کے آغوش مین بسر کرے اور صبح تڑکے قبل اس کے کہ کسی کو خبر ہو کیمپ مین واپس چلا جائے۔ گھر مین وہ اپنی محبوبہ کے پاس لیٹا تھا کہ کسی نے بڑی زور زور سے دروازہ دھمدھمایا۔ اُٹھ کے دروازا کھولا تو کیا دیکھتا ہے کہ ایک شامی سپاہی جو شراب سے مخمور اور بدمست ہی بدکاری و بدمعاشی کے ارادے سے گھر مین گھسنا چاہتا ہی۔ اتنے مین نوجوان کی دولھن۔ بے جوش محبت سے دروازے تک اُس کے ساتھ چلی آئی تھی غیور و نوعمر شوہر سے کہا۔ اس بدمعاش شامی نے ہمین زندگی سے عاجز کر دیا ہے۔ روز رات کو آکے ستایا کرتا ہے اور ہماری آبرو لینے کے درپے ہی۔ گھنٹون دروازے پر اڑا رہتا ہے

اور خدا جانے کس قدر ہنگامہ مچا کے واپس جاتا ہے۔ مین نے شامی سرداروں کے پاس بھی جا کے اِس کی شکایت کی مگر کہین شنوائی نہین ہوتی؟" یہ واقعات سُن کے نوجوان کوفی کو طیش آیا اور مجبوبہ بیوی سے کہا "تم کہو تو مین اس سے سمجھ لون" جواب ملا "مین اور چاہتی کیا ہون؟" بیوی کا اشارہ پاتے ہی غیور نوجوان تلوار لے کے بڑھا۔ اور دو ہی ایک وارون مین اُس شامی شرابی کا کام تمام کر دیا۔ اس کے بعد دروازہ بند کر کے لیٹ رہا۔ اور جیسے ہی صبح کی اذان ہوئی اُٹھ کے مُنہ اندھیرے اپنے پڑاو کی راہ لی۔ مگر جاتے وقت نو عروس بیوی سے کہتا گیا "میرے جانے کے بعد تم فجر کی نماز پڑھنا۔ اور اُس کے بعد خود جا کے شامیون سے کہہ دینا کہ اپنے مقتول رفیق کو اُٹھا لے جائین۔ وہ غالباً حجاج سے جا کے شکایت کرین گے۔ اور وہ تم کو بلا کے پوچھے گا کہ یہ شامی کیونکر مارا گیا۔ اُس وقت تم بلا تامل سچا سچا واقعہ بلا کم و کاست بیان کر دینا۔"

کوفی نوجوان کے جانے کے بعد پاکدامن نازنین نے یہی کیا۔ حجاج کے سامنے فریاد ہوئی۔ اور اُس نے اُس نازنین دولھن کو اپنے سامنے بلوایا۔ نازنین نے جو کچھ واقعات گزرے تھے اُس کے سامنے صاف صاف بیان کر دیے۔ ایک نوخیز نوعروس کی سادگی صفائی۔ اور سچائی نے حجاج کے دل پہ بڑا اثر کیا۔ بولا "تم بالکل سچی ہو۔" اور شامی فریادیون سے کہا "اپنے بدمعاش مقتول کو لے جا کے گاڑ دو۔ نہ اُس کی کوئی خون بہا ہے اور نہ اُس کے خون کے انتقام مین کوئی سزا۔ خدا ہی نے اُسے قتل کر کے جہنم رسید کیا۔" اِس فیصلے کے ساتھ ہی اُس نے سارے لشکر اور کوفے کی آبادی مین ڈھنڈورا پٹوا دیا کہ خبردار کوئی سپاہی کسی کے گھر پر نہ جائے۔ اور نہ شہر پر کسی قسم کی دست بُرد کرے۔" پھر حکم دیا کہ اہل شام کوفے کی آبادی کے باہر جا کے اپنا پڑاؤ ڈالین۔

ساتھ ہی حجاج کو فکر ہوئی کہ اِس اپنے طرفدار شامی لشکر کے ساتھ جا کے کہین اور قیام کرے۔ اس لیے کہ کوفے مین بنی امیہ کے دشمنون کی کثرت تھی بغیر ایک زبردست لشکر کے رہنا مناسب نہ تھا۔ اور نہ یہ اچھا معلوم ہوتا تھا کہ شامیون کے ہاتھ سے اہل کوفہ پر ظلم ہو۔ دوسرے مقام کے تلاش کرنے کے لیے اُس نے ایک واقف کار رہبر کو روانہ کیا کہ قریب ہی کوئی ایسی جگہ ڈھونڈھ نکالے جو شامی فوج اور اُس کے ٹھہرنے کے لیے مناسب ہو۔

پھر خود بھی کوفے کی آبادی سے کوچ کر کے اُس مقام پر خیمہ زن ہوا جہان اب شہر
واسط آباد ہے۔ وہان ایک دن کیا دیکھتا ہے کہ ایک مسیحی راہب گدھے پر سوار آرہا ہے
اُسکے قریب پہونچ کے گدھے نے پیشاب کیا۔ راہب فوراً گدھے سے اُتر پڑا۔ وہ ساری زمین جو
پیشاب سے تر ہو ئی تھی کھود دی۔ اور خوب کھرچ کے مٹی کو دریا مین پھینک دیا۔ اب
وہ گدھے پر سوار ہو کے آگے بڑھنے کو تھا کہ حجاج نے اُسے اپنے سامنے بلوا کے پوچھا
یہ مٹی کھود کے تم نے دریا مین کیون بہا دی؟" اُس نے کہا، ہم نے کتابون مین دیکھا ہے
کہ اِس جگہ خدا کا ایک عبادت کدہ بنے گا۔ اور اُس مین جب تک دنیا مین ایک موحد بھی
باقی رہے گا خدا ے وحدہ لاشریک کی عبادت ہوتی رہے گی"۔ یہ سنتے ہی حجاج نے اُس جگہ
واسط کی بنیاد ڈال دی۔ اور عین اُس جگہ جہان کی مٹی راہب نے کھود دی تھی عظیم الشان
جامع مسجد تعمیر کی"۔

علامہ یاقوت حموی ایک گروہ رُواۃ کی سند سے بیان کرتے ہین کہ حجاج کو اہل
کوفہ سے بہت صدمے پہونچے۔ اور اُن کے دلون مین اپنی طرف سے بُغض پایا تو ایک
ہوشیار و تجربہ کار شخص کو حکم دیا کہ میرے لیے ایک ایسا قطعۂ زمین ڈھونڈھ نکالو جس پر مین
ایک نیا شہر بساؤن۔ لیکن شرط یہ ہے کہ وہ کسی ندی کے کنارے ہو"۔ وہ شخص گیا۔ اور پھرتے
پھرتے ایک گاؤن مین پہونچا جو "واسط القصب" کہلاتا تھا۔ قصب نرکل یا قلم کے نیزے کو کہتے ہین۔
جو وہان ایسے اچھے اور اِس کثرت سے پیدا ہوتے تھے کہ اُنھین کے نام سے شہرت ہو گئی۔
اس گاؤن مین دو ایک روز رہا تو رات سُہانی نظر آئی اور دن خوشگوار۔ جو ندی جاری
تھی اُس کے پانی کو چکھا تو نہایت پاک و صاف شیرین ہلکا اور لطیف تھا۔ لوگون سے پوچھا
"کوفہ یہان سے کتنی دور ہے؟" جواب ملا "چالیس فرسخ"۔ پوچھا "اور مدائن؟" معلوم ہوا
وہ بھی چالیس فرسخ ہے۔ اس کے بعد بصرے اور اہواز کو دریافت کیا۔ وہ بھی چالیس ہی فرسخ
پر بتائے گئے۔ یہ سُن کے اُس نے کہا "یہ بستی خوب وسط مین واقع ہوئی ہے"۔ اس کے بعد حجاج
کو اِس خطے کی تعریف لکھ بھیجی۔ اور اُس کے تمام حالات لکھے حجاج نے جواب دیا، "اُس خطے
کو فوراً وہان کے دہقان (زمیندار) سے خرید لو"۔

یہ زمین داؤد بردان نام ایک پارسی زمیندار کی ملکیت تھی اس سے جو حجاج
کا ارادہ بیان کر کے اُس زمین کے خریدنے کو کہا گیا تو کہنے لگا "یہ جگہ حضور امیر کے

کام کی نہین ہے - اس مین تین عیب ہین - اول تو زمین پولی ہے عمارت کی بنیاد یہان مضبوط نہین ہو سکتی - دوسرے یہان بڑی سخت گرمی ہوتی ہے - اور باد سموم چلتی ہے - یہان تک کہ فضا مین اڑتے ہوے طائر لو اور تپش سے گر کے مرجاتے ہین - تیسرے یہان رہنے والون کی عمرین کم ہوتی ہین" یہ حالات حجاج کو لکھے گئے تو اُس نے لکھا "معلوم ہوتا ہے یہ شخص نہین پسند کرتا کہ ہم اُس کے قریب رہین اُس سے کہو ہم وہان نہرین کھود دین گے - اچھی عمارتین بنائین گے - زراعت کو ترقی دین گے اُس کے ساتھ اچھا سلوک کرین گے - اور ہم سے اُس کے مقاصد پورے ہون گے - رہے اُس زمین کے عیوب تو سنو - اگر زمین پولی ہے تو ہم اچھا پھڑا دے دے کے مکانون کی بنیاد مضبوط کر لین گے - گرمی کی ہین پروا نہین اور عمر وان کا کم و زیادہ ہونا خدا کے ہاتھ ہے جو چاہے گا کرے گا - ہمین اس مین دخل نہین - اور جتنی عمر خدا نے مقرر کر دی ہے وہ ضرور پوری کر لین گے"

بہر تقدیر یہ زمین مول لے لی گئی - اور حجاج نے آغاز ۸۳ھ مین خود آکے شہر کی بنیاد ڈال دی - اور ایسی مستعدی سے کام شروع کیا کہ ۸۶ھ مین اُسے مکمل کر لیا - گرد و پیش کے کئی شہرون کے پھاٹک اُکھڑوا کے اپنے قصر اور مسجد مین لگا لیے - اور اُن شہرون کے لوگون نے لاکھ غل مچایا شنوائی نہ کی - تعمیر مین اس نے اپنا عظیم الشان قصر عالیشان جامع مسجد شہر پناہ - اور اُس کے گرد وہری کھائیان بنوائین - اِن کامون کے لیے اُس نے چار کروڑ تیس لاکھ درہم خزانے سے نکالے مگر اُس کے معتمد نے کہا "اگر امیر المومنین نے اِس اسراف پر اعتراض کیا تو آپ کیا جواب دین گے؟ بہتر ہو کہ اِس رقم کا زیادہ حصہ مہمات جنگ مین لگا یا جائے" اس مشورے کے مطابق حجاج نے اُس مین سے نوے لاکھ درہم تعمیر کے لیے علحدہ کر لیے باقی رقم مہمات جنگ مین لگا دی -

مذکورہ عمارتون کے علاوہ حجاج نے اور بھی بہت سی عمارتین بنوائین قصر وغیرہ کا مختصر خاکہ یہ ہے کہ قصر کا طول و عرض چار ہزار گز مربع اور مسجد دو سو گز مربع تھی - شہر پناہ کے اندر متعدد بازار اور کئی پارک بنوائے جن مین ایک لوہارون کے بازار کے سامنے تھا وہ ۳۰۰ گز مربع تھا - وہ سلر قصائیون

کے بازار کے سامنے تھا- یہ تین سو گز لمبا اور سو گز چوڑا تھا- اور اُس مین ایک حوض بھی تھا- اور ایک پارک دو سو گز لمبا اور سو گز چوڑا تھا- اسی شہر مین حجاج نے اپنا مشہور قید خانہ بنوایا جس مین ۳۲ ہزار اسیر بند تھے- اور اُن مین سے ایک بھی ایسا نہ تھا جو سوا پولٹیکل الزامون کے کسی جرم کا مرتکب اور مجرم ہو-

محمد بن قاسم نے اُسے سندھ سے ایک ہاتھی بھیجا تھا- جہان سے ریگستان شروع ہوا وہ جہازمین سوار کر کے لایا گیا- اور واسط کے جس گھاٹ پر اُتارا گیا تھا اُس کا نام "مشرعۃ الفیل" ہو گیا-

جب شہر اور قصر بن کے تیار ہو گیا اور حجاج اُس مین آ کے رہا تو اُسے یہ مقام بہت پسند آیا اور بڑے لطف و عیش مین کٹنے لگی- مگر رہتے چند ہی روز ہوے تھے کہ اُس کی ایک چاہیتی اور بڑی جمال محبوبہ پر جن کا سایہ ہو گیا- نہایت پریشان ہوا- اور کوفے مین آدمی بھیج کے عبداللہ ابن ہلال کو بُلوایا جو بہت مشہور عامل اور مقبول عام سیانا تھا- اور اپنے کمالات کی وجہ سے "شیطان کا رفیق" کہلاتا تھا- اُس نے آتے ہی اپنے عمل سے اُس نازنین کو اچھا کر دیا- مگر حجاج نے کہا "مجھے اندیشہ ہے اِس قصر مین کسی جن وغیرہ کا گزر نہ ہو" عبداللہ نے اس کے تدارک کا بھی وعدہ کیا- اور تیسرے روز ایک گولا لے کے آیا جس مین کڑا لگا تھا- اور اُس کے مُنہ پر مہر لگی ہوئی تھی- اس گولے کو دکھا کے عبداللہ نے کہا "قصر کو نپوائیے تاکہ مین اُس کے بیچوں بیچ مین اِس گولے کو دفن کر دون" حجاج نے کہا "اِس کا کیا ثبوت ہے کہ اِس گولے مین کوئی اثر ہے" اُس نے کہا دس قوی ہیکل اور شہ زور آدمیون کو بلوائیے اور دیکھیے اسے زمین سے اُٹھا لیتے- دس شہ زور آئے اور سب نے لاکھ زور لگایا مگر گولا اپنی جگہ سے نہ ہلا- اس پر متحیر ہو کے حجاج نے اپنی لکڑی جو اُس کے ہاتھ مین تھی گولے کے کڑے مین ڈالی- اور "بسم اللہ الرحمن الرحیم- اِنَّ رَبَّکُمُ اللّٰہُ الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰاتِ وَالْاَرْضَ فِیْ سِتَّۃِ اَیَّامٍ ثُمَّ اسْتَوٰی عَلَی الْعَرْشِ" کہہ کے جو اُٹھایا تو گولا پھول کی طرح اُٹھ آیا- یہ دیکھ کے حجاج نے گولا پھر زمین پر ڈال دیا- اور کچھ دیر سر جھکا کے سوچتا رہا پھر عبداللہ بن ہلال کی طرف رُخ کر کے کہا "اپنا گولا اُٹھاؤ اور اپنے گھر جاؤ مجھے تمھارے سحر کی ضرورت نہین- میرے بعد کسی نے صحن کو کھودا اور یہ گولا نکلا تو کہے گا کہ خدا حجاج پر لعنت کرے- جادو کے زور سے کامیابی حاصل کیا کرتا تھا-

غرض عبداللہ بن ہلال واپس چلا گیا۔

اس واقعے سے حجاج کی باوجود اُس کے مظالم کے دینداری و خوش اعتقادی ظاہر ہوتی ہے۔ غالباً یہی دیکھ کے عبدالوہاب ثقفی کے سامنے لوگون نے حجاج کو برا کہا تو وہ بگڑے اور کہا "اُس کی برائیان دیکھتے ہو اور یہ نہین دیکھتے کہ حجاج پہلا شخص ہے جس نے سب سے پہلے دینار و درہم پر کلمۂ توحید نقش کرایا۔ وہی ہے جس نے صحابۂ راشدین کے بعد اسلام مین پہلا شہر بسایا۔ وہی ہے جس نے عورتون کے لیے محملین ایجاد کین۔ وہی ہے کہ کسی مسلمان خاتون کو ہندوون نے سندھ مین پکڑ لیا تھا۔ وہ دشمنون کے ہاتھون اسیر ہوتے وقت چلائی "یا حجاج"، اُس کا یہ کلمہ سنتے ہی اُس نے ستر لاکھ کی رقم صرف کر کے ہند و سند پر فوج کشی کی۔ اُس عورت کو چھڑایا اور سند و ہند کو فتح کیا۔ اور وہی ہے جس نے واسط سے قزوین تک مسلسل اونچے ٹیکرون پر یہ انتظام کیا کہ واسط مین دن کو آگ سُلگے تو وہان تک سب ٹیکرون پر سلگ جائے اور رات کو یہان روشنی ہو تو وہان تک برابر مشعلین روشن ہو جائین اور اس اشارے سے ایک ہی دن مین خبر پہونچا دینے کا کام لیا جائے۔

علامہ یاقوت حموی جنھون نے ۶۲۶ھ مین وفات پائی شہر واسط کو بارہا اپنی آنکھون سے دیکھا تھا۔ وہ کہتے ہین کہ وہ بڑا عظیم الشان اور خوب آباد شہر ہے۔ اُس کے اطراف مین بڑے بڑے قصر و ایوان باغ اور قریے ہین میوہ جات کی کثرت ہے۔ پھلدار درختون کی کوئی حد و نہایت ہی نہین ہے۔ اور ہر چیز نہایت سستی ہے۔ مکھن کا ایک گھڑا بارہ مرغیان یا چوبیس چوزے۔ بارہ رطل (چھ سیر) گھی۔ چالیس رطل (بیس سیر) روٹی ڈیڑھ سو رطل (۷۵ سیر) دودھ۔ اور سو رطل (۵۰ سیر) مچھلی اِن مین سے ہر ایک چیز ایک درہم مین ملتی ہے۔

جس وقت حجاج نے واسط کو آباد کیا ہے اُن دنون عراق مین ایک پُرانی قوم آباد تھی جو لوگ نبطی کہلاتے تھے۔ یہ بڑے فتنہ انگیز اور اسلام کے دشمن تھے۔ اگر حکام پر زور نہ چلتا تو مسلمانون کے رعایا مین فساد پھیلاتے اور طرح طرح کے عقائد تصنیف کرتے۔ حجاج نے حکم دیدیا کہ تمام نبطی واسط سے نکل جائین۔ چنانچہ شہر اُن سے خالی ہو گیا۔ مگر حجاج کے مرتے ہی وہ پھر یہان آ کے بس گئے۔

اور مسلمانون کی فتح

اب لشکر اسلام اعدا کے نرغے مین گھرا ہوا تھا۔ بڑی سخت لڑائی ہو رہی
تھی۔ اور مسلمانون کے لیے نہایت نازک وقت تھا۔ رومیون کو اپنی کثرت پہ غرہ اور
ناز تھا۔ چنانچہ انھون نے اپنے شدید حملون سے ریل اور ڈھکیل کے مسلمانون کو اُن کے خیمون تک
پہونچا دیا۔ اور رومیون کو یقین ہو گیا کہ ہم مسلمانون کو دم بھر مین پیس کے رکھ
دین گے۔ مسلمانون نے جو یہ حالت دیکھی تو سب شہادت کے لیے تیار ہو گئے۔ اور
کوئی سر زمین ہوتی تو شاید کسی کو بھاگ کے جان بچانے کا بھی خیال ہوتا۔ مگر یہان
ہر جگہ دشمن ہی دشمن تھے۔ کہین پناہ ڈھونڈنے کی امید نہ تھی۔ سب نے دل مین ٹھان لی
کہ شکست سے یہی اچھا ہے کہ سب یہین کٹ کے ڈھیر ہو جائین۔ حسن بن عمار نے
نعرۂ تکبیر بلند کر کے للکارا اور سب کے سب دشمنون پر پل پڑے۔ ساتھ ہی رومی
سردارون نے بھی اپنے بہادرون کو للکارا۔ اور اُن کے سپہ سالار اعظم سینول
نے اپنے جانبازون کے ساتھ صف شکن حملہ کیا اور مسلمان اُس کے ہاتھ سے شہید ہونے
لگے۔ اُسے ایسا شدید حملہ کرتے دیکھ کے مسلمان اُسی پہ ٹوٹ پڑے۔ اور خیال کیا کہ
اگر اِس کا کام تمام کر دیا تو میدان ہمارے ہی ہاتھ رہے گا۔ بہت سے بہادران
عرب نے اُس پر نیزے مارے۔ مگر کوئی حربہ کارگر نہ ہوتا تھا۔ وہ خود زرہ
پہنے دریاے آہن مین غرق تھا۔ نہ اُس پر تلوار کارگر ہوتی تھی اور نہ نیزہ
کام کرتا تھا۔ آخر مسلمانون نے اُس کے گھوڑے کو زخمی کر کے گرایا۔ اور
جیسے ہی سینول زمین پر گرا سب نے چارون طرف سے یورش کر کے اسے
مار ڈالا۔ پھر اِس کے بعد اُس کے ہمراہیون پر ایسی یورش کی کہ اُن مین
سے بھی اکثر قتل ہو گئے۔ اور جو بچے بہادران اسلام کی شجاعت کا لوہا مان
کے پیچھے ہٹے۔ اتنے مین رومیون کو اپنے سپہ سالار اعظم کے مارے جانے
کا حال معلوم ہوا۔ رُخ چھوٹ گئے۔ لشکر اعدا بدحواس ہو کے ہر طرف بھاگنے
لگا۔ مسلمانون نے تعاقب کیا۔ اور برابر رگیدتے اور قتل کرتے ہوے اتنی

دور تک چلے گئے کہ مغرور رومیون کو اپنے آگے ایک بہت بڑی کھائی ملی۔ جس نے راستہ روک دیا۔ آگے قعر جہنم تھا اور پیچھے فرشتہ ہاے موت۔ مگر رومی مسلمانون کی تلوارون سے اِس قدر خائف تھے کہ برابر اُس گڑھے مین پھاندنے لگے تاکہ قتل ہونے سے بچین۔ گڑھے کے اندر ایک دوسرے پہ گرنے سے وہان تحت الثری مین اُن مین باہم لڑائی شروع ہوگئی۔ اور یہ حالت تھی کہ اوپر سے تو مسلمان اُنھین مار مار کے گرا رہے تھے۔ اور نیچے وہ خود ایک دوسرے کو قتل کر رہے تھے۔ یہان تک کہ وہ گڑھا کشتون سے پٹ گیا غرض رومی بہت بُری طرح سے اور بڑی ذلت کے ساتھ قتل ہوئے اور اُس کھائی ہی کی طرف نہین ہر طرف بھاگے اور جدھر جاتے قتل ہوتے۔

یہ لڑائی صبح کو شروع ہوئی تھی عصر کے وقت ختم ہوئی۔ اور آخر مغرب تک مسلمانون نے ہر طرف بھگا بھگا کے اور رگید رگید کے رومیون کو قتل کیا۔ بے انتہا دولت و سامان اور ہزارون اعلی درجے کے قیمتی اسلحہ ہاتھ آئے۔ اِنھین تلوارون مین ایک عجیب تاریخی اور لاجواب شمشیر آبدار ملی جس پر لکھا تھا "یہ سیف ہندی ہے اس کا وزن ایک سو ستر مثقال ہے۔ اور بارہا اِس نے رسول اللہ صلعم کے سامنے کام دیا ہے"۔ چنانچہ یہ تلوار مع قیدیون لونڈیون۔ غلامون۔ اور نامور سردارون کے بےشمار سرون کے ساتھ معز کے پاس مہدیہ مین بھیج دی گئی۔

مغرور رومیون مین سے جو زندہ بچ سکے وہ گرتے ہوئے شہر ریو مین پہونچے۔ اور وہان جاکے اُنھین پناہ ملی۔

فتح رمطہ

اس رومی لشکر کو جب پوری شکست ہوگئی تو اہل رمطہ کے حواس جاتے رہے۔ لیکن اس مایوسی پر بھی اُنھون نے ہمت کی۔ اور پھاٹک بند کر کے مقابلے کو تیار ہو گئے۔ مگر خرابی یہ تھی کہ شہر مین رسد باقی نہ تھی، لہذا اُنھون نے

یہ کارروائی کی کہ شہر کے اندر جتنے کمزور اور معذور لوگ تھے سب کو اُنھون نے نکال کے باہر کر دیا۔ کثر عورتین اور بچے بھی شہر کو چھوڑ کے چلے گئے۔ فقط لڑنے والے رہ گئے یہ کارروائی ہو چکی تھی کہ مسلمانون نے آ کے محاصرہ کر لیا۔ اور محاصرے کے ساتھ ہی شہر پر زور و شور سے دھاوا بھی کر دیا۔ اتنے مین رات ہو گئی مگر رات بھی اُن کے جوش کو نہ روک سکی۔ فتح نے ایسے حوصلے بڑھا دیے تھے کہ رات کو اندھیرے مین شہر والون سے فصیل کی پوری دیکھ بھال نہ ہو سکی اور مسلمان حملہ آور سیڑھیان لگا لگا کے جا بجا شہر پر چڑھ گئے۔ جہان سے اندر کود کے پھاٹک کھول لیے اور سارا لشکر اسلام اندر گھس پڑا۔ اب مسلح دشمنون کا قتل عام ہو رہا تھا۔ اسباب لوٹا جاتا جاتا تھا جو عورتین اور بچے شہر مین باقی تھے گرفتار ہو رہے تھے۔ اب چونکہ شہر مسیحیون سے خالی تھا اس لیے اُس مین مسلمان بسائے گئے۔ اور چند روز مین مفرور بھی واپس آئے۔ اور شہر کی آبادی رونق پر ہو گئی۔

یوم المجاز یعنی زبردست بحری جنگ

بقیۃ السیف شکست خوردہ جنھون نے ریو مین جا کے پناہ لی تھی اُنھون نے ریو کے بھی بہت سے لوگون کو اپنے ساتھ کیا اور جہازون پر سوار ہو کے چلے کہ اِس ناکامی و نامرادی کی سرزمین سے بھاگ کے کسی امن وامان کی جگہ پہونچ جائین مگر اُن کے بھاگنے کی خبر امیر احمد بن حسن حاکم صقلیہ کو بھی پہونچ گئی۔ اُس نے فوراً اپنا ایک تیز رو بیڑا تیار کیا۔ اور زبردست لشکر اور نامور بہادرون کو اُس پر سوار کرا کے چلا کہ روبہ فرار دشمنون کو روکے۔ چنانچہ سمندر کے اندر اُنھین جا لیا۔ اور سامنا ہوتے ہی حملہ کر دیا۔ پھر ایک سخت بحری لڑائی ہوئی۔ اِس لڑائی مین جوش مین بھرے مسلمانون نے یہ کارروائی کی کہ اُن کے بہت سے پیراک جانباز سمندر مین پھاند پڑے اور دشمنون کے جہازون کو توڑتے۔ اور توڑ توڑ کے ڈبو دیتے یہانتک کہ اکثر رومی جہاز اِن بہادرون کی کوشش سے ٹوٹ ٹوٹ کے ڈوب گئے۔ رومی جو اُن پر سوار تھے اُن مین سے اکثر ڈوب گئے۔ اور بہت سے مارے

گئے۔ جو جہاز بچے اُن کی یہ حالت ہوئی کہ جس کو جدھر موقع ملا بے تحاشا بھاگا۔ اور سب اس طرح منتشر ہو گئے کہ ایک کو دوسرے کی خبر نہ تھی۔ اس بحری لڑائی مین چونکہ مسلمانون نے پانی بنجھا کے یورش کی تھی اس لیے اس کا نام اہل اسلام مین "یوم المجاز" ہو گیا۔ افریقہ کے مسلمانون مین یہ بڑی مشہور لڑائی تھی جو ۲۸۵ھ مین پیش آئی۔

بلاد اٹلی پر عام یورشین

اب دشمنون کو پسپا و پامال کر کے مسلمانون کے مختلف لشکر جنوبی اٹلی کے مختلف شہرون کی طرف روانہ ہوئے۔ جو شہر سامنے آیا اُس پر حملہ کر دیا۔ اور اتنے شہرون پر ایک ہی وقت مین بحری تاختین ہوئین کہ رومیون مین ہر جگہ ہل چل پڑ گئی۔ رعایا شہرون کو چھوڑ چھوڑ کے بھاگنے لگی۔ اور جو لوگ گھرون کو چھوڑ کے نہ بھاگ سکے اُن پر عربی تلوارون کا اس قدر رعب پڑا ہوا تھا کہ جس شہر پر عرب پہونچتے شہر والے مرعوب ہو جاتے اور جتنی رقم نذرانے یا جرمانے کے طریق پر مانگی جاتی فوراً ادا کر کے اپنی جان بچاتے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ امیر صقلیہ کا خزانہ چند ہی روز مین دولت سے مالا مال ہو گیا۔ اور گرد و پیش کے جزائر اور جنوبی صوبجات اٹلی پر اُن کی ہیبت چھا گئی۔

امیر احمد کا غلام یعیش والی صقلیہ

اس کے بعد ۲۸۹ھ تک امیر احمد بن حسن بن علی برابر صقلیہ پر حکومت کرتا رہا۔ اور بلاد اٹالیہ پر اُس کے مسلسل حملے جاری رہے۔ سنہ مذکور مین خلیفہ المعز لدین اللہ فاطمی نے جبکہ وہ مصر اور بلاد شام کے فتح کرنے مین مصروف تھا اس بہادر و کارگزار امیر صقلیہ کو اپنے پاس بلا لیا۔ اور اُس کی جگہ اُس کے غلام یعیش کو والی صقلیہ مقرر کر دیا۔

مسلمانان صقلیہ مین پہلا باہمی جھگڑا

صقلیہ مین مسلمان والیون نے ایک "دار الصناعہ" یعنی کارخانہ قائم کر رکھا تھا۔ جس مین فقط بنی کتامہ کے غلام کام کیا کرتے تھے۔ ہمین یہ نہین معلوم کہ اِس کارخانے مین کون کون چیزین بنتی تھین۔ بس یہ معلوم ہے کہ اُس پر غلامان بنی کتامہ نے اپنا حق پیدا کر لیا تھا۔ غلام والی نے کوشش کی کہ تمام قبائل افریقیہ و عجم کے لوگون کو اُس کارخانے مین شریک کرے۔ اور سب کو فنون و صنائع کی تعلیم دے۔ اِس تعمیم کا یہ نتیجہ ہوا کہ غلامان بنی کتامہ اور اِن دیگر قبائل عرب مین جو صقلیہ مین جا کے متوطن ہو گئے تھے۔ فساد ہوا۔ اور وہ فساد یہان تک بڑھا کہ قتل و خونریزی کی نوبت پہونچ گئی۔ آخر دیگر قبائل والون کی یورش سے بہت سے غلامان کتامہ قتل ہو گئے۔ جس سے ہنگامہ اور بڑھا۔ یعیش نے دونون گروہون کے سرغناؤن کو بلا کے صلح کرانی چاہی۔ مگر اِس کوشش مین بھی ناکامی ہوئی۔ اور کسی فریق نے سماعت نہ کی۔ انجام مین متفنی اور شورش پسند لوگ چارون طرف پھیل گئے۔ اور صقلیہ کے ہر شہر مین لوٹ مار مچ گئی۔ رعایا مین قتل و خون جاری ہو گیا۔ اور یعیش کے بنائے کوئی تدبیر نہ بن پڑتی تھی۔ اب طلیائیون نے اُن قلعون پر بھی دست درازی شروع کر دی جو ذمیون اور اسلامی حکومت کے وفادار و جزیہ گزار مسیحی حاکمون کے قبضے مین تھے۔ چند روز مین یہ خبر خلیفہ المعز کو پہونچی۔ وہ اپنی اِس غلطی پر پچھتایا کہ ایک اچھے مدبر کو ہٹا کے ایسا زبردست جزیرہ ایک کمزور غلام کے ہاتھ مین دیدیا۔ چنانچہ اُس نے فوراً یعیش کو ولایت سے معزول کر دیا۔ اور اُس کی جگہ پھر پہلے والی احمد بن حسن بن علی کو والی مقرر کیا۔

امیر ابو القاسم بن حسن بن علی نائب والی صقلیہ

مگر چونکہ احمد بن حسن ایسے خدمات سلطنت مین مصروف تھا کہ اُس کا صقلیہ مین جانا غیر ممکن تھا۔ اس لیے المعز ہی کے حکم سے احمد کا بھائی ابو القاسم بن حسن بن علی نائب والی مقرر کر کے صقلیہ مین بھیجا گیا۔ اُس کے آتے ہی لوگ خوش ہو گئے۔

سب نے اُس کے آگے سرِ اطاعت جھکا دیا۔ اور ابوالقاسم نے ایسے تدابیر اور ایسی حکمت عملی سے کام لیا کہ سارا جھگڑا مٹ گیا۔ اور چند ہی روز مین ہر جگہ نظم و نسق قائم تھا۔ ہم کو یہ نہین معلوم ہو سکا کہ نائب والی کس سنہ مین وارد صقلیہ ہوا۔ لیکن اِس مین شک نہین کہ ۳۵۹ھ اور ۳۶۵ھ ہجری کے درمیان کسی سال مین آیا ہو گا۔

اُس کی زبردست مہمین

۳۶۵ھ مین نائب امیر ابوالقاسم نے سُنا کہ مسینہ والون اور بلاد اٹلی کے لوگون نے حکومت اسلام سے سرتابی و سرکشی اختیار کی ہے فوراً اُس نے ایک زبردست لشکر جمع کیا جس مین محض بغرض ثواب آخرت اور فرض جہاد ادا کرنے کے شوق مین بہت سے علما و فضلا اور اتقیا و زہاد بھی اُس کے جھنڈے کے نیچے جمع ہو گئے۔ اِس لشکر کو لے کے وہ ماہ مبارک رمضان مین شہر مسینا پر پہونچا۔ شہر والون نے فوراً اظہار اطاعت کیا جن کو امان دی گئی۔ مگر خبر ملی کہ وہان سے قریب ہی دشمنون کا لشکر موجود ہے۔ ابوالقاسم نے اُدھر کوچ کیا۔ مگر دشمن اُس کے آنے کی خبر سنتے ہی بھاگ کھڑے ہوے۔ ابوالقاسم نے بڑھ کے شہر کسنتہ پر حملہ کیا۔ شہر والون نے پھاٹک بند کر لیے۔ اور مقابلہ شروع کیا۔ مسلمانون نے محاصرہ کر لیا۔ اور محاصرے کو شروع ہوے چند ہی روز گزرے تھے کہ کسنتہ والون نے امان مانگی۔ ابوالقاسم نے اُن کی درخواست قبول کی۔ اور اپنے حوصلے کے موافق نذرانہ لے کے اُنھین امان دی۔ اب سپہ سالار اسلام یہان سے کوچ کر کے شہر جلوا پر پہونچا۔ وہان بھی کسنتہ ہی کا سا واقعہ پیش آیا۔ اور یہی نہین کئی اور شہرون کی بھی وہی حالت ہوئی جو کسنتہ کی ہوئی تھی۔ آخر ابوالقاسم دولت و حشمت سے لدا پھندا شہر مدینہ مین واپس آیا۔ اور یہان اطمینان سے بیٹھ کے فوجون کے جمع کرنے اور بیڑے کے تیار اور مکمل کرنے مین مصروف ہوا۔ جس کوشش مین امیر صقلیہ مصروف تھا کاش اُس مین فاطمی خلیفہ المعز مصر و شام کی دُھن چھوڑ کے پوری قوت سے مصروف ہو جاتا تو اٹلی اور رومیہ مین آج اسلامی سلطنت ہوتی۔ اور یورپ کی کچھ اور ہی تاریخ ہوتی۔

ابوالقاسم کے بھائی قاسم کی بحری مہم

اُسی اثنا مین جبکہ ابوالقاسم مذکورہ شہرون پر حملے کر رہا تھا اُس نے اپنے بھائی قاسم کو اپنے زبردست بیڑے کا سردار اور امیر البحر بنا کے اطراف ٹیرولہ کی طرف روانہ کیا تھا۔ اور حکم دیا تھا کہ جنوبی اٹلی کے صوبہ قلوریہ کے ساحل پر لنگر انداز ہو کے چھوٹی چھوٹی فوجین اُس صوبے کے شہرون پر بھیجے۔ قاسم نے قلوریہ مین پہونچ کے یہی کیا۔ جن شہرون نے اطاعت کی اُن سے بھاری نذرانے لیے۔ جنھون نے سرتابی کی اُن کو لقمۂ شمشیر بنایا۔ بہت سی غنیمت حاصل کی۔ کثرت سے لونڈی غلام پکڑے۔ اور دولت و غنیمت سے لدا پھندا واپس آ کے شہر مدینہ مین اپنے بھائی نائب والی صقلیہ سے ملا۔

شہر رمطہ کی تعمیر

شہر ۳۵۴ھ مین شہر رمطہ مسلمانون کی یورش اور شہر والون کی سرکشی سے بالکل تباہ ہو گیا تھا۔ اور جیسا کہ ہم بیان کر آئے ہین اُس مین مسلمان آباد کیے گئے تھے۔ مگر مسلمانون کو وہان رہنے کی تکلیف تھی اِس لیے کہ تمام مکانات شکستہ و منہدم پڑے تھے۔ مسلمانون کی اِس تکلیف کا حال سن کے امیر ابوالقاسم نے ۳۶۶ھ مین اُس شہر کی تعمیر کا حکم دیا۔ جس کی فوراً تعمیل شروع ہو گئی اور چند ہی روز مین شہر اس قابل ہو گیا کہ رعایا اُس مین امان و اطمینان کے ساتھ رہ سکے۔

امیر ابوالقاسم کی دوسری مہم

اب اس امیر صقلیہ نے جو نائب ناظم تھا پھر جہاد کا سامان کیا۔ فوجین جمع کین اور فوراً کوچ کر کے قلعہ اغانہ پر پہونچا جو دشمنون کے ہاتھ مین تھا۔ قلعے والون نے امان مانگی۔ اور قلعے پر مع اُس کے سارے مال و اسباب کے قبضہ کر کے قلعہ والون

کو ویران کر دی گئی۔ یہان سے فارغ و غانم ہو کے کوچ کیا تو شہر طارنت پر پہونچا۔ یہ جنوبی اٹلی کا زبردست اور مشہور ساحلی شہر تھا۔ مگر شہر والون پر مسلمانون کے آنے کی ایسی ہیبت چھائی کہ ان کی آمد کی خبر سنتے ہی ساری رعایا شہر چھوڑ کے بھاگ کھڑی ہوئی۔ مگر شہر کے پھاٹک اندر سے بند کر کے اور فصیل پر سے اُتر اُتر کے سب لوگ چلے گئے تھے۔ مجاہدین اسلام پہونچے تو شہر کو آدمیون سے خالی اور پھاٹکون کو اندر سے بند پایا۔ لوگ سیڑھیان لگا کے فصیل پر چڑھے اور اندر اُتر کے پھاٹک کھولے تو لشکر اسلام شہر مین داخل ہوا۔ امیر ابو القاسم نے اندر گھستے ہی حکم دیا کہ جو کچھ مال و اسباب ملے لوٹ لیا جائے۔ پھر اس کے بعد مکانون مین آگ لگا دی جائے۔ اور وہ منہدم کر ڈالے جائین۔

اب یہین ٹھہر کے ابو القاسم نے اندرونی بلاد قلوریہ پر فوجین بھیجنا شروع کین۔ جو شہر اورنتا اور دوسرے شہرون پر حملہ آور ہوئین۔ اور وہ خود شہر غزولیہ (غزولیہ ؟) پر پہونچا۔ اہل شہر نے مقابلہ کیا۔ مجاہدین اسلام لڑے۔ جوہر شجاعت دکھایا۔ آخر شہر والون نے ہمت ہار دی۔ اور نذرانے مین ایک بہت بڑی رقم پیش کر کے اپنی جان بچائی۔ اب سب فوجین جو مختلف شہرون پر گئی تھین وہ بھی بہت کچھ مال و دولت حاصل کر کے اور بڑے بڑے نذرانے وصول کر کے واپس آئین اور ابو القاسم سب کو لے کے شہر مدینہ مین واپس آیا۔ مگر اُس سے کبھی خاموش نہین بیٹھا جاتا تھا۔ یون ہی اولو العزمی و حوصلہ مندی سے برابر کئی سال تک صقلیہ مین فرمان فرمائی کرتا رہا۔ اُس کی بہادری ہی نہین خوش تدبیری عدالت گستری اور فیاضی کی سارے جزیرے مین دھوم تھی۔ رعایا کے حال پر نہایت شفیق تھا۔ اور اُسکے اِن صفات کی شہرت افریقہ و یورپ دونون ملکون مین تھی۔ اگر اہل فرنگ مین اُسکے اِن فتوحات سے ہلچل تھی تو صقلیہ کی رعایا اُس پر فریفتہ اور اُس کی عاشق زار تھی۔ اور اُس کے حکمون کی سب لوگ بے عذر اطاعت کرتے۔

اُس کی فتوحات نے ساری مملکت ایطالیہ مین ایک تہلکہ ڈال دیا۔ اور سب کو اندیشہ ہوا کہ ایسا نہ ہو یہ فاتحین عرب جو جنوبی صوبون پر قابض ہو گئے ہین سارے اٹلی اور خود اُس کے دار السلطنت روما پر قابض ہو جائین۔

ہندوستان مین مشرقی تمدن کا آخری نمونہ

نشست برخاست ہی کے سلسلے مین ہمین یہ بھی بتا دینا چاہیے کہ یورپ یا عرب و عجم کی طرح ہندوستان مین باہم ملنے جلنے اور لطف صحبت اُٹھانے کے لیے کلبون اور سوسائٹیون کا رواج نہ تھا۔ یورپ مین ہر جگہ ایسے کلب یا ایسی سوسائٹیان قائم ہین جن مین جا کے لوگ احباب اور ہم مذاق لوگون سے ملتے اور اُن کی صحبت سے لطف اُٹھاتے ہین۔ عربون ایرانیون اور ترکون مین چار خانے یا قہوہ خانے میل جول اور مبادلۂ خیالات کا ذریعہ بن گئے ہین۔ جس طرح آپ دیکھتے ہین کہ جس جگہ دو چار انگریز ہوتے ہین اپنا ایک کلب قائم کر لیتے ہین اور فرصت کے اوقات مین وہان جا کے اخبار پڑھتے اور احباب سے ملتے ہین۔ اُسی طرح جس شہر مین ایرانیون اور عربون کی کافی تعداد ہوتی ہے وہان اُن کا کوئی چار خانہ یا قہوہ خانہ کھل جاتا ہے۔ اور اُس مین جس وقت دیکھیے اُن کا کوئی نہ کوئی گروہ ضرور موجود ہوتا ہے جو وہان چار اور حقے پیتے۔ کھاتے پیتے۔ اور ساتھ بیٹھ کے گپین اُڑاتے ہین۔

برخلاف اس کے ہندوستان مین کبھی اس قسم کے کلبون یا چار خانون کا رواج نہ تھا اور نہ آج تک ہے۔ سرکار انگریزی نے جابجا شہرون مین اس مذاق کے پیدا کرنے کی کوشش کی۔ بڑے بڑے مصارف کا بار اُٹھا کے چار خانے کھلوائے۔ مگر کامیابی نہ ہوئی۔ آج سے تیس بتیس سال پیشتر خاص لکھنؤ کے چوک مین میر محمد حسین صاحب مرحوم ڈئرکٹر زراعت و تجارت ریاست نظام نے حیدر آباد جانے سے پہلے گورنمنٹ کی اعانت سے ایک چار خانہ کھلوایا تھا جس مین فرنیچر بھی اچھا تھا۔ اور سوا نا جائز چیزون کے ہر قسم کے مشروبات تیار رہتے تھے۔ مگر کسی نے توجہ نہ کی۔ اور آخر میر صاحب کو نقصان اُٹھا کے اُسے بند کر دینا پڑا۔

یہان کا پُرانا مذاق صحبت یہ ہے کہ ہر محلے یا آبادی کے ہر حلقے مین کوئی خوش حال یا دولت مند شخص اپنے گھر مین لوگون کے آنے اور اُٹھنے بیٹھنے کا سامان کرتا ہے۔ احباب کی تواضع و خاطر داشت کے لیے پان وغیرہ ضروری چیزون کو وہ اپنے ذاتی صرف سے مہیا کرتا ہے۔ اور اُن کے ہم مذاق بلاناغہ اور

پابندی سے آتے ہین - دیر تک صحبت رہتی ہے - بذلہ سنجیان اور لطیفہ گوئیان ہوتی ہین اور جب تک صحبت قائم رہے حقے پان سے تواضع ہوتی رہتی ہے - اور پھر ہر یہان صحبت کے مذاق کے اعتبار سے اُن کی محفلون کا رنگ بھی بدلتا جاتا ہے - ارکان محفل اگر ادب اور شعر و سخن کا مذاق رکھتے ہین تو شاعری نثاری اور سخن آفرینی و سخن فہمی کا چرچا رہتا ہے اگر وہ علما و فضلا ہین تو عالمانہ مذاق کے ساتھ علمی مباحث چھڑتے ہین - اگر مہذب امرا کی صحبت ہے تو وضع و لباس - سامان عیش - کھانے پینے - اور ہر چیز کے برتنے اور ہر مذاق کے اختیار کرنے مین انتہا درجے کی نفاست و شائستگی اور رکھ رکھاؤ کے ساتھ تمیزداری ظاہر کی جاتی ہے - اگر رنگین مزاج عیاشون کی صحبت ہے تو اُس مین بازاری معشوقائین بھی شریک ہوتی ہین اور ناز آفرینی و ناز برداری کی ادائین نظر آتی ہین - یہ خیال رکھنا چاہیے کہ یورپ کی طرح یہان مردون کی کسی صحبت مین شریف و پاکدامن عورتین نہین شریک ہو سکتین - اور احباب کی محفل مین جب کوئی عورت نظر آئے تو یقین جان لیجیے کہ وہ عصمت فروش بازاری رنڈی ہے - اس کا نتیجہ یہ ہے کہ یورپ کی صحبتون مین شریف و شائستہ عورتون کے شریک ہونے کی وجہ سے بازاری عورتون کا درجہ و مرتبہ سوسائٹی مین اس قدر گر گیا کہ کسی شریف خاندان کا دروازہ ان کے لیے نہین کھل سکتا - اور نہ شرفا کے کلبون اور سوسائٹیون مین وہ قدم رکھ سکتی ہین - بخلاف اس کے ایک حد تک سارے ہندوستان مین اور اُسی طرح لکھنؤ مین بازاری عورتون کو یہ رتبہ حاصل ہو گیا کہ مہذب و شائستہ امرا کی محفلون مین اُن کے پہلو بہ پہلو بیٹھین - اور یہان اس مذاق مین یہان تک ترقی ہوئی کہ بعض معزز رنڈیون نے بھی اپنے گھرون مین ایسی ہی نشست و برخاست کی صحبتین قائم کر دین جن مین جاتے بہت سے مہذب لوگون کو بھی شرم نہین آتی - لکھنؤ مین چودھرائن - بی حیدر جان اور اسی پائے کی چند اور رنڈیون کے مکان اچھے خاصے شرفا کے کلب تھے جن مین صاحب محفل یعنی اُن بی صاحب کی طرف سے حقے پان کی بخوبی خاطر کیجاتی - انگریزی مذاق نے آپ آپنی اصلاح ضرور کی ہے کہ اگرچہ طرح طرح کی نئی بداخلاقیان پیدا ہو گئی ہین مگر

رنڈیون کے گھرون مین ملا ئیہ بیٹھ کے لطف صحبت اُٹھانا ذرا معیوب سمجھا جانے لگا ہے۔

بہرحال لکھنؤ کے کلب خوش باش لوگون اور امیرون کے گھر تھے۔ یہان یہ طریقہ نہایت ہی معیوب تھا اور اب تک ہے کہ ساجھے کی ہانڈی پکائی جائے۔ یا حاضرین محفل چندہ دے کے اور اپنے اپنے داون کا حقہ پان یا کھانا پانی ایک ساتھ بیٹھ کے کھائین پئین۔ یہان چندے کے ڈنر قوم کے لیے مایۂ شرم اور خلاف شرافت تھے۔ اور یہان کی تمام دعوتین عام اس سے کہ خوشی کی تقریب مین ہون یا محض دوستانہ ہم صحبتی کے لیے فقط ایک شخص کی طرف سے ہوا کرتین۔ دوسرا اگر استطاعت رکھتا ہو تو اپنی طرف سے پوری دعوت دے سکتا ہے یہ نہین کر سکتا کہ اپنی دعوت مین مجھ سے کھانے کے پانچ روپیہ لے کے مجھے بھی شریک کر لیجیے۔

دہلی کے تاجرون مین پتی پڑنے کا رواج ہے۔ یعنی بہت سے تاجر مل کے چندہ جمع کرتے ہین اور اس رقم سے کوئی دعوت یا رقص و سرود کی صحبت کسی گھر مین یا باہر کی تفرج گاہون مین کی جاتی ہے۔ مگر ہمین یقین ہے کہ یہ طریقہ وہان کی تجارت نے زوال سلطنت کے بعد نکال لیا ہے۔ شرفاے دہلی کا یہ مذاق ہرگز نہ تھا۔ اس لیے کہ دہان کے شرفا مین ہوتا تو لکھنؤ مین بھی ہوتا جو معاشرت مین دہلی کا شاگرد اور اُسی کے اگلے نکھرے مذاق کا نام لیوا ہے۔

(۶) صاحب سلامت اور مزاج پُرسی۔ آداب معاشرت مین چھٹی چیز جو سب باتون سے زیادہ اہم اور ضروری ہے سلام کرنا اور جس سے ملین اُس کا مزاج پوچھنا ہے۔ اسلام کا قدیم مذہبی اور سیدھا سادہ سلام السلام علیک اور بہت سے لوگ ہون تو "السلام علیکم" ہے۔ اس کے ساتھ ہی وہ لوگ اس سلام کے بعد ہر ملنے والے سے صبح کو ملین تو "صبّحکم اللہ بالخیر" یعنی اللہ تمھاری صبح خیریت سے گزرانے۔ اور شام کو ملین تو "مسّاکم اللہ بالخیر" کہا کرتے تھے۔ یہی سلام اور مزاج پُرسی عربون کی تھی جسے تعلیم دیتے ہوے وہ مغرب مین اندلس تک چلے گئے۔ اور مشرق مین ہندوستان تک چلے آئے۔ یورپ مین یہی طریقۂ صاحب سلامت اُن سے اہل فرنگ نے سیکھا اور مشرق مین ایرانیون تورانیون اور ہندوستانیون نے سیکھا۔

چنانچہ یورپ مین اصلی سلام جو اسلام کا خصیصہ تھا وہ تو غائب ہوگیا۔ فقط سلام کے بعد والی دعائین "صبحکم اللہ بالخیر" اور "مساکم اللہ بالخیر" باقی رہ گئین۔ اُنھین کا ترجمہ "گڈ مارننگ" اور "گڈ ایوننگ" آج تک ہم صاحب سلامت مین انگریزون کی زبان سے سنتے ہین۔ فرانسیسی مین "بون متین"۔ "بون ژور" اور "بون سوار" یعنی تمھاری صبح۔ دن اور شام اچھی ہون کہا جاتا ہے۔ اس مین کوئی شک نہین کہ ان مغربی قومون کو صاحب سلامت کا یہ سبق اندلس کے عرب فاتحون سے ملا ہے۔

ہندوستان اور ایران مین چونکہ بزرگون کی پرستش کا رواج تھا اور یہ چیز ان مشرقی لوگون کے رگ و پے مین سماتی ہوئی تھی اس لیے خالی خولی "السلام علیکم" کے الفاظ جو افراد قوم کی مساوات کو قائم کرتے تھے دولت مندون کو اپنے تجبر اور اپنی نخوت کے جوش مین بہت پھیکے اور اپنی شان سے کم نظر آئے۔ خصوصاً جب یہان شاہنشاہی دربار قائم ہوا اور تاجدارون نے اپنی تعظیم و تکریم کرانے مین سارے اسلامی آداب کو مٹا دیا۔ درباریون کو اپنے سامنے اُسی طرح ہاتھ باندھ کے کھڑے ہونے اور اپنی تعظیم مین جھکنے کا حکم دیا جس طرح کہ بندے خدا کے سامنے ہاتھ باندھ کے کھڑے ہوتے اور رکوع و سجود کرتے ہین تو شاہی دربار کی پیروی مین تمام امرا اور دولت مندون نے بھی بجاے "السلام علیکم" کے دیگر تعظیمی الفاظ سلام کے لیے مقرر کیے۔ مثلاً "تسلیم"، "کورنش"، "آداب"، "بندگی" اور خود پرست و خدا فراموش امراے اسلام کی برکت سے فی الحال یہ سب الفاظ ہمارے سلام مین عرب مین "السلام علیکم" کہنے کے ساتھ سوا خندہ جبینی کے کوئی اور حرکت نہین کی جاتی تھی۔ فقط سلام کے بعد ایک ہاتھ سے مصافحہ کیا جاتا۔ مصافحے مین ہاتھ کو حرکت دیجاتی اور اُسی کے ساتھ "صبحکم اللہ بالخیر" یا "مساکم اللہ بالخیر" کہا جاتا۔ اس عربی طرز صاحب سلامت کی یادگار مین اب یورپ مین سر کی ایک خفیف حرکت کے ساتھ "گڈ مارننگ" وغیرہ کہتے اور ہاتھ کو ملا کے جھٹکا دیتے ہین۔ بخلاف اس کے ہندوستان مین اب پورا اسلام یہ ہے کہ مذکورۂ بالا الفاظ کہنے کے ساتھ ہاتھ کو سر یا پیشانی پر رکھتے اور رکوع کے درجے تک یا اس سے کسی قدر کم جھکتے ہین۔ یہ جھکنا اور پیشانی پر ہاتھ رکھنا خالص ہندوانہ اثر اور مشرکانہ جذبات

کی یادگار ہے۔ ان دونون باتون مین اشارہ ہے کہ ہم آپ کے قدمون پر سر جھکاتے اور آپ کے سامنے زمین بوس ہوتے ہین۔

اسی قدر نہین بادشاہون اور امیرون کے دربارون مین سلامون کی تعداد مقرر تھی کہین سات سلام کیے جاتے۔ اور کہین تین۔ عام بزرگون اور دوستون سے ملنے مین ایک سلام کافی تھا۔ لکھنؤ مین چونکہ آداب و حفظ مراتب کا زیادہ خیال تھا اِس لیے خُردون کا سلام بزرگون سے اور نیز متوسط درجے والون کا معزز لوگون سے یہ ہے کہ الفاظ مذکورہ مین سے کسی ایک کو زبان سے ادا کرنے کے ساتھ داہنے ہاتھ کو سینے یا چہرے کے سامنے تک اُٹھا کے کئی بار حرکت دیجاے۔ خُردون کے لیے آج تک یہ نہایت ہی پسندیدہ اور سعادتمندانہ سلام ہے۔ یہ ہاتھ کو کئی بار حرکت دینا متعدد سلامون کا اشارہ ہے۔ علی ہذا القیاس اکثر لوگ تسلیم اور کورنش کو جمع کے صیغون مین استعمال کر کے جو کہتے ہین "تسلیمات" اور "کورنشات" یہ بھی سلام کے تعدد کی یادگار ہے۔

اب ہم مذکورۂ بالا مروجہ الفاظ سلام کے معنی اور اُن کی شان صلیت جدا جدا بیان کرتے ہین۔ تسلیم کے معنی عربی مین سلام کرنا" ہین بظاہر "السلام علیکم" کو چھوڑ کے فعل کا صیغہ استعمال کرنا لغو سا معلوم ہوتا ہے۔ مگر یہان کی سوسائٹی مین یہ سمجھا گیا کہ بجاے سلام کرنے کے "مین سلام کر رہا ہون" کہنے مین زیادہ اظہار تعظیم ہوتا ہے۔ کورنش ترکی زبان کا لفظ ہے جو ترکی فاتحان ہند کے ساتھ یہان آیا اس کے معنے سلام کے لیے جھکنے کے ہین۔ لہذا اِس مین بھی جھک کے زمین بوس اور قدمبوس ہونے کا خیال موجود ہے۔ آداب فقط ادب کی جمع ہے۔ سلام کے محل پر اُس کے زبان پر لانے کا یہ منشا ہے کہ ادب و تعظیم کے جتنے طریقے ہین مین اُن سب کو بجالاتا ہون۔ بندگی یہ تمام الفاظِ سلام سے زیادہ ذلیل اور مشرکانہ لفظ ہے بندگی کے معنی پوجنے اور عبادت کرنے کے ہین۔ سلام مین اِس کا منشا اس کے سوا اور کوئی نہین ہو سکتا کہ مین حق عبودیت بجالاتا ہون۔ جو مسلمانون کے عقائد کی رو سے خدا کے سوا اور کسی کے مقابل نہین کہا جا سکتا۔

ان ہندوستانی سلامون کے عرب مین جو الفاظ "السلام علیکم"

کہے جاتے ہین اُن کا لغوی ترجمہ یہ ہے کہ "تم پر سلامتی"، یا صاف اردو مین یون کہیے کہ "تم سلامت رہو"، یعنی سلام کرنا دراصل ہر ملنے والے کو سلامتی کی دعا دینا ہے۔ اسلام نے اس پر ترقی یہ کی کہ "سلام" خدا کا پیام ہے جو رسول خدا صلعم نے مسلمانون کو پہونچایا۔ اور قیامت تک آپ کا یہ پیام ہر مسلمان دوسرے مسلمان کو پہونچاتا رہے گا۔ السلام علیکم مین سلام پر جو الف لام لگا ہوا ہے اُس مین صاف اِسی جانب اشارہ ہے کہ وہی سلام جو حضرت رسالت کا پیام ہے تم کو پہونچے۔

اسلام کی اصلی سلام کے اِن معنون اور اُس کے مقصد کو سمجھ کے ہر شخص اندازہ کرسکتا ہے کہ یہ سلام قومی مساوات کا خیال دلانے اور تمام پیروان رسالت محمدی مین قومیت و اخوت پیدا کرنے کا ذریعہ ہے۔ مگر افسوس مسلمانون نے اُس کو چھوڑ دیا۔ اور ہمارا فضول تبختر اب ہمین یہ خیال دلاتا ہے کہ کسی معمولی مسلمان کا ہم سے ملتے وقت السلام علیکم کہنا ہماری توہین کرنا ہے۔ اِس پر طرہ یہ ہوا کہ شیعہ سُنی کے اختلاف نے چونکہ یہ شان پیدا کر دی ہے کہ دونون بجائے ایک قوم بننے اور ایک جماعت ثابت ہونے کے ایک دوسرے سے جدا اور ممتاز رہنا چاہتے ہین عوام ہی نہین دونون فریقون کے متاخر علما و مصنفین تک نے اپنے اپنے فریق کو دوسرے کے عادات و اطوار سے نفرت کرنے کا سبق دیا ہے اس رجحان کا نتیجہ یہ ہوا کہ عرب و عجم تک مین تو شیعہ و سُنی دونونکا سلام "السلام علیکم" تھا مگر ہندوستان خصوصاً لکھنؤ کے شیعون نے السلام علیکم کو سنیون کے سر رکھ کے اپنے لیے "سلامٌ علیکم" کے الفاظ مخصوص کر لیے ہین۔ وہ زیارت ائمہ پڑھتے ہین تو وہی پُرانے الفاظ مثلاً "السلام علیک یا ابا عبداللہ علیہ السلام" کہتے ہین مگر ملنے جلنے والون سے جب صاحب سلامت کرتے ہین تو کہتے ہین "سلامٌ علیکم" اس لیے کہ "السلام علیکم" سنیون کا سلام ہے۔

تاہم زیادہ تر یہ اگلا عربی سلام سنی اور شیعہ دونون مین مذہبی لوگون کے لیے مخصوص ہو گیا ہے یا مذہبی شان و وضع مین داخل ہے [illegible] امرا کی سوسائٹی مین "آداب" و "تسلیم" کا عام رواج [illegible] تندگی بھی

اکثر لوگ کہتے ہین - مگر یہ لفظ عورتون مین زیادہ مروّج ہے -
لکھنؤ مین پُرانا مہذب اور شائستہ لوگون کا سلام یہ تھا کہ چھوٹا بڑے سے یا غریب امیر سے نہایت جھک کے تسلیم یا آداب کہے - جواب مین بزرگ خردون سے کہین "جیتے رہو" "بڑے ہو" "صاحب اقبال ہو" امرا غریبون کے لیے بغیر جھکے فقط ہاتھ اُٹھا دین یا ہاتھ اُٹھانے کے ساتھ اُنھین الفاظ تسلیم و آداب کا اعادہ کر دین - یا بندگی کہدین - مگر برابر والون کا طریقہ جواب دینے مین یہ تھا کہ راہ چلتے مین صاحب سلامت ہو تو اُسی طرح نہایت جُھک کے تسلیم یا آداب کہین - اور اگر کسی محفل مین بیٹھے ہون تو پوری طرح اُٹھ کھڑے ہون اور جھک کے جواب دین - سلام کے بعد ایک دوسرے سے کہے "مزاج شریف" یا "مزاج اقدس" یا "مزاج مبارک" یا "مزاج معلیٰ" اور دوسرا ہاتھ جوڑ کے کہے "دعا کرتا ہون" تقریباً ساری ہندوستان مین مہذب و شائستہ لوگونکا طریقہ سلام اور مزاج پرسی یہی ہے - مگر لکھنؤ مین اور چند اور شہرون مین جہان ہندوستانی ریاست قائم ہے - اور کوئی دربار موجود ہے اُن طریقون کے ادا کرنے مین زیادہ اہتمام کیا جاتا ہے اور اِس مین کمی ہونا بدتمیزی خیال کی جاتی ہے -

مگر اب چند روز سے خصوصاً لکھنؤ مین عوام اہل حرفہ اور ادنے طبقے والون مین اگلے دربار اور اُس کے آداب کے مٹ جانے سے "السلام علیکم" کہنے کا بہت رواج ہو گیا ہے - خدا کرتا امرا بھی اس کی پیروی کرتے - اور ادنے و اعلےٰ کا امتیاز بالکل اُٹھ جاتا -

انجمن اشاعۃ الاسلام لکھنؤ

دسمبر ۱۹۱۵ء کے دلگداز مین ہم اہل اسلام کو اس انجمن کے قائم ہونے کا مژدہ سُنا چکے ہین - اس کی ضرورت کا اندازہ کرنے کے لیے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اِس انجمن کے قیام کی بخرض سے مولوی احمد اللہ صاحب ناظم جامعۃ الہیہ کانپور نے جو خط ارسال فرمایا ہے اُس کا خلاصہ شائع کر دین وہ تحریر فرماتے ہین :-

[illegible]لات موجودہ - اقوام غیر کی سعی - اور آئے دن ارتداد کے واقعات - پوری توجہ - کافی احتیا[illegible] [illegible]رگرم کوششون کا تقاضا کر رہے ہین - آریہ سماج کے قدم افغانستان

(علاقۂ متصل پشاور) تک پہونچ چکے ہین۔ پُرانے خیال کے ہنود نے بھی شُدھی (تبلیغ) کو جائز قرار دیدیا ہے۔ اور بمبئی و کاٹھیاوار مین مسلمانون کے ہندو بنانے کی کوششین جاری ہین۔ سکھ۔ پارسی۔ جینی بھی تبلیغ کے میدان مین آچکے ہین۔ دیو سماج۔ برہمو سماج تھیاسوفسٹ اور بہائی مذہب کے منادا اپنے اپنے مذہب کی مستقل بنیادین قائم کر رہے ہین۔ اور ہر مذہب کے پیرو کو اپنے دائرے مین داخل کرتے ہین۔ عسائیت جو اسلام کی قدیم دشمن ہے اُس کا دائرۂ عمل۔ ترتیب پروگرام اور تمام ہندوستان مین خفیہ و علانیہ بچھا ہوا دام تزویر جس درجہ خطرات کا اندیشہ پیش کر رہا ہے۔

اسلام جن مشکلات مین آج مبتلا ہے کبھی اس قسم کے حادثے اُس کے سامنے نہین آئے۔ آج سے چند صدی قبل قریب دو سائنس کا وجود اِس قدر عام نہ تھا جتنا کہ آج ہے۔ علاوہ ازین اُس وقت صرف مسلمان بیدار تھے اور اُن کے حریف غافل۔ آج مسلمان موت نما نیند کی غفلت مین مبتلا ہین اور اُن کے حریف نہ صرف بیدار بلکہ بیداری کے جملہ لوازم اپنے اندر رکھتے ہین۔ جہد الحیوۃ اور تنازع البقا کے اصول کے ماتحت ہر طرح کی امکانی سرگرمیان ظاہر کر رہے ہین۔

ضرورت ہے کہ اشاعت و تبلیغ کے متعلق جس قدر ضروریات اور مقتضیات ہین اُن پر وسیع اور غائر نظر ڈال کر کامل احتیاط اور بغایت ہوشیاری کے ساتھ یہ مقدس فرض انجام دیا جائے۔ اور خلوص جو ہم مین بدقسمتی سے کم ہے اُس کے حصول کی کوشش مقدم تر سمجھی جائے۔"

ہم مسرت سے ظاہر کرتے ہین کہ جن جن مقامات مین مسلمانون کو اِس انجمن کے قیام کا حال معلوم ہوا اُن مین ایک تحریک پیدا ہو گئی ہے۔ چنانچہ مولوی مسعود الزمان صاحب جو اِس انجمن کے سابقین الاولین مین ہین اپنے ۴ جنوری کے خط مین تحریر فرماتے ہین "آج ایک جلسہ کے بیان باندے کے لیے ایک شاخ باندے کی لوکل انجمن قائم کی گئی ہے۔ زیادہ تر ضرورت اِس جلسہ مین یہ محسوس ہوئی کہ ایک عالم جو ایثار نفس کے ساتھ تھوڑی تنخواہ مثلاً بیس روپیہ ماہوار پر کام کر سکے جلد سے جلد بلایا جائے۔"

مولانا محمد عبدالباری صاحب کو بھی اُنھون نے ایک ایسے عالم کے منتخب کرنے کو تحریر فرمایا۔ مولانا چونکہ انجمن کے مربی ہین اس لیے اُنھون نے ایک ذی علم واعظ و معلم دین کو منتخب فرما دیا ہے۔ جو عنقریب باندے بھیجے جائین گے۔ آیندہ پرچے مین ہم اُن عالم صاحب کا نام بھی شائع کر دین گے۔

(ناظم جلسہ)
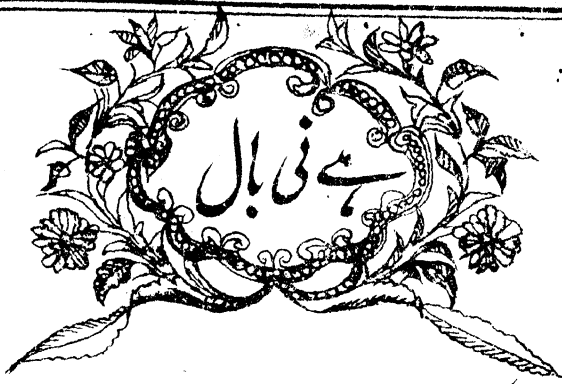
جب کسی قوم اور سلطنت کا زوال شروع ہو جاتا ہے تو اُس کی تباہی سے پہلے اس قوم میں کوئی نہ کوئی شخص ایسا ضرور پیدا ہوتا ہے کہ اگر ملک و قوم اُس کا ساتھ دین تو بہت ممکن ہے کہ وہ اپنے وطن کو تباہی و بربادی سے بچا لے۔ یہی حال قرطاجنہ کے مشہور و معروف سپہ سالار ہے نی بال کا ہے۔ رومۃ الکبری اور قرطاجنہ کی لڑائیان قرطاجنہ والون کے لیے تباہی کا باعث ہوئین۔ اور اسی زمانے مین یعنی آغاز جنگ کے اٹھارہ سال بعد ہے نی بال پیدا ہوا۔ اُس کے باپ کا نام ہےمل کر برقاس تھا۔ قرطاجنہ مین اس کا خاندان ایک خاص رتبہ رکھتا تھا۔ رومۃ الکبری اور قرطاجنہ کی تاریخون مین ہے نی بال کو خاص شہرت حاصل ہے۔ اور جب ہم یہ دیکھتے ہین کہ بغیر اپنے ملک کی مدد کے اُس نے سولہ سال سے زیادہ زمانے تک رومۃ الکبری کی عظیم الشان سلطنت کا مقابلہ کیا بلکہ حالت یہان تک نازک ہوگئی تھی کہ قریب تھا اُسے بیخ و بنیاد سے اکھاڑ کے پھینک دے تو ہمین اُس کی عالی ہمتی اور شخصیت کا اندازہ ہو سکتا ہے۔ روما مین جمہوری سلطنت قائم تھی اُس وقت تک جتنی لڑائیان ہوئین اُن مین اُسے فتح ہوئی تھی۔ لیکن ہے نی بال کی جنگ اس کے لیے زندگی اور موت کا سوال تھا۔ اور اُس کے سب مشہور و معروف سپہ سالار اُس مین مصروف تھے۔ مگر یہ ضرور ہے کہ کسی وقت اُن کے استقلال مین فرق نہین آنے پایا۔ اور ملک کے سارے ذرائع دشمن کی مدافعت مین مصروف تھے۔ لیکن اگر قرطاجنہ والون نے بھی رومۃ الکبری والون کی طرح اپنے سپہ سالار کی مدد کی ہوتی تو یقیناً اس جنگ کا نتیجہ کچھ اور ہی ہوتا۔ غالباً رومۃ الکبری کی قسمت کا ستارہ ہمیشہ کے لیے غروب ہو جاتا اور رومیون کی

طرح قرطاجنہ والے ساری مہذب دنیا کے مالک ہوتے۔

معلوم ہوتا ہے کہ ہنی بال کو رومیون سے دلی عداوت تھی۔ اور غالباً یہ خیال اُس کے دل مین اُس کے باپ نے پیدا کیا کیونکہ وہ اُسے ایک مندر مین لے گیا اور اُس سے قسم لی کہ ہمیشہ رومیون کو نفرت وحقارت کی نظر سے دیکھتا رہون گا۔

ہنی بال کے بچپن کے واقعات اِس قدر گمنامی مین ہین کہ اُس کی تعلیم وتربیت کا حال مورخین کو بہت کم معلوم ہو سکا ہے۔ اس قدر پتہ چلتا ہے کہ اُسے آغاز عمر سے سپہ گری کی تعلیم دی گئی۔ باپ کے انتقال کے وقت اُس کی عمر ۱۸ سال کی تھی۔ اس کے بعد آٹھ سال وہ اپنے بہنوئی ہیس ڈروبال کے ہمراہ فوج مین رہا کیونکہ ہیمل کر کے انتقال کے بعد ہیس ڈروبال جو اس کا داماد تھا ہسپانیہ کی فوج کا سپہ سالار اعظم مقرر ہوا۔ وہ بھی رومیون کا سخت دشمن تھا اور اُسی کی صحبت کا اثر تھا کہ ہنی بال کے دل مین رومیون کی عداوت کا خیال جم گیا۔ ہیس ڈروبال نے مسلسل آٹھ سال ہسپانیہ کی ساری آمدنی فوج کی اصلاح مین صرف کی۔ اور اٹلی پر حملہ کرنے والا تھا کہ کسی شخص نے ذاتی عداوت کی بنا پر اسے قتل کر ڈالا۔ اس اثنا مین فوج کا ایک ایک سپاہی ہنی بال سے واقف ہو چکا تھا۔ ہر شخص کے دل مین اُس کی عظمت قائم ہو چکی تھی لہذا فوج والون نے خود ہی اُسے اپنا سپہ سالار اعظم منتخب کر لیا۔ اور قرطاجنہ کی گورنمنٹ نے بھی اُسے منظور کر لیا۔

ہسپانیہ کے بعض علاقے ابھی تک قرطاجنہ کے ماتحت نہین ہوئے تھے۔ ہیس ڈروبال نے کوشش کر کے اس کے ایک بڑے حصے کو اپنے قبضے مین کر لیا تھا۔ ہنی بال کو سب سے پہلے اس کی فکر ہوئی کہ ہسپانیہ کا سارا علاقہ اپنے قبضے مین آجائے۔ یہ خیال کر کے سب سے پہلے وہ اُس پہاڑی علاقے مین داخل ہوا جو قوتسہ کہلاتا تھا اور دریائے تنو قرکے تیز سب واقع تھا۔ ہنی بال اپنی فوج لے کے اُس کے دارالسلطنت کی جانب بڑھا اور پہاڑی لوگون کو شکست دے کے اس شہر پر قبضہ کر لیا۔

ادھر سے اطمینان کر کے ہنی بال نے اپنی فوجین سلامانقہ کیطرف بڑھائین کیونکہ وہ لوگ بھی اس وقت تک مطیع نہین ہوئے تھے لیکن ایک ہی لڑائی مین اُن کا خاتمہ ہوگیا۔ وہ شکست کھا کے بھاگے اور سرتابی کی جرأت نہ کرسکے۔ اسی سلسلے مین ہنی بال دریاے ایبرو کے پار اُترا اور اُس کے جنوب مین جو قومین آباد تھین اُنھین اپنا مطیع کر لیا۔ اب فقط شہر سےگن ٹم رہ گیا تھا۔ اور خیال تھا کہ اُس کے فتح ہو جانے کے بعد سارے علاقۂ اسپین مین کوئی خودسر شہر نہ رہ جائے گا۔

سےگن ٹم اس زمانے مین بڑا مشہور شہر تھا۔ مشرقی اسپین مین ساحل سے فقط ایک میل ہٹ کر واقع ہوا تھا۔ موجودہ شہر مرویدرو کے قریب اُس کے کھنڈر اب تک باقی ہین۔ رومیون سے اور سےگن ٹم والون سے تجارتی تعلقات قائم تھے۔ ایک چھوٹے سے آزاد شہر کو قرطاجنہ والے مغلوب کر لین اور رومیون کی سی عظیم الشان اور انصاف پسند سلطنت بیٹھی دیکھا کرے! بھلا یہ کیسے ممکن تھا! فوراً لوگ بھیجے گئے تاکہ ہنی بال کو سمجھا بجھا کے اس ارادے سے باز رکھین۔

اس اثنا مین ہنی بال نے بڑھ کے شہر سےگن ٹم کا محاصرہ کر لیا۔ رومۃ الکبریٰ کے سفیر اُس کے پاس پہونچے اور ملاقات کی درخواست کی مگر اُس نے ملنے سے قطعی انکار کر دیا۔ مجبوراً وہ لوگ یہ شکایت لے کے قرطاجنہ گئے مگر وہان بھی اُنھین کامیابی نہ ہوئی۔ آخر مایوس ہو کے رومۃ الکبریٰ مین واپس آئے اور سمجھ گئے کہ اب سواے جنگ کے کوئی چارہ نہین ہے۔

ہنی بال نے سےگن ٹم کا محاصرہ نہایت سختی سے قائم رکھا اور آٹھ مہینے کے بعد اُس پر قبضہ کر لیا۔ اس شہر کے مفتوح ہوتے ہی اٹلی پر حملہ کرنے کا راستہ صاف ہوگیا تھا۔ اب اسپین مین کوئی طاقت ایسی نہ تھی جو ہنی بال کو روک لیتی۔ [illegible] شمالی قومین اب بھی رومیون کے ہمخیال نظر آتی تھین۔ مگر ہنی بال [illegible] سبب یہ راے قائم کر لی تھی کہ چونکہ وہ اٹلی کے راستے مین ہین لہذا جاتے وقت اُن [illegible] سمجھ لیا جائے گا۔ رومیون کے وہم و گمان مین بھی نہ

آسکتا تھا کہ ایک بڑی فوج کوہسار آلپس سے اس پار آسکتی ہے۔ مگر ہنی بال کے دل مین یہ خیال پہلے دن سے قائم تھا۔ اور اُس نے اپنے خفیہ جاسوس بھیج کے علاقہ گال (فرانس) کی اُن کی قومون کو جو کوہسار آلپس کے دامن مین آباد تھین اپنا ہم خیال بنا لیا تاکہ جب اُس کی فوجین وہان پہونچین تو وہ لوگ کسی قسم کی دشمنی نہ کرین بلکہ سامان رسد وغیرہ بہم پہونچا دین۔ انھین لوگون کے ذریعے سے اُسے یہ معلوم ہو گیا کہ کوہسار آلپس کے دشوار گزار درون مین سے اُس کی فوجون کا گزر جانا غیر ممکن نہین ہے۔

رومی سمجھے ہوے تھے کہ ہمارا اور قرطاجنہ والون کا میدان جنگ ہسپانیہ ہوگا۔ لیکن ہنی بال نے ارادہ کر لیا کہ خاص اٹلی مین پہونچ کے رومیون پر حملہ کیا جائے۔ لہذا پورا ایک سال اس مہم کی تیاری مین صرف ہوا۔ اپنے سپاہیون کو ہنی بال نے اجازت دیدی کہ اپنے گھرون مین ہو آئین۔ کیونکہ ممکن ہے پھر اُنھین جانے کا موقع نہ ملے۔ اپنے بھائی کو جس کا نام بھی ہسڈربال تھا اسپین کا گورنر مقرر کیا۔ اور سب سے بڑی ہوشیاری یہ کی کہ اسپین اور افریقہ مین جو فوجین انتظام اور امن قائم رکھنے کے لیے متعین تھین اُنھین ایک مقام سے دوسرے مقام پر بدل دیا تاکہ شورش نہ کر سکین۔ اس طرح کامل اطمینان حاصل کر کے نوے ہزار پیدل اور بارہ ہزار سوارون کے ساتھ اٹلی کیطرف کوچ کر دیا۔ کہا جاتا ہے کہ اس کے ساتھ چند ہاتھی بھی تھے۔

کوہسار پیری نیز کے دامن مین جو قومین آباد تھین وہ سب رومیون کی طرفدار تھین۔ ہنی بال کو اُنھین مغلوب کر کے راستہ نکالنا پڑا۔ اس لڑائی مین اُس کے چند آدمی ضائع ہوئے۔ لیکن سب سے بڑی مشکل یہ آپڑی کہ ہسپانی سپاہیون مین سے بعض نے راستے کی مصیبتون کا خیال کر کے آگے بڑھنے سے انکار کر دیا۔ لہذا جتنے لوگ اس خیال کے ملے ہنی بال نے اُنھین واپس کر دیا کیونکہ زبردستی ساتھ لے جانے کا کوئی نتیجہ نہ تھا۔ پیری نیز سے کے اُس پار پہونچ کے ہنی بال کے ساتھ پچاس ہزار پیدل اور نو ہزار سوار رہ گئے۔ لیکن یہ لوگ بڑے تجربہ کار نبرد آزما تھے۔

رومیون کو ابھی تک ہے نی بال کی اس نقل و حرکت کی خبر نہ تھی۔ وہ اطمینان کے ساتھ ہسپانیہ پر حملہ کرنے کی تیاریون مین مصروف تھے۔ اور ساٹھ جہاز اسپین کی جانب روانہ کیے۔ رومیون کا سپہ سالار پب لیس سی پیو اسپین کی طرف جاتا ہوا دریاے رون کے قریب پہونچا تو اُسے یہ معلوم کر کے سخت تعجب ہوا کہ ہے نی بال اپنی فوجون کے ساتھ وہان تک آ پہونچا ہے۔ رومی سپہ سالار نے اب اسپین جانا بیکار خیال کیا۔ اپنی فوجین خشکی پر اُتار دین اور ہے نی بال پر حملے کی تیاریان کرنے لگا۔ لیکن ہے نی بال کو یہان لڑنا بے سود نظر آیا۔ اُس نے رومیون کی پروا بھی نہ کی اور اپنی فوجین آگے بڑھا دین۔ اب اُس کے سامنے آلپس کی سر بفلک چوٹیان تھین۔ اُس مین سے گزرنا کوئی آسان کام نہ تھا۔ اُس کی وادیون اور دروّن مین سے گزرنا دشمن کے مقابلے سے زیادہ خوفناک تھا۔ ہر ہر قدم پر مشکل کا سامنا ہوتا۔ لیکن اُس کے استقلال مین کسی قسم کا فرق نہین آیا۔ اور پندرہ روز مین وہ کوہسار آلپس کے اس پار تھا۔ اس دشوار گزار راستے مین اُس کے بہت سے آدمی بھی ضائع ہوئے اور جب ہے نی بال اٹلی مین داخل ہوا تو اُس کے پاس فقط بیس ہزار پیدل اور چھ ہزار سوار رہ گئے تھے۔ اِس مختصر سی فوج کے ساتھ وہ رومتہ الکبریٰ کی عظیم الشان سلطنت کو تہ و بالا کرنے آیا تھا۔

رومی سپہ سالار سی پیو کو جب یہ معلوم ہوا کہ ہے نی بال کوہسار آلپس سے گذر کے اٹلی پر حملہ آور ہو گا تو فوراً ایک حصۂ فوج اپنے ہمراہ لے کے جہازون کے ذریعہ سے اپنے ملک کی حفاظت کے لیے واپس چلا آیا۔ دریاے ٹے سی نس کے کنارے ایک لڑائی ہوئی۔ جس مین رومیون کو شکست ہو گئی۔ اور رومی سپہ سالار سی پیو کو اپنے ملک کا ایک بڑا حصہ خالی کر دینا پڑا۔ شہر پیاسن زا کے قریب دوسرا معرکہ ہوا۔ لیکن اس مین بھی سی پیو کو شکست ہوئی اور وہ خود زخمی ہوا۔ اب سی پیو نے دیکھا کہ ہے نی بال کے مقابلے مین میدان جنگ مین فتح حاصل کرنا بہت مشکل ہے لہذا اُس نے یہ طرز عمل اختیار کیا کہ میدان پر جم کے نہ مقابلہ کیا جائے بلکہ چھوٹے چھوٹے

معرکے جاری رہیں اور اس طرح دشمن کو تھکا کے اور پریشان کر کے پسپا کیا جائے۔ اگر اس رائے پر عمل کیا جاتا تو رومیوں کی بہت سی فوجیں جو اس کے بعد بڑی بڑی لڑائیوں میں کام آئیں محفوظ رہتیں۔ لیکن ایک دوسرے رومی سپہ سالار ٹائبیریس کو کسی مقام پر ایک معمولی سی کامیابی حاصل ہوگئی اور اسی سے خوش ہوگئے اور اپنے اوپر اطمینان کر کے وہ ساری فوج کے ساتھ ہنی بال کے مقابلے پر آموجود ہوا۔ لیکن ہنی بال کے ایسے تجربہ کار سپہ سالار کے مقابلے میں فتح پانا کوئی آسان کام نہ تھا۔ میدان قرطاجنہ والوں کے ہاتھ رہا اور ساری رومی فوج تباہ و برباد ہوگئی۔

اب اٹلی کا سارا شمالی حصہ ہنی بال کے قبضے میں تھا۔ جس طرف وہ بڑھتا ہر شہر اطاعت قبول کرتا جاتا۔ رومیوں کو شکست پر شکست ہوتی جاتی تھی اور کامیابی کی کوئی تدبیر نہ نظر آتی ہے ہنی بال نے اب جنوب کی طرف رخ کیا۔ اپے نائن کے پہاڑوں میں سے گزر کے اُس نے دیکھا کہ رومی کانسل فلے می نس ایک بہت بڑی فوج کے ساتھ مقابلے کو آمادہ ہے۔ نہایت خونریز لڑائی ہوئی۔ رومی کانسل میدان جنگ میں مارا گیا۔ اور ساری فوج غارت ہوگئی۔ اب روم تہ الکبری کا راستہ صاف تھا۔ درمیان میں کوئی مدافعت کرنے والی فوج نہ تھی۔ اگر ہنی بال سیدھا اُدھر کا رخ کرتا تو غالباً اُس کے فتح کے ساتھ ہی لڑائی کا خاتمہ ہو جاتا۔ لیکن ہنی بال نے مشرق کی طرف کوچ کر دیا اور صوبہ اپولیا میں جا کے موسم سرما بسر کیا۔

اب فے بیس رومی کانسل مقرر ہوا۔ اور ہنی بال نے بہت کوشش کی کہ وہ بھی میدان جنگ میں نکل آئے۔ مگر وہ نہایت سنجیدہ اور ہوشیار شخص تھا۔ چند روز چھوٹی چھوٹی لڑائیوں سے ہنی بال کو پریشان کرتا لیکن کہیں پر جم کے مقابلہ نہ کرتا۔ آخر کار رومیوں نے جمع ہو کے پھر ایک بہت بڑا مقابلہ کیا۔ اور اپولیا کے ایک چھوٹے گاؤں کنّے کے قریب ایک بڑی لڑائی ہوئی۔ اس میں رومیوں نے اپنی ساری قوت صرف کر دی تھی۔ لیکن کوئی نتیجہ نہ ہوا اور ہنی بال نے پھر انھیں شکست دی۔

اس فتح سے ہنی بال کے لیے روم کا راستہ صاف تھا۔ جب چاہتا بڑھ کے اُس پر قبضہ کر لیتا کیونکہ کوئی مزاحمت کرنے والا نہ نظر آتا تھا لیکن ہنی بال نے اُدھر کا رخ نہین کیا۔ مقام کپوا مین اُس نے موسم سرما بسر کیا اور کہا جاتا ہے کہ اِس صوبے کی عیش و عشرت نے اُس کے سپاہیون کے طرز معاشرت کو بالکل بدل دیا۔ اِن مین عیش پسندی آگئی۔ اور اُسی وقت سے ہنی بال کا زوال شروع ہو گیا۔

ہنی بال کے پاس اتنی فوج نہ تھی کہ وہ مفتوحہ مقامات کو اپنے قبضے مین رکھ سکے۔ بعض اوقات مفتوحہ شہر بغاوت کرتے اور اُسے پھر اُنھین فتح کرنا پڑتا۔ اور سب سے بڑی مشکل یہ تھی کہ قرطاجنہ والے ہنی بال کی اس مہم کو کچھ زیادہ اہمیت نہ دیتے اور نہ اُس کی کافی مدد کرتے۔ اگر اس کے پاس کافی تعداد مین آدمی ہوتے تو کوئی وجہ نہ تھی کہ وہ روم پر قبضہ نہ کر لیتا۔

اب اٹلی مین زمین ہنی بال کے قبضے سے نکلی جاتی تھی اُس نے قرطاجنہ سے مدد مانگی لیکن وہان کسے اس کی پروا تھی۔ ہنی بال کی اس مہم کو ایک بے نتیجہ لڑائی سمجھ رہے تھے۔ مگر اس کا بھائی ہیس ڈروبال اسپین سے کچھ فوج لے کے چلا اور اُسی راستے سے آرہا تھا جدھر سے ہنی بال آیا تھا۔ کوہسار آلپس پار کرتے ہی اُس سے اور رومیون سے مقابلہ ہو گیا اس لڑائی مین ہیس ڈروبال کو شکست ہو گئی۔ اُس کی فوج منتشر ہو کے بھاگی۔ اور اب ہنی بال بالکل بے یار و مددگار تھا۔

رومیون کو معلوم تھا کہ قرطاجنہ والے اس لڑائی سے پریشان ہین فقط ہنی بال کی وجہ سے جاری ہے۔ اُنھون نے ایک اور تدبیر کی۔ اُن کا سپہ سالار سپی یو اسپین پر حملہ آور ہوا۔ اور وہان سے خاص افریقہ پہونچ کے قرطاجنہ والون پر حملہ کر دیا۔ اس کا بڑا اثر ہوا۔ قرطاجنہ مین ہنی بال کے دشمن موجود تھے اُنھون نے غل مچایا کہ یہ آفت ہم پر فقط ہنی بال کی وجہ سے آئی ہے۔ فوراً ہنی بال کو حکم دیا گیا کہ اٹلی سے واپس آئے اور اپنے ملک کو بچائے۔ اِس طرح اٹلی مین سولہ سال گزارنے کے بعد ہنی بال قرطاجنہ واپس آیا۔

لیکن اب قسمت نے اس کا ساتھ چھوڑ دیا تھا۔ مقام زرامہ کی لڑائی مین اُسے رومیون کے مقابلے مین شکست ہوگئی۔ اور اُس کی راے کے خلاف قرطاجنہ والون نے رومیون سے صلح کرلی۔ ہے نی بال اب ملک کی اندرونی خرابیون کی جانب متوجہ ہوا۔ اور اُن کی اصلاح کی کوشش کرنے لگا۔ لیکن ایک بہت بڑا گروہ اس کے مخالف تھا جو اُس کی کوئی تدبیر نہ چلنے دیتا۔

اسی زمانے مین شام کا بادشاہ انطیاقس رومیون کے خلاف ہوگیا تھا اور کہا جاتا تھا کہ وہ رومیون کے مقابلے مین جنگ کی تیاریان کر رہا ہے۔ دشمنون نے مشہور کر دیا کہ ہے نی بال اور شاہ انطیاقس کے درمیان نامہ وپیام جاری ہے۔ اور اسی کے مشورے سے وہ رومیون کے خلاف ہوگیا ہے۔ یہ امر اس معاہدے کے خلاف تھا جو قرطاجنہ اور روم مین ہوا تھا۔ لہذا تین معزز شخص رومۃ الکبری سے بھیجے گئے تاکہ قرطاجنہ جاکے اس کی تحقیقات کرین اور اگر یہ خبر صحیح ہو تو حکومت قرطاجنہ سے شکایت کرین۔

ہے نی بال سمجھ گیا کہ اس کا نتیجہ اس کے سوا اور کچھ نہ ہوگا کہ مین پکڑ کے رومیون کے حوالے کر دیا جاؤن لہذا وہ وہان سے ایک جہاز مین بیٹھ کے روانہ ہوگیا۔ اور شہر افسوس مین آیا جہان شاہ انطیاقس سے ملا اور کئی سال اُس کے ساتھ رہا۔ لیکن افسوس کہ انطیاقس نے بھی اس کے مشورے پر عمل نہ کیا اور آخرکار رومیون کے مقابلے مین اُسکو شکست ہوگئی اور اتنی قوت بھی نہ رہی کہ ہے نی بال کو دشمنون کے ہاتھ سے بچا سکے۔ یہ دیکھ کے ہے نی بال خود وہان سے روانہ ہوگیا اور بی تھی نیا کے بادشاہ کے پاس آیا اور کئی سال وہان رہکر رومیون کے مقابلے مین اُسے مشورے دیتا رہا۔

رومۃ الکبری کے سفیر وہان پہونچے اور اُنھون نے اس بات کا مطالبہ کیا کہ ہے نی بال ہمارے حوالے کر دیا جائے۔ تعجب ہے کہ بادشاہ بھی اس پر آمادہ ہو گیا لیکن ہے نی بال کو اس کی خبر ہوگئی اور اُس نے زہر کھا کے اپنی زندگی کا خاتمہ کر دیا۔

اس طرح قرطاجنہ کے اس مشہور و معروف سپہ سالار اعظم کا خاتمہ ہوا۔ یہی شخص تھا جو اُنھین تباہی و بربادی سے بچا سکتا تھا مگر اس کی قدر قرطاجنہ والون نے اُس کی زندگی مین نہ کی اور بعد مین افسوس کرتے رہے۔

مسلمان فاتحان صقلیہ کی پہلی بُزدلی

اہل فرنگ مین جب امیرابوالقاسم کی فتحون سے اضطراب پیدا ہوا تو وہان کا ایک فرنگی تاجدار بردویل نام بڑا بھاری لشکر اور نہایت زبردست بیڑا لے کے صقلیہ مین آیا اور ماٹلہ کے قلعے کا محاصرہ کر کے اُس پر قابض ہوگیا۔ اُس کے مقابلے کے لیے یکے بعد دیگرے دو مسلمان فوجین گئین اور دونون کو شکست ہوگئی یہ دیکھ کے ماہ ذی قعدہ ۳۷۱ھ مین خود امیرابوالقاسم اپنا بیڑا اور اپنا لشکر جرار لے کے چلا کہ بردویل کو ماٹلہ سے مار کے بھگا دے۔ لیکن جب ماٹلہ کے قریب پہونچا تو اس کے دل پر بردویل کی کچھ ایسی ہیبت چھا گئی کہ نہایت خوف زدہ ہوا۔ اور اپنے سرداران فوج کو جمع کر کے اُن سے کہا "مجھے اب آگے بڑھنے کا حوصلہ نہین ہوتا۔ اور جی چاہتا ہے کہ یہین سے پلٹ چلون۔ آپ لوگ شاید اس کو نہ پسند کرتے ہون۔ مگر مجھے امید ہے کہ آپ میری راے سے مخالفت نہ کرین گے"۔ سب لوگ خاموش ہو رہے۔ فوراً اُس نے واپسی کا حکم دیدیا۔ اور سب کو ساتھ لے کے اپنے مستقر حکومت مدینہ کی راہ لی۔

دشمنون کا بیڑا سمندر مین گرد آوری کر رہا تھا۔ اور مسلمانون کی نقل و حرکت کی نگرانی ہو رہی تھی۔ اُنھون نے جیسے ہی امیرابوالقاسم کو پہلے جوش و خروش سے آتے اور پھر بے لڑے واپس جاتے دیکھا بردویل کو اطلاع کی کہ مسلمان آپ سے خوف کھا کے اُلٹے واپس گئے ہین۔ لہذا مناسب ہوگا کہ آپ خود بڑھ کے ان پر حملہ کرین۔ اُنھون نے ہمت ہار دی ہے۔ آپ اُن پر ضرور کامیاب ہون گے"۔ یہ سنتے ہی بردویل نے جہازون پر جو کچھ بوجھ لدا ہوا تھا اُتار کے ماٹلہ مین چھوڑا۔ یون اُن کو سبک اور تیزرو بنا کے بڑی مستعدی و عجلت سے مسلمانون کا تعاقب کیا۔ اور ۲۰ محرم ۳۷۲ھ کو اُنھین پا لیا۔

امیر ابو القاسم کی شہادت

دشمن کو سر پہ دیکھ کے مسلمانون نے لڑائی کے لیے صفین درست کین۔ اور فوراً دونون طرف سے حملہ ہو گیا۔ اور نہایت سخت خونریزی ہونے لگی۔ اثنائے جنگ مین فرنگیون کے ایک بہادر و جانباز گروہ نے مسلمانون کے قلب لشکر پر بڑے زور و شور سے حملہ کیا۔ اُن کی صفین درہم و برہم کر دین۔ اور مسلمانون پہ ایسا سخت دباؤ پڑا کہ اکثر مسلمان امیر کو چھوڑ کے دور جا پڑے۔ اور دشمن اُس مقام تک پہونچ گئے جہان مسلمانون کا جھنڈا بلند تھا۔ امیر ابو القاسم جھنڈے کے نیچے قدم جمائے کھڑا تھا کہ کسی فرنگی کی ایسی زبردست تلوار اُس کے سر پہ پڑی کہ دماغ کو دور کاٹ گئی۔ بیتورا کے گھوڑے سے گرا۔ اور زمین پہ گرتے ہی جان دیدی۔ اب لشکر اسلام کی حالت نہایت ابتر تھی اُن کے امیر و سپہ سالار کے ساتھ اور بہت سے بہادران اسلام بھی شہید ہوئے۔ اور مسلمانون کا قدم ہر جا اُکھڑ گیا۔

شکست کے بعد حیرتناک فتح

اب مسلمان شکست کھا کے بھاگ رہے تھے کہ بعضون نے بعضون کو قدم روک کے للکارا۔ اور کہا "بھاگنا کیسا؟ اگر فتح نہین ہو سکتی تو ہمین لڑ کے مرجانا چاہیے۔ سردار نہین رہے تو کیا ہمارے ہاتھ بھی کٹ گئے ہین؟ ہم یہان بھاگنے کے لیے نہین بلکہ مرنے کے لیے آتے ہین۔" یہ حوصلہ افزا کلمات سُن کے سب نے دل مین کہا کہ بھاگنا ہمارے لیے ننگ ہے۔ اور فوراً پلٹ پڑے۔ فرنگی جو تعاقب کر رہے تھے مفرورون کو پلٹتے دیکھ کے متحیر ہوے۔ اسی حیرت مین تھے کہ دلدادگان توحید نے زور و شور سے نعرۂ تکبیر بلند کیا اور ہتھیلیون پہ سر لے کے دشمنون پہ پل پڑے۔ پھر عرصۂ دار و گیر

گرم ہوا۔ اور اب کی مسلمان فرنگیون کی صفون کو درہم و برہم کیے ڈالتے تھے۔ آخر فرنگی تاب مقاومت نہ لا سکے بدحواس ہو کے بھاگے۔ اور مسلمانون نے تعاقب کیا۔

شاہ بردویل نے جب دیکھا کہ تمام رفقا نے ساتھ چھوڑ دیا اور میدان چھوڑ کے بھاگے جاتے ہین تو وہ بھی اپنی جان لے کے بھاگا۔ فقط ایک رفادار یہودی اُس کی رفاقت مین تھا۔ اور مسلمان پیچھے رگیدتے چلے آتے تھے۔ آخر بھاگتے بھاگتے اُس کے گھوڑے نے جواب دیدیا۔ جو تھک کے کھڑا ہو گیا اور کسی طرح آگے نہ بڑھتا تھا۔ یہودی حق رفاقت ادا کرنے کے لیے اپنے گھوڑے سے اُتر پڑا۔ اور اُس کو بردویل کی خدمت مین پیش کر کے کہا "آپ اس گھوڑے پر سوار ہو کے اپنی جان بچائیے۔ اور مجھے میری قسمت کے حوالے کر دین۔ اگر مین مارا گیا تو امید ہے کہ آپ میرے جورو بچون کی خبرگیری کرین گے۔" غرض بردویل اُس یہودی کے گھوڑے پر سوار ہو کے بھاگا۔ اور یہودی تعاقب کرنے والون کے نیزون کا نشانہ بن کے مارا گیا۔

غرض فرنگیون کو نہایت ہی سخت شکست ہوئی جس نے ایک ہی دن مین بردویل کی ساری قوت کا خاتمہ کر دیا۔ دشمنون کے تقریباً چار ہزار آدمی مارے گئے۔ اُن کے بہت سے نامور سردار مسلمانون کے ہاتھ مین اسیر ہوے۔ اور بہت کچھ مال غنیمت فتحیابون کے ہاتھ آیا۔ بردویل تن تنہا بھاگتا ہوا اُس مقام مین پہونچا جہان اُس کا خیمہ تھا۔ اور اُس کی ملکہ اور اہل و عیال اُس کا انتظار کر رہے تھے۔ یہان پہونچنے کے بعد بردویل کی جان مین جان آئی۔ اور پھر اُسے یہان ٹھہرنے کی جرأت نہ ہوئی۔ چنانچہ بیوی بچون کے ساتھ جہاز پر سوار ہو کے روۃ الکبری مین واپس چلا گیا۔ اور اب اُس کے بعد کسی کو مسلمانون کے مقابلے کی جرأت نہ تھی۔

جابر ابن ابوالقاسم والی صقلیہ

اسی لڑائی مین جس مین امیر ابوالقاسم شہید ہوا اُس کا فرزند جابر اُسکے

ساتھ تھا۔ امیر کے شہید ہوتے ہی سب نے اُسے اپنا امیر اور والی صقلیہ بنا لیا۔ چنانچہ فتح کے بعد فوراً ہی اُس نے مسلمانون کو واپسی کا حکم دیا۔ اور واپسی مین ایسی جلدی کی کہ غازیون کو مال غنیمت جمع کرنے کی بھی مہلت نہ دی۔ لوگون نے اس سے کہا بھی کہ یہان جو اسلحہ ملے ہین اور جو مال و دولت ہاتھ آیا ہے اُسے لے لینا چاہیے۔ مگر اُس نے ایک نہ سُنی اور واپس چل کھڑا ہوا۔

اس کا باپ ابوالقاسم مرحوم صقلیہ مین بارہ سال پانچ مہینے اور پانچ دن حاکم اور نائب والی رہا۔ نہایت برا نام تھی۔ سارا نظم و نسق اُس کے ہاتھ مین تھا۔ وہ عادل نیک سیرت۔ رعایا پرور۔ اور اپنے ماتحتون کے حال پر نہایت ہی شفیق تھا۔ سب سے اچھی طرح ملتا۔ اور ہر ملنے والے کے ساتھ احسان کرتا۔ بڑی بڑی فیاضیان دکھاتا۔ اور اُن فیاضیون ہی کا یہ انجام تھا۔ کہ باوجودیکہ جہاد مین عظیم الشان دولت پیدا کرتا رہا تھا۔ مگر جب مرا ہے تو ترکے مین ایک درہم یا ایک دینار بھی نہ چھوڑا۔ اور نہ کوئی جائداد غیر منقولہ چھوڑی۔ اور اِس کی وجہ یہ تھی کہ اُس نے اپنی ساری املاک محتاجون اور خیرات کے کامون کے لیے وقف کر دی تھی۔

خلافت فاطمیہ کے مختصر حالات

جزیرۂ صقلیہ چونکہ اس فاطمی خلافت کے زیرنگین تھا جو افریقہ مین قائم ہوئی تھی۔ لہذا اُس خلافت اور صقلیہ کے تعلقات ظاہر کرنے کے لیے ضرورت ہے کہ ہم دولت فاطمیہ مذکورہ کے مختصر حالات بیان کر دین۔ یہ تو ہم بتا چکے ہین کہ صقلیہ کو عبیداللہ مہدی نے کس اہتمام و بیدار مغزی سے اپنے تابع فرمان رکھا تھا۔ اور اُس پر خلافت عباسیہ کا اثر نہین پڑنے دیا تھا۔

عبیداللہ مہدی جس نے اپنا لقب القائم بامراللہ قرار دیا تھا

جب ۳۳۴ھ مین مرگیا تو اُس کا بیٹا المنصور باللہ سریر آرائے خلافت ہوا۔ ۳۴۱ھ مین
جب اُس نے سفر آخرت کیا تو اُس کے بیٹے المعز لدین اللہ نے مسند خلافت کو رونق دی
المعز کے زمانے تک اِس خلافت کو صقلیہ کی حکومت مین پوری دلچسپی تھی جیسا کہ ناظرین کو
مذکورۂ بالا واقعات سے معلوم ہوا ہوگا۔ مگر المعز لدین اللہ کو افریقہ کی سرزمین اپنی اولوالعزمی
وحوصلہ مندی کے آگے تنگ نظر آئی۔ اور اس فکر مین ہوا کہ ملک مصر کو فتح کرکے اپنے
حدود کو مقدس ممالک عرب و فلسطین تک پہونچا دے۔ اور پھر آگے بڑھ کے اُن محترم ملکون
پر بھی قبضہ کرے۔ چنانچہ ۳۵۸ھ مین اُس نے ایک لشکر عظیم کے ساتھ کوچ کرکے مصر کو فتح
کر لیا۔ اور فراعنۂ قدیم کی زمین عباسیون سے چھین کے اپنی کر لی۔ مملکت مصر آسانی
سے فتح ہوگئی تو اُس کا حوصلہ اور بڑھا چنانچہ اسی سلسلے مین اُس نے بڑھ کے ارض
فلسطین و شام پر اور ارض حجاز مین حرمین شریفین پر بھی قبضہ کر لیا اور جب ان
مبارک و مقدس ملکون پر قابض ہو گیا تو اُسے سرزمین افریقہ کی چندان پروا نہ رہی جو دراصل
اُس کی موروثی خلافت کا اصلی گہوارہ ثابت ہوئی تھی۔ چنانچہ مذکورہ ملکون کو فتح کرکے افریقہ
مین واپس آیا تو وہان اُس کا دل نہ لگا اور فتوحات مذکورہ کے چوتھے ہی برس ۳۶۲ھ
مین اپنے خاندان والے خدام وحشم۔ اور سارے خزانے کو لے کے اُس نے آبائی شہر
مہدیہ سے ہجرت کر دی مصر مین جا کے اقامت گزین ہوا۔ اور شہر قاہرہ کو اپنا دار الخلافت
قرار دیا۔ ایسی حالت اور مصروفیتون مین ظاہر ہے کہ اُسے صقلیہ کے ایسے ایک بےتعلق
جزیرے کیا فکر ہو سکتی تھی۔ اور اُس کی حکومت کا کبھی خیال آسکتا تھا؟

یوسف بلکین حاکم افریقہ و صقلیہ

جب وہ مہدیہ چھوڑ کے چلا ہے تو اُس نے ارض مغرب اور وہان کے مقبوضات
کا یہ بندوبست کیا کہ سارے افریقہ مین یوسف بلکین بن زیری بن مناد صنہاجی حمیری کو
جو عربی النسل اور افریقہ کے بہادر و نامور گروہ صنہاجہ کا سردار تھا اپنا نائب مقرر کرکے
چھوڑ دیا۔ بجز طرابلس الغرب اور اُس کے قریب کے چند اور مقامات کے جن کی حکومت
اُس نے ایک اور شخص کو عطا کی باقی سارے افریقہ کا حاکم اُس نے یوسف بلکین ہی

کو قرار دیا۔ اسی وقت اُس نے حسن بن علی بن ابی الحسین کو صقلیہ کا والی مقرر کیا جیسا کہ مذکور ہو چکا ہے۔ لیکن یوسف بلکین کو سب پر توقیت دی۔ اور صقلیہ و طرابلس کے حاکموں کو بھی حکم دیا کہ اُس کی اطاعت کرتے رہیں صقلیہ کی طرف سے اُس کی بے پروائی اس قدر بڑھی ہوئی تھی کہ اپنی مہمون میں مدد لینے کے لیے حسن بن علی کو بھی بلا کے اپنے ساتھ لے لیا۔ اور حکومت صقلیہ پہلے حسن کے بیٹے احمد کو دی اور چند روز بعد احمد کو بھی اپنے پاس بلوا کے حسن کے غلام یعیش کو اپنے آقا کی طرف سے نیابۃً والی بنا دیا۔ اس انتظام میں ناکامی ہوئی تو حسن کے دوسرے بیٹے ابو القاسم کو بھیجا جو مذکورۂ بالا جہاد میں سنہ ۳۷۲ھ میں شہید ہوا۔ اُس کے بیٹے جابر بن ابو القاسم کے عہد کے حالات مورخین نے بالکل نہیں لکھے ہیں۔ نہ یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ کتنے دنوں تک صقلیہ میں حکومت کرتا رہا۔ اور نہ اس کا پتہ چلتا ہے کہ حکومت صقلیہ اُسی کی ذات پر ختم ہو گئی یا اُس کے بعد اُس کے کسی فرزند کو بھی مسند نشینی کی عزت نصیب ہوئی۔

ابو الفتوح یوسف بن عبد اللہ والی صقلیہ

جابر کے باپ کی شہادت کے سولہ برس بعد یعنی سنہ ۳۸۸ھ میں ہم دیکھتے ہیں کہ حاکم صقلیہ اُس کے باپ کا چچا زاد بھائی ابو الفتوح یوسف بن عبد اللہ بن ابی الحسین ہے۔ اور ثابت ہوتا ہے کہ یہ شخص کئی سال پیشتر سے وہاں کا حاکم و والی تھا۔ اس لیے کہ اُسے فاطمی خلیفۂ مصر عزیز باللہ یعنی المعز لدین اللہ کے بیٹے نے اس خدمت پر مامور کیا تھا۔ اور چونکہ عزیز باللہ کی وفات سنہ ۳۸۶ھ میں ہوئی اس لیے یقین ہے کہ ابو الفتوح تین چار سال پیشتر سے صقلیہ پر حکومت کر رہا ہو گا۔ اُس کی نسبت بیان کیا جاتا ہے کہ نیک سیرت رعایا نواز۔ اور اہل جزیرہ کے حال پر شفیق و مہربان تھا۔ اور سارے علاقے کا انتظام بوجہ احسن جاری تھا۔ مگر سنہ ۳۸۸ھ میں اُس پر فالج گرا جس نے اُسے حکومت سے معذور کر دیا۔ اپنی یہ حالت دیکھ کے اُس نے اپنے بیٹے جعفر کو اپنا نائب قرار دیا۔ اور خود خانہ نشین ہو کے عنان فرمانروائی بیٹے کے ہاتھ میں دیدی۔

جعفر کی نسبت بھی مورخین کا بیان ہے کہ باپ کے نقش قدم پر چلتا تھا۔

کریم النفس رحم دل اور فیاض تھا - اور رعایا اُس سے خوش تھی - مگر بدقسمتی سے یہ حالت صرف ۳۳۰ھ تک رہی تھی کہ مسلمانون مین باہمی جنگ و پیکار شروع ہو گئی جس کا آغاز یون ہوا کہ سنہ مذکور مین جعفر کے بھائی علی نے علم مخالفت بلند کیا - اور کوشش کی کہ باپ کی زندگی ہی مین بھائی کو ہٹا کے خود نائب والی بن جائے - معذور باپ بیٹون کے جھگڑے کو خموشی سے دیکھتا تھا اور کچھ نہ کر سکتا تھا - علی کے ساتھ اہل بربر کی ایک جماعت کثیر تھی اور شاہی غلامون کا ایک گروہ عظیم بھی اُس کے علم کے نیچے جمع ہو گیا - بھائی کو برسر پرخاش دیکھ کے جعفر نے اپنا لشکر جمع کیا اور بڑا بھاری زبردست لشکر سرکش بھائی کے مقابلے پر روانہ کر دیا - ۵ شعبان ۳۳۰ھ کو دونون لشکرون کا سامنا ہوا - اور سامنا ہوتے ہی لڑائی چھڑ گئی - چونکہ جعفر کا لشکر بہت زبردست تھا علی کو فاش شکست ہوئی - بربریون اور غلامون کی ایک جماعت کثیر قتل ہو گئی - اور خود علی بھی گرفتار کر کے فتحمند بھائی کے سامنے پیش کیا گیا بھائی نے علی کی طرف سے بھائی کا خون اس قدر سفید کر دیا تھا کہ اُس نے فوراً بھائی کے قتل کا حکم نافذ کر دیا - اور اگرچہ شکست نصیب فرزند کے لیے باپ روتا اور آنسو بہاتا رہا مگر جعفر نے جو نشۂ حکومت مین مست تھا نہ باپ کے گریۂ وزاری کا خیال کیا نہ بھائی کی مظلومی و بیکسی کا اور بلا تامل اُسے قتل کر ڈالا -

لیکن بھائی کی جان لینے پر بھی جعفر کا غصہ فرو نہ ہوا - سارے صقلیہ اور اپنی قلمرو مین حکم جاری کر دیا کہ تمام شاہی غلام پکڑ پکڑ کے قتل کر ڈالے جائین اور جتنے بربری ملین صقلیہ سے نکال دیے جائین - چنانچہ ہزارون غلام قتل ہو گئے - اور بربریون کی ایک خلقت عظیم پکڑ پکڑ کے سواحل افریقہ پر اُتار دی گئی - اس کا انجام یہ ہوا کہ ولایت صقلیہ کی فوج کی تعداد بہت ہی گھٹ گئی - یہان فوج مین زیادہ تر اہل بربر تھے جو اصلی فاتحان جزیرہ تھے اور اُن کے بعد سب سے بڑا گروہ شاہی غلامون کا تھا - خاص صقلیہ کے لوگون کی بہت ہی تھوڑی فوج تھی - بربریون اور غلامون کے فنا ہو جانے کے بعد تھوڑی سی وطنی فوج جو باقی رہ گئی اُس پر اول تو بھروسہ نہین کیا جا سکتا تھا - دوسرے تعداد مین وہ اس قدر کم تھی کہ رعایا پر سے سلطنت کا رعب بالکل اُٹھ گیا - اور اکثر لوگون سے تمرّد

طغیان کے آثار ظاہر ہونے لگے۔ اُن لوگون کے دبانے کے لیے جعفر نے ایک ایسے شخص کو افسر مقرر کیا جو نہایت سخت گیر اور سنگدل تھا۔ اُس کی یہ عام حالت ہو رہی تھی کہ لوگون پر طرح طرح کے جور و تشدد کرتا۔ سرکاری مالگذاری مین بجاے ایک معمولی عشر (پیداوار کا دسوان حصہ) کے کئی عشر وصول کر لیتا۔ سردارون امیرون اور معززین شہر کی تحقیر و توہین کرتا۔ اور کسی قسم کی دست درازی نہ اُٹھا رکھتا۔

اس کے علاوہ خود جعفر کی طبیعت بھی اب بدل گئی تھی۔ ایک بھائی کی بغاوت نے ساری بھائیون کی طرف سے بدظن کر دیا تھا۔ جس وہم مین مبتلا ہو کے وہ سب بھائیون پر جبر و تشدد کرنے لگا۔ باپ نے ہزار سمجھایا مگر جعفر مردم آزاری اور بھائیون پر ظلم کرنے سے کسی طرح باز نہ آیا۔ اس کا لازمی نتیجہ تھا کہ ساری رعایا اُس کی دشمن اور خون کی پیاسی ہو گئی۔ اور فوج کی کمی اور حکومت کی کمزوری سے جو لوگ سرتابی پر آمادہ ہوئے تھے اُن کا حوصلہ بڑھ گیا۔

آخر ۱۰۲؁ھ مین لوگون نے شورش مچا دی۔ اور دارالسلطنت کے لوگ ہجوم کر کے چڑھ آئے۔ اُس کے محل کو گھیر لیا۔ اور سب اس پر اڑے ہوے تھے کہ ہم جعفر کو پکڑ کے قتل کر ڈالین گے۔ جعفر کے پاس مقابلے اور دشمن بلوائیون کے ہاتھ سے جان بچانے کی کوئی قوت نہ تھی۔ گھر مین چھپا بیٹھا تھا اور زندگی سے مایوس تھا کہ معذور باپ کو اُس کے حال پر ترس آیا جو بیٹون کی مصیبتین دیکھنے اور اپنے خاندان کی تباہی دیکھنے کے لیے اب تک زندہ تھا۔ وہ ایک قفس مین بیٹھ کے باہر آیا۔ اور اُس کی قفس بلوائیون کے سامنے لا کے رکھ دی گئی۔ اُس کی نیکیان ہمدردیان اور فیاضیان یاد تھین صورت دیکھتے ہی سب نے اُس کی قفس گھیر لی۔ گرد کھڑے ہو کے زار و قطار رونے لگے۔ اور جوش گریہ کم ہوا تو عرض کیا آپ کے فرزند جعفر نے اندھیر مچا رکھا ہے۔ اگر ہم پر آپ ویسے ہی مہربان ہین جیسے پہلے تھے تو اپنے دوسرے فرزند احمد ملقب بہ ابحل کو حاکم مقرر فرما دیجیے۔ یوسف نے رعایا کی یہ خواہش اُسی وقت پوری کی۔ احمد ابحل کو نائب مقرر کر دیا۔ اور عنان فرمان روائی اُس کے ہاتھ مین دیدی۔

حسن کی کرشمہ سازیان

ہائی پے شیا

تاریخ مین عیسائیون اور یہودیون کے تعصب اور مذہبی عداوت کے بیشمار نمونے موجود ہین لیکن عیسائیون سے جیسی بے رحمی اس حسین اور صاحب جمال خاتون ہائی پے شیا کے معاملے مین ظاہر ہوئی شاید اور کبھی نہ ہوئی ہو گی اور اُسی کی حسرت آلود داستان آج ہم اپنے ناظرین کو سنانا چاہتے ہین۔

تھیوڈوسیوس قیصر کے عہد مین یہ مشہور عورت مقام اسکندریہ مین پیدا ہوئی۔ یہ پری وش نازنین حسن وجمال۔ علم وفضل اور فصاحت و بلاغت مین اعجوبہ روزگار تھی۔ اس کے باپ کا نام تھیون تھا جو اس زمانے کا مشہور ریاضی دان تھا۔ ہائی پے شیا نے اپنے باپ سے تعلیم پائی اور فقط ریاضی ہی مین نہین بلکہ ہیئت اور فلسفہ مین وہ درجہ حاصل کیا کہ بہت سی کتابین لکھین اور اثینیہ اور اسکندریہ مین فلسفہ کا درس دینے لگی۔

اس زمانے مین اُس کے وطن اسکندریہ کا حاکم ایک نہایت بدباطن اور متعصب شخص سائرل تھا۔ مذہبی تعلیم حاصل کرنے کے بعد اُس نے رہبانیت اختیار کر لی تھی۔ آبادی چھوڑ کے جنگلون اور ریگزارون مین رہنے لگا لیکن اُس کی نظرین دنیا ہی کی جانب لگی ہوئی تھین۔ اُس کا چچا تھیوفلوس اسکندریہ کا بڑا پادری تھا اُس نے سائرل کو بلایا اور وہ فوراً اُس کے پاس چلا آیا اور اپنے چچا کی جگہ گرجون مین وعظ کہنے لگا۔ چونکہ قابل تھا بہت جلد سارے شہر مین مشہور ہو گیا۔ چند روز بعد تھیوفلوس مر گیا۔ اب سائرل کے لیے میدان خالی تھا لیکن بڑی مشکل یہ تھی کہ اسکندریہ کے پادریون مین اختلاف تھا فوجی سپاہیون اور حکام نے ایک اور پادری کی طرفداری کی۔ مگر عوام نے سائرل کو ترجیح دی اور ایسے جوش وخروش کے ساتھ کہ نظر آتا اگر ان کے خلاف کیا گیا تو ہنگامہ کر دین گے۔ لہذا تھیوفلوس کی جگہ سائرل کا انتخاب ہو گیا۔

اب سائرل کو اپنے دل کے حوصلے نکالنے کا موقع ملا سلطنت کمزور

ہو رہی تھی۔ اسکندریہ دار السلطنت سے بہت دور واقع ہوا تھا۔ چند روز مین سائرل نے دیوانی اور فوجداری اختیارات حاصل کر لیے۔ اور سارے شہر کا انتظام اب اُسی کے اختیار مین تھا عوام بالکل اُس کے ہاتھ مین تھے جب چاہتا اُنھین جوش دلا دیتا اور جب چاہتا اُن کے غصے کو فرو کر دیتا سب لوگ اُس کے احکام پر آنکھین بند کر کے عمل کرتے۔

اسکندریہ مین یہودی بھی تھے جنھین خود اسکندر نے لا کے وہان آباد کیا تھا قیصرون نے اُن کے حقوق تسلیم کیے تھے اور اب تک وہ امن کے ساتھ زندگی بسر کرتے رہے تھے۔ اس وقت اِس شہر مین اُن کی تعداد چالیس ہزار سے زیادہ تھی۔ اسی زمانے مین ہائی پےشیا کی شہرت ہوئی۔ اُس نے علم و فضل مین وہ درجہ حاصل کر لیا تھا کہ اپنے اخلاق اور فصاحت بیانی کی بدولت عوام کو ہی نہین بلکہ بڑے بڑے علما اور فضلا کو مسخر کر لیتی۔ اسکندریہ مین روزانہ لوگون کا ہجوم رہتا جو اُسے دیکھنے اور اُس سے ملنے کے لیے یونان اور ایشیا کے مختلف صوبہ جات سے آیا کرتے۔ ہم بیان کر چکے ہین کہ سائرل بڑا بد باطن اور مغرور شخص تھا ہائی پےشیا کے دروازے پر شاگردون غلامون نوکرون اور گھوڑون کا ہجوم دیکھ کے اُسے اس کی شہرت اور ہر دلعزیزی پر حسد معلوم ہوا۔ چند روز دل ہی دل مین سوچتا رہا کہ کس طرح اس ماہوش نازنین کو اپنے قبضے مین لاؤن۔ آخر کار اس کی کوئی صورت اُس کے خیال مین نہ آئی۔ وہ عیسائی تھا۔ اور پھر ایک پادری جو شادی بھی نہین کر سکتا۔ ہائی پےشیا ایک اسرائیلیہ عورت تھی۔ رفتہ رفتہ اُس کے عشق نے عداوت اور دشمنی کی صورت اختیار کر لی۔ اور اس نے دل مین ٹھان لیا کہ جس سے مین نہ فائدہ اُٹھا سکون اس سے کوئی اور بھی نہ فائدہ اُٹھائے یہ خیال کرتے ہی وہ عام طور پر یہودیون کا دشمن ہو گیا اور اُن پر طرح طرح کے مظالم کرنے لگا۔ اب اُس نے ارادہ کیا کہ سارے یہودیون کو اسکندریہ سے نکال دے۔ اور اُس کے لیے عجیب و غریب بہانے ڈھونڈھتا۔ ایک دن کھیلون اور تماشون مین عیسائیون اور یہودیون کے درمیان کچھ اختلاف پیدا ہوا اور اس قدر بڑھا کہ سارے شہر مین ہنگامہ

ہو گیا: اب سائرل کو اپنا بغض نکالنے کا کافی موقع مل گیا کیونکہ یہودی باغی قرار دیدیے گئے۔

عیسائیون مین بھی اِس زمانے مین سخت اختلاف تھا۔ اور مذہبی تعصب اس قدر بڑھا ہوا تھا کہ ایک جماعت دوسرے کے خون کی پیاسی ہو رہی تھی اتفاقاً اِس زمانے مین اسکندریہ کا حاکم جو قیصر تھیوڈوسیوس کی جانب سے مقرر ہوا تھا سائرل کا ہمخیال نہ تھا۔ بلکہ اُس کے عقائد اس کے خلاف واقع ہوے تھے۔ ہائی پے شیا کے علم وفضل کا حال وہ پہلے ہی سُن چکا تھا۔ یہان آتے ہی اُس سے ملا اور دونون مین باوجود مذہبی اختلاف کے بہت گہری دوستی قائم ہو گئی۔

سائرل کے غصے کی کوئی انتہا نہ تھی۔ یہی کیا کم تھا کہ اُس کے اختیارات مین مداخلت کی گئی اور ایک شخص شہر کا حاکم بنا کے بھیج دیا گیا۔ پھر جب اُس نے دیکھا کہ یہ شخص میرے خلاف اور ہائی پے شیا کا دوست ہے تو اُس سے نہ رہا گیا۔ اور طرح طرح کے بہانے ڈھونڈھنے لگا۔

حاکم شہر نے ایک شخص کو جو سائرل کا طرفدار تھا پکڑ لیا اور اُسے تکلیفین دی گئین۔ تاکہ اس ہنگامے کا حال بتا دے جو یہودیون اور عیسائیون مین ہوا تھا۔ سائرل کے لیے یہ بہانہ کافی تھا۔ اُس نے عوام کو جوش دلایا اور یہودیون کے سنگاگ (عبادت خانون) پر حملہ کر دیا۔ یہودیون کے پاس نہ اسلحہ تھے اور نہ وہ اِس حملے کے لیے تیار تھے۔ ان کے عبادت خانے منہدم ہو گئے۔ مکان لوٹ لیے گئے اور پادری صاحب نے حکم دیدیا کہ یہودی شہر سے نکال دیے جائین۔

شہر کا عامل ہائی پے شیا کا دوست تھا۔ اُس نے یہودیون کی طرفداری کی اور قیصر کے دربار مین شکایت کر دی لیکن سلطنت کی کمزوری کا زمانہ تھا ایسے زبردست پادری کے خلاف کوئی کارروائی نہ کی جا سکی۔ اور کوشش کی گئی کہ دونون مین صلح ہو جائے۔ لیکن ابھی یہ معاملہ طے نہین ہونے پایا تھا کہ ایک دن عامل کی گاڑی شہر مین سے گزر رہی تھی کہ سائرل کے طرفدارون نے اُس پر حملہ کر دیا۔ عامل کے ہمراہی سپاہی اُسے چھوڑ کے بھاگ گئے۔ لیکن

شہر کے وفادار لوگون نے اُس کا ساتھ دیا اور پادریون کو مار کے ہٹایا۔ اس ہنگامے مین عامل زخمی ہوا اور ایک پادری جو دور سے کھڑا اُس کی طرف پتھر پھینک رہا تھا لوگون کے ہاتھ مین گرفتار ہوا۔ عوام نے جوش مین آ کے اُسے قتل کر ڈالا اور اُس کی لاش ایک سولی پر لٹکا دی۔ پادری کے طرفدار اپنی یہ توہین نہ دیکھ سکے جا کے اُسے اُتار لائے اور بڑی شان و شوکت سے تجہیز و تکفین کا سامان کرنے لگے۔ خود سائرل نے اُس کی لاش کے پاس کھڑے ہو کے ایک تقریر کی جس مین بتایا کہ یہ شخص خدا کی راہ مین شہید ہوا ہے۔

گو سائرل اب ہائی پے شیا کا سخت دشمن اور اُس کی تباہی کے درپے ہو گیا۔ لوگون مین مشہور ہوا کہ پادری اور عامل کے درمیان مین جو مخالفت ہے وہ ہائی پے شیا کی وجہ سے ہے۔ لہذا سائرل نے اپنے دل مین ارادہ کر لیا کہ ہائی پے شیا کسی طرح مار ڈالی جائے۔ اور اُس کام کے لیے اُس نے گرجے کے ایک واعظ بطرس کو منتخب کیا۔ اور دینی جوش مین وہ اُس کے قتل کرنے پر آمادہ ہو گیا۔

اب ہائی پے شیا کا گھر سے نکلنا مشکل تھا جس وقت وہ کہین جاتی لوگ اُس پر حملہ کرتے۔ لیکن شہر مین عامل کے طرفدار بھی موجود تھے جو اکثر بچا لیا کرتے۔ ایک روز وہ اپنے مکان سے کہین گئی تھی بطرس کو اس کی خبر ہو گئی۔ بد معاشون کی ایک جماعت کے ساتھ وہ اُس کے مکان کے دروازے کے پاس کھڑا ہو گیا اور جیسے ہی ہائی پے شیا گاڑی سے اُتر کے مکان کے اندر جانے لگی اُسے پکڑ لیا اور گھسیٹتے ہوے ایک قریب کے گرجے مین لے گئے۔ سائرل کے حکم سے اسی گرجے مین بطرس نے ہائی پے شیا پر طرح طرح کے مظالم کیے اور نہایت بیرحمی کے ساتھ اُس کے جسم کے ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالے۔ پھر اُس کا گوشت ہڈیون سے جدا کیا گیا اور اُس کی پھڑکتی ہوئی بوٹیان آگ مین ڈالدی گئین۔

اِس طرح ایک گل اندام عالمہ و فاضلہ کا اپنے حسن کی بدولت خاتمہ ہوا۔

یوڈوشس اور لیونٹائن

(ایڈیسن)

یوڈوشس اور لیونٹائن دو نہایت غریب لڑکے تھے لیکن دونون سمجھدار اور نیک تھے دونون نے ساتھ ہی ساتھ تعلیم پائی اور آپس مین ایسی دوستی اور محبت ہوگئی کہ آخر عمر تک قائم رہی۔ یوڈوشس نے اسکول کی تعلیم ختم کرکے کسی سرکاری محکمہ مین نوکری کر لی اور اپنی اعلی قابلیت کی بدولت درجہ بدرجہ ترقی کرتا گیا۔ یہان تک کہ وہ بڑا اولوالعزم شخص ہوگیا۔ لیکن لیونٹائن نے اپنی زندگی سیر و سیاحت اور مختلف علوم کے حاصل کرنے مین صرف کی۔ اور چند روز مین اُسے ہر فن سے واقفیت ہوگئی۔ اور سارے ملک مین اُس کے علم و فضل کی شہرت تھی۔ اُس نے فقط اپنے ہی ملک مین سفر نہین کیا بلکہ دور دراز کے ممالک مین گیا اور بڑے بڑے بادشاہون سے ملا تھا۔

اس سیر و سیاحت اور مختلف ملکون کے لوگون سے ملنے کی وجہ سے لیونٹائن اپنے زمانے کا بڑا تجربہ کار عالم ہوگیا۔ اُس کا دوست یوڈوشس مال و دولت مین ترقی کرتا گیا۔ یہان تک کہ جب دونون کی عمر چالیس سال کے قریب ہوگئی تو اُنھون نے ارادہ کیا کہ اب اپنی بقیہ زندگی دوستی و یکجہتی کے آرام و آسائش مین بسر کردین۔

اس خیال کے پیدا ہوتے ہی دونون اس بات پر آمادہ ہوگئے کہ شہر کے شور و غل کو چھوڑ کے کہین دیہات مین رہین۔ دونون نے اپنی شادیان کین اور یوڈوشس نے ایک بہت بڑا علاقہ خرید لیا۔ اور لیونٹائن نے بھی اپنے دوست کے قریب ہی ایک چھوٹی سی زمین مول لے لی۔

(اُن کی شادی کو ایک سال سے زیادہ زمانہ گزرا ہوگا کہ دونون کے اولادین ہوئین۔ یوڈوشس کے یہان لڑکا پیدا ہوا اور لیونٹائن کے یہان لڑکی۔ مگر اس کے ساتھ ہی لیونٹائن کی بیوی نے بھی سفر آخرت کیا۔

ایکدن دونون اسی غم مین بیٹھے باتین کر رہے تھے کہ لیونٹائن

نے کہا "بغیر عورت کے لڑکی کی تعلیم و تربیت غیر ممکن ہے" یہ کہہ کے وہ اپنی قسمت پر افسوس کرنے لگا۔ تیوڈوشس ایک دوسرے خیال مین مصروف تھا۔ اُس کے دل مین یہ خیال پیدا ہوا کہ جب لڑکون کو یہ معلوم ہو جاتا ہے کہ ہم کسی بڑی جائداد کے مالک ہون گے تو اُن کی تعلیم بہت زیادہ مشکل ہوتی ہے۔ غرض کہ دونون مین کچھ ایسی باتین ہوئین کہ اسی صحبت مین طے ہوگیا کہ دونون اپنے اپنے بچون کو بدل لین۔ لیونٹائن لڑکے کی تعلیم و تربیت اپنے ذمے لے اور یہ لڑکی تیوڈوشس اور اُس کی بیوی کے پاس پرورش پائے اور بیس سال کی عمر تک یہ راز اُن بچون پر بھی نہ ظاہر ہونے پائے۔ تیوڈوشس کی بیوی نے بھی اس تجویز کو پسند کر لیا کیونکہ وہ بھی سمجھدار عورت تھی اور اُس نے دیکھا کہ اس طریقے سے میرے بیٹے کی بہترین تعلیم ہو جائے گی اور پھر وہ میری نظرون کے سامنے بھی رہے گا۔ لہذا اُس نے لیونٹائن کی لڑکی لیونلا کو اپنے پاس رکھ لیا۔ اور اپنے بیٹے فلوریو کو لیونٹائن کے حوالے کر دیا۔ اور دونون بچے ایسی توجہ اور محبت مین پرورش پانے لگے کہ یہ بالکل نہ معلوم ہوتا کہ پرورش کرنے والے اُن کے حقیقی والدین نہین ہین۔

دونون بڑے ہوے اور سن تمیز کو پہونچے۔ فلوریو نے اپنی حالت پر غور کیا تو اُسے نظر آیا کہ اپنی محنت کے سوا اور کوئی ذریعہ زندگی بسر کرنے کا نہین ہے۔ رفتہ رفتہ یہی خیال اُس کے دل مین پختہ ہوتا گیا اور اس کا ایسا اچھا اثر پڑا کہ لیونٹائن اُسے جس طرف لگا دیتا وہ بڑی محنت سے اُسے حاصل کرتا۔ درحقیقت وہ بڑا ذہین واقع ہوا تھا اور لیونٹائن کی اعلیٰ تعلیم نے اُسے بہت جلد ترقی کرنے کا موقع دیا۔ ابھی اُس کی عمر پورے بیس سال کی نہ تھی کہ اُس نے بہت سے علوم حاصل کر لیے اور مردانگی کے کھیل تماشون مین بھی بڑی شہرت حاصل کی۔

فلوریو اکثر تیوڈوشس کے مکان پر آتا۔ اور بچپن کے اُنس نے اُس کے دل مین لیونلا کے ساتھ محبت کی شمع روشن کر دی جو اندر ہی اندر روشن ہو کے عشق کے درجے کو پہونچ گئی۔ لیکن اپنے عشق کا حال وہ کسی پر

ظاہر نہ کر سکا کیونکہ بظاہر اُسے نظر آتا تھا کہ اتنی دولتمند اور صاحب جائداد لڑکی سے مین کیونکر شادی کر سکون گا - لیونلا نہایت حسین شرمیلی لڑکی تھی - وہ بھی دل ہی دل مین فلوریو کے ساتھ محبت کرتی - لیکن کسی کو معلوم نہ ہو سکا -

فلوریو اپنی ترقی تعلیم مین مصروف تھا کیونکہ اُسے فقط یہی ایک ذریعہ ایسا نظر آیا جس سے دولت پیدا کر کے لیونلا سے بھی شادی کی درخواست کی جا سکتی ہے - اب اُس کی عمر بیس سال کے قریب پہونچ گئی تھی اور وہ اپنے مکان سے دور کسی شہر مین تھا - دفعۃً لیونٹائن نے اُسے اپنے پاس بلا بھیجا - لوڈوشس اور اُس کی بیوی مین اپنے بیٹے فلوریو کی شہرت اور ترقی تعلیم کا حال سُن کے اب ضبط کی طاقت نہ باقی رہی اور اُنھون نے لیونٹائن کے ذریعے سے بلا بھیجا -

فلوریو لیونٹائن کے پاس پہونچا - اور اُسی وقت لیونٹائن نے اُس سے کہا "میرے دوست لوڈوشس کو تم سے کچھ ضروری باتین کرنی ہین لہذا تم جا کے اُن سے مل آؤ" یہ کہتے ہی وہ اُٹھ کے فلوریو سے ملا اور آبدیدہ ہو کے اُسے رخصت کر دیا -

(فلوریو لوڈوشس کے مکان پر پہونچا وہ اس کا منتظر ہی تھا بڑی خاطر سے بٹھایا اور تھوڑی دیر کے بعد اطمینان سے اُس سے اُس کے نسب اور تعلیم و تربیت کا حال بیان کر دیا پھر آخر مین کہا "در اصل لیونٹائن کی اس محنت اور شفقت کا شکریہ جو اُنھون نے تمھاری تعلیم مین اُٹھائی میرے امکان سے باہر ہے لیکن اس کا کچھ معاوضہ اگر ہو سکتا ہے تو یہی ہے کہ اُن کی بیٹی کے ساتھ تمھاری شادی کر دیجائے - اس طرح یہ حال معلوم ہو جانے کے بعد بھی تم لیونٹائن کے عزیز رہو گے اور اُنھین جو صدمہ تمھارے علیحدہ کرنے کا ہوا ہو گا کم ہو جائے گا -

اور لیونلا بھی اِس کے بعد میری بیٹی اور میرے ہی یہان رہے گی - اگرچہ وہ یہ نہین جانتی تھی کہ مین در اصل اُس کا باپ نہین ہون لیکن اُسے میرے ساتھ بڑی محبت ہے - اور اس محبت کا یہی صلہ ہے کہ اُس کی شادی تمھارے ساتھ کر دیجائے - تم میری جائداد کے مالک ہو اور اب اپنی تعلیم و تربیت کی وجہ سے اُسے ترقی دے سکو گے - لیکن اگر تمھین پہلے سے معلوم ہو جاتا کہ اتنی بڑی جائداد

تمھارے قبضے مین آجائے گی تو حصول علم مین ہرگز اتنی محنت نہ کرتے اور اس کا نتیجہ یہ ہوتا کہ یہ جائداد ضائع ہوتی اور تم اُس سے بھی بخوبی فائدہ نہ اُٹھا سکتے۔ جاؤ دوسرے کمرے مین تمھاری نان تمھارا انتظار کر رہی ہین اور تم سے ملنے کی مجھ سے زیادہ مشتاق ہین اور جس وقت مین نے یہ واقعات تم سے بیان کیے ہین اُسی وقت اُنھون نے یہ باتین لیونلا سے کہہ دی ہون گی۔

فاوریو کو یہ واقعات معلوم کر کے ایسی خوشی ہوئی کہ اُس کی زبان سے کوئی لفظ نہ نکل سکا۔ وہ تھوڑی دیر تک خاموشی کے ساتھ اپنے باپ کی طرف دیکھتا رہا۔ پھر اُٹھ کے اُن کے قدمون پر گر پڑا۔ کیونکہ سب سے زیادہ جس بات کی اُسے خوشی ہوئی وہ اُس کی جائداد نہ تھی بلکہ وہ لیونلا تھی لیونٹا ان نے بھی اس تجویز کو پسند کیا اور اس کے دو ہی چار روز بعد فاوریو اور لیونلا کی شادی ہو گئی اور اُن کی بقیہ عمر اطمینان اور آرام مین بسر ہوئی۔

معزز ناظرین

دلگداز کی اشاعت مین اس مرتبہ غیر معمولی اور بہت زیادہ تاخیر ہو گئی لیکن آیندہ کے لیے اہتمام کر لیا گیا ہے اور اب امید ہے کہ بہت جلد سب بقیہ پرچے نکل جائین گے اور پرچہ ہمیشہ وقت پر نکلا کرے۔ اس کا تجربہ آپ کو بعد مین ہو گا۔

منیجر دلگداز

اطلاع ۔ انجمن اشاعۃ الاسلام کی جانب سے چندہ وصول کرنے کی غرض سے مولوی محمد ابراہیم صاحب مضافات مین روانہ کیے گئے ہین۔ اور فی الحال وہ صوبہ جات متحدہ مین دورہ کر رہے ہین برادران اسلام سے امید ہے کہ اُن کی مدد کرین گے اور اُنھین چندہ دینے مین تامل نہ فرمائین گے۔

خادم قوم محمد سراج الحق شریک معتمد انجمن

قدیم سیاحان ہندوستان

پندرھوین صدی عیسوی کے آغاز مین نکلو کانٹی نام وینس کے ایک تاجر نے ہندوستان سفر کیا۔ اور تبرھا۔ الجزائر چین اور مصر ہوتا ہوا پچیس سال کے بعد اپنے وطن واپس آیا۔ اس سفر مین وہ اپنی بی بی اور بچون کو ساتھ لیتا گیا تھا۔ واپسی کے وقت مصر مین اُسے اپنا مذہب عیسوی چھوڑ دینا پڑا۔ جب وہ وطن مین پہونچ گیا تو پوپ یوجن چہارم سے درخواست کی کہ میرا گناہ کبیرہ جو اپنی جان بچانے کی غرض سے سرزد ہو گیا تھا معاف کر دیا جائے۔ پوپ نے اس کی درخواست منظور کر لی لیکن یہ شرط لگا دی کہ اپنے سفر کے حالات سکرٹری پوگیو بریسولی نی سے بیان کر دو۔ پوگیو نے یہ واقعات اس سے سن کے لاطینی زبان مین لکھ دیے تھے۔ اور ہمین یقین ہے کہ اس کے حالات ناظرین دلگداز کے لیے بہت ہی دلچسپ ثابت ہون گے۔

نکلو دمشق الشام مین ایک تاجر کی حیثیت سے رہتا تھا۔ اور عربی زبان سیکھ کے ایک قافلے کے ساتھ جس مین چھ سو تاجر تھے اپنا مال تجارت لے کے عراق عرب کی جانب روانہ ہو گیا اور چیلڈیا ہوتا ہوا دریاے دجلہ کے کنارے پہونچا۔ وہ بیان کرتا ہے کہ اس راستے مین ایک عجیب و غریب واقعہ پیش آیا۔ آدھی رات کو جب ہم سب ایک مقام پر ٹھیرے ہوے تھے زور و شور کی آوازین آنا شروع ہوئین۔ ہم سمجھے کہ عربون نے حملہ کر دیا ہے اور ہمین لوٹنے آرہے ہین لہذا ہر شخص اُٹھا اور مقابلے کے لیے تیار ہو گیا۔ اب ہم اُن کے انتظار مین کھڑے تھے کہ دیکھا لوگون کی ایک بہت بڑی جماعت گھوڑون پر سوار چلی جا رہی ہے وہ سوار قریب آ گئے اور ہمارے خیمون کے پاس سے گزرنے لگے۔ لیکن ہم سے کچھ نہ بولے بعض تجربہ کار تاجرون نے جو ایسے واقعات پہلے دیکھ چکے تھے کہا کہ یہ جن ہین اور راس

میدان مین اکثر اسی طرح نظر آیا کرتے ہین۔

دریاے دجلہ کے کنارے ایک بہت بڑا شہر ہے جس مین قدیم شہر بابل کا ایک حصہ بھی آگیا ہے یہ شہر چودہ میل کے رقبہ مین آباد ہے۔ اسے وہان کے لوگ بلدوشیا (بغداد) کہتے ہین۔ دریاے دجلہ اس شہر کے بیچ مین سے ہو کے گزرتا ہے اور ایک پل کے ذریعے سے جس مین چودہ در ہین اور دونون جانب دو مضبوط برج بنے ہین شہر کے دونون حصون مین آمد و رفت ہے۔ بغداد کے قریب شہر بابل کی بہت سی یادگارین اور عمارتون کے کھنڈر اب تک باقی ہین۔ شہر کے ایک بلند مقام پر مضبوط قلعہ ہے اور اُسی کے اندر شاہی قصر ہین۔

یہان سے روانہ ہو کے مین نے بیس دن کشتی مین سفر کیا اور دریا کے دونون جانب نہایت زرخیز زمینین نظر آئین۔ پھر آٹھ روز خشکی کا سفر کر کے بصرہ پہونچا اور وہان سے چار روز کے بعد خلیج فارس مین داخل ہوا۔ اس سمندر مین بحر اٹلانٹک کی طرح مد و جزر ہوتا ہے۔ یہان سے چار روز جہاز پر سفر کر کے بندرگاہ قلقوس مین اور وہان سے جزیرۂ ہرمز پہونچا۔ جو ساحل سے بارہ میل کے فاصلے پر واقع ہے۔ اس جزیرے سے مین ہندوستان کی جانب روانہ ہوا اور سو میل چل کے ایک شہر مین آیا جو گل کے شیا کہلاتا ہے اور ایران کا ایک بہت بڑا بندرگاہ ہے۔ یہان مین چند روز ٹھہر گیا۔ فارسی زبان سیکھی جس سے بعد مین بہت کام نکلا۔ یہین سے مین نے ایرانیون کا لباس اختیار کیا اور اپنے سارے سفر مین اُسی کو پہنتا رہا۔ پھر چند ایرانی تاجرون کے ساتھ مین نے ایک جہاز کرایہ پر لیا اور آپس مین قول و قرار کر کے کہ ایک دوسرے کے ساتھ ایمانداری اور راست بازی سے پیش آئین گے روانہ ہو گیا۔

اس طرح ایک مہینہ سفر کر کے اور دریاے سندھ کے دہانے سے گزر کے مین ایک خلیج مین داخل ہوا اور شہر کھمبات پہونچا یہان ایک قسم کا قیمتی پتھر پیدا ہوتا ہے جو رات کو روشنی دیتا ہے۔ یہان کے لوگون مین روزانہ

ہے کہ جب شوہر مرجاتا ہے تو اُس کی موت کو اہمیت دینے کے لیے اُس کی وہ بی بی جو شوہر کو زیادہ عزیز ہوتی ہے اُس کی لاش کے برابر لیٹ جاتی ہے اور اس کے گلے مین باہین ڈال کے ساتھ جل جاتی ہے۔ اور جب چتا روشن ہو جاتی ہے تو دوسری بی بیان بھی شعلون مین گھس پڑتی ہین۔

یہان سے روانہ ہو کے ہم نے بیس روز جہاز پر گزارے اور دو شہرون کے قریب پہونچا جو ساحل پر واقع ہین۔ ان شہرون کے قریب سونٹھ اور راد رک پیدا ہوتی۔ یہ ایک چھوٹے پودے کی جڑ ہے جو دو بالشت اونچا ہے۔ اس کی جڑ کھود کے نکال لیتے ہین اور راکھ مین ڈال کے تین دن دھوپ مین پھیلا دیتے ہین۔ اور وہ خشک ہو جاتی ہے۔

یہان سے روانہ ہو کے اور تقریباً تین سو میل اندرون ملک خشکی کا سفر کر کے مین بڑے شہر بیجانگر پہونچا جو بلند چٹانون کے دامن مین واقع ہے۔ یہ شہر ساٹھ میل کے رقبہ مین آباد ہے۔ اس کی فصیلین پہاڑون کے اوپر تک چلی گئی ہین اور اُن کے دامن کی وادیون کو اپنے آغوش مین لیے ہوئے ہین اس وجہ سے اِس شہر کی وسعت بہت زیادہ ہو گئی ہے۔ اس شہر مین نوے ہزار جوان ایسے ہین جو میدان جنگ مین آسکتے ہین۔ یہان کے مردون کی کئی بیبیان ہوتی ہین۔ اور سب اپنے شوہر کے ساتھ جل کے مرجاتی ہین۔ ہندوستان کے بادشاہون مین یہان کا راجہ سب سے زیادہ طاقتور ہے۔ اس کی بارہ ہزار بیبیان ہین جہان کہین وہ جاتا ہے چار ہزار بیبیان پیدل ہمراہ ہوتی ہین اور باورچی خانے کا انتظام اُنھین کے سپرد ہوتا ہے۔ چار ہزار جو اچھے کپڑے پہنے ہوتی ہین گھوڑون پر سوار ہو کے ساتھ چلتی ہین۔ اور باقی پالکیون مین ہوتی ہین جنھین آدمی لے کے چلتے ہین۔ انھین مین دو تین ہزار ایسی منتخب بیبیان ہین جو اس شرط سے رکھی گئی ہین کہ راجہ کی موت پر اُس کے ساتھ جل کے مرجائین گی۔ اور یہ اُن کے لیے بڑی عزت کی بات خیال کی جاتی ہے۔

مشہور شہر تلاکندہ (غالباً نیا کندہ) اسی راجہ کے علاقے مین شامل ہے اور بیجانگر سے آٹھ روز کی مسافت پر واقع ہے۔ یہان سے سفر

کرکے مین بیس دن چلتا رہا اور ایک بندرگاہ مین آیا جس کا نام لوٗ دی فطانیہ (غالبًا ورماپٹم جو ٹلی چری کے قریب ہے) ہے۔ راستے مین مجھے دو شہر ملے جنکا نام زوٗ داگیری اور چندرگیری ہے۔ پھر آگے بڑھ کے ایک اور بندرگاہ ملا جو میلاپور کہلاتا ہے اور دریاے سندھ کے بعد دوسرے خلیج مین واقع ہے۔ یہان ایک بڑے اور خوشنما گرجے مین سینٹ ٹامس کی قبر ہے اور بے دین نسطوری فرقے کے لوگ اُس کی پرستش کرتے ہین۔ اس شہر مین اُن کی تعداد ایک ہزار ہے۔ یہ نسطوری سارے ہندوستان مین اُسی طرح پھیلے ہوے ہین جس طرح ہمارے ممالک مین یہودی ہین یہ سارا علاقہ ملا بار کہلاتا ہے۔ اِس کے آگے ایک اور شہر ہے جس کا نام کاہلہ (کلکیر) ہے۔ یہان سمندر مین موتی پیدا ہوتے ہین۔ اُس شہر مین ایک درخت ہوتا ہے جس مین پھل نہین لگتے لیکن اِس کا پتا چھ بالشت لمبا اور اسی قدر چوڑا ہوتا ہے۔ اور اِس قدر پتلا کہ ایک شخص اُسے دبا کے اپنی مٹھی مین بند کر لیتا ہے یہان کے لوگ ان پتون پر لکھتے ہین اور بارش کے موسم مین اپنے سر پہ ڈال لیتے ہین تاکہ کپڑے مینھ سے محفوظ رہین۔ اس پتے کو پھیلا کے تین چار آدمی بہ آسانی اُس کے نیچے چل سکتے ہین۔

اس خلیج کے بیچ مین ایک جزیرہ ہے جس کا نام صیلام (سیلون یعنی سراندیپ) ہے اس کے چارون طرف ساحل کی لمبائی تین ہزار میل ہے۔ اس مین لال۔ یاقوت۔ نیلم۔ اور وہ قیمتی پتھر پیدا ہوتا ہے جو رات کو روشنی دیتا ہے۔

یہان دارچینی کثرت سے پیدا ہوتی ہے۔ اس کا درخت ہمارے ملک کے بید کے مشابہ ہوتا ہے۔ لیکن اس کی شاخین اوپر کی جانب نہین ہوتین بلکہ چارون طرف پھیلتی ہین۔

اس جزیرے مین ایک جھیل[ع] ہے اور اُس کے بیچ مین ایک شہر آباد ہے جس کے ساحل کا دور تین میل ہے۔ ان جزیرون مین برہمنون کی حکومت ہے جو دیگر لوگون

[ع] سیلون مین اب کوئی جھیل نہین ہے اور نہ کوئی ایسے آثار پائے جاتے ہین کہ اتنی بڑی جھیل موجود ہو جس کے بیچ مین شہر آباد رہا ہو۔

سے زیادہ قابل خیال کیے جاتے ہین - برہمن بڑے فلسفہ دان ہوتے ہین اور اپنی ساری زندگی نجوم اور ہیئت کی فکر دن مین بسر کر دیتے ہین -

اس کے بعد جزیرہ تپاروبونا کے ایک شہر مین گیا - اس جزیرے کو وہان کے باشندے سماترا کہتے ہین - مین اس شہر مین ایک سال رہا - یہ شہر چھ میل کے رقبہ مین آباد ہے اور بڑی تجارت کی جگہ ہے - ایک اچھے موسم مین چند روز مین نے جہاز پر سیر کی اور جزیرہ انڈامانیہ کو اپنے داہنے ہاتھ کی جانب چھوڑ دیا - یہ سونے کا جزیرہ کہلاتا ہے اور آٹھ سو میل کے رقبہ مین ہے - یہان کے لوگ مردم خوار ہین - کوئی جہاز اس کے ساحل پر نہین ٹھہرتا - اور اگر طوفان کی وجہ وہان جانا پڑا اور ان وحشیون نے دیکھ لیا تو فوراً آ کے لوگون کو پکڑ لے جاتے ہین - اور اُنھین ٹکڑے ٹکڑے کر کے کھا لیتے ہین - جزیرۂ سماترا چھ ہزار میل کے رقبہ مین ہے - وہان کے لوگ ظالم اور وحشی ہین - مردون اور عورتون کے کان بہت بڑے ہوتے ہین - اور ان مین وہ بالیان پہنتے ہین جن مین قیمتی جواہر جڑے ہوتے ہین - وہ سوتی اور ریشمی کپڑے پہنتے ہین جو گھٹنون کے نیچے تک لٹکتے رہتے ہین - مرد جتنی بی بیان چاہین رکھ سکتے ہین - ان کے مکان نہایت پست ہوتے ہین اور فقط اس غرض سے بنائے جاتے ہین - کہ دھوپ کی شدت سے لوگون کو بچائین - یہان کے لوگ سب بت پرست ہین -

اس جزیرے مین مرچ اور کافور پیدا ہوتا ہے - اور کانون مین سے سونا نکالا جاتا ہے - مرچ کا درخت چھوٹا ہوتا ہے اور اُس کے بیج سبز ہوتے ہین جنھین وہ لوگ راکھ مین ڈال کے دھوپ مین خشک کر لیتے ہین - اس جزیرے مین ایک خاص قسم کا پھل پیدا ہوتا ہے جو سبز رنگ کا ہوتا ہے اور کھیرے کے برابر ہوتا ہے - جب اُسے کاٹتے ہین تو اُس مین سے نارنگیون کے سے گول پانچ پھل نکلتے ہین - اور اُن کا مزا پنیر کا ایسا ہوتا ہے -

اس جزیرے کے ایک حصے مین جو باتش کہلاتا ہے ایسی قوم آباد ہے جو مردم خوار ہے - یہ لوگ ہمیشہ قرب وجوار کے لوگون سے لڑا کرتے ہین - وہ انسانی سرون کو بڑی قیمتی چیز سمجھتے ہین - جب وہ کسی دشمن کو گرفتار

کرتے ہین تو اُس کا سر کاٹ کے رکھ لیتے ہین اور بقیہ جسم کھا جاتے ہین جب اُنھین کوئی چیز خریدنے کی ضرورت ہوتی ہے تو روپیہ کے بجاے وہی سر دیدیتے ہین۔ لہٰذا اُن مین وہ شخص سب سے زیادہ مالدار سمجھا جاتا ہے جس کے گھر مین سب سے زیادہ سر ہون۔

اب مین اِس جزیرے سے روانہ ہوا اور سولہ دن کے نہایت طوفانی سفر کے بعد شہر تناسرم پہونچا جو اسی نام کے دریا کے دہانے پر واقع ہے۔ اِس ملک مین ہاتھی بہت کثرت سے ہین۔ اور ایک خاص قسم کی چڑیان ہوتی ہین۔

یہان سے روانہ ہو کے اور خشکی اور تری کا سفر کر کے دریاے گنگا کے دہانے پر پہونچا۔ پھر ایک کشتی مین پندرہ دن اُسی دریا مین چڑھائی پر سفر کر کے ایک بڑے اور مشہور شہر مین پہونچا جو سرناؤ (کرم دنگ) کہلاتا ہے۔ یہ ندی اتنی چوڑی ہے کہ اُس کے بیچوں بیچ مین سے دونون جانب کی زمین نہین نظر آتی۔ بعض مقامات پر اِس کا عرض پندرہ میل سے زیادہ ہے۔ اِس ندی کے کنارے بہت اونچے بانس پیدا ہوتے ہین جو اِس قدر موٹے ہوتے ہین کہ اگر کوئی شخص اپنے دونو بازوؤن کے دور مین لینا چاہے تو نہین لے سکتا ہے۔ یہان کے لوگ اُن کی چھوٹی چھوٹی کشتیان بناتے ہین اور اُس کے لیے ایک بانس کافی ہوتا ہے۔ اور اُس کی چھال سے جو آدمی کی ہتھیلی کے برابر چوڑی ہوتی ہے چھوٹی ڈونگیان بناتے ہین۔ یہ ڈونگی اس ندی مین آمد و رفت کے لیے بہت موزون ہوتی ہے۔ بانس مین ایک گرہ سے دوسری گرہ کا فاصلہ آدمی کے قد کے برابر ہوتا ہے۔ مگرمچھ اور مختلف قسم کی مچھلیان جن سے ہم نہین واقف ہین اِس ندی مین موجود ہین۔ ندی کے دونون جانب نہایت خوشنما آبادیان اور کھیت اور باغ ہین جن مین ہزار ہا قسم کے میوے پیدا ہوتے ہین۔ ان مین سب سے اچھے موز (کیلے) جو انگور کے دانون سے اور شہد سے زیادہ شیرین ہین۔ اور ناریل ہین۔

یہان سے روانہ ہو کے مین تین مہینے اسی ندی کے اوپر چلا گیا

اور چار بہت بڑے اور مشہور شہر راستے مین چھوڑ دیے۔ پھر ایک نہایت آباد شہر آرزنیہ (متھرا) مین اترا۔ یہان عود۔ سونا۔ چاندی۔ جواہرات۔ اور موتی۔ پیدا ہوتے ہین۔ یہان سے مین نے مشرق کی جانب پہاڑون کا راستہ لیا جہان کی نسبت سنا تھا کہ سنگ شب چراغ پیدا ہوتا ہے۔ وہان کے سفر مین تیرہ دن صرف ہوے اور مین پھر سرناد (کرونگر) واپس آیا۔ اور تفلی تانیہ (بمردوان) گیا۔ یہان سے روانہ ہو کے ایک مہینے کے دریائی سفر کے بعد دریاے آوا کا کے دہانے پہ پہونچا۔ اور ندی مین چھ روز چلنے کے بعد ایک بہت بڑے شہر مین آیا جو اسی ندی کے نام سے مشہور ہے اور اُسی کے کنارے آباد ہے۔

یہان سے چل کے مین ایسے ملک مین پہونچا جہان آبادی کا کہین نام و نشان تک نہین سترہ دن پہاڑون مین اور پندرہ دن میدانون مین سفر کرنے کے بعد مین ایک اور ندی کے کنارے پہونچا جو گنگا سے بھی بڑی ہے اور لوگ اُسے داوا (اراودی) کہتے ہین۔ اس ندی مین اوپر کی جانب ایک مہینہ چلنے کے بعد مین ایک شہر مین آیا جو اور سب شہرون سے بڑا ہے اور پندرہ میل کے رقبہ مین آباد ہے۔ اس شہر کا نام آوا ہے۔

یہ ملک مسی نوس (سیام) کہلاتا ہے۔ اور اس مین ہاتھی بہت زیادہ ہین۔ یہان کے بادشاہ کے پاس دس ہزار ہاتھی ہین جو لڑائی مین کام آتے ہین۔ قلعے (عماریان) ان ہاتھیون کی پیٹھ پر باندھ دیے جاتے ہین جس مین آٹھ یا دس آدمی تیر کمان اور خنجر لے کے بیٹھ جاتے ہین۔ یہ ہاتھی جنگل مین رہتے ہین لیکن عام طور پر اس طرح پکڑے جاتے ہین کہ ایک خاص فصل مین پالو ہتھنی جنگل مین چھوڑ دی جاتی ہے۔ جب ہاتھی اُسے دیکھ لیتے ہین تو وہ آہستہ آہستہ چلتی ہوئی ایک احاطہ کے اندر آجاتی ہے جس کے گرد دیوارین ہوتی ہین اور دو بڑے پھاٹک لگے ہوتے ہین۔ جب جنگلی ہاتھی اُسے اس احاطے کے اندر دیکھتے ہین تو وہ بھی ایک پھاٹک سے اُس مین آجاتے ہین۔ لیکن ہتھنی فوراً دوسرے پھاٹک سے نکل جاتی ہے اور لوگ جو اُس کی نگرانی کرتے رہتے ہین دونون پھاٹک مضبوط بند کر لیتے ہین۔ پھر بہت سے

آدمی چھوٹے دروازون سے اُس احاطے مین آجاتے ہین۔ اُن کے
ہاتھ مین نہایت مضبوط رسیان ہوتی ہین جن مین پھندے بنے ہوتے ہین
ایک آدمی اس ہاتھی کے سامنے جاتا ہے اور جیسے ہی ہاتھی اُسے مارنے
کے لیے دوڑتا ہے اور لوگ پیچھے سے اُس کے پیرون مین رسی کے
پھندے ڈالدیتے ہین۔ پھر اُس کے پیر مضبوط جکڑ دیے جاتے ہین اور تین
چار دن اُسے وہین باندھ دیتے ہین۔ فقط تھوڑی سی گھانس روزانہ
دیدیجاتی ہے۔ اسی طرح پندرہ روز مین اُس کا جوش کم ہو جاتا ہے۔ اب وہ
اُسے دو پالو ہاتھیون کے بیچ مین باندھتے ہین اور شہر کے اندر سڑکون پر
لے جاتے ہین۔ غرض دس دن کے اندر وہ اور ہاتھیون کی طرح پالو
ہو جاتا ہے۔

لیکن بعض جگہ ہاتھیون کو ایک اور طریقے سے پکڑتے اور پالو کرتے
ہین۔ وہ ہاتھیون کو ایک ایسے مقام پر لے جاتے ہین جو چار ون طرف
سے محفوظ ہو پھر پالو ہتھنیون کو وہان سے نکال لیتے ہین۔ اور ہاتھیون کو
فاقے دے دے کے پالو کر لیتے ہین۔ چار روز بعد اُنھین ایک تنگ مقام
مین لے جاتے ہین جو خاص کر اسی ضرورت سے بنایا جاتا ہے۔ اور
وہان اُنھین سدھا لیتے ہین۔ بادشاہ اِن ہاتھیون کو اپنی ضرورتون
کے لیے خریدتے ہین۔ پالو ہاتھیون کو گھی اور چاول دیے جاتے ہین۔
اور جنگلی ہاتھی درختون کے پتے اور گھانس کھاتے ہین۔ پالو ہاتھی کو فقط ایک
آدمی ایک جگہ سے دوسری جگہ لیجاتا ہے اُس کے سر پر بیٹھ کے ایک آہنی آنکس کے ذریعے
سے چلاتا ہے یہ جانور اس قدر ہوشیار اور عقلمند ہوتا ہے کہ میدان
جنگ مین دشمن کے تیرون اور برچھون کو وہ اپنے پیر کے تلون
پر روک لیتا ہے تاکہ اُن لوگون کو نقصان نہ پہونچے جو اُس کی پیٹھ پر سوار
ہین۔ اس ملک کا بادشاہ ایک سفید ہاتھی پر سوار ہوتا ہے اور اُس کی گردن
مین سونے کی زنجیر پڑی ہے جس مین قیمتی جواہرات جڑے ہین۔ وہ اُس
کے پیر دن تک لٹکتی رہتی ہے۔

یہان کے مرد ایک ہی بی بی رکھتے ہین - اور سب مرد اور عورتین اپنے گوشت مین سوئیون سے سوراخ کرکے ایسا رنگ بھردیتے ہین جو کبھی نہین زائل ہوتا - لوگون کا مذہب بت پرستی ہے - لیکن جب صبح کو سوکے اُٹھتے ہین تو مشرق کیطرف مُنھ کرکے اور دونون ہاتھ جوڑ کے کہتے ہین "خدا کی تثلیث اور اُسکی شریعت ہمین محفوظ رکھے"

اس ملک مین ایک قسم کا سیب پیدا ہوتا ہے جو انار کی شکل کا ہوتا ہے اور اُس مین نہایت شیرین عرق بھرا ہوتا ہے - ایک درخت ہوتا ہے جو تال (تاڑ) کہلاتا ہے اس کے پتے بہت بڑے ہوتے ہین - اور اسی پر لوگ لکھتے ہین - کیونکہ سارے ہندوستان مین سوا کھمبات کے اور کسی جگہ کاغذ کا رواج نہین ہے - اس درخت مین چقندر کے مانند ایک پھل بھی ہوتا ہے - اُس کے اندر جو عرق ہوتا ہے چند روز بعد جم جاتا ہے اور کھانے مین بڑے مزے کا ہوتا ہے -

اس ملک مین نہایت خوفناک سانپ پیدا ہوتے ہین جن کے پیر نہین ہوتے لیکن انسان کے برابر موٹے اور چھ گز لمبے ہوتے ہین - یہان کے باشندے انھین آگ مین بھون کے کھاتے ہین - اور اُسے نہایت پر تکلف غذا خیال کرتے ہین - اس کے سوا وہ کیکڑون کو بھی نمک مرچ مین بھون کے کھا جاتے ہین -

یہان ایک جانور ہوتا ہے جس کا سر سور کے مانند ہوتا ہے - دُم بیل کی سی ہوتی ہے - اور پیشانی پر گینڈے کی طرح ایک چھوٹا سینگ ہوتا ہے رنگ اور قد و قامت مین وہ ہاتھی کے برابر ہوتا ہے اور ہمیشہ ہاتھی سے لڑا کرتا ہے - کہا جاتا ہے کہ اُس کا سینگ ہر قسم کے زہر کا علاج ہے - اور اسی وجہ سے لوگ اس کی بڑی قدر کرتے ہین -

اس ملک کے اندرونی حصے مین سیاہ اور سفید بیل پیدا ہوتے ہین - اور وہ بیل نہایت قیمتی سمجھے جاتے ہین جن کی دُمین گھوڑے کی طرح گھنی اور لمبے بالون کی ہون - لیکن گھوڑون سے زیادہ لمبی اور پیرون تک نیچی ہون - اُن کی دمون کے بال بہت باریک ہلکے اور نرم ہوتے ہین - اور اپنے وزن کے برابر چاندی کے معاوضے مین فروخت ہوتے ہین - ان بالون کے پنکھے اور چوریان بنائی جاتی ہین جو دیوتاؤن اور بادشاہون کے جھلی جاتی ہین -

ان بیلون کی دمون کے بال معزز اور امیر لوگ اپنے گھوڑون کی دمچیون مین لگا دیتے ہین تاکہ گھوڑے کا پچھلا حصہ ان مین چھپا رہے۔ اور گھوڑے کی گردن مین بھی باندھ دیتے ہین تاکہ اُس کے آگے لٹکتے رہین اور سینہ اُن مین چھپا رہے۔ یہ بڑی عزت کی چیز خیال کیجاتی ہے۔ رسالے کے سواران بالون کو اپنے نیزون مین لگاتے ہین اور شرافت کا نشان سمجھتے ہین۔

اس ملک کے آگے ایک صوبہ ہے جو دنیا کے سب ملکون سے اچھا ہے اُسکا نام کیتھے عـ۵ ہے۔ اس ملک کے حاکم کو خان اعظم کہتے ہین جس کے معنی شہنشاہ کے ہین۔ اس کے دار السلطنت کا نام کمبالشیا عـ۵ (خان بالق) ہے۔ یہ شہر اٹھائیس میل کے رقبہ مین آباد ہے اس کے درمیان مین ایک نہایت مضبوط قلعہ ہے اور اُسی کے اندر بادشاہ کا محل ہے۔ یہ شہر ایک مربع رقبہ مین آباد ہوا ہے لہذا فصیل کے چارون کونون پر چار مدور قلعہ تعمیر کیے گئے ہین جن مین سے ہر ایک کا دور چار میل ہے۔ ان قلعون مین ہر قسم کا سامان جنگ اسلحہ اور شہرون پر دھاوا کرنے کی کلین موجود رہتی ہین قصر شاہی سے ان چارون قلعون کو سرنگین گئی ہین جو اس خیال سے بنائی گئی ہین کہ اگر شہر والے بغاوت کردین تو بادشاہ اُن کے اندر ہی اندر جس قلعے مین چاہے چلا جائے۔ اس شہر سے پندرہ دن کے راستے پر ایک اور بڑا شہر ہے جو اسی بادشاہ نے تعمیر کرایا ہے۔ وہ تین میل کے رقبہ مین آباد ہے اور تپ طائی کہلاتا ہے۔ سب شہرون سے زیادہ آباد ہے۔ ان دونون شہرون کے مکان اور بڑی عمارتین اور رونق سب اٹلی کی ایسی ہے۔ یہان کے لوگ نہایت ہوشیار اور شریف ہین اور سب ملکون سے زیادہ دولتمند ہین۔

یہان سے مین آدا واپس آیا اور سترہ دن جہاز مین سفر کر کے ایک ندی (غالبًا پیگو) کے دہانے پر پہونچا۔ یہان ایک شہر آباد ہے۔ مین اس مین نہین ٹھیرا

عـ۵ چین کا جنوبی حصہ لیکن اب اُس کے حدود کا اندازہ کرنا غیر ممکن ہے۔

عـ۵۔ پیکن کا قدیم نام خان بالق تھا۔

لیکن ایک دوسری کشتی مین بیٹھ کے ندی کے اوپر چلا اور دس روز کے بعد ایک نہایت آباد شہر بیکونیا مین آیا جو بارہ میل کے رقبہ مین آباد ہے یہان چار مہینے ٹھہرا۔ ہندوستان مین فقط یہی ایک مقام ہے جہان انگور پیدا ہوتا ہے۔ لیکن یہان بھی بہت کم ہوتا ہے لہذا لوگ اُس کی شراب نہین بناتے۔ یہان سیب۔ نارنگی۔ شاہ بلوط۔ خربوزے۔ سفید صندل اور کافور پیدا ہوتا ہے۔ کافور ایک درخت کے اندر سے نکلتا ہے۔ اور اگر لوگ اُس کی چھال نکالنے سے پہلے اپنے دیوتاؤن کے آگے قربانی نہ کرلین تو کافور لکڑی کے اندر سے غائب ہوجاتا ہے۔

ہندوستان مین دو جزیرے ہین جو دنیا کے خاتمے پر واقع ہوے ہین۔ دونون کا نام جاوا ہے ایک کا رقبہ تین ہزار میل ہے اور دوسرے کا دو ہزار میل۔ دونون مشرق مین سمندر کے راستے مین ہین۔ اور بر اعظم سے ایک مہینہ کے سفر پر اور ایک دوسرے سے سو میل فاصلے پر واقع ہین۔ مین اپنی بی بی اور بچون کے ساتھ (جو سارے سفر مین میرے ہمراہ تھے) یہان نو مہینے رہا۔

ان جزائر کے باشندے دنیا کی سب قومون سے زیادہ بیرحم اور ظالم ہین۔ چوہے۔ کتے۔ بلیان۔ اور ایسے ہی ناپاک جانور کھاتے ہین۔ کسی آدمی کا مار ڈالنا اُن کے یہان ایک مذاق ہے۔ اور اِس قتل کی اُنھین کوئی سزا بھی نہین دیجاتی۔ قرضدار پکڑ کے قرضخواہ کے حوالے کردیا جاتا ہے اور وہ اُسے اپنا غلام بنالیتا ہے۔ لیکن اگر وہ غلام بننے سے موت کو ترجیح دے تو ایک ننگی تلوار لے کے نکل پڑتا ہے اور جو شخص اُس کے سامنے آجاتا ہے قتل کر ڈالتا ہے۔ یہانتک کہ کوئی اس سے زیادہ طاقتور مقابل مل جاتا ہے جو اُسے مار ڈالتا ہے۔ اب قرضخواہ آکے اُس شخص کو پکڑتا ہے جس نے اُس کے قرضدار کو قتل کیا ہے اور اس سے اپنا روپیہ مانگتا ہے۔ اور حاکم اُس کا فیصلہ کرتے ہین۔

اگر کوئی شخص نئی تلوار مول لیتا ہے تو اُسے آزمانے کے لیے

جو شخص پہلے سامنے آجاتا ہے اُس کے جسم مین پھونک دیتا ہے اور اگر وہ شخص مرجائے تو اُسے کوئی سزا نہین دیجاتی - راستہ چلنے والے اُس کے زخم کو دیکھ کے اُس شخص کی تعریف کرتے ہین جس نے اِس طرح سیدھی تلوار بھونک دی - یہان ہر شخص جتنی بیبیان چاہے رکھ سکتا ہے -

یہان کے لوگون کی سب سے زیادہ دلچسپی مرغون کی لڑائی مین ہوتی ہے - مختلف لوگ اپنے مرغ لاتے ہین اور ہر شخص کا دعوے ہوتا ہے کہ ہمارا مرغ جیتے گا - جو لوگ لڑائی کا تماشا دیکھنے آتے ہین اُس پر بازی لگاتے ہین اور جو مرغ فتح پاتا ہے وہی اُن کی بازی کا فیصلہ کرتا ہے -

جاوا کے بڑے جزیرے مین ایک نہایت خوبصورت چڑیا ہوتی جو جنگلی کبوتر کے برابر ہوتی ہے - لیکن اُس کے پیر نہین ہوتے - سر پر ایک کلغی ہوتی ہی اور دُم لمبی اور گول ہوتی ہے - اکثر یہان کے درختون پر دیکھی جاتی ہے - اس چڑیا کا گوشت نہین کھایا جاتا - لیکن اس کی کھال اور دُم بہت قیمتی ہوتی ہے - لوگ اُسے اپنی ٹوپیون مین لگاتے ہین -

مین نے جاوا مین ضروری سامان تجارت خریدا اور مغرب کی جانب جہاز پر روانہ ہو کے بندرگاہ سماسپا مین آیا جہان عود - کافور اور ستونا پیدا ہوتا ہے - اس سفر مین ایک مہینہ صرف ہوا - پھر مین وہان سے روانہ ہو کے بندرگاہ کولین پہونچا - اس ملک کو لوگ ملابار کہتے ہین - یہان [illegible] - اور دار چینی پیدا ہوتی ہے - یہان ایک قسم کے سانپ ہین جو چھ چھ گز لمبے ہوتے ہین اور جنگل مین رہتے ہین - لیکن جب تک اُنھین کوئی نہ ستائے کسی کو نہین کاٹتے - وہ بچون کو دیکھ کے خوش ہوتے ہین لہذا بچون کو دیکھتے ہوے وہ آبادی مین آجاتے ہین - یہان ایک اور قسم کا سانپ بھی ہوتا ہے جس کے چار پیر ہوتے ہین اور کتے کی طرح لمبی دم ہوتی ہے یہ کسی کو نہین ستاتے لیکن لوگ اُسے کھاتے ہین اور اُس کا گوشت بہترین قسم کی غذاؤن مین شمار کیا جاتا ہے -

یہین ایک اور قسم کے سانپ ہین جو ایک ہاتھ لمبے ہوتے ہین -

اور چمگادڑون کی طرح اُن کے بازو ہوتے ہین - اُن کے سات سر ہوتے ہین اور ہمیشہ درختون پر رہا کرتے ہین - وہ بہت تیز اُڑتے ہین اور نہایت زہریلے سانپ ہین - بلکہ کہا جاتا ہے کہ ایک سانس مین وہ آدمی کا خاتمہ کر دیتے ہین -

یہان پردار بلیان ہوتی ہین - اُن کے اگلے اور پچھلے پیرون کے بیچ مین جھلی ہوتی ہے جو اُن کے جسم سے لگی رہتی ہے - اور جب وہ بیٹھتی ہین تو سمٹ جاتی ہے - وہ اپنے پیر پھیلا کے اور بازوؤن کو ہلا کے ایک درخت سے دوسرے درخت پر اُڑ جاتی ہین - شکاری جب اُن کا تعاقب کرتے ہین تو وہ اُڑتے اُڑتے تھک جاتی ہین - پھر زمین پر گر پڑتی ہین اور لوگ انھین پکڑ لیتے ہین - یہان ایک درخت نہایت کثرت سے پیدا ہوتا ہے جس کے تنے مین اننناس کے ایسے پھل ہوتے ہین - لیکن اتنے بڑے کہ ایک آدمی مشکل سے اُٹھا سکتا ہے اس کا چھلکا سخت اور سبز رنگ کا ہوتا ہے - اس کے اندر دو سو سے تین سو تک پھل نکلتے ہین جو انگور کی طرح شیرین اور نہایت خوش ذائقہ ہوتے ہین - ہر پھل علیحدہ علیحدہ جھلی مین ہوتا ہے - جھلیون مین ان پھلون کے علاوہ ایک قسم کا سخت گودا نکلتا ہے جو مزے اور سختی مین شاہ بلوط کے پھل کے مانند ہوتا ہے - اور اُسی طرح پکایا جاتا ہے - اگر بغیر گرم کیے انگارون پر رکھ دیا جائے تو بڑی آواز ہوتی ہے - اوپر چھلکا مویشیون کو دیدیا جاتا ہے - اس درخت کے پھل اکثر زمین کے اندر جڑون تک مین نکلتے ہین - وہ مزے مین بہترین ہوتے ہین - لہذا عام لوگون کو نہین دیے جاتے بلکہ بادشاہ کے لیے محفوظ رکھے جاتے ہین - اس کا درخت انجیر کے درخت کا ایسا ہوتا ہے - اور اُس کے پتے کھجور کے مانند ہوتے ہین - اس کی لکڑی کے صندوق بنائے جاتے ہین اور بہت قیمتی ہوتی ہے - اس درخت کا نام کاجی ہے - یہان ایک اور پھل پیدا ہوتا ہے جسے آم کہتے ہین - اس کی شکل سبز ناریل کی ایسی ہوتی ہے لیکن اس سے چھوٹا ہوتا ہے - اوپر چھلکا بدمزہ ہوتا ہے لیکن اندر کا حصہ شہد کے مانند شیرین ہوتا ہے - پکنے سے پہلے یہ پھل درخت سے توڑ لیے جاتے ہین اور اُن کی تیزی دور کرنے کے لیے پانی مین ڈال دیتے ہین ؛

کوئلن سے روانہ ہو کے تین دن کے بعد مین شہر کوچن پہونچا - یہ شہر پانچ میل کے رقبے مین آباد ہے اور ایک ندی کے دہانے پر واقع ہے - چند روز مین اس ندی کے اوپر سیر کرنے گیا - ایک رات کو مین نے دیکھا کہ ندی کے کنارے اکثر مقامات پر آگ روشن ہے - مین نے خیال کیا کہ ماہی گیرون نے جلائی ہوگی لیکن لوگون نے بتایا کہ یہ ایک عجیب الخلقت لوگ ہین جو پانی کے اندر رہا کرتے ہین - رات کے وقت وہ کنارون پہ نکلتے ہین اور لکڑیان جمع کر کے اور دو پتھرون کو رگڑ کے آگ نکالتے اور اسے روشن کرتے ہین - روشنی دیکھ کے بہت سی مچھلیان وہان جمع ہو جاتی ہین - اور یہ وحشی لوگ جو پانی کے اندر چھپ رہتے ہین انھین پکڑ کے کھا لیتے ہین - اس ملک مین بھی وہ تمام میوے پیدا ہوتے ہین جو کوئلن مین پائے جاتے ہین -

یہان سے روانہ ہو کے اور مختلف مقامات مین ہوتا ہوا مین کالی کٹ آیا جو ایک بندرگاہ ہے اور آٹھ میل کے رقبے مین آباد ہے - ہندوستان کا یہ بڑا تجارتی شہر ہے - یہان مرچ - لاکھ - سونٹھ - دارچینی - اور ہڑ وغیرہ چیزین پیدا ہوتی ہین - اس ملک مین عورتون کے کئی شوہر ہوتے ہین اور بعض عورتین دس بارہ شوہر تک رکھ سکتی ہین - عورت شوہرون سے علیحدہ ایک مکان مین رہتی ہے سب شوہر آپس مین اتفاق کر کے اُس کی ضرورتین فراہم کر دیتے ہین جب کوئی شوہر اس عورت کے مکان مین جاتا ہے تو دروازے پر کوئی نشان بنا دیتا ہے - اتفاقاً اگر دوسرا شوہر اس وقت آگیا تو اُس نشان کو دیکھ کے واپس چلا جاتا ہے - عورت اپنی مرضی کے مطابق بچون کو اپنے شوہرون مین تقسیم کر دیتی ہے - باپ کی جائداد بیٹے کو نہین ملتی بلکہ پوتے کو دیجاتی ہے - کالی کٹ سے چل کے پندرہ روز مین شہر کھمبات پہونچا جو سمندر کے کنارے بارہ میل کے رقبے مین آباد ہے - یہان - لاکھ - ہڑ - سن - اور ریشم پیدا ہوتا ہے - یہان برہمن آباد ہین جو پجاری کہلاتے ہین - یہ فقط ایک شادی کرتے ہین اور وہ بیوی اُن کے مرنے پر زندہ جلا دی جاتی ہے - یہ برہمن کسی قسم کا گوشت نہین کھاتے فقط چاول دودھ اور ترکاریون پہ بسر کرتے ہین - یہان وحشی چوپائے بہت زیادہ ہین اُن کی گردن

بن گھوڑون کی طرح ایال ہوتی ہے۔ لیکن اُن کے بال زیادہ لمبے ہوتے ہین اور سینگ اتنے بڑے ہوتے ہین کہ جب وہ اپنا سر پیچھے کی جانب موڑتے ہین تو سینگ دُم تک پہونچ جاتے ہین۔ سفر مین لوگ ان سینگون مین پانی بھر کے ساتھ لے جاتے ہین۔

یہان سے مین جزیرہ سقوطرہ مین آیا جو مغرب کی جانب ہے۔ اور براعظم سے ایک سو میل کے فاصلے پہ واقع ہے۔ مین یہان دو مہینے رہا۔ یہ چھ سو میل کے رقبہ مین ہے اور یہان زیادہ تر نسطوری عیسائی آباد ہین۔

اس جزیرے کے قریب پانچ میل کے فاصلے پہ دو اور جزیرے ہین جن کا فاصلہ ایک دوسرے سے سو میل سے زیادہ نہین۔ ان مین سے ایک جزیرے مین مرد رہتے ہین اور دوسرے مین عورتین۔ کبھی کبھی مرد عورتون کے جزیرے مین چلے جاتے ہین اور کبھی عورتین مردون والے جزیرے مین آجاتی ہین۔ لیکن یہ ضروری ہے کہ چھ مہینے سے پہلے اپنے اپنے جزیرون مین واپس آجائین ورنہ فوراً مر جائین گے۔ اگر کوئی شخص اس مقررہ میعاد کے بعد ایک دن بھی دوسرے جزیرے مین ٹھہر جاتا ہے تو فوراً مر جاتا ہے۔

یہان سے روانہ ہو کے پانچ روز مین عدن پہونچا جو نہایت بارونق شہر ہے اور جس مین بڑی بڑی عمارتین ہین۔ یہان سے سات روز جہاز مین چلنے کے بعد بندرگاہ باہرہ پہونچا اور وہان سے ایک مہینے کے سفر کے بعد بحیرہ قلزم کے ایک بندرگاہ جدہ مین آیا اور وہان سے دو ماہ کے بعد کوہ سینا کے قریب لنگر انداز ہوا۔

یہان سے مین خشکی کے راستے روانہ ہوا اور ریگستان مین ہوتا ہوا مصر کے شہر قاہرہ مین آیا۔ جہان میری بی بی اور دو بچون نے انتقال کیا آخر کار اتنا بڑا دریا اور خشکی کا سفر کر کے پچیس سال بعد مین اپنے وطن شہر وینس مین پہونچ گیا۔

ہندوستان کے لوگون کی طرز معاشرت کا حال مین آیندہ بیان کرونگا۔

باقی آیندہ

ریویو

رسالہ حیات اردو مراد آباد سے اس نام کا ایک ماہانہ رسالہ دو سال سے جاری ہے۔ اس کے ایڈیٹر مرزا اسحٰق بیگ صاحب ہین اور اس مین نظم اور نثر دونون قسم کے مضامین ہوتے ہین نظم مین اکثر حضرت ریاض اور مضطر کی غزلین بھی ہوتی ہین۔ اور نثر مین کبھی متفرق مضامین اور کبھی ناول جو سلسلہ وار شائع ہو کے کئی پرچون مین ختم ہوتا ہے۔ یہ رسالہ ابھی تک سفید کاغذ پر شائع ہو رہا ہے۔ سالانہ چندہ عہ اور نمونے کے پرچے کی قیمت ۴ر ہے۔ دفتر انجمن حیات اردو۔ پرنس روڈ۔ مراد آباد کے پتے پر خط لکھ کے منگوایا جائے۔

سیرۃ سیدۃ النساء حضرت فاطمۃ الزہرا یعنی حضرت خاتون جنت کے حالات زندگی جو ملک محمد الدین صاحب ایڈیٹر رسالہ صوفی پنڈی بہاء الدین پنجاب نے مرتب کیے ہین۔ یہ کتاب ۲۲×۱۸ سائز کے ۲۴۸ صفحون پر ختم ہوئی ہے۔ اور چار نہایت عمدہ عکسی تصویرین اور کئی نقشے بھی شامل کر دیے گئے ہین۔ حضرت فاطمہ زہرا کے حالات مین یہ کتاب مکمل نہین کہی جا سکتی لیکن اہم واقعات اس مین سب آ گئے ہین اور ایک مختصر سی اچھی کتاب ہے جو عمدہ سفید کاغذ پر شائع ہوئی ہے قیمت عہ ہے جو ہمارے خیال مین زیادہ ہے ہمارے پاس مجلد کتاب ریویو کے لیے آئی ہے اور اس کی قیمت فی جلد تین روپیہ بتائی گئی ہے۔ جلد خوشنما اور مضبوط معلوم ہوتی ہے مصنف صاحب سے منگوائی جائے۔

بدیہہ گوئی۔ سید ناظر الحسن صاحب ہوش بلگرامی ایڈیٹر رسالہ ذخیرہ حیدر آباد دکن نے اس کتاب مین عربی۔ فارسی اور اردو شعرا کے مختصر حالات اور وہ برجستہ اشعار جمع کر دیے ہین جو انھون نے وقتاً فوقتاً فی البدیہہ کہے ہین۔ شروع مین مولانا سید علی حیدر صاحب طباطبائی کا ایک مختصر مقدمہ ہے جس مین بدیہہ گوئی پر عالمانہ بحث کی گئی ہے۔ کتاب ۲۶×۲۰/۱۶ سائز کے ۲۰۰ صفحون پر ختم ہوئی ہے اور قیمت عہ ہے۔ ایڈیٹر صاحب رسالہ ذخیرہ حیدر آباد دکن کے پتے پر خط لکھ کے منگوائی جائے۔

دربار کسریٰ مین ایک قریشی تاجر

یہ غیلان ابن سلمہ تھے جو طائف مین رہتے تھے اور بنی ثقیف کے سردار تھے اُن کی مان سبیعہ جناب معاویہ کے دادا اُمیّہ ابن عبدشمس کی بہن تھین۔ شاعر تھے اور اُس کے ساتھ نامی گرامی شہسوار۔ اُن کا شمار صحابہ مین ہے اور اُن شرفا سے قریش مین سے ہین جنھون نے توحید کی سخت مخالفتون کے بعد مجبور اور بدست وپا ہو کے ایمان قبول کیا لیکن اب بھی شرف ہجرت سے محروم رہے۔ اُن کی بیٹی بادیہ بنت غیلان کے حسن وجمال کی قبائل عرب مین بڑی شہرت تھی۔ چنانچہ یہ روایت محدثین مین منقول ہے کہ ایک دن مدینے کے مشہور ہیجڑے ہیت نے حضرت ام المومنین اُم سلمہ کے صاحبزادے عمرؓ اُن کی بہن سلمہ سے کہا اگر خدا مسلمانون کے ہاتھون سے طائف کو فتح کرا دے تو آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کر کے غیلان کی بیٹی بادیہ کو مانگ لین۔ وہ گوری ہے ہنسمکھ ہے۔ آنکھین سرگین اور بڑی بڑی ہین۔ کمر باریک ہے اور پیٹ پچکا ہوا ہے۔ چلتی ہے تو نازک ٹہنی کیطرح کمر لچک لچک جاتی ہے۔ بیٹھتی ہے تو معلوم ہوتا ہے کہ خوبصورت پودھا اپنی جگہ پر قائم ہے۔ بات کرتی ہے تو نغمہ خیز آواز سے ایسا ظاہر ہوتا ہے کہ جیسے گا رہی ہے۔ سامنے سے آتی ہے تو پیٹ مین چار بٹین نظر آتی ہین اور پیٹھ پھیر کے چلتی ہے تو دونون کولون پر بٹون کے چار چار سرے نظر آکے اُن چار بٹون کو آٹھ بنا دیتے ہین۔

غیلان کی ایک بیوی خالدہ بنت عاص تھین جن کے بطن سے اُن کے دو فرزند عمار و عامر پیدا ہوے۔ یہ دونون اُن سے پہلے مسلمان ہوے اور باپ کو طا

مین چھوڑ کے جوار رسول اللہ صلعم مین سکونت اختیار کی اور دولت ہجرت سے
شرف یاب ہوے۔ غیلان دولتمندان عرب مین تھے اُن کا ایک غلام جو تحویلدار
تھا اُس نے بیٹون کے جانے کے بعد یہ حرکت کی کہ جو کچھ جمع پونجی تھی اُڑا دی
اور غیلان سے آکے یہ بیان کر دیا کہ آپ کے صاحبزادے عمار چرا لے گئے
غیلان کو یقین آگیا۔ مختلف لوگون سے اُس کی شکایت کی اور جا بجا یہ واقعہ
مشہور ہوگیا۔ عمار نے اگرچہ سُنا مگر دم نہ مارا اور مدینے مین خاموش بیٹھے
رہے۔ اتفاقاً ایک روز بنی ثقیف کے کسی گھرانے کی ایک لونڈی غیلان
کے پاس آئی اور کہا "اگر مین آپ کی دولت کا پتہ لگا دون تو مجھے کیا دیجیے گا"
کہا جو مانگو۔ بولی "یہ اقرار کیجیے کہ مجھے خرید کے آپ آزاد کر دین گے" کہا منظور ہے
وہ بولی تو پھر میرے ساتھ چلیے۔ یہ اُس کے ساتھ ہو لیے۔ اور اُس نے راستے
مین یہ بیان کیا کہ آپ کے فلان غلام نے جو آپ کا تحویلدار ہے ایک رات
کو ایک مقام پر جا کے گڑھا کھودا اور اُس مین کوئی چیز گاڑ دی۔ اتفاقاً مین
دور سے دیکھ رہی تھی خیال کیا کہ اُس نے کوئی مال چرا کر یہان دفن کیا ہے
پھر اُس کے بعد جب یہ دیکھا کہ وہ غلام دن بھر مین کئی کئی بار وہان جاتا اور
اُس مقام کی نگہبانی کرتا ہے تو یقین آگیا کہ اُس نے آپ کی دولت چرا کر
وہان گاڑی ہے" انھین باتون مین وہ مقام آگیا۔ اور لونڈی نے کہا "لیجیے
دیکھیے یہ وہ جگہ ہے۔ غیلان نے کھودا تو اپنی گم شدہ دولت ہاتھ آگئی
اُسی وقت اُٹھا کے گھر لے آئے اور اُس لونڈی کو مول لے کے آزاد کر دیا۔
اب اس دولت کے مل جانے کی خبر جو مشہور ہوئی تو مدینۂ طیبہ مین
عمار نے بھی سُنا۔ سنتے ہی طیش مین آکے قسم کھا گئے کہ خدا کی قسم اب کبھی باوا
میری صورت نہ دیکھین گے" اس عہد کا انجام یہ ہوا کہ چند روز بعد جب
غیلان بھی ایمان لائے تو اُن کے دونون فرزندون عامر و عمار نے مدینہ
چھوڑ دیا ۔ خالد ابن ولید کے ساتھ ملک شام مین چلے گئے اور وہان
جب طاعون عمواس شدت پر تھا عامر نے اُس مہلک مرض مین مبتلا ہو کے
سفر آخرت کیا۔

غیلان بڑے بہادر سپہ سالار تھے چنانچہ ایک بار بنی عامر کو جو ایک لشکر عظیم کے ساتھ طائف پر حملہ آور ہوے تھے اور ایک بار بنی خثعم کو جو یمن کے متعدد قبائل کا بڑا بھاری گروہ ہے کے طائف پر چڑھ آئے تھے شکست دیدی۔ تعاقب مین دشمنون کا خوب خوب قلع قمع کیا خصوصاً دوسرے موقع پر یمانیون کی بہت سی عورتین بھی پکڑ لی تھین جن کو کمال شرافت سے احسان رکھ کے چھوڑ دیا۔

مگر اُن کی زندگی کا سب سے اہم اور دلچسپ واقعہ جس کے لیے ہم نے یہ مضمون لکھا ہے یہ تھا کہ ایک بار قریش کے تین نامور تاجر ابو سفیان ابن حرب عدی اور یہی غیلان ابن سلمہ اپنے اپنے تاجرانہ قافلون کو لے کے عراق کی طرف روانہ ہوے۔ کسی منزل پر پہونچ کے تینون گروہ جمع ہو گئے اور ابو سفیان نے سب کو جمع کر کے کہا "یہ سفر مجھے خطرناک نظر آتا ہے ایک باسطوت تاجدار جبار کی قلمرو مین جا رہے ہین جس سے وہان جانے کی اجازت بھی نہین حاصل ہوئی ہے۔ یہ بھی نہین کہ اس سرزمین مین ہم تجارت کی غرض سے اکثر آتے جاتے رہے ہون لہذا مناسب یہ معلوم ہوتا ہے کہ ہم تینون مین سے ایک شخص ان تینون قافلون کو لے کے آل ساسان کے قلمرو مین چلا جاے اور خرید و فروخت کر کے واپس آئے مگر یہ شرط ہے کہ اگر وہ وہان مار ڈالا گیا تو ہم پر اُس کے خون کی کوئی ذمہ داری نہین ہے۔ اور اگر نفع حاصل کر کے واپس آیا تو تینون قافلون کی ساری تجارت کا آدھا نفع اُس کا حق ہو گا۔ اس موقع پر اور کسی کو آمادگی ظاہر کرنے کی جرأت نہ ہوئی غیلان نے کہا "اچھا یہی شرط ہے تو پھر مجھے جانے دو مین جس طرح بنے گا اس کام کو انجام دون گا۔" اس قرارداد کے مطابق وہ تینون قافلون کا سالار بن کے خسرو عجم کی قلمرو مین داخل ہوا۔ وہان پہونچتے ہی اپنی بدوی وضع ترک کر دی اور دو زرد رنگ کے پرتکلف کپڑے پہن کے بڑے کروفر کے ساتھ اپنی آمد کو مشہور کرتا ہوا آل ساسان کے دارالسلطنت مین داخل ہوا۔ اور کسرائے عجم کے عالیشان قصر کے پھاٹک پر جا کے بیٹھ گیا۔ جہان چند روز انتظار کرتے

رہنے کے بعد داخلے کی اجازت ملی۔ خدام بارگاہ نے قصر کے اندر ایک ایسے مقام پر لیجا کر اُسے کھڑا کر دیا جہان نظر کے سامنے سونے کی چلمن پڑی ہوئی تھی اتنے مین شاہی ترجمان نمودار ہوا اور کہا "حضور جہان پناہ پوچھتے ہین کہ تمھین بغیر اجازت کے میرے ملک مین آنے کی کیونکر جرأت ہوئی"۔ غیلان نے ادب سے کہا "بارگاہ خسروی مین تجارت کی غرض سے آیا ہون اگر خسرو جہان پناہ پسند فرمائین تو یہ سامان تجارت خود ہی قبول فرمالین ورنہ اجازت ہو کہ مین حضور کی رعایا مین فروخت کر دون۔ اور یہ بھی مرضی مبارک کے خلاف ہو تو اجازت عطا کی جائے کہ اپنا مال واپس لیجاؤن" اب ایک بلند آواز سُنائی دی جس کو سنتے ہی غیلان سجدے مین گر پڑا اور زمین بوس ہوا۔ اُٹھا تو ترجمان نے کہا "حضور جہان پناہ پوچھتے ہین تم نے کیون سجدہ کیا" غیلان نے کہا "مین نے ایک بلند آواز سُنی اور دل مین خیال کیا کہ ایسے دربار عالی جاہ مین خود خسرو ذی حشم کے سوا دوسرا اِس بیباکی سے بات نہین کر سکتا۔ اور جب حضور جہان پناہ کی آواز سنائی دی تو مجھ پر تعظیم فرض ہو گئی"۔ اس حرکت کو کسریٰ نے بہت پسند کیا اور خدام دربار کو حکم دیا کہ ایک قالین لا کے غیلان کے نیچے بچھا دین۔ قالین لایا گیا اور اتفاقاً اس مین کسرائے عجم کی تصویر بنی ہوئی تھی۔ غیلان نے جھٹ سے اُٹھا کے اُسے اپنے سر پر رکھ لیا۔ کسریٰ نے اُس کی یہ حرکت دیکھ کے خیال کیا کہ یہ جاہل بدوی سخت احمق ہے یہ بھی نہین جانتا کہ کون چیز بچھائی جاتی ہے اور کون چیز سر پر رکھی جاتی ہے۔ ترجمان سے کہا اسے بتاؤ کہ "قالین بیٹھنے کے لیے ہوتا ہے"۔ یہ سن کے غیلان نے دست بستہ عرض کیا کہ "یہ تو مین جانتا ہون لیکن جب یہ قالین لا کے بچھایا گیا تو اس مین مجھے حضور جہان پناہ کی تصویر نظر آئی پھر بھلا مجھ سے حقیر شخص کی کیا حقیقت تھی کہ اس پر بیٹھے۔ تعظیماً مین نے اسے اپنے سر پر رکھ لیا"۔ یہ جواب بھی کسریٰ کو بہت پسند آیا۔ اب کسریٰ نے دریافت کرایا کہ "تمھارے اولاد ہے"۔ عرض کیا "میرے کئی بیٹے ہین۔" پوچھا۔ "اُن مین سب سے زیادہ لاڈلا بیٹا کون ہے" عرض کیا "چھوٹا جب تک کہ بڑا نہ ہو جائے۔ بیمار جب تک کہ اچھا نہ ہو۔ اور جو بیٹا گھر سے گیا ہوا ہو جب تک کہ سفر سے واپس نہ آ جائے۔" اس جواب پر کسرائے عجم متحیر ہو گیا اور کہا "تمھارے اِس جواب مین حکیمون اور فلسفیون کے کلام کی شان نظر آتی ہے۔ حالانکہ تم ایک بدوی

اور جاہل اور وحشی قوم کے آدمی ہو۔ اچھا بتاؤ تم کھاتے کیا ہو؟ جواب دیا "گیہوں کی روٹی" یہ سن کے خسرو عجم نے کہا تو معلوم ہوا یہ عقل و دانائی اُسی سے ہے اونٹ کے دودھ اور کھجورین یہ دانائی اور زکاوت نہین ہو سکتی۔ اس کے بعد اُس کا مال تجارت جو گنے پچ گئے دام دیکر خرید لیا۔ اُسے خلعت سے سرفراز کیا۔ اور اُس کی درخواست پہ چند ایرانی معمار اُس کے ہمراہ کیے جنھون نے طائف مین آکے وہان کا قلعہ بنایا جو طائف کا سب سے پہلا قلعہ سمجھا جاتا تھا۔ اور جناب سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے اُس کا فتح کرنا بہت دشوار تھا۔

غیلان کے ایک اور بیٹے بھی جن کا نام نافع تھا خالد ابن ولید کے ہمراہ جہاد کر رہے تھے۔ معرکۂ دومۃ الجندل مین اتفاقاً شہید ہو گئے۔

غیلان کو اُن کی شہادت کا بڑا صدمہ ہوا۔ اُن کے غم مین ایک مرثیہ کہا اور اس قدر روئے کہ رونا کسی طرح موقوف ہونے ہی کو نہ آتا تھا آخر لوگون نے ملامت کرنا شروع کیا۔ اُنھون نے کہا خدا کی قسم میرے آنسوؤن کا سلسلہ نہین رک سکتا۔ روتے روتے جب ایک مدت گذر گئی تو آنسو رک گئے یہ دیکھ کے لوگون نے طعن وتشنیع کے طریقے سے کہا اب وہ غم کیا ہوئی؟ بولے "وہی نافع اپنا وہی غم ہے۔ لیکن درد دل فنا ہو گیا۔ اور اس کے ساتھ آنسو بھی فنا ہو گئے اور اُن سے ملنے کا زمانہ قریب آگیا"

غیلان نے عہد جاہلیت مین عرب کے شریف خاندانون کی دس بیویان اپنے نکاح مین جمع کر لی تھین جب مرنے کا وقت آیا تو بیٹون سے بلا کر کہا "بیٹو مین نے تمھاری دولت سے اچھا کام لیا اور تمھاری ماؤن کی اچھی عزت کی لہذا اب تم بھی اچھون اور شریف بیویون کے ساتھ اچھا سلوک کرنا۔

آپ اپنا قاتل

دنیا عجب عبرت کدہ ہے۔ اس مین ایسے ایسے عبرت ناک واقعات گزرے ہین کہ انسان اُن سے حیران رہ جاتا ہے۔ اور اُس کے دل پر ایسی بے بسی کا عالم طاری

رہتا ہے کہ نہ اُسے عیش مین مزہ ملتا ہے اور نہ مصیبت مین تکلیف ہوتی ہے۔

دربار بنی عباس کا شاعر بحتری کہتا ہے "مین ایک دن متوکل علی اللہ عباسی کی محفل عیش مین شریک تھا۔ زندہ دل ندیان صحبت جمع تھے۔ اور بذلہ سنجیان ہو رہی تھین۔ اتنے مین تلوارون کا ذکر چھڑ گیا اور لوگ اپنے اپنے تجربے کے مطابق تلوارون کی خوبیان بیان کرنے لگے۔ حاضرین مین سے کسی نے عرض کیا "امیر المومنین تلوار تو بصری مین فلان شخص کے پاس ہے۔ ہندوستان کی بنی ہوئی ہے۔ فولاد ہندی کی ہے۔ اور تمام خوبیون مین اپنا نظیر نہین رکھتی"۔ اُس شمشیر آبدار کی تعریف سُن کے متوکل کو شوق ہوا۔ منشی دربار کو بلا کے اُسی وقت والی بصرہ کے نام فرمان جاری کر دیا کہ "وہان فلان شخص کے پاس ایک بے نظیر تلوار ہے جس کی یہ صفتین ہین۔ اُس کو جس قیمت پر دے اُس سے خرید لو۔ اور بکمال احتیاط کے ساتھ میرے پاس روانہ کرو"۔ والی نے فرمان خلافت پاتے ہی اُس شخص کو بلوایا۔ اُس سے تلوار منگوا کے دیکھی۔ جس طرح بنا سمجھا بجھا کے دس ہزار درہم کے معاوضے مین خریدی اور دوسرے ہی دن معتمد لوگون کے ہاتھون بارگاہ خلافت مین بھیج دی۔

متوکل اُس کو دیکھ کے بہت خوش ہوا۔ جیسی صفت سنی تھی اُسے ویسا ہی پایا۔ اور اپنے وفادار وزیر فتح بن خاقان سے کہا "اب کوئی خوش رو توانا تنومند اور بھروسے کا نوجوان ڈھونڈھو جس کی رو داری و شجاعت کا لوگون پر رعب پڑتا ہو۔ مین اُس کو اِس خدمت پہ مقرر کرون گا کہ اِس بے نظیر تلوار کو اپنی کمر مین لگائے میرے پیچھے کھڑا رہا کرے۔ جب تک مین دربار مین رہون میری پشت پہ حاضر رہے۔ اور جب کہین جاؤن تو میرے ساتھ جائے۔ حضور خلافت پناہ یہ الفاظ کہہ ہی رہے تھے کہ باغر ترکی سامنے دکھائی دیا۔ باغر نہایت ہی وجیہ اور خوشرو ترکی غلام تھا۔ شجاعت مین مشہور تھا۔ اور سب سے بڑی بات یہ کہ متوکل کو اس پہ بھروسا تھا۔ غرض متوکل نے اُسے بلا کے وہ شمشیر اُس کی کمر مین باندھ دی۔ اور حکم دیا کہ "اس وقت سے تم میرے ایڈی کانگ ہو۔ جب تک دربار مین بیٹھا رہون میرے پیچھے اِس تلوار کو کمر مین لگائے کھڑے رہا کرو۔ اور جب کہین جاؤن تو میرے ہمراہ رکاب چلا کرو"۔ باغر اِس خدمت کو اپنی سرفرازی سمجھا اور

اُس روز سے ایڈی کانگ کی وضع مین اپنے خلافت پناہ آقا کے ساتھ رہنے لگا۔"

اس کے بعد بحتری کہتا ہے: خدا کی قسم یہ تلوار ہمیشہ میان ہی مین رہی۔ اور متوکل کی رحم دلی نے کبھی ایسا موقع نہ پیش آنے دیا کہ اُس تلوار کی کاٹ کا امتحان بھی ہوتا۔ لیکن انجام مین یہ شمشیر آبدار میان سے نکلی اور خود متوکل اور اُس کے وزیر خاقان کے قتل کرنے کے لیے۔

یہ عبرتناک انجام یون ظاہر ہوا کہ متوکل نے پہلے اپنے بڑے بیٹے محمد المنتصر کو ولی عہد خلافت مقرر کیا تھا۔ مگر چند روز بعد باپ بیٹون مین مخالفت ہو گئی۔ اور متوکل آمادہ ہوا کہ ناخلف بیٹے کو ولی عہدی سے محروم کر کے اُس کے چھوٹے بھائی محمد المعتز کو جو باپ کا زیادہ لاڈلا اور فرمان بردار تھا وارث خلافت قرار دے۔ یہ خبر فوج مین مشہور ہوئی تو سپاہیون اور سرداران فوج مین علی العموم ایک بد دلی پیدا ہو گئی۔ اس لیے کہ اکثر ترک سپاہی المنتصر کو اچھا سمجھتے اور اُس کے طرفدار تھے۔

آخر انھین بد دل سپاہیون کا ایک نمک حرام گروہ المنتصر سے جا ملا۔ اور اُس کے اشارے سے خلیفۂ وقت کی جان لینے کے درپے ہو گیا۔ اُن لوگون اور المنتصر مین جب خوب اچھی طرح عہد و پیمان ہو گیا تو اُن لوگون نے اسی باغر کو اس خطرناک خدمت کے انجام دینے پر مامور کیا۔ اس لیے کہ وہ بھی اس سنگدل و محسن کش گروہ مین شامل تھا۔

ایک دن آدھی رات کو متوکل نشۂ صہبا سے بدمست ہو کے سو گیا تھا اور وزیر فتح بن خاقان پاس بیٹھا ہوا تھا کہ ناگہان باغر دس ترکی سپاہیون کے ساتھ محل میں آیا۔ مخمور خلیفہ کے برابر کھڑے ہو کے وہی اُس کی دی ہوئی تلوار میان سے نکالی۔ اور ایسا بھرپور ہاتھ مارا کہ ایک ہی وار مین متوکل کی گردن کٹ کے جدا ہو گئی۔ وزیر فتح نے جو یہ حال دیکھا تو گھبرا کے جھپٹا اور کہنے لگا "بدبختو! اللہ خلیفۂ ربانی کو قتل کیے ڈالتے ہو!" یہ الفاظ سنتے ہی دسون قاتل اُس پر بھی جھپٹ پڑے ہر طرف سے وار کرنے لگے یہان تک کہ اُس کو بھی کاٹ کے ڈال دیا۔

اس کے بعد اُن خونریز شیطانون نے متوکل اور فتح کی لاشون کو ایک دری مین لپیٹ کے محل کے اندر ہی کسی جگہ دفن کر دیا۔ اور کسی کو خبر بھی نہ ہوئی کہ قصر خلافت مین اور اُس کے ساتھ ساری دنیا مین کتنا بڑا انقلاب ہو گیا۔

(یہی مرقع ہاے عبرت ہین جن کو دیکھ کے ایک اگلے نکتہ رس شاعر عجم نے بآواز بلند کہہ دیا۔ ع۔ "اسپ و زن و شمشیر وفادار کہ دید" یعنی تلوار بھی اُن چیزون مین سے ہے جو ہمیشہ ایک کے پاس نہین رہتین۔ اس مصرع کو اکثر ناواقف لوگ عورتون کی بیوفائی کے ثبوت مین پیش کیا کرتے ہین۔ مگر یہ نہین سمجھتے کہ شاعر کا مقصد عورتون کو یہ الزام دینا نہین ہے کہ وہ اپنے تقاضاے طبع سے اور اپنی فطرت بیوفائی کے جوش مین ایک چاہنے والے یا ایک شوہر کو چھوڑ کے دوسرے چاہنے والے اور شوہر کے پاس چلی جاتی ہین۔ نہین ایسا نہین ہے۔ اگلے دنون معمول تھا کہ ایک قوم دوسری قوم پر فتحیاب ہوتی تو اُس کے ملک و مال اُس کے اسلحہ ولباس۔ اُس کے گھوڑون اور مویشیون کے ساتھ اُس قوم کی عورتون کو بھی پکڑ کے اپنے تصرف مین لاتی تھی۔ لہذا شاعر کہتا ہے کہ ایسا گھوڑا ایسی عورت اور ایسی تلوار کس نے دیکھی ہے جو ہمیشہ ایک ہی کے پاس رہین۔)

مقصد یہ کہ یہ تینون چیزین ایسی ہین جن کو جابر و غاصب ایک دوسرے سے چھینتے رہتے ہین۔ اور اُن کی نسبت کبھی نہین اطمینان کیا جا سکتا کہ کس کے پاس کتنے دنون تک رہین گی۔ مگر متوکل کی اس تلوار کا واقعہ زیادہ عبرت خیز ہے۔ اس لیے کہ اُس نے گویا خاص اپنے ہی قتل کے لیے تلوار مول لے رکھی تھی اور اپنے ایک غلام کو خود ہی اس کام پر مامور کر دیا تھا۔

اسی قسم کا ایک حیرتناک واقعہ ایک صاحب نے مجھ سے اپنا چشم دید بیان کیا جو متوکل کی تلوار کے واقعے سے بھی بڑھا ہوا ہے۔ اُن کا بیان تھا کہ مین لکھنؤ کے عہد شاہی مین ایک رسالے کا افسر تھا۔ اُس رسالے کو ایک موقع پر کسی سرکش زمیندار کی سرکوبی کے لیے روانہ ہونے کا حکم ہوا۔ دو تین منزلون کے بعد ایک دن ہم نے ایک آم کے باغ مین پڑاؤ ڈالا۔ دوپہر کا وقت تھا۔ اور مین چند ماتحت افسرون کے ساتھ ایک سایہ دار درخت کے نیچے بیٹھا باتین کر رہا تھا۔ حریفان

صحبت مین سے ایک صاحب نے شروع سے بادام کاٹ کاٹ کے کھولتے تھے
اتنے مین ایک بڑا سا غیر معمولی قسم کا چونٹا نظر آیا۔ اُنھون نے ایک بادام کے چھلکے
مین جو بیچ سے کٹ کے جدا جدا ہو گیا تھا اُس چونٹے کو رکھا اور دونون
ٹکڑے برابر کر کے اُسے چاقو سے زمین کھود کے دفن کر دیا۔ یہ ایک مذاق سا
تھا جس کو سب نے دیکھا۔ اور اُن صاحب کی سنگدلی پر تعجب کیا۔

دوسرے دن رسالے نے وہان سے کوچ کیا۔ اور ہم سب اپنی
مہم پر روانہ ہو گئے۔ سرکش زمیندار کو سزا دی۔ مطیع و منقاد بنایا۔ اُس سے
احکام سرکاری کی تعمیل کرائی اور خوش خوش لکھنؤ کی راہ لی۔ اتفاقاً واپسی مین
بھی اُسی باغ مین پڑاؤ ہوا۔ اور اُس سے بھی زیادہ اتفاق کی یہ بات تھی کہ ہم
سب وہی احباب پھر اُسی درخت کے نیچے باہم بیٹھ کے باتین کرنے لگے۔ ہمارے
اُن دوست کو جنھون نے یہان بادام کھائے تھے۔ اپنا زندہ دفن کیا ہوا چونٹا
یاد آیا۔ فوراً چاقو سے زمین کھودی۔ بادام نکالا۔ اور کھولا تو وہی چونٹا
جو اب پہلے سے زیادہ سیاہ بڑا۔ اور تیز تھا نکل کے بھنولون کی طرح اِدھر
اُدھر دوڑنے لگا۔ اور ہم سب اُس کے زندہ رہنے اور اِس وحشت کے
ساتھ چارون طرف لپکنے پر تعجب کر رہے تھے کہ ناگہان وہ دوڑ کر اُن صاحب
کے پاؤن کی چھنگلیا مین لپٹ گیا۔ اور اِس زور سے کاٹا کہ وہ تڑپ گئے۔
مین نے اُن کی انگلی سے اُس چونٹے کو چھڑایا۔ مگر وہ نہ چھوٹا۔ یہان تک
کہ اُس کا سر ٹوٹ کے لپٹا رہ گیا۔ اتنے مین وہ بے ہوش ہو کر گرے۔ اور اُسی
جگہ تڑپ کے رہ گئے۔

بادام کے چھلکے کی قید تنہائی نے اُس چونٹے مین خدا جانے کیا اثر پیدا کر دیا
تھا کہ اُن کے حق مین ملک الموت بن گیا۔ اور ملک الموت بھی کون؟ وہ جس کو
وہ خود اپنے ہاتھ سے اِس وقت تک کے لیے اسیر و محفوظ کر گئے تھے
جب کہ اُن کی موت لکھی ہوئی تھی۔ سچ یہ ہے کہ یہ چونٹا متوکل کی تلوار سے
زیادہ عبرتناک تھا۔

ایک کمسن بدویہ کی فصاحت و طباعی

مامون رشید ایک دن دل بہلانے اور سیر و تفریح کے لیے اپنے قصر سے نکلا۔ اور کھلی فضا کے شوق مین شہر اور آبادی سے باہر دور تک بڑھتا چلا گیا۔ صحرا مین جا رہا تھا کہ ایک کمسن بدویہ لڑکی دکھائی دی جس کے کندھے پر مشکیزہ تھا اور اُس کے بوجھ سے دبی جاتی تھی۔ اتنے مین اُس نے دور پر اپنے باپ کو دیکھا۔ اور چلائی۔ "یا ابتِ اَدرِکْ فَاہا۔ فقد غلبنی فُوہا۔ لا طاقۃ لی بفیہا" یعنی ابا دوڑو۔ (مشکیزے کے) دہانے کو سنبھالو۔ اس دہانے پر میرا زور نہین چلتا۔ مین اس دہانے کو سنبھال نہین سکتی" دہانے کو عربی مین "فو" کہتے ہین اسی لفظ کو نحوی ترکیب سے بدل بدل کے ایسی خوبی کے ساتھ "فا" اور "فو" اور "فی" کہا کہ مامون جیسے ادب کا بہترین ذوق تھا اور فصاحت و لطافت کلام کا دلدادہ تھا۔ سنتے ہی پھڑک اُٹھا۔ اس کمسنی مین اُس کی ایسی فصیح البیانی پر عش عش کر گیا۔ اور چلتے چلتے رک کے اُس سے کہا "معلوم ہوتا ہے تم فصاحت عرب کا مذاق رکھتی ہو" بولی "کیا مین عرب کی رہنے والی نہین ہون؟" مامون نے کہا "عرب کی رہنے والی ہو تو بتاؤ کہ کس گروہ عرب سے ہو؟" کہا "یمنیہ ہون" پوچھا "اور یمن کی کس قبیلے کی لڑکی ہو؟" جواب دیا "بنی قضاعہ کی" سوال کیا "اور بنی قضاعہ کے کس قبیلے مین ہو؟" بتایا "بنی کلب مین" اس پر مامون نے ہنس کے کہا "تو معلوم ہوا تم کلاب (کتون) مین ہو" اس تعریض پر وہ ایک شرمندگی کی ادا سے بولی "جی ایسا نہین ہے۔ عرب کے ایک قبیلے نے اپنا نام کلب رکھ لیا ہے۔ اور مین اُسی قبیلے کی لڑکی ہون"

اب اُس لڑکی کی باری آئی۔ کہا "آپ نے تو میرا سارا حسب و نسب پوچھ لیا۔ اور مین نے سچ سچ بتا بھی دیا آپ تو بتائیے کہ کن لوگون مین سے ہین؟" مامون نے کہا "اُن لوگون مین جن سے سارے اہل یمن کو بغض ہے" اُس نے ذرا تامل کیا اور کہا "تو معلوم ہوا آپ بنی مضر بن عدنان مین سے ہین۔ مگر یہ تو بتائیے کہ مضریون کے کس گروہ مین ہین؟" مامون بولا "اُس

گروہ میں جس کے ساتھ سارے مضری قبائل کو بغض ہے" کہنے لگی "تو معلوم ہوتا ہے آپ قریشی ہیں۔ بہتر اب ارشاد ہو کہ قریشیوں کے کس گروہ سے آپ کو تعلق ہے؟" کہا "اُس گروہ سے جس کے ساتھ سارے قریش کو بغض و عناد ہے" سن کر بولی "تو یہ کہیے کہ آپ ہاشمی ہیں۔ اب یہ بھی بتا دیجیے کہ آپ ہاشمیوں کے کس خاندان کی یادگار ہیں؟" جواب دیا "اُس خاندان کی یادگار جس کے ساتھ تمام ہاشمیوں کو کینہ ہے" کہنے لگی "تو یقیناً آپ آل عباس میں ہیں۔ مگر یہ نہیں معلوم کہ اُن میں سے آپ کس گھرانے کے آدمی ہیں" کہا "وہ گھرانا جس پر سارے بنی عباس کو حسد ہے" یہ سنتے ہی وہ چونک کے بولی "تو قسم ہے پروردگار کعبہ کی آپ امیر المومنین مامون رشید کے سوا اور کوئی نہیں ہو سکتے" اتنا کہا اور رمشک پھینک کے سیدھی کھڑی ہو گئی۔ اور ایک چھوٹی خوبصورت سی بحر میں چند شعر فی البدیہ کہہ کے مامون کی تعریف میں پڑھے۔ جو حسب ذیل ہیں:—

مامون یا ذا المنن الشریفہ	وصاحب المرتبۃ المنیفہ
وقائد العساکر الکثیفہ	ہل لک فی ارجوزۃ لطیفہ
اظرف من فقہ ابی حنیفہ	لا و الذی انت لہ خلیفہ
ما ظلمت فی حینا ضعیفہ	ما ملتنا بہون خفیفہ
اللص و التاجر فی قطیفہ	و الذئب و النعجۃ فی سقیفہ

ان اشعار کا ترجمہ یہ ہے "مامون۔ او شریفانہ احسانات والے بلند ترین مرتبے والے۔ اور بڑی بڑی فوجوں کے لیجانے والے۔ ایک پاکیزہ نظم سنے گا جو فقہ ابی حنیفہ سے بھی زیادہ لطیف ہے۔ اُسی دین کی قسم جس کا تو خلیفہ ہے ہمارے قبیلے میں کبھی کسی بڑھیا پہ بھی ظلم نہیں ہوا۔ چور اور تاجر ایک چادر میں اور بھیڑ بکری ایک چھت کے نیچے ہیں"

اُس کی اس بدیہہ گوئی نے مامون کو اور زیادہ حیران کر دیا۔ اور انعام و اکرام میں بھی اُس کی ذکاوت و ذہانت کا امتحان کرنے کے خیال سے پوچھا "بتا تو تم کیا چاہتی ہو؟ ایک لاکھ درہموں کا وعدہ یا دس ہزار درہم نقد؟" بے تامل بولی "ایک لاکھ درہموں کا وعدہ۔ اس لیے کہ وعدہ

ایک نمبر والا عہد کا سچا اور بات کا دھنی ہے" یہ جواب سن کے مامون اور خوش ہوا- اور جب اُسے ایک لاکھ درہم منگوا کے دے دیے تب اپنے محل مین واپس آیا۔

مصر کی جامع ابن طولون کا بانی

مصر مین ایک نہایت پر شوکت اور عالیشان جامع مسجد ہے جو "جامع ابن طولون" کے نام سے یاد کیجاتی ہے- یہ مسجد تقریباً گیارہ سو برس پیشتر تعمیر ہوئی تھی اور اگرچہ عمر مین اہرام مصری یا فراعنہ مصر کی دیگر عمارتون کی ہمسنی کا دعویٰ نہین کر سکتی- مگر عظمت اور رونق مین اُن سے بڑھی ہوئی ہے- دوسری قدیم عمارتین اگر اگلے شرک و بت پرستی کی یادگار ہین جو مٹ گئین اور مٹ رہی ہین تو یہ توحید اور مبلغان توحید کی عظمت و جلال کی مبارک و محترم یادگار ہے جو اس گھڑی تک قائم ہے اور کبھی نہ مٹے گی- اُن عمارتون کے منہدم کھنڈرون مین وحشیان صحرا کا نشیمن ہے اور اُن کے شکستہ کنگرون پر اُلّو بولتا ہے- اس مین ہر دم تک خدا ے واحد ذوالجلال کی عبادت کرنے والے آباد ہین اور پانچون وقت اُس کے میناروں پر سے نعرۂ اللہ اکبر بلند ہوتا ہے- اُن یادگاران قدیم کا کیش و آئین مٹ گیا- اور اس کا دین مذہب آج تک اُسی وضع سے وحدت الٰہی کا جلوہ دکھا رہا ہے اور قیامت تک برقرار رہے گا-

اس مسجد کا بانی اگرچہ کوئی مستقل شہریار نہین ہے بلکہ تاجداران آل عباس کا مقرر کیا ہوا والی مصر تھا مگر اُس کی خصوصیت یہ تھی کہ دولت اسلام مین وہی پہلا والی ہے جس نے گورنری یا ولایت مین جہان بانی و شہریاری کی شان دکھا دی- اور سچ یہ ہے کہ بغیر ایسے عظمت و جبروت کے ایسی عالیشان اور دیرپا عمارت تعمیر بھی نہ ہو سکتی تھی۔

اُس کا نام احمد بن طولون تھا جو سنہ ۲۵۴ھ مین بحکم المعتز باللہ عباسی والی مصر مقرر ہوا- اُن دنون خلافت عباسیہ کمزور ہو چکی تھی اس کا رعب

اُٹھ گیا تھا مگر اُسی عہد کے ایک خلیفہ کا مقرر کیا ہوا یہ والی مصر ایسے رعب و داب اور ہیبت و جبروت کا حکمران تھا کہ اُس کی صورت دیکھنا کیسا اُس کے نام سے لوگ تھراتے تھے۔ اُس نے ایک سو حسین و خوبرو اور توانا و تنومند غلام خرید کے اپنے جلو مین گارڈ آف آنر کی حیثیت سے رکھے تھے۔ یہ غلام خوشنما و خوش قطع قبائین پہنے رہتے۔ اُن کی کمرون مین چوڑے چوڑے پٹکے کسے رہتے۔ اور اُن کے ہاتھون مین بھاری بھاری زبردست گرز ہوتے جن کی چوٹیون پر نقرہ لٹو نصب تھے۔ اِس وضع و لباس مین یہ غلام ہر وقت اُس کے ہمراہ رہتے۔ دربار مین بیٹھتا تو صف باندھ کے سامنے کھڑے ہو جاتے سوار ہوتا تو اُس کے گھوڑے کو اپنے جھرمٹ مین لیے رہتے۔ اس مختصر جلوس نے ساری رعایاے مصر کے دلون پر اُس کی ایسی ہیبت بٹھا دی تھی کہ مجال نہ تھی کہ اُس کے سامنے کوئی چون بھی کر سکے۔ چنانچہ اس کی اس سطوت و جبروت اور خلفاے آل عباس کی کمزوری کا یہ اثر ہوا کہ چندہی روز مین ابن طولون ایک شہریار خود مختار بن گیا۔ اور مصر ہی نہین مشرق مین شام و فلسطین اور وادی فرات تک کا علاقہ اُس کے زیر نگین تھا۔ اور مغرب مین افریقہ تک اُس کی حکومت قائم تھی۔

مگر اس رعب و جبروت کے ساتھ ابن طولون نہایت ہی خلیق و متواضع اور انتہا درجے کا دیندار و عبادت گزار تھا۔ حکمرانی و جہانبانی کے ساتھ دینداری مین اس قدر انہماک تھا کہ جب دیکھیے علوم دینیہ کے مطالعے اور فن حدیث کی مزاولت مین مصروف نظر آتا۔ اور اسی تقاضاے دینداری و حمیت اسلامی نے اُس کے ہاتھون سے جامع ابن طولون تعمیر کرادی۔ جو آج تک تاریخ عظمت سلف کا ایک کرم خوردہ ورق بنی ہوئی ہے۔

اس مسجد کی تعمیر مین اُس نے بارہ لاکھ اشرفیان صرف کین اور طیاری کے بعد اُس کی خدمت کے لیے بہت بڑی رقم مقرر کر دی جو مدت دراز تک جاری رہی اور آج بھی خزانہ مصر سے اس کی خدمت ہوتی رہتی ہے۔

اس مسجد کی تعمیر و خدمت کے علاوہ ابن طولون کی فیاضی

و مذہبی ارادت سے بکثرت خیرات جاری تھی۔ ایک نہایت عالی شان دارالشفا قائم کرائی۔ اور اُس پر مناسب اوقاف مقرر کیے تاکہ ہمیشہ جاری رہے۔ چنانچہ مدت دراز تک یہ دارالشفا جاری رہی۔ ماسوا اس کے اُس کی فیاضی سے روزانہ ایک ہزار اشرفیان فقرا اور محتاجون کو دیجاتین۔ اور دس ہزار اشرفیان ماہانہ علما و اتقیا کی خدمت گزاری اور محترم خاندانون کی قدردانی و دستگیری کے لیے مخصوص تھین۔

احمد بن طولون کے عہد مین ایک رات کو یکایک اس کثرت سے تارے ٹوٹنے لگے کہ تمام لوگ گھبرا اُٹھے۔ یہ حالت دیر تک قائم رہی۔ اور اکثر لوگون کو یقین ہو گیا کہ قیامت آگئی۔ تارے ٹوٹ ہی رہے ہین دم بھر مین آسمان بھی پھٹ کے ٹکڑے ٹکڑے ہو جائے گا۔ بہت دیر تک یہ سلسلہ قائم رہ کے موقوف ہوا۔ اور جب تارون مین سکون و استقلال نظر آیا تو اہل ملک کی جان مین جان آئی۔ اب لوگون کا خیال اس جانب مائل ہوا کہ دنیا مین کوئی بہت بڑی بلا آنے والی ہے جس سے عالم علوی کی اس درہمی و برہمی نے آگاہ کر دیا۔ سب لوگ سہمے اور گھبرائے ہوئے تھے کہ دیکھیے کیا ہوتا ہے۔ خود ابن طولون مضطر و بدحواس تھا اور نجومیون اور عالمون کو جمع کر کے ایک ایک سے پوچھ رہا تھا کہ اِن تارون کے ٹوٹنے کا کیا سبب ہے۔ اور اِس کا کیا انجام ہونے والا ہے۔ مگر کسی سے کوئی معقول بات نہ بن پڑتی تھی۔

اِستنے مین دربار کا نکتہ رس شاعر جمل آگیا۔ اور احمد بن طولون کو پریشان دیکھ کے تین شعر پڑھے جن مین اس مضمون کو نہایت خوبی سے ادا کیا تھا کہ "لوگ کہتے ہین تارون کا ٹوٹنا کسی سخت ترین حادثے کا دیباچہ ہے۔ اُن کا یہ قول سنکر مین نے ایک حکیم دانا اور فلسفی بے ہمتا کی شان سے جواب دیا کہ تارے تو شیاطین پر گرز آتشین پڑنے کی وجہ سے ٹوٹتے نظر آتے ہین۔ لہذا یہ تارے نہین ٹوٹتے بلکہ ہمارے امیر کے دشمنون پر آسمان سے گرز آتشین پڑ رہے ہین" یہ اشعار سن کے تمام اہل دربار اور علما و فضلا خوش ہو گئے۔ ابن طولون بھی اِن اشعار کو فال نیک خیال کر کے بے فکر ہو گیا۔

اور شاعر کو انعام و اکرام سے سرفراز کر کے خوش کر دیا۔

۲۷۰ھ میں احمد بن طولون نے دنیائے فانی کو رخصت کیا اور چھبیس بیٹیاں اور سات بیٹے چھوڑے۔ جن میں سے خمارویہ حکمرانی مصر کے لیے اُس کا جانشین ہوا۔ دولت و حشمت کی قسم سے مندرجہ ذیل چیزیں اُس نے چھوڑی تھیں ایک کڑوڑ اشرفیاں۔ دس ہزار غلام جو خدمت گزاری کے لیے تھے۔ چوبیس ہزار فوجی غلام۔ دس ہزار گھوڑے۔ چھ ہزار خچر اور گدھے۔ دس ہزار اونٹنیاں۔ اور ایک سو جنگی جہاز جنھوں نے بحیرۂ روم کے اطراف میں اُس کا رعب بٹھا رکھا تھا۔

یہ یاد رکھنا چاہیے کہ اُن دنوں دنیا میں آج کل کی طرح باقاعدہ فوجوں کے رکھنے کا رواج نہ تھا۔ لڑائی کے موقعوں پر پُرجوش مسلمان خود ہی آ آ کے شاہی جھنڈوں کے نیچے جمع ہو جاتے تھے۔ اور بڑے بڑے سرداران قبائل و رؤسائے بلاد جب ضرورت پیش آتی اپنی بیرقوں کے نیچے ہزارہا لوگوں کو جمع کر لیتے۔ اور اُس جمعیت کے ساتھ آ کے فرمان روایان مملکت کے قوت بازو بنتے۔ اِس کمی کو اکثر زبردست بادشاہوں نے یوں پورا کیا کہ غلام مول لے کے جمع کرتے اور اُن کو سپہگری کی تعلیم دلا کے اپنے پاس رکھتے اسی طریقے نے اندلس میں غلاموں کی حبشی اور صقلبی فوجیں جمع کرائیں۔ اِسی نے المعتصم کو ترکی غلاموں کا لشکر عظیم قائم کرنے پر آمادہ کیا۔ اور اسی خیال نے ترکان آل عثمان میں جان نثاری (ینی چیری) فوج تیار کرائی۔ بہر حال شاہان سلف کے تذکرے میں جو یہ نظر آتا ہے کہ اُن کے دس ہزار یا بیس ہزار غلام تھے اس کا یہ منشا نہیں کہ قصر شاہی میں خدمت کرنے والے اتنے غلام تھے مطلب یہ ہے کہ اُس بادشاہ کے پاس اتنی مستقل فوج تھی۔

بہر حال خمارویہ جب باپ کی اِس شوکت و حشمت کا وارث ہوا تو اُس نے پوری اور سچی جانشینی کی۔ خیرات و مبرات کی رقموں کو بدستور جاری رکھا علما و اتقیا اور شرفا و کملا کی ویسی ہی خدمت کرتا رہا۔ بلکہ دنیا کو باور کرا دیا کہ وہ اپنے باپ سے بھی زیادہ فیاض علم دوست اور ہنر پرور ہے۔ مگر

چونکہ آغوش حکومت و امارت مین پرورش پائی تھی لہذا اُس مین شوقینی اور امیرانہ نازک مزاجی باپ سے بدرجہا بڑھی ہوئی تھی۔ اپنے عہد مین اُس نے ایک لمبے چوڑے میدان کو گلزار پر بہار اور نمونۂ فردوس برین بنا دیا۔ جس مین قسم قسم کے خوشبودار پھول اور قسم قسم کے درخت جمع کیے تھے۔

اُس کی نازک دماغی کا اس سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ ایک بار اپنے دربار کے طبیب سے شکایت کی کہ "مجھے راتون کو نیند نہین آتی" طبیب نے کہا کسی خادمہ کو پاؤن دابنے اور چپی کرنے کی خدمت پر مامور کیجیے۔ چپی ہوتے ہی نیند آجایا کرے گی۔ اُس نے کہا "اس کا تو مین متحمل ہی نہین ہو سکتا کہ کوئی شخص میرے پنڈے مین ہاتھ لگائے" یہ سُن کے طبیب نے ایک اور تدبیر بتائی جس کو ایک عجیب و غریب کرشمۂ دولتمندی و امارت کہہ سکتے ہین۔

قصر شاہی مین بیس گز مربع ایک حوض بنا کے اُس مین پارہ بھروا دیا گیا۔ اُس کے چارون طرف چاندی کے کڑے لگائے گئے۔ اور اُن مین نہایت ہی خوبصورتی کے ساتھ ریشمی پٹیان باندھ کے اُن کا جال سا بنا دیا گیا جن کے مختلف شگفتہ رنگ پارے کے دریائے سیمین مین عجیب بہار دکھاتے۔ پھر اُن پٹیون کے جال پر نرم چمڑے کی ایک توشک ڈالی گئی جس مین ہوا بھر دی جاتی تھی۔ اس توشک پر وہ لیٹ جاتا۔ پارے کی حرکت سے وہ توشک ہر وقت جھولتی رہتی۔ اور خمارویہ بڑے لطف اور آرام کے ساتھ لیٹ کے سوتا۔ چاندنی راتون مین جب ماہتاب کی شعاعین آسمان سے اُتر کے پارے کی چمک دمک اور جھلک مین ملتین تو عجب عالم نور نظر آتا۔

مورخین کہتے ہین کہ یہ ایک ایسا اولوالعزمی و بلند حوصلگی کا کام تھا کہ زمانۂ ماسبق مین کسی بادشاہ و فرمانروا کے عہد مین نہین سنا گیا۔ اندلس مین عبدالرحمن الناصرلدین اللہ کی نسبت بیان کیا جاتا ہے کہ اُس نے بھی اپنے قصر مین اسی قسم کا پارے کا حوض بنوایا تھا۔ مگر اُس کا زمانہ خمارویہ ابن احمد ابن طولون کے بعد ہے۔ خمارویہ ۲۷۰ھ مین مسند نشین امارت ہوا تھا اور ۲۸۲ھ مین دنیا سے رخصت ہوا۔ اور عبدالرحمن الناصرلدین اللہ ۳۰۰ھ

مین تخت نشین ہوا - اور پچاس سال حکومت کر کے ۳۲۵ھ مین مرا -

خمارویہ کا یہ حوض سیماب اور نیز وہ قصر جس مین وہ بنا یا گیا تھا دونون اُس فرمان روا کے چند روز بعد اُجڑ گئے - اور اُس وقت سے مدتون تک یہ حال تھا کہ لوگ حوض کی دیوارین کھود کھود کے پارہ نکالتے اور بازار مین لیجا کے فروخت کرتے -

اس قصر مین خمارویہ نے درندون کے رکھنے کے لیے جدا جدا مکانات اور کٹہرے بنوائے تھے - جن سے اُسے بڑا شوق تھا - ہر کٹہرے اور مکان مین شیرون کا ایک جوڑا رہتا - درندون کے ان مکانون مین جانے کا راستہ علی العموم چھت پر سے رکھا گیا تھا - اور زمین کے نرم اور شیرون کے مذاق کے مطابق بنانے کے لیے اس پر بالو بچھا دی گئی تھی - اور اُس کے ایک کونے پر معمولاً ایک حوض بنا ہوتا جس مین پانی بھر دیا جاتا -

ان پالے ہوے شیرون مین سے ایک جو اپنی نیلی آنکھون کی وجہ سے "زُریق" کہلاتا تھا خمارویہ کو اس قدر ہل گیا تھا کہ محل مین چھوٹا چھوٹا پھرتا - اور کبھی کسی پر حملہ نہ کرتا - جب دستر خوان بچھتا اور خمارویہ اُس پر آ کے بیٹھتا تو ایک کونے پر شیر بلی کی طرح خاموش بیٹھ جاتا - گوشت کی قسم سے جتنی چیزین ہوتین اُن کو خمارویہ اپنے ہاتھ سے اُٹھا کے اُس کے سامنے ڈالتا اور وہ کھا لیتا - اس شیر کی شیرنی بھی تھی مگر وہ اس قدر ہلی ہوئی نہ تھی - لہذا وہ کٹہرے مین بند رہتی - اور خاص خاص اوقات مین زریق اُس کے پاس چلا جاتا - مگر دن ہو یا رات جب تک خمارویہ سوتا رہتا یہ شیر زریق اُس کے پلنگ کے برابر بیٹھا پہرہ دیا کرتا - اور کسی اپنے پرائے کی مجال نہ تھی کہ اُس وقت پلنگ کے قریب قدم رکھ سکے - زریق کے گلے مین سونے کی ہیکل پڑی رہتی تھی - اور جدھر جاتا چھم چھم کرتا ہوا چلتا -

خمارویہ نے اپنے اس شوق کے ذریعہ سے اپنی حفاظت کا بندوبست کیا تھا - اس لیے کہ واقعی جس قدر بھروسہ جانور پر ہو سکتا ہے انسان پر نہین ہو سکتا - مگر خدا کی مرضی یہ تھی کہ وہ اپنی موت سے مرنے کے بجاے

دوسرون کے ہاتھ سے مارا جاے۔ کارکنان قدرت نے اس کا یہ انتظام کیا کہ خمار دیہ کو کسی ضرورت سے فوری طور پر دمشق جانے کی ضرورت پیش آئی۔ چلا گیا۔ زریق کو مصر ہی مین چھوڑ گیا۔ اُس کے غلامون نے جو اپنے جرائم کے خوف سے ڈرے ہوئے تھے اور تاک مین لگے تھے اس موقع کو غنیمت جانا اور ۲۸۲ھ مین دمین اُسے بچھونے پر سوتے ہی سوتے ذبح کر کے دنیا کی دولت سراے فانی سے آخرت کے عالم باقی مین پہونچا دیا۔ اسی سال اُس کی ناز پروردہ بیٹی قطرالندیٰ کی شادی خلیفۂ معتضد باللہ عباسی کے ساتھ بڑے کروفر اور دھوم دھام سے ہوئی تھی۔

ہندوستان مین مشرقی تمدن کا آخری نمونہ

(۷) طرز کلام۔ آداب معاشرت مین ساتوین اہم چیز انداز گفتگو اور طرز کلام ہے دنیا مین ہر شخص کو شائستگی اور ادبی قابلیت کا پہلا اندازہ اُس کے الفاظ اور اُس کے انداز گفتگو سے ہوتا ہے۔ دنیا کی ہر اقبالمند قوم سب سے پہلے اپنی زبان کی اصلاح کرتی اور اُسے ترقی دیتی ہے۔

تہذیب و شائستگی کا تقاضا یہ ہے کہ زبان پر مکروہ و فحش الفاظ نہ آئین جو الفاظ و خیالات مخاطب کو ناگوار گزرین اُس کے سامنے زبان سے نہ نکلین۔ اور اگر کبھی ناگوار مضامین کے ظاہر کرنے کی ضرورت بھی پیش آئے تو وہ ایسے الفاظ اور ایسے عنوان سے ادا کیے جائین کہ مخاطب کو گران نہ گذرین اور اگر گران گزرین بھی تو اُن کی گرانی مین ایک گونہ گوارائی و لطف پیدا ہو جائے۔ اس بارۂ خاص مین اہل زبان لکھنؤ اور یہان کے شائستہ لوگون کو جو کمال حاصل ہے ہندوستان کے اور کسی شہر والون مین نہ نظر آئے گا۔ اگرچہ موجودہ تعلیم و تہذیب نے ایک حد تک یہ خوبی ہر جگہ انداز گفتگو مین پیدا کر دی ہے مگر انگریزی اثر سے معری کر کے دیکھیے تو بالذات یہ شائستگی و شستگی زبان اہل لکھنؤ ہی کا حصہ نظر آئے گی۔

باہر کے لوگ اس کا یہان تک لوہا مانے ہوئے ہین کہ لکھنؤ والون کے سامنے گفتگو کرتے جھیپتے اور جس قدر شائستگی اُن مین ہے اُس کو بھی بھول جاتے ہین - اور اس کے بعد جب اپنی صحبتون مین بیٹھتے ہین تو یہ کہہ کے اپنی کمزوری کا الزام دور کرتے ہین کہ "ہم سادگی سے صاف صاف باتین کرتے ہین اور ہمین لکھنؤ والون کی سی چنان چنین نہین آتی" مگر دراصل یہ عذر گناہ بدتر از گناہ ہے - مین نے ایرانیون کو دیکھا کہ اُن کے سامنے ہندوستانی بات کرنا بھول جاتے ہین - انگلستان مین دیکھا کہ فرانسیسیون کے سامنے انگریزون کی زبان سے ایک لفظ نکلنا بھی مشکل ہو جاتا ہے - اسی طرح عربون کی طلاقت لسانی کی کبھی یہ حالت تھی کہ اُن کے سامنے غیر ملک والون کی زبان نہ کھل سکتی تھی - اور عرب لوگون کو خیال ہو گیا تھا کہ "زبان خدا نے فقط ہم کو دی ہے - اور ساری دنیا ہمارے مقابل گونگی ہے" اسی خیال کا نتیجہ تھا کہ ماسوا عرب کے تمام دنیا کے لوگون کو وہ "عجم" کہتے جس کے لغوی معنی گونگے کے ہین - بعینہٖ یہی حال ہندوستان مین ہر شہر کے لوگون کے مقابل لکھنؤ والون کا ہے کہ وہ فصاحت و بذلہ سنجی مین سب کو دبا کے ہیبت سے چھا جاتے ہین - اور اپنے سامنے کسی اور کو زبان نہین کھولنے دیتے -

شائستگی زبان مین سب سے پہلی چیز یہ ہے کہ مخاطب کو کن ضمائر سے یاد کیا جائے - اور سب زبانون مین مخاطب کے لیے دو ضمیرین ہین ایک واحد کی اور ایک جمع کی - اور معزز مخاطب کے لیے واحد کی جگہ ہر زبان مین تعظیماً جمع کی ضمیر استعمال کیجاتی ہے - فارسی مین واحد مخاطب کی ضمیر "تو" ہے اور جمع کی "شما"، عربی مین واحد کی "ک" اور "انت" اور جمع کی "کم" اور "انتم"، انگریزی مین واحد کی "داو" اور جمع کی "یو" اور اِن سب زبانون مین معزز مخاطب کو اگرچہ ایک ہی ہو بغرض تعظیم جمع کی ضمیر سے مخاطب کرتے ہین - چنانچہ فارسی مین "شما" سے عربی مین "کم" اور "انتم" سے اور انگریزی مین "یو" کے لفظ سے معزز شخص مخاطب کیا جاتا ہے -

بہ خلاف ان سب زبانون کے اردو مین مخاطب کے لیے واحد کی تو ایک ہی ضمیر "تو" ہے مگر جمع کی دو ضمیرین ہین "تم" اور "آپ" اور ان تینون ضمیرون کے لیے مخاطب کا درجہ اور مرتبہ مقرر ہے۔ ایک بہت ادنے شخص کو "تو" کہین گے ادنے درجے کے لوگوان مین جو ذرا امتیاز رکھتا ہو اُسے اور اپنے خُردون کو "تم" کہین گے۔ اور جو ہم رتبہ معزز و تعلیم یافتہ شریف ہو اُسے "آپ" کہین گے اگرچہ معزز درجے کے لوگ کبھی بے تکلفی مین اپنے اقران و امثال اور اپنے ہم سنون کو بھی تم کہنے لگتے ہین۔ مگر جن لوگون سے بے تکلفی نہ ہو اُن کو تم کہنا اردو مین خصوصاً اہل لکھنؤ مین اخلاقی و ادبی جرم ہے۔

اردو زبان مین اور خاص لکھنؤ والون مین مخاطب کے اتنے ہی درجے نہین بلکہ ان سے بھی بڑھ کے بہت سے الفاظ ہین جن کا شرفاو معززین کے مقابلے مین استعمال کرنا لازمی ہے۔ جناب۔ جناب والا۔ جناب عالی۔ حضرت حضرت والا۔ حضور۔ حضور والا۔ حضور عالی۔ قبلہ۔ قبلۂ و کعبہ۔ سرکار۔ اور اسی قسم کے چند اور الفاظ اردو مین معزز مخاطب کی نسبت حسب درجہ استعمال کیے جاتے ہین۔ جو لکھنؤ والون کی زبانون پر چڑھے ہوئے ہین۔ اور اُن کا صحیح استعمال جس قدر اہل لکھنؤ جانتے ہین اور کسی دوسرے شہر کے لوگ نہین جانتے۔

ہمارا دعوے ہے کہ اتنے تعظیمی الفاظ خطاب دنیا کی کسی زبان مین نہین ہین۔ ہندوستان مین وہ زمانہ گزر گیا جب اردو یہان کی تمام زبانون کی ادب آموز تھی۔ اور اب اردو کی شاگردی سے آزاد ہو کے سب زبانین کوس لمن الملکی بجا رہی ہین۔ بنگالی۔ پنجابی۔ گجراتی سندھی۔ مرہٹی۔ کنڑی۔ تلنگی۔ وغیرہ سب کو اپنی ادبی ترقی و فصاحت کا دعویٰ ہے۔ مگر ہم مذکورہ ہندوستانی زبانون کو اور اُن کے ساتھ ساری دنیا کی مشہور زبانون فارسی۔ عربی۔ انگریزی اور فرانسیسی کو بھی چیلنج دیتے ہین کہ اگر ان کو اردو سے زیادہ ادبی وسعت و فصاحت کا دعویٰ ہے تو مخاطب کے لیے اپنی لغتون مین اتنے لفظ نکال دین جتنے کہ اردو مین موجود ہین۔ سچ یہ ہے

کہ باوجود اپنی کم عمری اور اپنے محدود رقبۂ تصرف کے اردو چندہی روز
مین شائستگی لطافت۔ ادب۔ اور مناسبات علم مجلس کے اعتبار سے اس درجہ
کمال کو پہونچ گئی تھی جو دنیا کی کسی زبان کو نہین حاصل ہے۔ اصل حقیقت یہ ہے
کہ اردو کسی ملک کسی صوبے کسی گروہ کسی مذہب کی زبان نہ تھی۔ بلکہ یہ دو زبان
تھی جو شاہی دربار سے شروع ہو کے ہندوستان کے ہر شہر مین مہذب و شائستہ
لوگون۔ نکھری صحبت والون۔ صاحبان علم و فضل۔ شاعرون اور ادب و اخلاق
کے شیدائون کی زبانون پر جاری ہو گئی تھی۔ لہذا اُس کی بنیاد ہی تہذیب
و شائستگی کے ہاتھون سے پڑی۔ اور آخر تک نکھرے مذاق والون اور شیدایان
سخن کے ساتھ مخصوص رہی۔ اسی کا نتیجہ ہے کہ اردو بولنے والون کی مجارٹی
کسی صوبے مین نہین مگر یاد رکھنا چاہیے کہ ہر جگہ کے مہذب و شائستہ لوگ
اُس کے بولنے والے ہین۔ یہ پیدا اسی لیے ہوئی تھی کہ ہندوستان مین
ایک اعلی درجے کی اور ساری دنیا سے زیادہ شائستہ سوسائٹی پیدا کردے۔
مگر بدنصیبی سے انگریزی دور مین جب مغربی معاشرت و ادب نے جگہ پکڑی
تو ہندوستانیون کے باہمی اور قدیم فطری تعصبات نے یہ رنگ دکھایا
کہ مسلمان اس پر ناز کرنے لگے کہ ہماری زبان ہے اور ہندؤون نے
یہ خیال کر کے کہ اِس زبان مین ہم مسلمانون کا مقابلہ نہ کر سکین گے اُسے
مسلمانون ہی کے سر مارا اور دامن جھٹک کے علحدہ ہو گئے۔ اس سے
اردو کو نقصان پہونچا۔ اور روز بروز زیادہ نقصان پہونچے گا۔ مگر
باوجود اس کے اس سے انکار نہین کیا جا سکتا کہ جو رسیلا پن۔ جو دلی
خوبیان اِس مین ہین نہ نئی پیدا کی ہوئی ہندی زبان مین ہین اور نہ
ہندوستان کی کسی اور زبان مین۔

انگریز ہون یا عرب افغانی ہون یا ایرانی جب اردو بولتے
ہین تو مخاطب کے لیے سوا "تم" کے اور کوئی لفظ اُن کے خیال
مین نہین آتا۔ اس لیے کہ اس قسم کا اور کوئی لفظ جو "تم" سے زیادہ
شائستہ و ترقی یافتہ ہو اُن کی زبان مین موجود ہی نہین ہے۔

انگریزی مین خطاب کے اور الفاظ ہین مثلاً- یور آنر- یور اکسلنسی-
یور ہائنس- یور رجسٹی- وغیرہ- مگر وہ اعلیٰ درجے کے امرا اور بادشاہون
کے لیے خاص ہین- اُن کے سوا اور کسی کی نسبت نہین استعمال کیے جاسکتے-
اس قسم کے مختص الاشخاص الفاظ اردو مین بھی ہین- مثلاً جہان پناہ صاحب عالم
مرشدزادہ- نواب صاحب- نواب زادہ- صاحبزادہ- یہ خاص اعلیٰ طبقے
کے لوگون کے خطابات ہین جن کے ساتھ جناب یا حضور کے الفاظ ملا کے
خطاب کیا جاسکتا ہے- اور غالباً اس قسم کے مخصوص خطابات ہر زبان
مین موجود ہون گے- مگر مذکورۂ سابق تعظیمی الفاظ جو اردو زبان
مین ہر معزز و شائستہ انسان کی نسبت استعمال کیے جاسکتے ہین اردو کے سوا
کسی اور زبان مین نہین نظر آتے-

مزاج پرسی کو دیکھیے- ہر زبان مین اس کے لیے معمولی الفاظ ہین
مگر اردو مین ادب و احترام کی نگہداشت کے لیے- مزاج عالی- مزاج مبارک
مزاج اقدس- مزاج مقدس- مزاج معلی وغیرہ کہہ کے معزز مخاطب کی خیریت
دریافت کرتے ہین- یہ الفاظ اگرچہ اب ترقی اردو کے ساتھ ہر جگہ اور شہر
مین پھیل رہے ہین مگر اُن کے استعمال مین جو اجتہادی ملکہ شرفاے لکھنؤ کو حاصل
ہے اور کسی جگہ کے لوگون کو نہین نصیب ہوسکا-

شرفاے لکھنؤ مین ایک خاص بات یہ ہے کہ "ش" "ق" درست
رہے گا- اور تمام عربی حرفون کو حتی الامکان اُن کے اصلی مخرج سے ادا
کرین گے- فارسی ترکیبون مین اضافت نمایان طور پر ادا کیجائے گی- علما اور
ذی علم لوگون سے باتین کرین گے تو عربی و فارسی الفاظ کو زیادہ استعمال
کرین گے- اور اُن کے صحیح تلفظ سے ادا کرین گے- اطبا سے گفتگو ہوگی تو عربی
کے طبی مصطلحات کو کام مین لائین گے- جاہل نوکرون اور عوام سے بات
کرینگے تو عربی الفاظ سے بچین گے- عورتون سے بات چیت ہوگی تو اُن کے مذاق
کے محاورون اور مثلون کو گفتگو مین صرف کرین گے-

خُرد بزرگ سے ادنیٰ اعلیٰ سے یا عامی عالم سے گفتگو کرے گا تو ہر لفظ

اور ہر فقرے مین ادب و تعظیم کا خیال رکھے گا۔ آواز مناسب درجے تک پست اور نیچی رہے گی۔ اسی طرح بزرگ خُردون سے۔ اعلیٰ طبقے والے ادنےٰ لوگون سے۔ علما عوام سے بات کرین گے تو اُن کے لہجے اُن کے انداز اور اُن کے الفاظ مین شفقت و محبت کے جذبات مضمر ہون گے۔

ان باتون کا لحاظ رکھنے اور مذکورہ بالا ادب و تعظیم کے الفاظ و ضمائر استعمال کرنے سے اہل لکھنؤ کی زبان اس قدر شائستہ اور شُستہ و رفتہ ہو گئی ہے کہ یہان کے عوام اور جہلا دوسرے شہرون کے اکثر شعرا و فصحا سے زیادہ اچھی اردو بولتے ہین۔ اور جو شائستگی و تمیزداری اُن سے ظاہر ہو جاتی ہے کسی اور مقام کے قابل و ذی علم لوگون سے بھی نہین ظاہر ہو سکتی۔ مگر افسوس لکھنؤ مٹتا جاتا ہے۔ اب یہان بیرونی لوگون کا ایسا طوفان بے تمیزی بپا ہے۔ یہان کے شائستہ لوگ اس طرح بیکار ہو کے کونے مین بیٹھ گئے ہین۔ اور قانونی آزادی نے جہلا و عوام کو اس درجہ بیباک و بدتمیز بنا دیا ہے کہ یہ تمام ادبی خوبیان خاک مین مل رہی ہین اور چند روز بعد شاید اُن کا پتہ بھی نہ ہو۔

چند کتابون پر ریویو

مشاطۂ سخن۔ جس کا تاریخی نام **شمع سخنوری** رکھا گیا ہے ۱۸×۲۲ تقطیع کے ۱۵۱ صفحون کی ایک عدیل و بے نظیر کتاب ہے جس مین سخنور بے ہمتا حضرت صفدر مرزا پوری نے غیر معمولی جستجو و تحقیق سے اکثر اساتذۂ سخن اور شعرائے کامل فن کی اصلاحین جمع کر دی ہین۔ آتش۔ ناسخ۔ آسیر۔ مومن۔ ذوق۔ غالب۔ انیس۔ دبیر۔ امیر۔ داغ۔ منیر۔ تسلیم۔ جلال۔ اور اسی طرح اور بہت سے بلند پایہ اُستادون کی اصلاحون کا جمع کرنا اور یہ بتانا کہ شاگرد نے کیا شعر کہا تھا اور اُستاد نے اُس مین کیا اصلاح دی شعر و سخن کا ذوق رکھنے والون کے لیے نعمت عظمیٰ ہے جن کسی کو اردو کا شوق ہو اُسے اِس کتاب کو ضرور ملاحظہ کرنا چاہیے۔ کتاب چھپی بھی صاف اور صحیح ہے اور سفید کاغذ پر ہے۔ قیمت فی جلد ایک روپیہ جناب مصنف یعنی حضرت صفدر مرزا پوری کو محمود نگر لکھنؤ کے پتہ پر خط لکھ کے وی پی منگوا لیجیے۔

عروض قافیہ۔ یہ ایک نہایت مختصر اور بہت ہی سلجھی ہوئی کتاب فن شاعری اور عروض و قافیہ مین ہے۔ مولوی محمد ابراہیم حسین صاحب ناظم مرحوم کی تصنیف ہے۔ اکثر حضرات کو علم عروض کی کسی مستند اور مختصر کتاب کی بے حد ضرورت ہے اُن کے لیے اس سے بہتر رسالہ نہین مل سکتا جس مین گویا دریا کو

ہین اور فن بحور و قوافی چند صفحات مین بند کر دیا گیا ہے۔ اور آخر مین علم معانی بیان و فصاحت کے بھی بہت سے ضروری مسائل بتا دیے گئے ہین۔ یہ رسالہ ۲۰×۲۶ سائز کے ۴۸ صفحون پر پورا ہوا ہے۔ قیمت پہلے چار آنے تھی مگر اب نہ ملنے اور نایاب ہونے کی وجہ سے فی جلد آٹھ آنے رکھی گئی ہے۔ شوق ہو تو مینیجر دلگداز لکھنؤ سے منگوا لیجیے۔ چند روز بعد یہ کتاب نہ ملے گی۔

انتخاب کلام میر۔ انجمن ترقی اردو کے مفاخر مین یہ ۲۰×۲۶ سائز کا رسالہ بھی ہے جس مین اردو کے استاد الکل اور سخنور عدیم النظیر میر تقی میر کے کلام کا انتخاب کیا گیا ہے۔ اول مین ۴۰ صفحون پر مولوی محمد عبدالحق صاحب بی۔ اے معتمد انجمن ترقی اردو کا دیباچہ ہے۔ جس مین میر صاحب مرحوم کی سوانحعمری۔ اُن کے کلام پر تقریظ ہے۔ اور آخر مین جناب معتمد صاحب نے اپنے مذاق کے مطابق لکھنؤ کے مذاق سخن اور یہان کی شاعری پر حملہ کیا ہے۔ ہم جھگڑے کی باتون سے علیحدہ رہتے ہین۔ اور جواب دینے کی ضرورت نہین سمجھتے۔ مگر اتنا ضرور کہین گے کہ اگر مولوی عبدالحق صاحب کا یہی فیصلہ ہے تو انجمن اردو کی معتمدی مین وہ اہل لکھنؤ اور اُن لوگون کے معتمد علیہ نہین ہو سکتے جو لکھنؤ کی شاعری کے زیر اثر اور اُس کے پیرو ہین۔ پھر اُس کے بعد اردو دان پبلک کے ایک بڑے حصے کا اعتماد اردو یونیورسٹی پر سے بھی اُٹھ جائے گا۔ جس کا لٹریچر مولوی محمد عبدالحق صاحب کی ذات سے وابستہ ہے۔ انجمن اردو کے معتمد اور اردو یونیورسٹی کے نگران زبان کا کام یہ ہونا چاہیے کہ اردو کے تمام اسکولون کو ایک نگاہ سے دیکھے۔ اور اس آسانی سے یکطرفہ فیصلہ نہ کر دیا کرے۔ یہ رسالہ اچھا چھپا ہے۔ انتخاب بھی اچھا ہے۔ اور قیمت فی جلد ایکروپیہ آٹھ آنہ (عہ/) صدر دفتر انجمن ترقی اردو سے "اورنگ آباد۔ ریاست حیدر آباد دکن" کے پتہ پر خط بھیج کے منگوایا جائے۔

گلزار قادری۔ یہ ۲۰×۲۶ سائز کے ۰۰ صفحون پر مولوی محمد عبدالقادر صاحب وکیل بنارس کا ایک قابل قدر رسالہ ہے جس مین حضرت غوث الاعظم رحمۃ اللہ علیہ کے حالات زندگی مستند کتب تواریخ عربی و فارسی سے اخذ کر کے بحوالہ اسناد دراری جمع کر دیے گئے ہین۔ اور آخر مین حضرت غوث الاعظم کی منقبت مین فارسی و اردو نظمین مختلف شعرا کی درج ہین۔ پیروان سلسلہ قادریہ اور شیدایان حضرت غوث الاعظم کو یہ رسالہ ضرور اپنے پاس رکھنا چاہیے۔ قیمت فی جلد ۱۰/ ہے۔ مولوی محمد عبدالقادر صاحب وکیل بنارس" کے پتہ پر خط بھیج کے منگوائیے۔

درویش جنتری۔ ۱۳۳۷ھ یہ بالکل نئی اور اچھوتی اسلامی تقویم ہے جو اسی سال گزشتہ محرم ۱۳۳۷ھ سے شروع کی گئی ہے۔ اور مسلمانون خصوصاً صوفیون کے لیے نہایت کار آمد ہے۔ قیمت فی جلد ۶/ ایڈیٹر صاحب رسالۂ اسوۂ حسنہ سے مکتبہ قادریہ۔ میرٹھ کیمپ کے پتہ پر خط بھیج کے منگوائی جائے۔

ابو دُلامہ

یہ عرب کا ایک نامور شاعر ہے جس نے بنی امیہ کا آخری دور اپنے کم عمری اور طالب علمی کے زمانے مین دیکھا اور بنی عباس کے عہد مین شعر و سخن مین اس قدر ترقی کی کہ پہلے تین عباسی خلیفون ابو العباس سفّاح۔ ابو جعفر منصور اور مہدی کے درباروں مین سب سے زیادہ پیش تھا۔ اُن کے مزاجون مین بڑا رسوخ رکھتا تھا۔ اور اپنی بذلہ سنجیون۔ مذاق کی باتون۔ اور مسخرہ پن کی حرکتون سے بات بات پہ انعام پاتا تھا۔

اصلی نام زند تھا جسے بعض لوگون نے دھوکے مین آکے "زید" بنا دیا۔ مگر یہ غلط ہے۔ اُس کے باپ کا نام جون تھا جو فضافض نام بنی اسد کے ایک عربی نژاد شریف کا حبشی غلام تھا۔ فضافض کا شمار صحابۂ رسول اللہ صلعم مین تھا۔ اُنھون نے جون کو آزاد کر دیا اور اُس نے کوفے کی سکونت اختیار کر لی۔ جہان زند پیدا ہوا۔ اور اُن علما و فصحا کے آغوش مین نشو و نما پانے لگا جن کی برکت و شہرت سے کوفہ اُن دنون ادیبون اور سخن سنجان عرب کی صحبتون کا مرکز اور عربیت کا بہترین اسکول قرار پا گیا تھا۔

زند نے چند ہی روز مین شاعری و فصاحت مین نمایان ترقی کی۔ صورت اگرچہ کالی اور بھونڈی تھی اور بہت ہی بدقطع اور کریہ المنظر تھا۔ مگر خدا نے ذہن ایسا تیز اور مذاق ایسا پاکیزہ و سنجیدہ دیا تھا۔ اور اُس مین ظرافت اس قدر کوٹ کوٹ کے بھری ہوئی تھی کہ تھوڑے ہی

زمانے کے اندر تمام علمی صحبتین اور مہذب سوسائٹیان اُس کی دلدادہ ہو گئین۔ اُن دنون شائستہ صحبتون مین تعظیم و عزت سے کسی کا نام لینا ہوتا تو کنیت سے اُس کی طرف خطاب کرتے۔ بلکہ معمولی نام لے کے کسی کی طرف خطاب کرنے مین اُس کی توہین خیال کیجاتی۔ زند جو اصل مین ایک ادنے درجے کا مولے زادہ تھا ابتداءً تو اُس کی کچھ اصل و حقیقت نہ تھی مگر اب معزز صحبتون اور اہل علم کے محفلون مین اس کا نام آنے لگا تو ضرورت پیش آئی کہ اپنی کوئی کنیت مقرر کرے۔ مکہ معظمہ مین آبادی کے قریب ایک پہاڑ تھا جس کے دامن مین قریش عہد جاہلیت مین اپنی لڑکیون کو لے جاکے زندہ گاڑ آیا کرتے تھے۔ وہ پہاڑ آبودُلامہ کہلاتا تھا۔ خدا جانے اُس کی کونسی خوبی اِس شخص کو پسند آئی کہ اُسی کے نام پر اپنی کنیت آبودُلامہ مقرر کرلی۔ اور اُس کو اس قدر شہرت ہوئی کہ نام کسی کو یاد نہ رہا ساری دنیا قیامت تک آبودُلامہ ہی کہہ کے یاد کرتی رہیگی۔

شاعر ہر جگہ آزاد و بیباک سرکش اور رند مشرب ہوا کرتے ہین۔ فارسی شعرا کی رندمشربی ہمارے یہان سب جانتے ہین۔ مگر اس سے بہت کم لوگ واقف ہین کہ رندمشربی مین شعراے عرب کا نمبر غالبًا ساری دنیا کے شاعرون سے بڑھا ہوا تھا۔ اُن مین سے اکثر صحابہ و تابعین کے عہد خیرالقرون مین تھے اور مجتہدین اوّلین کے معاصر تھے مگر اس پر بھی اس قدر آزاد و رند تھے کہ زمانہ اُن سے پناہ مانگتا۔ آبودُلامہ بھی اِس خصوصیت مین اگر تمام شعراے عرب سے بڑھا ہوا نہین تو کسی سے کم بھی نہ تھا۔ چنانچہ اُس کے تذکرہ نولیس کہتے ہین کہ فاسد العقیدہ بد دین۔ ہر قسم کی حرام کاریون کا مرتکب۔ فرایض دین کا تارک۔ اور علانیہ رندمشرب تھا۔ شراب پیتا۔ زنا و حرام کاری مین مبتلا رہتا۔ اور گو کہ اُن دنون حدود شرعی جاری تھے اور سب اُس کے فسق و فجور سے بخوبی واقف تھے مگر کوئی کبھی اُس سے تعرض نہ کرتا۔ اور اُس کے کلام و مذاق مین کوئی ایسا لطف تھا کہ سب کو اُس سے درگزر کرنا پڑتا۔

اُس کی سب سے پہلی نظم جسے لوگون نے زبانی یاد کیا اور جس پر

اُسے انعام و اکرام ملا دُوسرے عباسی خلیفہ اَبُو جعفر منصور کی مدح مین ایک قصیدہ تھا جس مین اُس نے اَبُو مسلم خراسانی کے قتل کے واقعے کو بیان کیا تھا۔ اور اُسے واجب القتل ثابت کیا تھا۔ منصور اگرچہ نہایت خسیس اور بخل مین ضرب المثل تھا مگر وہ قصیدہ سُن کر اُس کے دل مین ایسا غیر معمولی جوش فیاضی پیدا ہوا کہ سنتے ہی خوش ہو کے بولا "مانگو کیا مانگتے ہو؟" اَبُو دُلامہ نے کہا "دس ہزار درہم دلوائیے" اور منصور نے بلا تامل دیدیا غرض یہ بھاری رقم انعام مین دے دی۔ اُس کا کلام ہی ایسا لطیف و پسندیدہ ہوتا کہ منصور کو جو مانگتا دے دینا پڑتا۔ چنانچہ مورخین کہتے ہین کہ منصور نے باوجود بخل کے جتنی دولت انعام مین اَبُو دُلامہ کو دی اور کسی شخص کو نہین دی۔

منصور سے پہلے سفاح نے بھی اُسے اس قدر دیا کہ اُس سے پہلے شاید دنیا کا کوئی شاعر کبھی دربار سے نہ لے سکا ہو گا۔[عہ] ایک دن کسی نظم پر خوش ہو کے سفاح نے اَبُو دُلامہ سے پوچھا "اس کے انعام مین تم کیا چاہتے ہو؟" بولا "ایک شکاری کتا دلوائیے۔" اس نے کتا دلوا دیا۔ بولا "ایک گھوڑا بھی تو چاہیے جس پر سوار ہو کے شکار کو جاؤن گا۔" گھوڑا بھی دلوا دیا گیا۔ کہا "ایک غلام بھی تو ہو جس کے ہاتھ مین کتے کی ڈوری ہو گی" غلام بھی مل گیا۔ بولا "تو ایک لونڈی بھی عنایت ہو جو شکار کو صاف کر کے پکائے اور کھلائے گی" لونڈی بھی مل گئی۔ تب کہنے لگا "امیر المومنین۔ یہ اور یہ سب حضور کے غلام ہین۔ آخر ان کے رہنے کے لیے کوئی گھر بھی تو چاہیے ہو گا" خلیفہ نے حکم دیا "ایک گھر بھی دیا جائے" بولا "مگر یہ سب کھائین گے کیا اور بسر کیسے کرین گے؟" سفاح نے کہا "یہ بھی منظور۔ جاگیر کے طریقے سے مین نے تمھین ایک سو ایکڑ زمین مزروعہ اور ایک سو ایکڑ بنجر زمین دی" ابو دُلامہ نے پوچھا "بنجر زمین کیسی ہوتی ہے؟" خلیفہ نے کہا "جس مین

عہ جو لوگ اس دعوے کو مانتے ہین اُن کے نزدیک سب سے پہلا انعام اُسے منصور سے نہین بلکہ پہلے عباسی خلیفہ اَبُو العباس سفاح سے ملا۔

نہ کچھ اُگتا اور نہ کچھ پیدا ہوتا ہے"۔ بولا " تو پھر امیر المومنین ریگستان بنی اسید مین سے پانچ لاکھ ایکڑ زمین مین حضور کو دیے ڈالتا ہون"۔ اس پہ سفاح نے بے اختیار ہنس کے کہا " اچھا دس ایکڑ زمین مزروعہ دیجائے"۔

ایسا ہی واقعہ اِس کے بعد ایک بار ابو جعفر منصور کے ساتھ بھی پیش آیا۔ ابو دُلامہ نے اُس کے سامنے ایک نظم مین اپنی مفلسی و تنگدستی کچھ ایسے دلچسپ اور مذاق کے عنوان سے ظاہر کی کہ اُس نے حکم دیا۔ " ابو دُلامہ کو چھ سو ایکڑ زمین مزروعہ اور چھ سو ایکڑ بنجر زمین دیدی جائے"۔ یہ سنتے ہی وہ بولا " امیر المومنین۔ ایسا ہی ہے تو نجف اور حیرہ کے درمیان کی چار ہزار ایکڑ زمین مین حضور کی نذر کرتا ہون۔ اور کہیے تو اس سے بھی زیادہ دے ڈالون"۔ منصور اس پہ بے اختیار ہنسا اور کہا " اچھا انھین ساری زمین مزروعہ ہی دیجائے"۔

جب ابو العباس سفاح مرگیا۔ اور لوگ اُس کے جانشین بھائی ابو جعفر منصور کے پاس رسم تعزیت ادا کرنے کو جا رہے تھے۔ ابو دُلامہ بھی پہونچا۔ اور مرحوم خلیفہ کی تعزیت مین ایک ایسا پُردرد و پُرسوز مرثیہ سنایا کہ تمام حاضرین کو رُلا دیا۔ اُس مین ایک شعر کا مضمون یہ تھا کہ " او سفاح۔ تیرے بعد ہر شخص کے آگے دست سوال پھیلایا۔ اور اُن مین سب سے اچھا جسے پایا وہ بخیل تھا " منصور بخیل مشہور تھا۔ اور اس کو جانتا بھی تھا۔ اُسے غصہ آگیا۔ اور بولا " ابو دُلامہ۔ اگر پھر کبھی تمھاری زبان سے یہ قصیدہ سنا تو زبان کٹوا لون گا"۔ ابو دُلامہ نے جواب مین بے ساختہ عرض کیا " امیر المومنین۔ ابو العباس سفاح میری قدر کرتے تھے۔ انھین نے ریگستان عرب سے نکال کے مجھے یہان اور بدویت سے اِس درجہ کو پہونچایا جس طرح کہ خداوند جل و علا نے حضرت یوسف کے بھائیون کو اُن کے پاس مصر مین پہونچایا تھا۔ لہذا اب حضور بھی وہی فرمائین جو جناب یوسف نے اپنے بھائیون سے فرمایا تھا کہ " لا تثریب علیکم الیوم۔ یغفر اللہ لکم وھو ارحم الراحمین"۔ اس جواب نے منصور کو خوش کر دیا۔ اور بولا " مین نے بھی تمھارا قصور

معاف کیا۔ اب بتاؤ کیا چاہتے ہو؟" بولا "امیر المومنین ابو العباس مرحوم نے میرے لیے دس ہزار درہم اور پچاس تھان دینے کا حکم دیا تھا۔ مگر ملنے نہین پائے تھے کہ اُن کا انتقال ہو گیا" منصور نے پوچھا "کوئی گواہ بھی ہے؟" ابو دلامہ نے تمام حاضرین کی طرف اشارہ کر کے کہا "یہ سب گواہ ہین" اگرچہ خلافت کا خزانچی ابوایوب دل مین جل بھن گیا مگر کس کی مجال تھی کہ ابو دلامہ کی گواہی نہ دیتا۔ دو شخصون نے بڑھ کے گواہی دیدی۔ اور اس رقم اور تھانون کے عطا ہونے کا حکم جاری ہو گیا۔ مگر منصور دل مین سمجھ گیا کہ یہ رقم ابو دلامہ نے مفت اُڑائی ہے۔ اس کا بدلہ لینے کے لیے حکم دیا کہ ابو دلامہ باغی سلطنت عبداللہ بن علی[۱] کے مقابلے پر روانہ کیا جائے جس نے شام مین علم بغاوت بلند کیا ہے" لڑائی پر جانے کا نام سنتے ہی ابو دلامہ کا دم نکل گیا۔ آپ انتہا درجے کے بزدل اور ڈرپوک تھے۔ لڑائی پر جانے کا حکم سنتے ہی بولے "امیر المومنین خدا نہ کرے کہ مین اس مہم مین جاؤن۔ بخدا مین اِس قدر منحوس اور سبز قدم واقع ہوا ہون کہ جہان جاتا ہون ناکامی ہی ہوتی ہے" منصور نے کہا "مضائقہ نہین۔ میری فرخندہ فالی تمھاری نحوست پر غالب آجائے گی۔ بس اب دیر کرنے کی ضرورت نہین۔ فوراً روانہ ہو" عرض کیا "خدا کی قسم مجھے مناسب نہین معلوم ہوتا کہ امیر المومنین اپنی فرخندہ فالی و اقبالمندی کو ایسے نازک موقع پر آزمائین کسے خبر ہے کہ حضور کی فرخندہ فالی غالب آئے گی یا غلام کی سبز قدمی۔ جہان تک مین اندازہ کرتا ہون میرا تجربہ زیادہ زمانے کا ہے۔ اور مجھے اپنی نحوست کا یقین بھی زیادہ قوی ہے" منصور نے کہا "فضول مت بکو۔ تمھین جانا پڑے گا" ابو دلامہ نے کہا "اب حضور سچ ہی بلواتے ہین تو سُنیے۔ مین اُنیس لشکرون کے ساتھ میدان جنگ مین جا چکا ہون۔ اُن اُنیسون لشکرون کو شکست ہوئی۔ اور اُس شکست کا باعث ہمیشہ مین ہوا۔ اب یہ سننے کے بعد امیر المومنین کو اختیار ہے کہ اُن اُنیس لشکرون کے بعد بیسوان لشکر اس فوج کو بنا دین جو

---

[۱] عبداللہ بن علی حضرت امام حسن علیہ السلام کی نسل سے تھے۔ اور اُن دنون تمام بنی فاطمہ مین سرآوردہ تھے۔ جنھون نے عباسیون کے مقابل امامت اور خلافت کا دعوے کیا تھا۔

اس فہم ہو جاتی ہے۔" یہ سن کے منصور کو ہنسی آ گئی۔ اور مارے ہنسی کے لوٹ گیا۔ پھر دیر تک ہنسنے کے بعد کہا "خیر جاؤ مین نے معاف کیا۔"

سفاح کے مرنے کے چند روز بعد ایک دن ابو دلامہ منصور کے سامنے کھڑا تھا۔ منصور کو اُس کے وہ اشعار یاد آ گئے جو اُس نے منصور کے مرثیے مین کہے تھے۔ اُن مین سے دو شعر پڑھ کے پوچھا "یہ تمھارے شعر ہین؟" بولا "جی نہین" منصور نے جھنجلا کے کہا "جھوٹے ہو۔ یہ شعر تمھارے ہی ہین۔ اور تین اور شعر پڑھ کے کہا "یہ بھی تو تمھارے ہی ہین۔" ابو دلامہ نے کہا "امیرالمومنین۔ اصل واقعہ یہ ہے کہ آپ کے بھائی نے مجھ پر ایسے ایسے احسان کیے کہ مین مارے خوشی کے پھول گیا۔ اور بدحواسی مین بہت سی باتین بے سوچے سمجھے کہہ گیا ہون۔ اب چاہتا ہون کہ اُن کا کفارہ ہو جائے۔ لہذا جو کچھ اُنھون نے دیا ہے اگر اتنا ہی حضور مجھے مرحمت فرما دین تو مین اُن کی ساری دی ہوئی رقم خزانۂ خلافت مین واپس کر کے سبکدوش ہو جاؤن۔ منصور پر یہ فقرہ کارگر نہ ہوا۔ اور ستانے کے لیے تین دن تک ابو دلامہ کو قید رکھا۔ پھر تین دن کے بعد قید سے نکال کے آزاد کیا۔ اور انعام و اکرام دے کے رخصت کیا۔

ابو جعفر منصور نے اہل دربار کو حکم دیا تھا کہ سیاہ کپڑے پہنین لمبی لمبی بلند ٹوپیان سر پر رکھین جن کے اندر دو تیلیان لگی ہوتین اور اُن کے قبے کو قائم رکھتین تلوار دان کو پٹکون مین آویزان کرین۔ اور پیٹھ پر یہ آیت لکھوائین۔ فَسَيَكْفِيكَهُمُ اللّٰهُ وَهُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ۔ اسی وضع مین ابو دلامہ حاضر دربار ہوا تو صورت دیکھتے ہی پوچھا "کہو ابو دلامہ۔ کیا حال ہے؟" جواب دیا "بہت ہی بُرا حال" پوچھا "کیون خیریت تو ہے؟" عرض کیا "حضور۔ چہرہ گھونگھٹ مین ہے۔ تلوار چوتڑ دن مین ہے۔ کلام اللہ پیٹھ پیچھے ہے۔ اور کپڑے کالے ہین۔" یہ سن کے منصور اُس وقت تو ہنس کے چپ ہو رہا۔ مگر اُس کے بعد تنہائی مین کہا "خبردار یہ فقرے کسی اور کے سامنے زبان سے نہ نکالنا۔"

ایک روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ اِس موقع پر ابو دلامہ نے

دو شعر بھی فی البدیہ کہہ کے سُنائے تھے جن کا مضمون یہ تھا کہ "ہمیں اپنے بادشاہ سے بڑھتی کی امید تھی۔ تو وہ ترقی یون نمایان ہوئی کہ ٹوپیان بڑی بڑی ہو گئیان۔ یہ ٹوپیان کاہے کو ہین۔ معلوم ہوتا ہے کہ لوگون کے سرون پر میفروشون یہودیون کے خُم کپڑے مین لپیٹ کے اوندھا دیے گئے ہین۔"

ایک دن ابوعطا سندھی ابودُلامہ سے ملنے کو آیا۔ ابودُلامہ نے اُسے کھانا کھلایا۔ اور کھا پی کے دونون ہاتھ دھو چکے تھے کہ ابودُلامہ کی ایک ننھی بچی باہر نکل آئی۔ ابودُلامہ نے پیار سے اُٹھا کے اُسے اپنے کندھے پر بٹھا لیا۔ لڑکی نے اوپر بیٹھتے ہی موت دیا۔ ابودُلامہ نے جھنجھلا کے اُتار دیا۔ اور اُس کی ہجو مین دو شعر کہے جن کا مضمون یہ تھا کہ "کمبخت تو نے مجھ پر موتا شیطان رجیم تجھ پر موتے۔ تجھے نہ حضرت مسیح کی ماں نے جنا ہے اور نہ لقمان حکیم تیرا پرورش کرنے والا ہے۔" ابوعطا کی طرف دیکھ کے کہنے لگا "تم بھی اِس وزن اور قافیہ مین کہہ سکتے ہو؟" اُس نے کہا "کیون نہیں!" اور دو شعر پڑھ دیے جن کا مضمون یہ تھا کہ "ابودُلامہ۔ تم سچ کہتے ہو۔ اُسے نہ کسی پاک بیوی نے جنا نہ کوئی شریف آدمی اس کا باپ ہے۔ اُسے تو ایک بدکار ماں نے جنا اور بدکردار باپ نے کندھے سے لگایا۔" سنتے ہی ابودُلامہ نے جھنجھلا کے کہا "کمبخت مین نے تیرا کیا بگاڑا تھا جو میری یون خبر لی؟ اب کبھی شاعری مین تیرا مقابلہ نہ کرون گا۔" ابوعطا نے کہا "یہی تو مین چاہتا ہون کہ شعر و سخن مین مجھ سے بھاگ جاؤ۔" ابودُلامہ نے منصور کے پاس جا کے یہ واقعہ بیان کیا۔ وہ اگرچہ اُس وقت تعمیر بغداد کی نگرانی مین مصروف تھا مگر یہ اشعار سُن کے بے اختیار ہنس پڑا۔ اور کہا "اچھا اب بتاؤ تمھاری لڑکی کا یہ عیب ہٹانے مین مین تمھاری کس طرح مدد کر سکتا ہون؟" سنتے ہی جیب مین سے ایک بڑی تھیلی نکالی۔ اور کہا "اسے درہمون سے بھروا دیجیے۔" خلیفہ منصور کے حکم سے وہ تھیلی بھروا دی گئی جس مین چار ہزار درہم آئے۔ اور ابودُلامہ لے کے لمبا ہوا۔

ابودُلامہ کی ایک پڑوسن تھی۔ اس سے اور کسی اور شخص سے ایک خچر کے بارے مین جھگڑا ہوا۔ دونون کا دعویٰ تھا کہ خچر ہمارا ہے۔ آخر

اِس کا مقدمہ اُس عہد کے نامور محدث قاضی ابن ابی لیلی کے سامنے پیش ہوا۔ عورت نے ابو دُلامہ کو اپنی شہادت مین پیش کیا۔ آپ نے جا کے گواہی دی۔ مگر انتہا درجے کے فاسق و فاجر بدکار و شراب خوار تھے ایسے کی شہادت بھلا کیسے مقبول ہو سکتی تھی۔ قبل اس کے کہ اس بارے مین گفتگو آئے آپ نے قاضی صاحب موصوف سے کہا "مگر فیصلہ کرنے سے پہلے میرے شعر سُن لیجیے جو مین نے آپ کی شان مین کہے ہین" یہ کہہ کے دو شعر سنائے جن کا مضمون یہ تھا "اگر لوگون نے میری عیب پوشی کی تو مین بھی اُن کے عیب چھپاؤن گا۔ اور اگر میرے بارے مین اُنھون نے کرید کی تو پھر مین بھی کرید کرون گا" یہ اشعار سنتے ہی قاضی صاحب عورت کی طرف متوجہ ہوئے اور پوچھا "بھلا یہ خچر تم میرے ہاتھ بیچو گی؟" اُس نے کہا "کیون نہین؟" پوچھا "تو کیا لو گی؟" بولی "پورے سو درہم لون گی" قاضی صاحب نے اپنے پاس سے سو درہم نکال کے اُس کے حوالے کیے۔ اور فریق ثانی کی طرف متوجہ ہو کے کہا "لو یہ خچر مین تمھین دیے ڈالتا ہون۔ اب تو تمھین کوئی دعوے نہین ہے؟" جواب ملا "نہین" تب قاضی صاحب نے ابو دُلامہ کی طرف دیکھ کے کہا "اب شکایت نہ کیجیے گا۔ مین نے آپ کی شہادت پر عمل کر دیا۔ اور آپ کے چال چلن کی کرید نہین کی" ابو دُلامہ بولا "جی ہان اب مجھے کوئی شکایت نہین" اور اپنے گھر واپس آیا۔

خود ابو دُلامہ کہتا ہے کہ ایک دن منصور نے مجھے شراب کے نشہ مین مخمور و بدمست دیکھ لیا۔ اور اُس کے بادشاہ مین قسم کھا گیا کہ اب تمھین کسی لڑائی پر ضرور بھیجون گا۔ چنانچہ اُسی روز فرمان خلافت جاری ہو گیا کہ ابو دُلامہ سپہ سالار رَوح بن حاتم مہلبی کے ساتھ خوارج کے مقابلے پر جائے" یہ حکم سنتے ہی میرا خون خشک ہو گیا۔ مگر مرتا کیا نہ کرتا۔ رَوح کے ساتھ لڑائی پر گیا۔ جب دونون لشکرون کا سامنا ہوا۔ اور ایک دوسرے کے مقابل صف آرا ہوے۔ رَوح اپنی صفون کے آگے علم خلافت کے نیچے آ کے کھڑا ہوا تو اُس کا گھوڑا اور اُس کے اسلحہ مجھے ایسے قیمتی اور اچھے معلوم ہوئے کہ اُس کے قریب جا کے مین نے کہا "آج یہ آپ کا

گھوڑا میری ران کے نیچے ہوتا۔ آپ کے یہ کپڑے مین پہنے ہوتا۔ اور یہی آپ کے ہتھیار میرے جسم پر سجے ہوتے تو بخدا دشمنون کو ایسا مزہ چکھاتا کہ وہ بھی یاد کرتے"۔ ایک مشہور و معروف بزدل کی زبان سے یہ کلمات سُن کے تدرج کو ہنسی آ گئی۔ اور کہا "خدا کی قسم آج تمھارے اِس دعوے کو مین آزماؤن گا" یہ کہہ کے گھوڑا کپڑے ہتھیار سب مجھے دیدیے۔ اور اپنے لیے دوسرا گھوڑا دوسرا جوڑا اور دوسرے اسلحہ منگوا لیے۔ مین اُس کے کپڑے پہن کے کھڑا ہوا ہی تھا کہ خوارج مین سے ایک بہادر شہسوار نکلا اور مبارز طلب کرنے لگا۔ اور تدرج نے مجھ سے کہا "اِس کے مقابلے مین تم ہی جاؤ" مین نے طمع اور لالچ مین دعویٰ تو کر دیا تھا۔ اب سر پر آ پڑی اور حریف کی صورت دیکھی تو حواس جاتے رہے۔ تدرج سے معافی مانگی اور اپنی درخواست کے موثر بنانے کے لیے چند شعر ایسے سُنائے جن کا مضمون یہ تھا کہ "مین میدان مین جانے اور لڑنے سے معافی مانگتا ہون۔ فرض کیجیے کہ مین مقابلے پر گیا۔ لیکن اگر اُدھر سے تلوارین بلند ہوئین اور مین بھاگ کھڑا ہوا تو کیا ہو گا؟ اور فرض کیجیے کہ مین جان بچا کے بھاگا بھی لیکن اس کا تو جواب دیجیے گا کہ اگر دشمنون نے تعاقب کیا اور کوئی تیر آ کے پڑ گیا تو پھر میرا کیا حشر ہو گا؟" تدرج نے کہا "مین ایک نہ سنونگا اب تمھین میدان مین جانا ہو گا" مین نے کہا "لِلّٰہ میری جان نہ لیجیے!" اُس نے کہا "مین ہرگز نہ مانون گا۔ بس اب دیر نہ لگاؤ۔ فوراً جاؤ۔ اب مجھے بالکل یاس ہو گئی۔ نہایت ہی ہراس کے ساتھ کہا "مگر مین اِس وقت بھوکا ہون۔ اور خدا کی قسم بھوکا تو موت کے مُنھ مین نہ جاؤنگا" تدرج نے دو روٹیان اور ایک بھنی ہوئی مرغی منگوا دی۔ مین نے اُن دونون چیزون کو باندھ لیا اور عسکر خلافت کی صفون سے نکل کے گھوڑا آگے بڑھایا۔ مجھے آتے دیکھ کے بہادر خارجی نے اپنے گھوڑے کو ایڑ بتائی اور بجلی کی طرح مجھ پر جھپٹا۔ وہ ایک سمور کا جبہ پہنے تھا جس کے رویئن پانی مین بھیگنے اور اُس کے بعد دھوپ کھانے سے جم گئے تھے۔ جیسے ہی میرے قریب آیا۔

مین نے کہا "ذرا ٹھہرے ہوے" اور جیسے ہی اُس نے گھوڑے کی باگ روکی اُس سے پوچھا "تم اُس سے لڑوگے جو تم سے لڑنا نہین چاہتا؟" بولا "نہین" پوچھا "اور اُس کی جان لوگے جو تمھارے دین پر ہے؟" بولا "ہرگز نہین" مین نے پوچھا "تو بھلا جائز ہے کہ بغیر اپنے دین کی دعوت کیے اور اپنے مذہب کی طرف بلائے کسی پر حملہ کردو؟" اُس نے کہا "نہین یہ کیسے جائز ہو سکتا ہے؟ لیکن ایسا ہے تو جس لعنت گاہ سے تو آیا ہے وہین بھاگ جا" مین نے کہا "یہ نہ ہو گا۔ پہلے جو مین کہتا ہون اُس کو تو سُن لو" اُس نے کہا "کہو" مین نے پوچھا "مجھ مین تم مین کوئی دشمنی ہے؟ یا ہم مین کبھی کوئی جھگڑا ہوا ہے؟" بولا "نہین" مین نے کہا "یا تم نے اپنے خلاف میری کوئی کارروائی سنی ہے؟" "اچھا یہ بھی نہین تو میری جورو اور تمھاری جورو مین کبھی لڑائی ہوئی تھی؟" اُس نے کہا "خدا کی قسم مین نے کوئی ایسی بات نہین سنی" مین نے کہا "اور خدا کی قسم مین نے بھی نہین سنی۔ بلکہ واقعہ یہ ہے کہ مین تمھاری نسبت بہت اچھی راے رکھتا ہون۔ اور چاہتا ہون کہ تمھارے مذہب کو اختیار کر لون۔ جو تمھاری برائی چاہے اُس کی برائی مین بھی چاہون۔ اور جو تمھارا دوست ہو اُس کا دوست بنون" وہ بولا "خدا تمھین اِس خوش اعتقادی و محبت کی جزاے خیر دے۔ لے اب تشریف لے جاؤ" مین نے کہا "جاتا ہون۔ مگر میرے پاس کچھ کھانے کو ہے۔ آؤ ہم تم دونون ساتھ مل کے کھائین تاکہ ہماری دوستی مضبوط ہو۔ اور دونون طرف کے لشکری دیکھ دیکھ کے جلین" اُس نے قبول کیا اور مین گھوڑا بڑھا کے اُس سے مل گیا۔ ہمارے گھوڑون کی گردنین مل گئین۔ اور ہم دونون نے وہ روٹیان اور مرغ کھانا شروع کیا۔ لوگ جو یہ تماشا دیکھ رہے تھے اُن کے پیٹ مین مارے ہنسی کے بل پڑے جاتے تھے۔

کھانے پینے کے بعد ہم ایک دوسرے سے بغلگیر ہو کے رخصت ہوئے۔ چلتے وقت مین نے اُس سے کہا "میرا جاہل سردار کمبخت مجھے بہت پریشان کرے گا کہ میدان مین گئے تھے کیا کر آئے۔ تم اگر اتنی عنایت کرتے کہ آج میدان مین نہ آتے تو میرے حال پر بڑی عنایت ہوتی" اُس نے کہا "کوئی مضائقہ

نہین۔ مین آج میدان مین نہ آؤن گا۔ یہ کہہ کے وہ میدان سے واپس گیا۔ اور مین بھی گھوڑا کداتا ہوا اپنے لشکر مین آیا۔ اور روح سے کہا " لیجیے مین نے ٹکر لڑ لی۔ اب آپ دوسرے مینڈھے کو بھیجیں" یہ کہہ ہی رہا تھا کہ صف اعدا مین سے دوسرا جنگجو نکلا۔ اور اپنا مقابل طلب کرنے لگا۔ روح نے کہا اُس کے مقابلے مین بھی تم ہی جاؤ" اب کی مجھے بجز اس کے مفر نہ ہوا کہ دو چار شعر اس کی تعریف مین سُنا کے خوشامدین کین۔ اور اُس نے ہنس کے میری جان چھوڑی۔

اسی طرح ابو دُلامہ نے اپنی میدان آرائی کا ایک اور واقعہ بھی بیان کیا ہے۔ کہتے ہین کہ جب سنان خارجی کا ہنگامہ پیش آیا تو اُس کے مقابل سپہ سالار مروان کی فوج مین مین بھی تھا۔ دونون لشکرون کا سامنا ہوتے ہی صف خوارج سے ایک بہادر شخص نکلا اور "ہل من مبارز" کا نعرہ بلند کیا۔ عساکر خلافت مین سے جو شخص نکل کے گیا اُس کے ہاتھ سے مارا گیا۔ مروان کو ندامت کا غصہ تھا کہا "جو کوئی اس کے مقابلے پر جائے گا اُسے پانچ سو درہم انعام لین گے" پانچ سو درہمون کی ہوس مین کئی آدمی گئے اور مارے گئے۔ اب مروان کہہ رہا تھا کہ "جو کوئی بہادر جا کے اِس سے لڑے گا اُسے ایک ہزار درہم دون گا" ایک ہزار پر جانے والے بھی کئی مارے گئے۔ تو مروان نے پانچ ہزار درہم انعام کا اعلان کیا۔ پانچ ہزار کا نام سُن کے مجھے لالچ معلوم ہوا۔ روپیے کی ہوس مین بے سوچے سمجھے میدان مین نکل پڑا۔ میری ران کے نیچے گھوڑا ایسا اعلیٰ درجے کا تھا کہ اُس کی دوڑ اور بھاگ پر مجھے پورا اطمینان تھا۔ مجھے نکلتے دیکھتے ہی وہ دشمن نبرد آزما بجلی کی طرح تڑپ کے میرے قریب آیا اور یہ رجز پڑھتا ہوا جھپٹا کہ وہ "جنگجو جسے حرص و طمع میدان جنگ مین لائی ہے موت کے خوف سے بھاگے گا۔ مگر موت کے پنجے مین پھنس ہی گیا واپس نہ جا سکا" اُس کا یہ رجز سنتے ہی میرے حواس جاتے رہے۔ گھوڑے کو پھیر کے بے تحاشا بھاگا۔ یہ دیکھ کے مروان کو بڑا غصہ آیا۔ چلایا "یہ کون نامرد ہے جس نے ہمین ذلیل و خوار کیا؟ اسے میرے پاس پکڑ لاؤ" مگر جب تک کوئی میرے قریب آئے آئے مین بھاگ کے لشکریون مین مل گیا۔ اور کسی کو پتہ نہ چلا کہ کون تھا۔

موسیٰ بن علی ہاشمی نے جو اُس عہد کے دولتمند امرا اور روسا مین تھے حج کا ارادہ کیا- راستے کی دلچسپی کی لیے آبو دُلامہ سے کہا" اگر سفر حج مین تم میرے ساتھ چلو تو دس ہزار درہم دونگا" کہا" لائیے- مجھے منظور ہی" اُنھون نے فوراً رقم دیدی اور آپ روپیہ لیتے ہی بغداد سے بھاگ کے عراق کے گاؤن مین چلے گئے- اور روپیہ کو عیاشی اور شراب و کباب مین صرف کرنا شروع کر دیا- خوب گلچھرے اُڑائے- خوب خوب شرابین پین- اور موسیٰ ہر طرف ڈھنڈواتے آپ کا کہین پتہ نہین- یہان تک کہ وقت کم رہ گیا- اور حج کا زمانہ نکلا جاتا تھا- مجبوراً موسیٰ تنہا ہی چل کھڑے ہوے- بغداد سے نکل کے طاق کسریٰ تک پہونچے تھے کہ دور سے دیکھا آبو دُلامہ نشۂ صہبا سے بدمست ہے اور ایک گاؤن سے نکل کے دوسرے گاؤن کو جا رہا ہے- فوراً آدمی دوڑائے کہ اسے پکڑ لاؤ- لوگون نے دم بھر مین حاضر کر دیا- تو حکم دیا کہ اِس بدمعاش کو باندھ کے ایک محمل مین ڈال دو- جس اونٹ پر وہ محمل تھی اُسے اپنے آگے کیا تاکہ کسی فقرے یا سازش سے وہ بھاگ نہ سکے- اور کوچ کر دیا- آپ تھوڑی دیر تو بندھے پڑے رہے- اُس کے بعد موسیٰ کی طرف رخ کر کے اشعار پڑھنا شروع کیے جن کا مضمون یہ تھا" لوگو- سب مل کے دعا کرو کہ خدا موسیٰ ابن داؤد پر درود بھیجے اُس کے دونون رخسارے سیاہ لباس مین ایسے چمکتے ہین جیسے کالے کپڑے مین کندن کے ڈلے دمک رہے ہون- مین ابن داؤد ہی کا دامن پکڑ کے دوہائی دیتا ہون کہ مجھے حج مین نہ لے جاؤ- سنتا ہون حج کی راستے مین انسان سے ارغوانی کا پیاسا رہتا ہے- میرے حج کا بخدا کوئی اجر نہین جس کا کوئی خواستگار ہو" یہ اشعار سُن کے موسیٰ نے کہا" خدا اس پر لعنت کرے اسے یہین پھینک دو" لوگون نے فوراً ہاتھ پاؤن کھول کے اونٹ پر سے ڈھکیل دیا- اور آگے کی راہ لی- ادر آبو دُلامہ جو یہان سے چھوٹا تو سیدھا عراق کے ایک گاؤن قصبہ مین جا کے ٹھہر گیا- اور وہین وہ پورے دس ہزار درہم رندمشربی و شرابخواری مین اڑا دیے-

آبو ایوب موریانی آبو دُلامہ کی حرکتون سے سخت بیزار تھا۔ دل ہی دل مین جلا کرتا مگر اُس کا کچھ زور نہ چلتا تھا۔ ایک دن موقع پا کے آبو جعفر منصور کی خدمت مین عرض کرنے لگا کہ آبو دُلامہ رات دن شراب مین مخمور رہتا ہے۔ نہ کبھی مسجد مین آتا ہے۔ نہ کسی نماز مین شریک ہوتا ہے۔ اور فوج کے تمام نوجوانون کو غارت کرتا ہے۔ اُس نے ہزارون لڑکون کے اخلاق بگاڑ دیے ہین۔ اگر امیرالمومنین اُسے فقط نماز مین شریک ہونے پر مجبور کر دین تو بڑا ثواب ہوگا اول تو وہ نمازی بنے گا دوسرے اُس کی ناپاک صحبت سے جوانان شہر بچین گے۔" اس کے بعد آبو دُلامہ آیا تو آبو جعفر نے غصہ کے لہجے مین کہا "کمبخت تیری کیسی سیہ کاریان سُن رہا ہون؟" بولا "سیہ کاری! سیہ کاری سے مجھ سے کیا واسطہ؟ مین قبر مین پاؤن لٹکائے بیٹھا ہون۔ سیہ کاریون مین بھلا کیسے مبتلا ہو سکتا ہون؟" منصور نے کہا "یہ فضول باتین چھوڑو۔ اور سنو۔ خبردار اب کوئی نماز نہ قضا ہو۔ خصوصاً ظہر و عصر کی نماز میرے ساتھ میری ہی مسجد مین ادا کیا کرو۔ اور اگر اس مین فرق پڑا تو یاد رہے کہ بہت سخت سزا دون گا۔ اور کیا عجب کہ ایک مدت دراز کے لیے قید کر دون۔" یہ حکم اُس کے لیے قیامت تھا۔ بلا مین پھنس گیا۔ اور چندروز تک التزام سے قصر شاہی کی مسجد مین ظہر و عصر کی نمازین جماعت سے ادا کرتا رہا۔ مگر آخر تنگ آ کے اپنی مصیبت کا حال موزون کر کے ولی عہد خلافت مہدی کو دیا کہ یہ نظم اپنے والد تک پہونچا دیجیے۔ اس نظم مین پہلے تو اس بات کی شکایت لکھی کہ مین اپنے محلے کی مسجد چھوڑ کر قصر خلافت کی مسجد مین نماز ادا کرنے پر مجبور کیا گیا ہون اس کے بعد کہا تھا کہ خدا امیرالمومنین کے قصور کو معاف کرے اس مین اُن کا کیا بگڑتا ہے کہ دُنیا بھر کے گناہون کا بوجھ میری گردن پر لدا ہو۔" مہدی نے جب یہ نظم اپنے باپ کو دی تو وہ بہت ہنسا اور کہا "اچھا مین نے اُسے مسجد قصر کی حاضری سے معاف کیا مگر خبردار کوئی نماز قضا نہ ہو۔ اپنے قبیلے کی مسجد ہی مین پڑھ لیا کرے۔"

بعض راویون نے یہ واقعہ یون بیان کیا ہے کہ آبو جعفر منصور کو

اُس کے لطیفون اور اُس کی مذاق کی باتون مین بڑا لطف آتا تھا۔ بار بار آدمی بھیج کے بلواتا۔ اور وہ ہمیشہ خرابات اور شراب خانون مین ملتا۔ اُس کی ان باتون سے ناراض ہو کے اُس نے جبرًا پابند نماز بنایا تھا۔ جب مذکورۂ بالا اشعار اُس کے پاس پہونچے تو کہا "اچھا مین نے اُسے اس پابندی سے معاف کیا مگر شرط یہ ہے کہ ماہ مبارک رمضان مین تراویح ہمارے ہی ساتھ پڑھا کرے۔ اُس نے حاضر ہو کے عرض کیا "بہتر پڑھا کرون گا" منصور نے کہا "مگر یاد رہے۔ اگر میکشی کی دھن مین تم نے دیر لگائی تو حد شرع جاری کرون گا" بولا "مہینہ بھر کی مصیبت ساری زندگی کی مصیبت سے لاکھ درجے اچھی ہے۔ بسرو چشم تعمیل کرون گا" اس کے بعد جب رمضان کا مہینہ آیا تو اُسے خواہ مخواہ مسجد مین آ کے شریک تراویح ہونا پڑتا۔ اور وجہ یہ تھی کہ مہدی روز ایک سپاہی بھیج دیتا اور وہ اُسے جہان کہین ملتا وہان سے پکڑ لاتا۔ آخر زندگی عذاب ہو گئی۔ اور دوڑ دھوپ کرنے لگا کہ اس پابندی سے نجات ملے۔ خیزران کی ڈیوڑھی پر گیا۔ مہدی کے پاس گیا کہ معافی کی سفارش کرائے۔ مگر کوئی تدبیر نہ بن پڑی۔ کسی نے کہا تم خلیفہ کی بہن ریطہ کے پاس جاؤ۔ منصور اُس کی بات ضرور مان لیا کرتا ہے" آپ فورًا اُس کی ڈیوڑھی پر گئے۔ اور ایک پرزے پر چند اشعار لکھ کے اندر بھجوا دیے۔ ان اشعار مین یہ مضمون نظم کیا تھا کہ "ریطہ کو اتنا پیام پہونچا دو کہ مین اُن کے والد کا غلام ہون۔ وہ واصل بحق ہوے۔ اور اُنھین وصیت کر گئے کہ میری خبر لیتی رہین۔ مگر اب مین دیکھتا ہون کہ جس طرح بیگم صاحب کے بھائی اس وصیت کو بھول گئے وہ خود بھی بھول گئین۔ رمضان کا مہینہ عجب ناقابل برداشت طریقے سے آیا۔ اور مجھے شب قدر کی طرف اس طرح کھینچے لیے جاتا ہے کہ گویا مین اُس کا شائق ہون۔ قبلہ کی طرف سجدے کرتے کرتے پیشانی زخمی ہو گئی۔ یہان مدت سے یون بسر ہو رہی ہے کہ چار دن مین تاپتا۔ گذشتہ بھون بھون کے کھاتا۔ اور صبح و شام شرابین پیتا ہون۔ مجھے شب قدر سے کیا واسطہ؟ میرے سامنے اُس کا نام نہ لو۔ اور میری رہائی کی کوئی صورت نکالو۔ خدا تمھین اجر دے گا"

رَبطہ نے اس رقعہ کو پڑھا تو مارے ہنسی کے لوٹ گئی۔ اور کہلا بھیجا "اچھا شب قدر تک انتظار کرو۔ جواب مین پھر لکھ بھیجا" حضور مین سال آیندہ کے لیے تو آپ سے سفارش چاہتا نہین۔ جب شب قدر گزرے گی تو اُس کے ساتھ مہینہ بھی گزر جائے گا" اور اُس کے نیچے نظم مین یہ مضمون ادا کیا کہ "بیوی اُس شخص کے بارے مین خدا سے ڈرو جس پر سکرات کا عالم طاری ہے۔ اور نماز دون کے درمیان اُس کے سر پر قیامت آگئی ہے۔ مجھ مین اتنی قوت کہان کہ شب قدر کا انتظار کرون۔ مجھے تو بیسوین سے پہلے ہی مر جانے کا اندیشہ ہے۔ او شب قدر! تو نے ہمارے پاؤن تڑوا ڈالے۔ او شب قدر! تو ہم سے جس بات کی امیدوار ہے وہ برحق ہے۔ اور خدا اس خیریت کو غارت کرے جو تیس دن پاؤن توڑ کے نصیب ہوگی"

یہ اشعار پڑھ کے رَبطہ اور زیادہ ہنسی۔ اور اُسی وقت اُٹھ کے منصور کے پاس گئی۔ دونون رقعون کے اشعار سنائے اور سفارش کی۔ منصور بھی اشعار سُن کے مارے ہنسی کے لوٹ گیا۔ اور رَبطہ کے سامنے ہی ابو دُلامہ کو دوسرے کمرے مین بلوایا۔ اور کھڑکی سے سر نکال کے اُس سے کہا "تمھارے بارے مین رَبطہ کی سفارش مین نے سُنی۔ تمھین معاف کیا۔ اور اُس کے ساتھ یہ بھی حکم دیا کہ تم کو سات ہزار درہم انعام دیے جائین" ابو دُلامہ نے نہایت متانت سے کہا "بیگم صاحب کی سفارش کا شکریہ۔ جس طرح اُنھون نے مجھے عذاب سے بچایا ہے اُسی طرح خدا اُنھین آتش دوزخ سے بچائے۔ رہا سات ہزار کا انعام اس مین مجھے اختلاف ہے۔ یا تو تین ہزار بڑھا کے دس ہزار کر دیجیے اور یا دو ہزار گھٹا کے پانچ ہی ہزار رکھیے۔ خدا کی قسم مجھے سات کے عدد سے نفرت ہے" منصور نے کہا "اچھا مین پانچ ہزار کیے دیتا ہون" عرض کیا "مجھے یہ بھی اچھا نہین معلوم ہوتا کہ اپنی شان کے خلاف اعلیٰ صورت کو چھوڑ کے آپ ادنیٰ صورت اختیار کرین۔ حضور اپنی طرف تو دیکھین" اس بارے مین کچھ دیر تک منصور اُسے چھیڑتا رہا۔ اور آخر رَبطہ کی سفارش سے پورے دس ہزار دلوا دیے"

ہندوستان مین مشرقی تمدن کا آخری نمونہ

(۸) آداب معاشرت مین آٹھوین چیز ظریفہ مذاق ہے - عرب کا پرانا مقولہ بلکہ مشہور حدیث نبوی ہے کہ کلام مین ظرافت ویسی ہی ہے جیسے کھانے مین نمک - سچ یہ ہے کہ شوخی و ظرافت کے بغیر نہ کلام مین مزہ پیدا ہوتا ہے اور نہ صحبت مین جان پڑتی ہے - مگر اُسی ظرافت مین اگر بے احتیاطی ہو جائے تو وہی سخت فتنہ و فساد کا باعث ہو جاتی ہے - ظرافت نے باتون باتون مین اکثر تلوار چلوادی ہے - اور پُرانے جانی دوستون کو گھڑی بھر مین دشمن بنا دیا ہے - غور سے دیکھو تو صاف نظر آ جائے گا کہ ان خرابیون کا باعث ظرافت نہین بلکہ ظرافت مین بے احتیاطی کرنا یا اعتدال سے باہر ہو جانا ہوا کرتا ہے -

جو زبان جتنی زیادہ ترقی کرتی ہے اُسی قدر اُس مین مذاق و ظرافت کے پہلو بڑھتے جاتے ہین - کلام مین ظرافت جن طریقون سے پیدا ہو جاتی ہے اُن کا محصور کرنا بہت دشوار ہے - صدہا طریقے ہین جن سے ایک فصیح البیان شخص اجتہادی طور پر فائدہ اُٹھا لیا کرتا ہے - اور اُن کے متعلق تفصیلی بحث کرنے کے لیے ایک مستقل کتاب چاہیے - ہمین اِس موقع پر فقط اِس قدر کہنا ہے کہ زیادہ تر مبناے ظرافت ایسے الفاظ ہوا کرتے ہین - جو مختلف معنی رکھتے ہون - اور بعض معنون سے کسی پر تعریض ہوتی ہو - اور کبھی ظرافت مین ایسے الفاظ سے بھی کام نہین لیا جاتا بلکہ کسی انسان یا چیز کو کسی ایسی شے سے تشبیہ دیجاتی ہے جو باوجود غیر متناسب ہونے کے مشابہ ہو - پھر اُس تشبیہ کو ایسے عنوان اور پہلو سے ادا کرنا کہ اُس مین بعوض تشبیہ کے استعارے کی شان پیدا ہو جائے - علیٰ ہذا القیاس کبھی اپنے آپ کو یا کسی اور کو اس قدر بڑھانا یا اتنا گھٹانا کہ اصلی درجے سے بہت دور ہو جائے - ان سب باتون کے لیے سلیقے کی ضرورت ہے - اچھا سلیقہ رکھنے والا سخت سے سخت تعریض کر جاتا ہے اور نہ ناگوار سے ناگوار تشبیہ دے دیتا ہے مگر کسی کا دل میلا نہین ہوتا - یا کسی کو اظہار ناگواری کی گنجائش نہین ملتی - بخلاف اس کے اگر کسی بدسلیقہ شخص نے یہ کام کرنا چاہا تو لوگ بگڑ کھڑے ہوتے ہین - اور عداوت پر

آمادہ ہو جاتے ہین - اُن کا جیسا اچھا سلیقہ لکھنؤ کے عوام الناس کو ہے اور جگہ کے خاص لوگون مین بھی نہین نظر آتا۔

(ایک بنگالی عالم ڈاکٹر اگھور ناتھ نے جو بڑے عالم و فاضل - فلسفہ مین یکتا ہے روزگار لٹریچر کے ڈاکٹر اور اردو کے اچھے ماہر تھے زبان اردو پہ اعتراض کرنے کے عنوان سے مجھ سے کہا، صاحب یہ زبان کی کون سی خوبی ہے کہ ایک بار مین نے ایک صحبت مین کہا "ہم آج کل دودھ پیا کرتے ہین" اس پر سب لوگ بے ساختہ ہنس پڑے" مین نے کہا اردو کا یہی اعلیٰ درجے کا حُسن ہے آپ چونکہ اِس زبان مین ناقص ہین اِس لیے آپ کو بجاے اپنے عیب کے یہ زبان کا عیب نظر آیا - ہر زبان مین ذو معنیٰ لفظ ہوا کرتے ہین اور زباندانون کا کام ہے کہ تمام ذم کے پہلودن کو بچا کے لفظون کو استعمال کیا کرین - انگریزی مین لفظ "کنسیو" کے معنی خیال کرنے کے بھی ہین اور حاملہ ہونے کے بھی - ایک مشہور لاٹ صاحب نے پارلیمنٹ مین تین بار کہا "آئی کنسیو" اور آگے سوچنے لگے - کسی نے پکار کے کہدیا جناب نے تین بار آئی کنسیو کہا اور ہوا کچھ نہین، یعنی تین بار حمل رہا اور پیدا کچھ نہ ہوا - اس پر سب نے قہقہہ لگایا اور وہ لاٹ صاحب جھیپ گئے - اسی طرح اردو مین ہزارہا الفاظ ہین جن مین مختلف پہلو نکلتے ہین - بولنے والا اُن کے استعمال کا صحیح سلیقہ نہ رکھتا ہوگا تو بات بات پہ ہنسا جائے گا۔)

(یہی مذکورۂ بالا "دودھ پینے" کا جملہ ہے - ہندوستان مین "دودھ پینا" شیر خوار بچون کا کام ہے - اور کسی عاقل بالغ کے لیے کہنا کہ "یہ دودھ پیتے ہین" عیب ہونے کے علاوہ اِن معنون مین مستعمل ہوتا ہے کہ یہ ابھی ناسمجھ اور نادان ہین - اس پہلو کے بچانے کے خیال سے اہل لکھنؤ یہ کبھی نہ کہین گے کہ "مین دودھ پیتا ہون" بلکہ اس مضمون کو یہ عیب کا پہلو بچا کے مختلف عنوانون سے ادا کرین گے - کہین گے کہ "مین آج کل دودھ کو استعمال کرتا ہون"، "آج کل میری غذا دودھ ہے"، "دودھ چاول کھاتا ہون" لکھنؤ والون کی اِن احتیاطون کو دیکھ کے آگرے کے

ایک قابل و زباندان شاعر کو دھوکا ہوا کہ لکھنؤ کی زبان دودھ کھانا ہے دودھ پینا نہین۔ لکھنؤ کے ایک صاحب سے اُن سے اس بارے مین اختلاف ہوا۔ اور حکم کے طور پر مجھ سے دریافت کیا گیا۔ مین نے کہا، دودھ پینے کی چیز ہے۔ کوئی اُس کی نسبت کھانے کا لفظ کیسے استعمال کر سکتا ہے۔ ہان یہ ضرور ہے کہ ذم کا پہلو بچانے کے لیے اہل لکھنؤ "دودھ پینے کا لفظ اپنی نسبت استعمال نہ کرین گے۔

ایک اسی محاورے پر منحصر نہین اُردو مین صدہا الفاظ مین مختلف محاورون اور معنون کی وجہ سے ذم کے پہلو پیدا ہو گئے ہین اور یہ اہل زبان کا کام ہے کہ اُن سے بچے۔ یا کوئی شخص کسی کی نسبت مذاقاً استعمال کر جائے تو اُس کا فرض ہے کہ سمجھے اور جواب دے۔ ورنہ سمجھ لیا جائے گا کہ وہ زبان سے ناواقف ہے۔

اہل لکھنؤ مین شوخی و ظرافت بہت ہے۔ وہ اپنے کلام مین صدہا عنوانون سے ظرافت پیدا کر دیا کرتے ہین۔ اور جو اس فن مین جتنا زیادہ کمال رکھتا ہے اتنا ہی زیادہ اہل سخن کی محفلون مین بھلا اور ممتاز ثابت ہوتا ہے۔ مین یہ نہین کہتا کہ اور مقامات کے لوگون مین یہ ملکہ نہین ہے۔ اور کثرت سے ہے۔ اور اب اردو زبان سارے ہندوستان مین اس طرح ترقی کر رہی ہے کہ ہر جگہ اعلیٰ درجے کے ظریف پیدا ہوتے جاتے ہین۔ اور سخن دانی و سخن فہمی کا شعور بڑھ رہا ہے مگر لکھنؤ والون مین یہ ملکہ طبیعت ثانویہ بن کے اُن کی فطرت و جبلت بن گیا ہے۔ اور لطافت کلام کے ساتھ بذلہ سنجی و ظرافت مین جیسا بے تکلف اور ستھرا مذاق اُن کا نظر آئے گا اور دن کا نہین ہو سکتا۔

(۹) آداب معاشرت مین نوین چیز شادی اور غمی کی محفلین ہین۔ مسلمانون کی اگلی دولتمندی و حکومت نے اُن کی عورتون کی ارمانین بمقابل اکثر مقامات کے یہان بہت بڑھا دی ہین۔ ولادت سے لے کے شادی تک لڑکے کا ہر خوشی و کامیابی ایک تقریب بن جاتی ہے۔ پیدایش کے

بعد ہی چھٹی چلّہ اور درمیان کے نہان - عقیقہ - کھیر چٹائی - دودھ بڑھائی بسم اللہ عقیقہ اور سب سے بڑھ کے عقد نکاح یہ سب بجاے خود شادی کی تقریبین ہین - اکثر بچون کی سال گرہ ہوا کرتی ہے - مذکورہ تقریبون کے علاوہ غسل صحت یا کسی خاص ارمان کے پورے ہونے پر بھی خوشی کی غیر معمولی تقریبین ہو جاتی ہین -

ان سب تقریبون مین قرابت والی بیویان اور پاس پڑوس کی بہت سی شناسا عورتین جمع ہو جاتی ہین - زنانی محفلین مرتب ہوتی ہین جن مین تختون کے چوکون پر اور زیادہ مہمان ہوئے تو زمین پر دری چاندنی کا اجلا فرش بچھتا ہے - دولت مندگھرون مین چاندنی پر تین طرف یا فقط صدر مین پر تکلف قیمتی قالین بچھتے ہین - کنول اور مرد نگین روشن ہوتی ہین - اور ڈومنیون کا طائفہ سامنے بیٹھ کے مجرا کرتا ہے - ناچنے والی ڈومنی گھونگھرو باندھ کے ناچتی اور بھاؤ بتاتی ہے مجرے کے درمیان مین وقتاً فوقتاً ڈومنیان ہنسانے والی نقلین کرتی ہین - بہرحال مسرت کے ولولے اور خوشی کے چہچہے ہوتے ہین - اور ڈومنیان اگرچہ مجرے مین اکثر بے اعتدالیان کرنے لگتی ہین اور صحبت مین بیحیائی و بے شرمی کو بڑھا دیتی ہین مگر نشست برخواست کے سلیقے بیویون کے باہمی ربط و ضبط اور اُس کے ساتھ حفظ مراتب مین کوئی فرق نہین آنے پاتا - ہر تقریب کے متعلق صدہا رسمین ہین جن کا انجام پانا ضروری سمجھا جاتا ہے - اُن رسمون کی محافظ اور برقرار رکھنے والی بڑی بوڑھی عورتین اور اُن کے ساتھ ڈومنیان ہوا کرتی ہین - جن کو اُن رسمون کے بہانے بہت کچھ مل جاتا ہے -

اکثر تقریبون مین رت جگا ضرور ہوا کرتا ہے - اور یہی ایک چیز ہے جو ہندوستانی عورتون کے اعتقاد مین خالصتاً لوجہ اللہ ہے اور جس مین ڈومنیان ”اللہ میان کی سلامتی“ کا نغمہ گاتی ہین - شب زندہ داری ہوتی ہے - مگر عبادت کے لیے نہین بلکہ گانے بجانے رات بھر دھما چوکڑی مچانے اور صبح ہوتے مسجد مین جا کے اللہ میان کا طاق بھرنے کے لیے جن کی نذر کے لیے گلگلے اور خدا رحم مخصوص چیزین ہین - ان تقریبون مین

یہی کاربروائی دیہات مین بھی ہوا کرتی ہے۔مگر وہان بدتمیزی بدسلیقگی ہوتی ہے تو شہروالیون مین نفاست صفائی خوش ترتیبی۔اور شائستگی۔

چند کتابون پر ریویو

سیرۃ النبیؐ۔یعنی حضرت سرور عالم محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے سوانح اقدس کا حصۂ اول جس مین ولادت حضرت ختم المرسلین سے ختم سلسلۂ غزوات تک کے حالات تحقیق وتنقید سے بیان کیے گئے ہین مصنفہ شمس العلما علامۂ شبلی نعمانی مرحوم۔اس کتاب کا مسلمانون کو بڑی بے صبری و بیتابی سے انتظار تھا۔مولانائے مرحوم کی وفات کے چھ برس بعد اب اُنکی پہلی جلد مولانا سید سلیمان صاحب ندوی کی کوشش سے شائع ہوئی ہے۔مولوی رحمۃ اللہ صاحب رعد نامی پریس کانپور مین بڑے اہتمام سے اعلیٰ درجے کے کاغذ اور فلسکیپ کے ۱۵۴ صفحون پر چھپ کے دار المصنفین اعظم گڈھ سے شائع ہوئی ہے۔پہلے ۷۵ صفحون پر دیباچہ ہے جس مین فن روایت فن سیرۃ اور یورپین تصنیفات سیرۃ پر تبصرے ہین۔اور اصلی چیز جس سے مصنف کی محنت وجستجو اور تحقیق وتنقید کا پتہ چل سکتا ہے کتاب کا یہی حصہ ہے۔اس کے بعد تاریخ عرب قبل از اسلام پر مقدمہ ہے جو ۷۶ صفحہ سے شروع ہو کے ۱۱۵ صفحے تک چلا گیا ہے۔اس مین عرب کے جغرافیے اُس کی تاریخ قدیم اُس کے قبائل اُس کی اسلام سے پہلے کی سلطنتون اُس کے تمدن اور اُس کے مذاہب پر اجمالی بحث ہے۔اور اسی مین اس امر کی تحقیق کی گئی ہے کہ ذبیح کون تھا حضرت اسمٰعیل یا حضرت اسحٰق۔

اس کے بعد سلسلۂ نسب نبویؐ۔ولادت باسعادت۔بعثت اور وہ تمام واقعات جو ہجرت مدینہ سے پیشتر گزرے ۱۹۵ صفحہ تک ختم کردیے گئے ہین۔جن مین بہت اجمال سے کام لیا گیا ہے۔بعد ازان تمام واقعات

بہ ترتیب سنین ہجرت قلمبند کیے گئے ہین۔ سنہ ۱ ہجری کے حالات صفحہ ۱۹۶ سے ۲۱۷ تک ہین۔ سنہ ۲ھ کے حالات ۲۱۹ سے ۲۶۹ تک ہین۔ سنہ ۳ھ کے حالات ۲۷۰ سے ۲۸۳ تک ہین۔ سنہ ۴ھ کے ۲۸۴ سے ۳۰۲ تک۔ سنہ ۵ھ کے ۳۰۳ سے ۳۲۷ تک۔ سنہ ۶ھ کے ۳۲۸ سے ۳۴۷ تک۔ سنہ ۷ھ کے ۳۴۸ سے ۳۶۹ تک۔ سنہ ۸ھ کے ۳۷۰ سے ۳۹۷ تک۔ سنہ ۹ھ کے ۳۹۸ سے ۴۱۵ تک۔ آخر مین ”غزوات پر دوبارہ نظر“ کے عنوان سے ایک بحث ۴۱۶ سے ۴۵۱ تک کی گئی ہے۔ اور سب کے آخر مین بلاد عرب کا ایک نقشہ ہے۔

اگرچہ نام نہین لیا گیا ہے مگر زیادہ تر رُجحان اُنھین مسائل کی تحقیق کی طرف ہے جن سے سرسید نے مسیحیون کے اعتراضات دیکھ کے بحث کی تھی۔ اور علامہ شبلی بھی قریب قریب انھین نتیجون کو پہنچے ہین۔ جو سید مرحوم نے بتائے تھے۔ مگر بحث اُن سے زیادہ تحقیق و تکمیل کے ساتھ کی گئی ہے۔

دیباچے مین ایک مقام پر بتایا گیا ہے کہ سیرۃ ابن ہشام کے تمام راویون کی جناب مصنف مرحوم نے کتب رجال مین سے تخریج کی ہے۔ یہ ایک ایسی کوشش ہے کہ جس کو دیکھ کے ہم بے انتہا خوش ہوئے تھے۔ اس لیے کہ واقعی اس کی حد سے زیادہ ضرورت ہے۔ اور بغیر اس کے فن سیرۃ نبوی کبھی سچی تکمیل کو نہین پہونچ سکتا۔ مگر افسوس واقعات کے بیان مین ہمین کسی جگہ پتہ نہین چلتا کہ اسناد کی تحقیق کرنے کے بعد کون سے روایات بہ اعتبار ضعف روایت ترک اور کون سے بلحاظ صحت روایت اختیار کیے گئے ہین۔ مبسوط کتب سیر مین سیکڑون ہزارون واقعات درج ہین جن کو ہمارے آخری سیرۃ نگار نے ترک کر دیا ہے۔ مگر اس کا سبب کہین نہین بتایا گیا کہ کیون ترک کیا۔ اور نہ یہ بتایا کہ جو واقعات منتخب کرکے اختیار کر لیے گئے ہین وہ کس سند و ثوق سے اختیار کیے گئے۔ اور یہ ایسی فروگذاشت ہے جس کی بنا پر ہم کہہ سکتے ہین کہ اتنی

بڑی کوشش کے بعد بھی فن سیرۃ نبوی تشنۂ و ناتمام رہ گیا۔

اصل حقیقت یہ ہے کہ مولانا شبلیؒ اگرچہ مورخ ہین مگر محدث نہین۔ مورخین حال کی شان یہ ہے کہ تاریخ کی رطب و یابس رداتیون کا فیصلہ اپنے قیاس سے کرتے ہین۔ جس روایت کو اپنے مذاق مین اپنی ضرورت اور اپنے مقصد کے موافق پاتے ہین لے لیتے اور جو اپنے خلاف ہوتی ہے قیاسی آپریشن کا عمل کرکے اُسے ترک کر دیتے ہین۔ اور خرابی یہ ہے کہ مولانا شبلی مرحوم اپنے خیال مین اجتہاد اور اخذ مسائل کے متعلق فقہاے حنفیہ کا بھی یہی طرز عمل سمجھے ہوے تھے۔ حالانکہ فقہاے حنفیہ کی کبھی یہ شان نہین رہی۔ اس لیے کہ تحقیق مسائل مین فقہا ہمیشہ محدثانہ شان اختیار کرتے اور اہل حدیث کی بحثون کو کافی تحقیقات کے ساتھ چھیڑتے ہین۔ مولانا شبلی اگر محدثون کی شان اختیار کرتے تو اس کتاب کی یہ حالت نہ ہوتی اور اس کی شان ہی کچھ اور ہوتی۔

دو ایک مسلون مین اُنھون نے اس قسم کی محدثانہ بحث بھی کی ہے مگر وہ بھی اتنی مکمل نہین کہ اُس کے متعلق تمام رداتیون کو بتا کے اُن کی توثیق یا تضعیف کی ہو۔

مگر یہ ایک محدثانہ کمی ہے۔ بہ حیثیت آج کل کے ہندوستانی طرز تصنیف کے دیکھا جاے تو سیرت نبویؐ مین یہ لاجواب اور بے مثل کتاب ہے۔ اُس سے گو علما کو فائدہ نہ پہونچے مگر انگریزی دان پبلک اور کالج کے نوجوان طلبہ کو بے انتہا فائدہ پہونچے گا۔ اور یہ علامۂ ممدوح کی ایسی برکت ہے جو ابدالآباد تک قائم رہے گی۔ اور سارے مسلمانون کو اُن کی اس جان فشانی کی قدر کرنا اور درگاہ حضرت رب العزت مین دعا کرنا چاہیے کہ اپنے حبیب حضرت رسول اکرمؐ کے طفیل مین اُن کے مرتبے جنت الفردوس مین اعلیٰ کرے۔ اور مسلمانون کو اُن کے اس خیر جاریہ سے فائدہ اُٹھانے کی توفیق عطا کرے۔

اس کتاب کا جو نسخہ ہمارے سامنے ہے اُس کی قیمت چھ روپیہ ہے۔ آج کل کاغذ اور چھپائی کی جو حالت ہو رہی ہے اُس کے لحاظ سے قیمت بہت

مناسب رکھی گئی ہے۔ اُس کے اعلے درجے کے کاغذ کے نسخے بھی ہین جن کی قیمتین زیادہ ہین شوقین امرا اور صاحب استطاعت قدر دانون کو وہی نسخے خرید کے رکھنے چاہیئے تاکہ دار المصنفین اعظم گڈھ کے مہتمون کی حوصلہ افزائی ہو جن سے یہ کتاب مل سکتی ہے۔

مبادی علم انسانی - مشہور فلسفی مغرب برکلے کی معرکۃ الآرا کتاب "پرنسپلز آف ہیومن نالج" کا ترجمہ جس مین مادیت کا ابطال ہے اور ثابت کیا گیا ہے کہ ذہن سے باہر مادہ کا کوئی وجود نہین ہے۔ ترجمہ کرنے والے مولوی عبد الباری ندوی اسسٹنٹ پروفیسر دکن کالج پونہ ہین۔ اور "معارف پریس" اعظم گڈھ مین چھپکر دار المصنفین اعظم گڈھ کی جانب سے شائع ہوئی ہے۔ ابتدا ۹ صفحون پر مترجم صاحب کا ایک دیباچہ ہے اُس کے بعد ۱۳۶ صفحون پر اصلی ترجمہ ہے۔ اور آخر مین تیرہ صفحون پر ۱۴۰ اصطلاحون کی ایک فہرست ہے جس مین پہلے انگریزی حرفون مین انگریزی اصطلاح اُس کے مقابل اُس کا اردو ترجمہ اور اُس کے بعد ایک خانۂ تشریح ہے جس مین اکثر اصطلاحون کی مزید تشریح کر دی گئی ہے۔ کتاب ۲۰×۲۶ تقطیع کے سفید ولایتی چکنے قیمتی کاغذ پر نہایت وضاحت صفائی اور نفاست سے چھپی ہے۔ اور سچ یہ ہے کہ کاغذ و سامان طبع کی اس گرانی و نایابی کے زمانے مین ایسے اچھے ایڈیشن کا شائع ہونا بہت غیر معمولی اہتمام و خوبی کی دلیل ہے۔ قیمت مجلد کتاب کی فی جلد دو روپیہ اور غیر مجلد کی عہ؍ اس کے کاغذ و خوبی طبع کے لحاظ سے کوئی چیز نہین۔ عدیم الفرصتی کی وجہ سے اِس کتاب کو ہم بالاستیعاب نہین پڑھ سکے۔ اور جستہ جستہ جس قدر دیکھا اُس سے اندازہ ہوتا ہے کہ ترجمہ کوشش جانکاہی اور تحقیق سے کیا گیا ہے۔ اور زبان صاف و شستہ اور غیر مغلق رہی ہے۔ مضامین کتاب پر بحث کرنے کی ضرورت نہین۔ اس لیے کہ نامور مصنف برکلے کا رتبہ ہماری ریویو نگاری کے درجے سے بہت اعلیٰ ہے۔ ہم جو کچھ بحث کر سکتے ہین ترجمہ سے من حیث الترجمہ کر سکتے ہین۔ اور اس بارۂ خاص مین ہمین سرسری نظر مین کوئی قابل اعتراض بات نہین نظر آئی۔ اردو کے کسی علمی کتب خانے کو اس کتاب سے خالی نہ رہنا چاہیے۔

القانون فی علاج الطاعون - یہ ۲۰×۲۶ تقطیع پر حکیم محمد ہادی رضا صاحب ماہر لکھنوی

کا ایک قابل قدر اور بکار آمد رسالہ ہے جو ۸۵ صفحون پر ختم ہوا ہے۔
حکیم صاحب کا خاندان لکھنؤ کے ممتاز و سربرآوردہ اطبا مین ہے جس نے
گذشتہ پچاس سال کے اندر ریاست رام پور مین بہت زیادہ نشو و نما
پایا۔ اور اُن کے والد مرحوم حکیم محمد حسین رضا خان صاحب نے خاص لکھنؤ
کے اندر طاعون کے علاج مین بہت غیر معمولی کامیابی و ناموری حاصل
کی تھی۔ لہذا اس مین ذرا شک نہین کہ اس رسالہ مین وہ بیش بہا ذخیرہ
جمع کر دیا گیا ہے جو اُن کے والد بزرگوار اور خود اُنھون نے
موذی اور جانستان مرض طاعون پر غالب آنے کے لیے سالہا سال
کے وسیع تجربات سے فراہم کیا تھا۔ اور اس بنیاد پر کہا جا سکتا ہے کہ طب
یونانی کی بنا پر مرض طاعون کے متعلق اس سے بہتر اور قابل وثوق اور
کوئی تصنیف نہین ہو سکتی۔ اس مین طاعون کی تاریخ۔ اصلیت و ماہیت
اُس کے اسباب و علامات اور علاج ایسی وضاحت سے بتائے گئے
ہین کہ ہر شخص اس کو اپنے پاس رکھ کے خود ہی طاعون کا علاج کر
سکتا ہے۔ قیمت ۸ ہے۔ اور حکیم محمد حبیب رضا صاحب سے دفتر رسالہ
منبع الطب کٹرہ ابو تراب خان لکھنؤ کے پتے پر مراسلت کر کے طلب
کیا جا سکتا ہے۔

قدردانون کو اطلاع

یوسف نجمہ اور ماہ ملک۔ یہ دونون پسندیدۂ عام ناول ایک مدت سے ختم ہو گئے تھے۔
[illegible] درخواستین آئین اور فراہم نہ کیے جا سکے۔ اب کوشش کر کے یہ دونون ناول چھاپ
کے تیار کر لیے گئے ہین۔ اور تمام شائقین اور تاجران کتب کو اطلاع دی جاتی ہے
کہ یہ دونون ناول دلگداز پریس مین تیار موجود ہین۔ اور جتنی جلدین درکار ہون
فراہم کر دی جائین گی۔ قیمت بھی بڑھائی نہین گئی۔ وہی ہے جو پہلی تھی۔ یعنی یوسف و نجمہ
فی جلد ڈیڑھ روپیہ (عہ) اور ماہ ملک۔ فی جلد دو روپیہ۔ (عہ)

دہلی اور لکھنؤ کی اُردو

مدت دراز سے یہ جھگڑا چلا جاتا ہی جو کسی طرح طے نہین ہوتا - اور وہی پرانے اعتراضات و شکوک ہین جن کا بار بار اعادہ کیا جاتا ہے - دہلی والے کہتے ہین کہ لکھنؤ والون نے اردو مین عربی الفاظ اور فارسی بندشون کو بے احتیاطی سے بھر دیا - رعایت لفظی ضلع جگت اور قافیہ پیمائی مین پڑ گئے - لکھنؤ والے کہتے ہین کہ دہلی والون کی زبان مین پنجابی مل گئی - وہان کے لفظون - وہان کے لہجے - اور وہان کی ترکیبون مین ناگوار سختی اور کرختگی ہے - اور فارسی و ہندی جن کی آمیزش سے زبان اردو بنی ہے اُن کے امتزاج نے تکمیل کا درجہ نہین حاصل کیا تھا اور خامی باقی تھی کہ دہلی اجڑ گئی -

لیکن یہ سب باتین غلط ہین - دہلی والون کا اعتراض اگر صحیح بھی ہو تو فارسی و عربی کے الفاظ کا بھرتی ہونا کسی غیر مانوس و نا آشنا سا زبان سے متاثر ہونا نہ تھا - عربی ملی ہوئی فارسی ہی کے آغوش مین اردو پلی تھی - اسی زبان سے سبق لے کے اُس نے اپنی حیثیت کذائی حاصل کی تھی اور اُردو کے شعراے متقدمین اُسی رجحان و شوق سے فارسی و عربی کے الفاظ کو اختیار کرتے چلے آتے تھے جس طریقے سے کہ لکھنؤ والون نے لیا - علی ہذا القیاس رعایت لفظی اور مناسبات صوری و معنوی کا لحاظ شعراے فارس و عرب کو ویسا ہی تھا جیسا کہ لکھنؤ مین سب کو یا بعض لوگون کو ہو گیا -

دہلی کی زبان پر پنجابی کا اثر پڑنے کے بھی کوئی معنی نہین - اہل لکھنؤ کو دہلی کے جو الفاظ یا بندشین اپنی زبان پر غیر مانوس معلوم ہوتی ہین

اُن کی نسبت عموماً کہہ دیا کرتے ہیں کہ یہ پنجابی کا اثر ہے۔ ممکن ہے کہ بعض لہجے اور بعض محاورے پنجاب کی زبان سے ملتے ہوں اس لیے کہ پنجاب دہلی سے قریب ہے مگر اُن کی نسبت یہ کیونکر کہا جا سکتا ہے کہ وہ پنجابی زبان کے اثر سے دہلی میں پیدا ہوئے۔ یہ کیوں نہ کہا جائے کہ دہلی سے پنجابی میں پیدا ہوئے۔ بعینہ اسی طرح اہل دہلی کہہ سکتے ہیں اور کہتے ہیں کہ لکھنؤ کی اردو پر پوربی بھاشا کا اثر پڑ گیا۔ اردو ہی پر منحصر نہیں دنیا کی جو دو زبانیں ایک دوسرے کے قریب بولی جاتی ہوں گی اُن کا اثر ایک دوسرے پر ضرور پڑا کرتا ہے۔ مگر یہ کہنا کہ اُس اثر سے زبان بگڑ گئی یا بنی ایک غیر موجہ اور فرضی چیز ہے۔ اسی طرح یہ بھی لغو ہے کہ دہلی میں اردو ہندی کی آمیزش عمدہ اور مکمل مزاج نہیں پیدا کرنے پائی تھی اس لیے کہ ابھی اردو کا کوئی صحیح معیار نہیں قرار دیا جا سکتا۔

اور لطف یہ ہے کہ لکھنؤ اور اہل دہلی کی زبان میں جو اصلی اختلاف ہے اُس کو تعلق نہ فارسی الفاظ کے زیادہ داخل ہونے سے ہے نہ پاس پڑوس کی زبانوں سے اثر پذیر ہونے سے بلکہ اصلی اختلاف چند الفاظ کی تذکیر و تانیث چند محاوروں۔ اور دونوں مقامات کے لہجے اور طرز ادا میں ہے جو خاص دونوں دارالحکومت شہروں کے خصوصیات میں سے ہیں جن کا محاکمہ نہ کسی عقلی اصول یا کسی مسئلہ علم معانی و بیان سے ہو سکتا ہے۔ اور نہ کسی ادبی استدلال سے۔

واقعہ یہ ہے کہ اردو زبان آگرے اور دہلی میں پیدا ہوئی۔ اور وہیں نشو و نما پا کے اُس نے اپنی موجودہ صورت پیدا کر لی۔ شجاع الدولہ آصف الدولہ اور سعادت علی خان کے زمانوں میں دربار دہلی کی کمزوری و بے استطاعتی اور لکھنؤ کے نوابی دربار کی دولتمندی و قدردانی کی وجہ سے قریب قریب دہلی کے تمام صاحبان کمال عام اس سے کہ کسی فن اور کسی طبقے کے ہوں لکھنؤ میں کھنچ آئے۔ اور جو چند دہلی میں پڑے رہ گئے وہ بھی لکھنؤ کو حسرت کی نظر سے دیکھتے تھے۔ اس لیے کہ وطن میں محفل ہائے شعر و سخن کا چراغ گل ہو گیا تھا یہ جھلملا لکھنؤ میں جمع ہو گیا تو جب تک وہ صاحبان کمال زندہ

رہی جو بذات خود دہلی سے آئے تھے یہ سمجھتے رہے کہ وہی دہلی کی سبھا اودھ
مین آکے جم گئی ہے۔ مگر اُن کے مرنے کے بعد اُن کی اولاد نے دہلی کی غلامی
سے آزاد ہونے کا دعویٰ کیا۔ اپنے وطنی اساتذہ کی شاگردی پہ ناز کرنے
لگے۔ اور چونکہ لکھنؤ کے ادبی و علمی اسکول کا بھی اثر پڑنے لگا۔ جس کو سب سے زیادہ
قوت یون ملی کہ نحو و صرف معانی بیان عربی منطق و فلسفہ اور فقہ و اصول فقہ
کی منفرد درس گاہ لکھنؤ تھا۔ لکھنؤ ہی نہین لکھنؤ کے بہت سے قصبات۔ مثلاً بلگرام
سندیلہ۔ گوپامؤ۔ امیٹھی۔ وغیرہ بھی علم و فضل کی مستقل درس گاہین تھے۔ جہان
شائقین علم اقطار ہند سے کھنچ کے آتے اور برسون رہ کے کمال پیدا کرتے
یہ لوگ عربی علم و فن کے علاوہ اردو کا ادبی مذاق اور سخندانی کا ذوق بھی
اپنے ساتھ لے جاتے۔ اور سچ یہ ہے کہ اردو زبان گو کہ دہلی مین پیدا ہوئی
مگر سارے ہندوستان مین اُس کی اشاعت لکھنؤ کے ذریعے سے ہوئی۔

لکھنؤ کی اس ادبی خودسری نے ادب اردو کے دو جداگانہ
اسکول قائم کر دیے۔ ایک دہلی کا اور ایک لکھنؤ کا۔ اور سارا ہندوستان
اردو دانی مین ان دونون اسکولون پر بنٹ گیا۔ ہم یہ بھی بتا دینا چاہتے
ہین کہ اِن دونون اثرون کی تقسیم بہ لحاظ جغرافیہ کیا ہے۔ شمالی ہند مین
پنجاب سے لے کے بریلی تک دہلی کا اسکول مرکز زبان مانا جاتا ہے۔ لہذا
اہل لاہور۔ میرٹھ۔ آگرہ۔ علی گڈھ۔ مرادآباد۔ بدایون۔ اٹاوہ۔ اور بریلی تک دہلی
کی زبان کے پیرو ہین۔ شاہجہان پور سے لے کے کلکتہ تک لکھنؤ کی زبان کا
اثر مانا جاتا ہے۔ اور وہان کے شعرا و زباندان لکھنؤ کے اسکول کے پیرو
ہین۔ چنانچہ شاہجہان پور۔ کانپور۔ جونپور۔ فیض آباد۔ گورکھپور۔ بنارس
اعظم گڈھ۔ غازی پور۔ پٹنہ عظیم آباد۔ مرشدآباد۔ ڈھاکہ۔ کلکتہ۔ ان سب مقامات
کے لوگ لکھنؤ کی زبان کو دہلی پر ترجیح دیتے ہین۔

رہا جنوبی ہند وہان کے لوگون کا کوئی عام مذاق یا رجحان
نہین ہے بلکہ جس سوسائٹی مین جس شہر کا اُستاد پہونچ کے اپنا سکہ جما لیتا ہے
لوگون کو اپنی طرف کھینچ لیتا ہے۔ حیدرآباد مین اگرچہ زبان اردو براہ راست

دہلی سے گئی - بلکہ سچ یہ ہے کہ پہلے اُستادان اردو دکن ہی مین پیدا ہوئے اور زبان اردو چاہے دہلی سے دکن مین گئی ہو - مگر اردو شاعری دکن سے دہلی مین آئی لیکن آخر مین شعراے دہلی لکھنو کا ایسا سکہ جما کہ سارے دکن کے شعرا کو اُن کے آگے سر جھکا دینا پڑا - اور ضروری ہوگیا کہ دہلی یا لکھنؤ مین سے کسی ایک شہر کی زبان کو اختیار کرین - رشید الدین خان نے اپنی تاریخ رشید الدین خانی مین زبان لکھنؤ کی خوبی کو بڑے زور سے تسلیم کیا ہے - اور چندرو ز پیشتر وہان عام رجحان زبان لکھنؤ کی طرف تھا - داغ مرحوم کے اثر نے بہت سے دلون پر دہلی کا سکہ جما یا - مگر اُن کے زمانے ہی مین امیر مرحوم کا بہت کچھ اثر موجود تھا جس کو اب حضرت جلیل نے زندہ کر دیا - اور فی الحال حیدر آباد کی شاعری کا رجحان جس قدر حضرت جلیل اختر مینائی - اور مولوی سید علی حیدر صاحب نظم لکھنوی کے کلام اور اُن کی زبان کی طرف ہے دہلی کی زبان کی طرف نہین - یمین السلطنتہ مہاراجہ سر کشن پرشاد بہادر بھی جو بجاے خود ایک شاعر شیوا بیان اور ادیب بے ہمتا ہین پنڈت رتن ناتھ سرشار اور دیگر اساتذہ لکھنؤ کی دوستی کی بدولت لکھنؤ کی زبان کے مربی ہین - اور جہان تک میرا خیال ہے اعلیحضرت محی الملتہ والدین خسرو دکن خلد اللہ ملکہ وسلطنتہ کے کلام سے اُن کا رجحان بھی لکھنؤ ہی کی طرف پایا جاتا ہے - لیکن وہین ہمارے مکرم دوست مولوی عبدالحق صاحب بی - اے - اپنے وطنی اثر اور علیگڈھ کی تعلیم کی برکت سے دہلی کے اسکول زبان کے دلدادہ ہین - اس مین کوئی مضائقہ نہین - مگر اُن کے اس رجحان کا اگر یہ نتیجہ ہو کہ انجمن ترقی اردو کی ہر کتاب کے دیباچے مین لکھنؤ کی اردو پر حملے کیے جائین تو ضرور افسوس کے قابل ہوگا - اس سے وہ اردو کو فائدہ نہین بلکہ نقصان پہونچائین گے -

لکھنؤ اور دہلی کی زبانون کا محاکمہ کرنا اُن کا یا میرا یا کسی شخص کا کام نہین ہے - یہ مسئلہ اب اس درجے سے گزر گیا کہ کسی کے فیصلہ کرنے سے فیصلہ ہو جائے - یا جھگڑا چلے - غذا - خوشبو - نغمہ - اور اس قسم کے صدہا ذوق ہین جو "العادۃ کالطبعیتہ الثانیہ" کے اثر سے انسان کے دماغ مین بس جاتے

ہین۔ اور پھر اُن سے وہ اِس قدر متاثر ہو جاتا ہے کہ کوئی فیصلہ اور کوئی فلسفہ اُن کے اثر پر غالب نہین آسکتا۔ ایک غذا یورپ والون کو سب سے زیادہ لذیذ۔ ایک خوشبو اہل فرنگ کو سب سے بڑھ کے فرحت بخش اور ایک نغمہ اہل مغرب کو لذیذ ترین غذاے روح معلوم ہوتا ہے مگر ہندوستان والون کو وہ تینون نہایت ہی بدمزہ دماغ سوز اور عذاب جان محسوس ہوتے ہین۔ کوئی صاحب ہین جو اس کا فیصلہ کر دین یا اِس جھگڑے کو مٹا دین؟

یہی حالت زبان کی ہے ایک بچہ جس سرزمین مین پیدا ہوتا جس آغوش مین پلتا جن بچون مین کھیلتا جن دوستون سے ملتا جلتا ہے اُن کی زبان اُس کے دل و دماغ مین جم کے بیٹھ جاتی ہے اور وہی زبان اس کو دنیا کی بہترین زبان نظر آنے لگتی ہے۔ جس طرح ایک بچہ مسلمان گھر مین پیدا ہو کے بے دلیل خدا کو مانتا ہے اُسی طرح ایک لڑکا کسی زبان کو آغوش مادر مین سیکھ کے بے دلیل اُس کی خوبیون کا قائل ہو جاتا ہے۔ اس لیے اس بات کی امید رکھنا حماقت ہے کہ جو بچہ دہلی و توابع دہلی مین پیدا ہو کے۔ وہان کے آغوش مین پل کے۔ اور وہان کی صحبتون مین اُٹھ بیٹھ کے بڑا ہوا ہے۔ لکھنؤ کی زبان کو پسند کریگا۔ اور اسی طرح اس کے برعکس یہ خیال کرنا بھی جنون ہے کہ جو لوگ لکھنؤ اور توابع لکھنؤ مین پیدا ہوے ہین اور وہین کی سوسائٹیون مین اُن کا نشو و نما ہوا ہے وہ دہلی کی زبان کو کسی دلیل یا فیصلہ سے مان لین گے۔ مین ہون یا ہمارے دوست مولوی عبدالحق صاحب دونون پر یہی اثر پڑا ہوا ہے۔ اور اُس کا نتیجہ یہ ہے کہ اپنی اپنی زبان کی خوبیون کے دلدادہ ہین اور دوسرے اسکول کی زبان پر اعتراض اور نکتہ چینیان کرتے ہین جن سے سوا اپنا دل خوش کر لینے کے کوئی نتیجہ نہین حاصل ہو سکتا۔ مولوی عبدالحق صاحب اطراف میرٹھ مین پیدا ہوئے۔ اور علیگڈھ مین تعلیم پائی۔ یہ دونون شہر زبان دہلی کے زیر اثر ہین۔ اس لیے اُن کے کانشنس سے بجز اس کے کہ لکھنؤ کی زبان کو پسند نہ کرین ہم اور کوئی امید بھی نہین کر سکتے۔ بیشک زبان مین لکھنؤ والون کے تصرفات اُن کو ناگوار گزرتے ہون گے۔ مگر اس ناگواری کو اُنھین تھوڑی

نفس کُشی اختیار کر کے برداشت کرنا چاہیے۔ کیونکہ اس نزاع مین وہ قاضی نہین بلکہ فریق ہین۔

قابل لحاظ فقط اُن لوگون کا بیان ہو سکتا ہے جو ہون تو لکھنؤ کے اثر کے ساختہ و پرداختہ مگر زبان دہلی کی تعریف مین رطب اللسان ہون یا بہ خلاف اس کے اُنھون نے دہلی مین نشو و نما پایا ہو اور زبان لکھنؤ کی مدح سرائی کرتے ہون۔ مثلاً غالب مرحوم کہ اگرچہ دہلی کے استاد عدیم المثال اور شاعر صاحب کمال تھے مگر لکھنؤ کے حد سے زیادہ مدح خوان تھے اور تسلیم کرتے تھے کہ دہلی کی زبان مٹ گئی۔

یا مرزا رجب علی بیگ صاحب سرور جو اکبر آباد (آگرے) مین پیدا ہوے وہین نشو و نما پایا۔ ناثر بے ہمتا بننے کے بعد لکھنؤ مین آئے۔ اور یہان کی معاشرت و زبان اس قدر پسند آئی کہ بہ آواز بلند مدح خوانی کرنے لگے۔ اور اس کا یہ انعام ملا کہ وہ لکھنؤ والے خیال کر کے مورد سہام بن گئے۔ مولوی محمد حسین صاحب آزاد مرحوم باوجودیکہ ثقہ آدمی تھے اور جانتے تھے کہ مرزا رجب علی بیگ صاحب بھی ایک شریف آدمی ہین اُن سے دست و گریبان ہو گئے۔ اور اُنھین "لکھنؤ کا شہدا،، کہدیا۔ اور آج تک اکثر آپے سے باہر ہو جانے والے دلدادگان زبان دہلی جب قلم اُٹھاتے ہین اُن کی یہ سنت ادا کرنے کے لیے مرحوم مرزا صاحب کو دو ایک گالیان ضرور دے دیا کرتے ہین۔ اور اس کا خیال نہین کرتے کہ وہ بیچارے تو خاص اکبر آباد کے رہنے والے اور دہلی کے اسکول زبان کے ساختہ و پرداختہ تھے۔ تلاش معاش مین لکھنؤ مین آئے۔ لوگون نے قدر کی۔ دیگر صاحبان کمال کی طرح ہاتھون ہاتھ لیا۔ اور اُستاد بنا دیا۔ رہا اُن کا رنگ عبارت تو اُن کے زمانے تک لکھنؤ ہو یا دہلی سب جگہ کا وہی رنگ تھا جو فارسی کی نثاری سے ماخوذ تھا۔ اُسی رنگ کو اُن دنون تمام اہل علم لکھنؤ کے ہون یا دہلی کے پسند کرتے تھے۔ اور اگر انگریزی تعلیم نے ترقی کر کے اردو کے لیے ترقی کی سڑک نہ بدل دی ہوتی تو آج بھی سب جگہ وہی رنگ ہوتا۔

اس رنگ کو لکھنؤ کا رنگ بتانا ہی غلطی ہے۔ اس لیے کہ وہی نثر

اردو کا وہ قدیم رنگ تھا جو دہلی سے لکھنؤ مین آیا -

بہرحال ان بحثون مین پڑنے کا کوئی نتیجہ نہین ہے - اب سب جگہ اردو کا وہی رنگ ہے جس کا آغاز انگریزی اثر اور انگریزون کی رہبری مین میرامن سے ہوا تھا - غالب نے اس مین اور سادگی پیدا کی - آزاد مرحوم نے مشرقی و مغربی رنگ کو ملا کے ایک نیا رنگ پیدا کیا - اور چند روز مین سارے ہندوستان کی نثر ایک ہی وضع کی ہو کے ایک سطح پہ آ گئی -

---

ابو دُلامہ

کسی دن ابو دلامہ کا گزر ایک بردہ فروش کی دُکان کی طرف سے ہوا - بے تکلف اندر چلے گئے - اور ایک سے ایک زیادہ حسینہ و جمیلہ کنیزین دیکھین اور وہان سے اُٹھ کے غمگین صورت بنائے ہوئے خلیفہ مہدی کے پاس گئے اور چند اشعار تازہ سُنائے جن کا ماحصل یہ تھا کہ "اگر تو عیش بے غش چاہتا ہے تو بردہ فروشی اختیار کر روز نئی نازنین دجاد ونگاہ مہ لقائین لیں جو ہر شب نئی دولھن بن جاتی ہین اور روز نیا مزہ دیتی ہین" اس کے مقابل شادی اور ایک عورت کے پابند ہو جانے کی مذمت کی تھی - مہدی اُن شعرون کو سن کے بہت ہنسا -

ایک روز آپ ابو جعفر منصور کے سامنے گئے اور نظم مین یہ مضمون عرض کیا کہ "مین نے خواب مین دیکھا کہ حضور نے مجھے خلعت پہنایا اور میرا سارا قرضہ ادا کر دیا - وہ خلعت بنفشہ اطلس کا ہے اور اس کو پہن کے مین بڑا شان دار آدمی بن گیا ہون" لہذا حضور اس کی تعبیر پوری کر دین - منصور اُن کا اس درجہ قدردان تھا کہ خواب پورا کر دیا - مگر اُس کے ساتھ کہا "مہربانی کر کے پھر ایسا خواب نہ دیکھیے گا - ورنہ مین سمجھون گا کہ یہ "اضغاث احلام" ہین یعنی خواب مین آپ کو شیطان نے بہکا دیا ہے - یہ سُن کے آپ دربار سے نکلے اور کسی شراب خانے مین جا کے خوب پی اور جھومتے ہوئے باہر نکلے راستے مین محتسب نے دیکھا - فوراً گرفتار کر لیا اور پوچھا "تو کون ہے؟ اور تیرا

مذہب کیا ہے؟" آپ نے نظم مین جواب دیا کہ "میرا دین دین بنی عباس ہے۔ مین نے صبوحی کے چار جام پیے ہین جن کیسے دماغ چکر کھا رہا ہے۔ مگر مین نے جو یہ اقرار کر لیا اس مین کوئی مضائقہ تو نہین ہے؟" اس کے بعد محتسب کے سپاہیون سے آپ سے ہشت مشت ہوئی جس مین وہ خلعت جا بجا سے پھٹ گیا۔ اور اُسی حالت مین اُنھون نے لیجا کے منصور کے سامنے کھڑا کر دیا۔ اِن کو اس وقت نشۂ صہبا کی ترنگ مین کچھ ہوش تو تھا نہین کہ کچھ پوچھتا۔ حکم دیا کہ قصر کے باہر جو مرغی خانہ ہے انھین اُس مین لیجا کے بند کر دو۔ فوراً اِس کی تعمیل ہو گئی اور تھوڑی دیر کے بعد جب آنکھ کھلی تو آپ اپنی لونڈی اور غلام کو نام لے لے کے پکارنے لگے۔ مگر جواب کے عوض مین مرغے بانگ دیتے۔ جب دیر تک یہی حالت رہی تو جو شخص دڑبون کی حراست پر مامور تھا اُس نے پوچھا "کیا حال ہے؟" بولے "کمبخت تو کون ہے؟ اور مین کہان ہون؟" اس نے کہا "مین مرغ خانے کا دارو غہ ہون۔ اور تم یہان قید ہو" انھون نے پوچھا "اور مجھے قید کس نے کیا ہے؟" جواب ملا "امیر المومنین نے"۔ پوچھا "اور میری یہ قبائے حریر کس نے پھاڑ ڈالی؟" اس نے کہا "محتسب کے سپاہیون نے" تب آپ نے کہا "اچھا تو ذرا مجھے قلم دوات کاغذ لا دو" اُس نے لا دیے۔ اور آپ نے وہین بیٹھے بیٹھے چند شعر لکھ کے اُسے دیے اور کہا ان کو امیر المومنین تک ہونچا دو۔ اِن اشعار کا مضمون یہ تھا کہ "امیر المومنین میرے ان باپ آپ پر فدا ہون یہ کس جرم پر مین قید کیا گیا اور میرے کپڑے پھاڑ ڈالے گئے؟ آیا یہ قید پاکیزہ شراب زعفرانی کا خمیازہ ہے جس کی شعاعین چراغ کی طرح روشن ہین؟ مین تو بے خطا و جرم مقید کیا گیا ہون۔ گویا لوگون نے مجھے کوئی نادہندوالی ملک تصور کر لیا ہے۔ اور کاش مین اُنھین کے ساتھ قید ہوتا کیونکہ یہ آسان تھا۔ مگر مین تو مرغیون کے دڑبے مین بند ہون" اس کے بعد اُسی نظم مین اپنے گناہون کا اقرار اور امید عفو کا اظہار تھا۔ یہ اشعار پڑھ کے منصور نے اپنے سامنے بلوایا۔ اور صورت دیکھتے ہی پوچھا "ابو دُلامہ کہان تھے؟" عرض کیا "مرغیون کے دڑبے مین"۔ پوچھا "وہان کیا کرتے تھے؟" کہا "رات بھر مرغون کے ساتھ کڑ دن کون بولتا رہا" اس جواب پر منصور ہنسا۔ اور انعام دے کے رخصت کیا۔

آپ انعام لے کے چلے تو منصور کو اُس کے ایڈی کا ننگ ربیع نے یاد دلایا کہ "امیرالمومنین - اس شخص نے تو رات کو شراب پی تھی" سنتے ہی منصور نے حکم دیا کہ "اسے پھر پکڑ لاؤ" اور جیسے ہی آپ اُس کے سامنے جا کے کھڑے ہوے بولا "خبیث - تو نے شراب پی تھی؟" کہا "جی نہین تو" اُس نے کہا "خوب! تم نے ابھی شعر دن مین کہا ہے "خدا کی آگ مین پکائی ہوئی یعنی آفتاب کی گرمی مین تاؤ کھائی ہوئی - اور یہ شراب کے سوا کون چیز ہو سکتی ہے؟" آپ نے کہا "جی نہین - میری مراد خدا کی آگ سے آفتاب نہین بلکہ نار اللہ الموقدۃ التی تطلع علی الافئدۃ الربیع ہے" اس جواب مین قرآن کی آیت سے آپ نے اس خوبی کے ساتھ فائدہ اُٹھایا تھا کہ منصور ہنس پڑا ربیع نے جھینپ کے سر جھکا لیا - آپ چلتے بنے - اور منصور نے ربیع سے کہا "دیکھو پھر کبھی اسے نہ چھیڑنا"

خواب والا نقرہ خلیفہ ہی تک محدود نہ تھا ایک دن کوفے کے بازار مین گزر رہے تھے - سامنے ایک خرما فروش نظر آیا جو ٹوکرے مین خرمے لیے بیچ رہا تھا - آپ نے اُس سے بھی نظم مین کہا "مین نے رات کو خواب دیکھا کہ تم نے مجھے خرمے کھلائے ہین" اُس نے خرمون کے دو انجوُرے دیدیے اور کہا "مگر مہربانی فرما کے پھر یہ خواب نہ دیکھیے گا ورنہ تعبیر اُلٹی ہوگی"

خلیفہ مہدی رے گیا ہوا تھا - وہان سے بغداد مین واپس آیا تو آپ حاضر ہوئے اور نظم مین مذاق کے ساتھ عرض کیا "مین نے نذر مانی تھی کہ جب حضور اصل خیر سے واپس آئین گے تو رسول اللہ صلعم پر درود بھیجین گے اور میرے دامن کو درہمون سے بھر دین گے" اُس نے ہنس کے کہا "درود تو مین بھیجے دیتا ہون - اللھم صل علی محمد و علی آل محمد و بارک وسلم - رہے درہم تو وہ نہین دیتا" عرض کیا "امیرالمومنین کی شان سے بعید ہے کہ دو صورتون مین سے وہ اختیار کرین جو دونون مین آسان ہو - چاہتے درود نہ بھیجتے مگر روپیون سے دامن بھر دینا ضروری تھا" مہدی نے اس پر خوش ہو کے آپ کا دامن بھی درہمون سے بھر دادیا -

اسی خلیفہ مہدی کا زمانہ تھا اور ماہ مبارک رمضان سخت

گرمیون مین پڑا تھا۔ اور لوگ بڑی مشقت سے روزے رکھ رہے تھے۔ ابودلامہ نے خلیفہ سے کسی رقم کا تقاضا کرنا چاہا جس کا اُس سے وعدہ کیا گیا تھا۔ چنانچہ ایک کاغذ پر چند اشعار لکھ کے اُس کے پاس بھیجے جن مین پہلے روزہ دن اور سخت گرمی کی شکایت تھی اور اُس کے بعد یہ مضمون تھا "امیرالمومنین سے اُسی صلۂ رحم کے حق کا دعویٰ کرتا ہون جس نے نزدیک اور دور والون کو سلسلۂ قرابت مین جوڑ دیا ہے۔ رمضان آیا اور مین نے عبادت گزارون کے روزے رکھے۔ اور اُن کے ثواب کا امیدوار ہون۔ مگر گرمیون کی اس شدت اور روزہ دن سے بجاے ثواب کے عذاب دوزخ یاد آگیا۔ اور سجدے یہان تک کیے کہ مسجد کے سنگریزون سے پیشانی چھل گئی۔ ایسے مین حضور نے جو وعدہ فرمایا ہے پورا کرین کہ ان مصیبتون مین ذرا تسکین ہو"

(اِن اشعار مین "صلۂ رحم" کے الفاظ سُن کے مہدی نے نہایت ہی برافروختہ ہو کے کہا "حرامزادے! مجھ سے تجھ سے قرابت کون سی ہے؟" عرض کیا "حضور آدمؑ و حوّا کے رشتے کو بھول گئے؟" اس جواب پر مہدی بے اختیار ہنس پڑا۔ اور بولا "نہین نہین۔ اس رشتے کو مین نہین بھول سکتا۔ پھر وعدے سے زیادہ انعام دے کے رخصت کیا)

ابوجعفر منصور کے مرنے پر ابودُلامہ اُس کی بیوی اُم سلمہ بنت یعقوب کے پاس گیا۔ رسم تعزیت ادا کی۔ خوب رویا۔ اور اُسے رُلایا۔ پھر چند اشعار اُس کے مرثیے مین کہہ کے سوز و گداز کے لہجے مین سُنائے۔ اُم سلمہ بولی "ابودُلامہ اُن کی وفات کا جس قدر صدمہ مجھے اور تمھین ہوا ہے اور کسی کو نہین ہوا" آپ نے روتی آواز مین کہا جی آپ کا اُن کے سوا کوئی شوہر نہین اور مین تو اُن کا بیٹا بھی نہین بن سکتا" یہ سنتے ہی اُم سلمہ بے اختیار ہنس پڑی۔ حالانکہ اُس وقت تک اس سانحے کے بعد اُس کے ہونٹون پر مسکراہٹ بھی نہین نمودار ہوئی تھی۔ پھر ابودُلامہ سے کہا "تم بڑے شریر ہو۔ کمبخت شیطان سے بھی بات کرو گے تو اُسے ہنسا دو گے"

ایک روز کا ذکر ہے کہ آپ زار و قطار روتے ہوئے خلیفہ مہدی کے پاس پہونچے - اُس نے پوچھا "خیریت تو ہے"۔ کہا "خیریت کہاں؟ اُم دُلامہ مر گئین" اس نے بہت افسوس کیا۔ تسلی دی، کپڑون کے تھان عطا۔ اشرفیان دین اور کہا "صبر کرو - اور جاؤ اُن کی تجہیز و تکفین کا سامان کرو"۔ جس وقت یہ خلیفہ کے پاس آنسو بہا رہے تھے اُسی وقت اُم دُلامہ محل مین ملکہ خیزران کے پاس روتی اور آہ و زاری کرتی ہوئی گئی۔ اور کہا "ہائے کیا کہون مین بیوہ ہو گئی۔ افسوس آبو دُلامہ مر گئے"۔ اُس نے بھی اُس کے آنسو پونچھے اور تھان عطا اور اشرفیان دے کے رخصت کیا۔ رات کو جب مہدی خیزران سے ملا تو دونون مین دیر تک اس پر بحث رہی کہ دونون میان بیویون مین سے کون مرا۔ اور تحقیق کے بعد جب معلوم ہوا کہ دونون زندہ بیٹھے ہین تو مہدی اور خیزران کے ہنسنے کی کوئی حد نہ تھی۔

یہ واقعہ الف لیلہ کے ایک قصے مین بھی ہے۔ مگر اصل مین وہ آبو دُلامہ کے اس واقعے ہی سے لیا گیا ہے۔ اس لیے کہ آبو دُلامہ کا زمانہ الف لیلہ کی تصنیف سے بہت پیشتر کا ہے۔

ایک بار آبو دُلامہ بقر عید کے دربار مین منصور کے سامنے گیا۔ اور عید قربان کی قربانی کے ثواب مین چند شعر پڑھے۔ منصور نے پوچھا "تم بقر عید مین کتنی بکریان قربانی کرتے ہو؟" بتایا "زیادہ نہین فقط چوبیس بکریان ہوتی ہین"۔ منصور اس وقت ان پر اس قدر مہربان تھا کہ حکم دیدیا ہر عباسی و ہاشمی رئیس ہر بقر عید مین آبو دلامہ کو چوبیس دینار دیا کرے۔ یہ معمول ہو گیا اور چند سال بعد اتفاقاً عباس بن محمد سے رقم نہین وصول ہوئی۔ اور ذی الحجہ کے عشرہ اول ہی مین ابو دُلامہ تقاضے کے لیے اُن کے پاس پہونچا۔ اُنھون نے پوچھا "تمھارا بیٹا تو مر گیا ہے نا؟" کہا "جی ہان وہ مجھے داغ دے گیا"، عباس نے کہا "تو پھر اُس کی بابت دو دینار کاٹ لیے جائین گے"۔ یہ کہہ کے بائیس دینار اُس کے حوالے کیے۔ آبو دُلامہ نے کہا "ایسا نہ کیجیے میرا بیٹا مر گیا تو مجھ پر دو بچون کا بار چھوڑ گیا ہے"۔ مگر عباس نے سماعت نہ کی۔ مجبوراً آبو دُلامہ واپس آیا اور گھر مین آتے ہی عباس کی ہجو مین تین شعر کہہ دیے۔ وہ شعر ابو جعفر منصور کے گوش گزار ہوئے تو پہلے بہت ہنسا

پھر برہم ہوا- اور عباس کو حکم دیا "تمھاری اس غلطی کی سزا یہ ہے کہ جو کچھ دے چکے ہو اُس کے علاوہ اور بیس دینار اَبو دُلامہ کو دو"

ان باتون سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ اُس عہد کے تمام دولتمندون اور والیان ملک پر اَبو دُلامہ کا کیا کچھ اثر پڑا ہوگا- اُس کی بیباکی اس قدر بڑھ گئی تھی کہ کسی کو خطرے مین نہ لاتا اور عدالت تک پر اُس کا دباؤ پڑتا-

ایک بار اَبو دُلامہ کے مسکونہ مکان کے متعلق کسی شخص نے دعوے کیا کہ میرا ہے- مقدمہ عدالت مین پہونچا- اور اُس زمانے مین ایک قاضی صاحب تھے عافیہ اُن کے اجلاس مین پیش ہوا- کارروائی شروع ہونے سے پہلے اَبو دُلامہ نے تین شعر فی البدیہ کہہ کے سُنائے- جن کا مضمون یہ تھا کہ "شریر لوگون نے جھگڑا نکالا- اور مین سال بھر سے لڑ رہا ہون- خدا نے میری کسی دلیل اور حجت کو ذلیل نہین کیا اگرچہ بعض قاضی ایسے ہین جن کے جور سے مین ڈرتا ہون مگر اے قاضی عافیہ تمھارے جور سے اندیشہ نہین ہے" سن کے قاضی صاحب کو طیش آگیا- کہا "اچھا ٹھہرو- مین امیرالمومنین کی خدمت مین تمھاری شکایت کرونگا اور کہون گا کہ دباب نا جائز ڈالنے کے لیے تم نے میری ہجو کہی" اَبو دُلامہ نے کہا "اگر آپ نے ایسا کیا تو اِس منصب قضا سے برطرف کر دیے جائیے گا" قاضی صاحب نے پوچھا "کیون؟" کہا "اس لیے کہ امیرالمومنین کہین گے آپ کو مدح و ذم کا امتیاز نہین ہے تو آپ فیصلے کیا کرتے ہون گے؟" اس جواب پر قاضی عافیہ صاحب خاموش ہو گئے- اور خلیفہ منصور نے جب یہ واقعہ سنا تو مارے ہنسی کے لوٹ گیا- اور اَبو دُلامہ کو اس پر انعام دیا-

ایک روز مہدی کی صحبت مین تمام ہاشمی و عباسی معززین جمع تھے- اور کل اکابر خاندان اپنے اپنے قرینے سے بیٹھے ہوئے تھے کہ اَبو دُلامہ آگیا- اور سب اُس کی طرف متوجہ ہو گئے- مہدی نے کہا "خوب آئے- تم بڑے ہجو کہنے والے ہو تو حاضرین مین سے کسی ایک کی ہجو کہو" انھون نے عذر کیا- مگر مہدی قسم کھا گیا- کہ آج مین شریک صحبت لوگون مین سے کسی ایک کی

ہجو کہلائے بغیر نہ چھوڑونگا۔" اب آپ سب سٹی بھول گئے۔ اور ایک ایک کی طرف دیکھنے لگے کہ کس کی ہجو کہون۔ اور جس سے نظر دو چار ہوتی وہ اشارون اشارون مین کہتا "مجھے بچا ئیے گا۔ مین تو آپ کا دوست اور خیراندیش ہون" دل مین کہا آج بے موت مرا۔ یہان معمولی کوئی شخص نہین۔ لنکا مین جو ہی باون ہاتھ کا۔ اور جس کی نسبت ایک کلمہ بھی زبان سے نکالونگا دشمن ہو جائے گا۔ آخر سوچتے سوچتے آپ نے خود اپنی ہجو کہی۔ اور ایسے مسخرہ پن سے اپنے آپ کو بنایا اور اپنے اوپر پھبتیان کہین کہ جب وہ اشعار سنائے تو سب مارے ہنسی کے بیتاب ہو گئے۔ مہدی بہت ہی خوش ہوا۔ اور حاضرین مین سے کوئی نہ تھا جس نے اپنے حوصلے سے زیادہ انعام نہ دیا ہو۔

خلیفہ مہدی اور عباسی امیر علی بن سلیمان دونون ایک دن شکار کو گئے۔ اور ابو دُلامہ ساتھ تھا۔ جنگل مین ہرنون کا گلہ نمودار ہوا۔ اُن پر کتے چھوڑے گئے۔ اور دونون نے اُن کے پیچھے اپنے گھوڑے ڈال دیئے۔ ایک موقع پر پہونچ کے دونون نے کمانین کھینچ کھینچ کے تیر مارے۔ مہدی کے تیر نے ایک ہرن کو گرا دیا۔ اور علی بن عباس کا تیر ایک کتے پر پڑا۔ جو زخمی ہو کے مر گیا۔ اس پر ابو دُلامہ نے برجستہ چند شعر کہہ کے سُنائے۔ مضمون یہ تھا کہ شکار مین مہدی نے ہرن اور علی بن سلیمان نے کتا مارا۔ دونون کو مبارک ہو۔ اور دونون اپنا اپنا شکار تناول فرمائین"۔ یہ اشعار سُن کے مہدی کی یہ حالت ہوئی کہ ہنستے ہنستے پیٹ مین بل پڑ گئے۔ قریب تھا کہ مارے ہنسی کے گھوڑے پر سے گر پڑے۔ پھر بمشکل ہنسی روک کے کہنے لگا "خدا کی قسم ابو دُلامہ نے سچ کہا" اور انعام دلوایا۔ اسی گھڑی سے اور صرف ان شعرون کی وجہ سے سارے خاندان بنی عباس مین علی بن سلیمان کا لقب "صائد الکلب" یعنی کتا شکار کرنے والا مشہور ہو گیا۔

ابو دُلامہ کا مکان قصر خلافت سے ملا ہوا تھا۔ جس کی وجہ یہ تھی کہ ایک دن منصور کے سامنے اُس نے ایک نظم پڑھی جس مین اپنی ماں کی مذمت کی تھی۔ اُس کے بڑھاپے اور بار ہونے کی تصویر کھینچی تھی۔ ساتھ ہی

تنگی مکان و عسرت معاش کی شکایت تھی۔ منصور نے اُسے ایک سرکاری مکان عطا کر دیا۔ جو ایوان خلافت سے ملحق تھا۔ چند روز بعد قصر کی عمارت اور اُس کے رقبے مین اضافہ ہوا تو وہ مکان توڑ کے قصر کے احاطے مین شامل کر لیا گیا۔ اس مصیبت پر پھر جا کے خانمان بربادی کا دُکھڑا رو دیا۔ اور اُس سے اچھا مکان مِل گیا۔

ایک روز کا واقعہ ہے کہ ذوال کے بیٹے محرز اور مقاتل مہدی کے پاس بیٹھے ابو دُلامہ کی بیہودگیون اور دریدہ دہنیون کی شکایت کر رہے تھے۔ اور کہتے تھے کہ "حضور نے مُنہ لگا کے اُسے اور بیباک و جری کر دیا ہے" یہ کہہ ہی رہے تھے کہ ابو دُلامہ آگیا۔ اور اُسے خدام قصر سے پتہ لگ گیا کہ یہ لوگ میری مذمت کر رہے تھے۔ اُسی وقت برجستہ ایک نظم سُنائی جس مین اُن دونون کی خوب خبر لی تھی۔ وہ نظم سن کے مہدی نے کہا "اچھا اگر تمھاری مرضی ہو تو ان دونون سے تمھین دس دس ہزار درہم دلوا کے تمھاری شمشیر انتقام سے اُن کو بچا دون"۔ عرض کیا "نہایت مناسب ہے"۔ اور مہدی نے اُسی وقت اُن سے کہہ کے وہ رقم دلوا دی۔

ابو دُلامہ کی یہ حالت تھی کہ مذاق کی بات دل مین آتی تو پھر چاہے خود خلیفہ کو بھی ناگوار گزرے بے تکلف کہہ ڈالتا تھا۔ منصور کے چچا کی بیٹی حمادہ بنت عیسیٰ مر گئی۔ جنازے کے ساتھ خود منصور اور تمام اکابر دولت قبرستان تک گئے۔ اور قبر تیار تھی۔ منصور نے عبرت کے خیال سے ابو دُلامہ کی طرف دیکھ کے کہا "اس گڑھے کے بھرنے کے لیے تم نے کیا چیز بہم پہونچائی ہے؟" بے تکلف جواب دیا "امیر المومنین کے چچا کی بیٹی وہ اس مین دفن ہوا چاہتی ہین"۔ منصور بے اختیار ہنس پڑا۔ اگرچہ نہ یہ ہنسنے کا محل اور موقع نہ تھا ہنسی آتے ہی چادر مین مُنہ چھپا لیا۔

مہدی کی ملکہ خیزران حج کو چلی۔ اور اُس کی محمل مخمل سے نکل کے شان و شوکت سے روانہ ہوئی۔ تو ابو دُلامہ نے دُور سے غل مچایا

"فریاد! فریاد!" ملکہ نے کہا، "پوچھو یہ کیا کہتا ہے؟" عرض کیا، "محمل کے قریب آؤں تو عرض کروں۔" جب لونڈی محمل کے قریب لے گئی تو خود خیزران نے پوچھا کہ "ابو دُلامہ کیا چاہتے ہو؟" عرض کیا، "بیوی مین بوڑھا ہوگیا ہون اس لیے اب میرے ساتھ اچھا سلوک کرنے مین حضور کو بڑا ثواب ہوگا۔" خیزران بولی، "اچھا۔ اپنا مطلب تو کہو۔" بولا، "حضور اپنی پری جمال خواصون مین سے ایک کنیز مجھے دلوائیے۔ تاکہ میری دلدہی کرے۔ مجھ سے اخلاق و محبت کے ساتھ پیش آئے۔ اور اُس بڑھیا ڈھڈو (میری بیوی) کے عذاب سے نجات دلائے۔ جو مجھ پر مسلط ہے۔ اُس کا یہ حال ہے کہ میرے پاس جو کچھ تھا کھا گئی۔ اور میری مصیبت بڑھادی۔ مجھے تمنا ہے کہ کسی طرح اُس کے ہاتھ سے چھٹکارا ملے۔" یہ درخواست سُن کے خیزران ہنسی۔ اور کہا، "اچھا حج سے واپس آکے اس کا بندوبست کردون گی۔" اس کے بعد جب خیزران واپس آئی تو ابو دُلامہ نے حاضر ہو کے یاد دلایا۔ مگر اُس نے ٹال دیا۔ تب ابو دُلامہ اُس کے بیٹون موسیٰ اور ہارون کی انّا اُم عبیدہ سے جا کے ملا۔ اور کہا، "میرا ایک رقعہ اپنی بیوی خیزران تک پہونچادو۔" اُس نے منظور کر لیا اور رقعہ لیجا کے خیزران کے ہاتھ مین دیدیا۔ اس رقعہ مین ایک نظم تھی۔ اور وہی پہلا مقصد جو پہلے زبانی عرض کیا تھا اب موزون کر کے پیش کیا تھا۔ اتنی ترقی تھی کہ بیوی بچون کی مذمت مین اور زیادہ زور دیا تھا۔ اور بیوی کے بڑھاپے پر پھبتیاں کہی تھین۔ وہ اشعار پڑھ کے خیزران دیر تک ہنستی رہی بعض مصرعون کو مزہ لے لے کے بار بار دُہرایا۔ پھر اپنی ایک حسینہ و جمیلہ گل پیرہن و نازک بدن کنیز کو بُلا کے حکم دیا کہ محل مین تمھارا جو کچھ اسباب ہو باندھ لو۔ پھر ایک خادم سے کہا کہ اس کنیز کو لیجا کے ابو دُلامہ کے گھر مین پہونچا آؤ۔ اور اس کو اُس کے حوالے کردو۔ میری طرف سے کہنا کہ اِسے اچھی طرح رکھنا۔ اس سے کام لینے مین مین نے تمھین اپنے اوپر ترجیح دی ہے۔" خادم کنیز کو لے کے گیا۔ اتفاقاً اُس وقت ابو دُلامہ گھر مین نہ تھا۔ خادم نے وہ کنیز اُس کی بیوی کے سپرد کی۔ اور کہا "تمھارے شوہر آئین تو یہ کنیز اُن کے حوالے کردینا۔ اور ملکہ خیزران نے جو پیام دیا تھا وہ بتا کے کہا اپنے شوہر کو پہونچا دینا۔

خادم کے جانے کی بعد ابو دُلامہ کا بیٹا گھر مین آیا دیکھا ماں زار و قطار رو رہی ہین۔ پاس جاکے سبب پوچھا۔ اُس نے کنیز کے آنے کا حال بیان کر کے کہا "اب تمھارے باوا اس حسینہ کے آگے مجھے بھول جائین گے۔ اور میرے ساتھ کوئی ظلم نہ اُٹھا رہے گا۔ بیٹا اگر تم پر میرا کوئی حق ہے اور اُس کے معاوضے مین تم میرے ساتھ کوئی احسان کرنا چاہتے ہو تو اُس کے لیے اِس سے بڑھ کے کوئی وقت اور موقع نہین ہو سکتا" کہا "آپ فرمائین تو سہی جو حکم ہو گا مین سر آنکھون سے بجا لاؤنگا" ماں نے کہا "تو اُس کنیز کے پاس جو اُس کمرے مین بیٹھی ہے جاؤ۔ اور ظاہر کرو کہ تمھارا مالک مین ہی ہون۔ اور یہ کہہ کے اُس پر تصرف کرو۔ تاکہ تمھارے باوا پر حرام ہو جائے۔ اور اُن کے کام کی نہ رہے" بیٹے نے کہا "بہت خوب" اور فوراً جاکے ماں کے حکم کی تعمیل کر دی۔ اور گھر سے چل دیا۔

تھوڑی دیر کے بعد لونڈی کے آنے کا حال سُن کے ابو دُلامہ شوق مین بھرا ہوا گھر مین آیا۔ اور آتے ہی بیوی سے پوچھا "وہ کنیز جو ملکۂ جہان نے بھیجی ہے کہان ہے؟" اُس نے اشارے سے بتا دیا کہ "اُس کمرے مین ہے" آپ بیتابی و بیقراری کے ساتھ اُس کمرے میں گئے۔ کنیز کی صورت دیکھتے ہی آپے سے باہر ہو گئے۔ اور ہاتھ بڑھایا کہ اُسے گلے سے لپٹا کے پیار کرین۔ مگر اُس نے پیچھے ڈھکیل دیا اور کہا "کمبخت بدمعاش تو ہے کون؟ اب کی آگے بڑھا تو ایسا تھپڑ مارون گی کہ مُنہ پھرا ٹھا ہو جائے گا" پوچھا "کیا تمھاری بی بی خیزران نے تمھین اس لیے میرے پاس بھیجا ہے؟" اُس نے کہا "بیوی نے مجھے جس نوعمر و خوبرو جوان کے پاس بھیجا ہے وہ ابھی ابھی مجھ سے مل کے اور ہم آغوش ہو کے گیا ہے۔ مین تمھارے پاس نہین آئی ہون" یہ جواب سنتے ہی سنائے مین آ گیا۔ سمجھ گیا کہ صاحبزادے کے کرتوت ہین۔ اور اُن کی ماں کی چالاکی ہے۔ جب ہی مجھے ٹھنڈے کلیجے اِس کمرے کا راستہ بتا دیا تھا۔ غصہ مین بھرا ہوا کمرے سے نکلا۔ اتفاقاً اُسی وقت صاحبزادے بھی باہر سے گھر مین آ گئے۔ لپک کے بیٹے سے دست و گریبان ہو گیا۔ اور اُسے مارتے مارتے بے دم کر دیا۔ قسم کھائی کہ "پھر جب تک تجھے امیرالمؤمنین کے سامنے لیجا کے اُن سے سزا نہ دلواؤن گا چین نہ لون گا۔ اور اُسی وقت

اُس کا گریبان کھینچتا ہوا خلیفہ کی ڈیوڑھی پر پہونچا۔ اور وہان بھی کھڑے ہوکے بے تحاشا بیٹے کو پیٹنے لگا۔ خدام دولت نے آبودُلامہ کو اس حال مین دیکھا تو دوڑ کے مہدی کو خبر کی۔ اس نے دونون کو اپنے سامنے بُلوا کے پوچھا "کیا ہوا کیا ہے؟" ہاتھ جوڑ کے عرض کیا "حضور۔ اس حرامزادے نے وہ حرکت کی ہے کہ آج تک کسی بیٹے نے اپنے باپ کے ساتھ نہ کی ہو گی۔ جب تک امیرالمومنین اسے قتل کی سزا نہ دین گے مجھے صبر نہ آئے گا۔ مہدی نے کہا "اچھا بیان تو کرو کہ اس نے کیا کیا" آبودُلامہ نے ساری سرگزشت بیان کی۔ اور مہدی کی یہ حالت ہوئی کہ مارے ہنسی کے لوٹ گیا۔ پیٹ مین بل پڑ پڑ گئے (یہ دیکھ کے آبودلامہ بولا "خوب۔ حضور کو اس کی یہ حرکت پسند آئی۔ اور بہت خوش ہوئے! مہدی نے بمشکل ہنسی ضبط کی۔ سنبھل کے بیٹھا۔ اور کہا "اچھا تلوار لاؤ۔ اور چمڑہ بچھا دو تاکہ آبودُلامہ کے بیٹے کا سر کاٹا جائے۔ مہدی کے یہ الفاظ سن کے بیٹے نے عرض کیا "امیرالمومنین نے ان کا دعوی تو سُن لیا مگر میرا جواب بھی تو سنین" کہا "جو کہتے ہو کہو" عرض کیا "حضور یہ بدصورت و بدقطع بوڑھا چالیس سال سے میری مان کے ساتھ بُرا کام کرتا رہا اور مجھے آج تک کبھی غصہ نہین آیا۔ اور مین زندگی بھر مین فقط آج ایک بار اس کی لونڈی کے ساتھ وہی حرکت کی تو میرا دشمن اور میرے خون کا پیاسا ہو گیا" یہ سُن کے مہدی پہلے سے زیادہ ہنسا۔ اور جب ہنسی موقوف ہوئی تو آبودُلامہ سے کہا "اب بہتر یہ ہے کہ یہ لونڈی تم اس کو دے ڈالو۔ مین وعدہ کرتا ہون کہ تمھین اس سے اچھی کنیز دون گا" عرض کیا "حضور دین گے تو سہی مگر خدا کے لیے اب کی چھپا کے دیجیے گا۔ اور اُس کا ہاتھ میرے ہاتھ مین پکڑا دیجیے گا۔ ورنہ مان بیٹون کی سازش سے پھر یہی انجام ہو گا" مہدی نے اُسی وقت ایک ماہ پیکر کنیز منگوا کے اُس کے حوالے کی۔ اور انعام دے کے رخصت کیا۔

العادۃ کالطبیعۃ الثانیہ

(ماخوذ از ایڈیشن)

عوام و خواص سب مین ضرب المثل ہے کہ عادت فطرت ثانیہ ہے یعنی جو چیزین قدرت نے انسان کی سرشت و جبلت مین داخل کر دی ہین اُنھین کے مثل وہ باتین بھی ہوتی ہین جن کی عادت پڑ گئی ہو۔ اس کے صحیح ہونے مین تو کوئی شک و شبہ نہین لیکن ہمین اکثر یہ نظر آتا ہے کہ عادت سرشت پر بھی غالب آجاتی ہے اور ایسا معلوم ہونے لگتا ہو کہ گویا وہی عادت اصلی فطرت و جبلت ہے۔ کہتے ہین کہ کوئی شخص ایک ایسے مقام پر رہا کرتا تھا جہان ہر وقت گھنٹے کی آواز سنی جاتی تھی۔ اور اُس کا معمول تھا کہ جب گھنٹہ بجتا وہ بھی گھنٹے کے ساتھ بہ آواز بلند کہتا جاتا ایک۔ دو۔ تین۔ چار۔ وغیرہ وغیرہ۔ چندروز بعد اتفاقاً گھڑی بگڑ گئی اس کا بجنا موقوف ہو گیا۔ لیکن جہان گھنٹہ بجنے کا وقت آیا اُس کی زبان پر خود بخود الفاظ ایک۔ دو۔ تین۔ چار۔ جاری ہو جاتے۔ اس واقعے کے تسلیم کرنے مین شاید بہت سے لوگون کو عذر ہو۔ لیکن اس سے وہ انکار نہین کر سکتے کہ عادت کا انسان کی طبیعت پر بڑا اثر پڑتا ہے۔ اور اُسی اثر سے اُس کے اخلاق و عادات سب بدل جاتے ہین۔

سچ یہ ہے کہ اگر ہم عادت کی قوت اور اس کے اثر دن سے فائدہ اُٹھانا چاہین تو بہت سے بکار آمد نتائج حاصل کر سکتے ہین۔ سب جانتے ہین کہ وہی چیزین جو ہمین پہلے۔ ناگوار معلوم ہوتی تھین عادت پڑ جانے کے بعد نہایت خوشگوار ہو جاتی ہین۔ اس مین اچھے یا بُرے کی تفریق نہین۔ جو شخص جوے یا کسی بداخلاقی کے مشغلے مین منہمک ہوتا ہو ابتداءً اسے اِن باتون مین اتنا لطف نہین آتا تھا اور نہ اُن کی طرف ایسی رغبت تھی۔ مگر بُری صحبتون مین پڑ کے اور بدکار لوگون مین اُٹھ بیٹھ کے اُسے ان باتون کی عادت پڑ گئی۔ اور اب اس قدر مزہ آنے لگا

کہ بغیر اُن کے دم بھر نہیں رہا جاتا۔ عزیز و اقارب بُرا کہتے ہین اپنے پرائے لعنت ملامت کرتے ہین۔ مذہب عذاب آخرت سے ڈراتا ہے۔ قانون دنیا ہی مین سزا دیتا ہے۔ مگر وہ اپنی حرکتون سے باز نہین آتا۔ اُسے نظر آنے لگتا ہے کہ اُس کے زندگی کا مقصد اصلی یہی کام ہین۔ انھین کامون کے لیے دنیا مین آیا ہے۔ اور اس قابل ہی نہین رہتا کہ دوسری قسم کی زندگی بسر کر سکے۔

تنبا کو کھانے۔ حقہ پینے۔ ناس لینے۔ یا شراب پینے کی عادتین بھی اسی طرح طبیعت ثانیہ بن جاتی ہین۔ اور یہ حالت ہوجاتی ہے کہ بغیر اُن کے ایک گھڑی بھی چین نہین پڑتا۔ انھین چیزون پر موقوف نہین۔ تم اپنی غذاؤن اپنے شربتون۔ اپنے کپڑون۔ اپنی خوشبوؤن۔ اپنی مسرتون۔ اپنے غمون۔ اپنی شاعری۔ اپنے موسیقی ہر چیز پر عادت کو حاکم و متصرف پاؤگے۔ یہان تک کہ تمھارا معشوق اور تمھارا دوست بھی تمھارے عادات کا لباس پہنے ہوگا۔ اور اُنھین اخلاق۔ اُنھین کرشمون۔ اُنھین غمزون۔ اور حسن و جمال کے اُنھین نمونون اور زیورون سے آراستہ نظر آئے گا۔ جو تمھاری عادت کے بنائے اور تیار کیے ہوئے ہین۔

لیکن دیکھنا یہ ہے کہ عادت کے ان تصرفات سے ہم فائدہ کیونکر اُٹھا سکتے ہین۔ جس طرح جوئے۔ نشے۔ اور بدکاری کی عادت پڑتی ہے اُسی طرح اگر تم علوم و فنون یا کسی چیز کے مطالعے کا شوق کرو اور اُس کی عادت ڈالو تو کیا اُس کی عادت نہ پڑ جائے گی؟ ضرور پڑے گی۔ اسی پر منحصر نہین جس کام مین محنت کیجائے اور جس کی مزاولت کی جائے عادت پڑ ہی جاتی ہے۔ اور چند روز کے بعد اُسی مین لطف آنے اور مزہ ملنے لگتا ہے۔

وہی کام جو پہلے بار معلوم ہوتا ہے اور اُس کے انجام دینے مین تکلیف ہوتی ہے عادت ڈالنے کے بعد خوش گوار اور پر لطف ہوجاتا ہے۔ مغربی فیلسوف فرانسس بیکن اپنی کتاب فلسفۂ قدرت مین کہتا ہے "ہمین اُسی چیز مین زیادہ لطف حاصل ہوتا ہے جو ابتدائً ہمارے لیے بار اور

دشوار تھی۔ اور ہم اُس سے نفرت کرتے تھے" اس کی مثال وہ دیتا ہے کہ شراب۔ کافی۔ چاء۔ پہلے ہمین بدمزہ معلوم ہوتی تھین۔ مگر عادت پڑ جانے کے بعد یہ حالت ہو جاتی ہے کہ بغیر اُن کے قرار نہین آتا۔ اور زندگی بھر نہین چھوٹ سکتی ہین۔

ہمارے دل و دماغ کی یہی حالت ہے کہ کسی خاص کام یا محنت کی عادت ڈالنے سے اسی قدر نہین ہوتا کہ اُس کی دشواری کم ہو جاتی ہو بلکہ اسی کی جانب ایک طرح کی رغبت پیدا ہو جاتی ہے اور دل مین شوق نمایان ہوتا ہے۔ ایک بڑے عالم بے ہمتا اور فاضل گران پایہ کا مقولہ تھا کہ پہلے مجھے مصنفین سلف کی کتابون کے مطالعے مین کسی قسم کا لطف نہ حاصل ہوتا تھا مگر ایک مجبوری اور ضرورت سے چند روز تک مجھے یہ دشوار و ناگوار کام کرنا پڑا۔ اب نہایت حیرت سے دیکھتا ہون کہ اِن کتابون مین مجھے غیر معمولی دلچسپی پیدا ہو گئی ہے۔ اور جب تک اُن کا مطالعہ نہین کر لیتا ہون دل کو قرار نہین آتا۔ بہرحال اِن باتون سے یہ نتیجہ ضرور حاصل ہوتا ہے کہ عادت ڈالنے سے ناگوار اور بے مزہ کام ہم کو آسان ہی نہین ہو جاتے بلکہ خوش گوار اور بامزہ معلوم ہونے لگتے ہین۔

انسانی فطرت کی اس خصوصیت پر اگر ہم زیادہ غور کرین تو اس سے بڑے بڑے فائدے اُٹھا سکتے ہین اور بہت سے اچھے اور نتیجہ بخش اصول ہاتھ آ سکتے ہین اُس سے اخذ کیا ہوا سب سے پہلا اور نہایت ہی اہم یہ اصول ہے کہ، جو کوئی جس کام مین مصروف ہو گا اور محنت کرے گا۔ اُس مین محروم و ناکام نہین رہ سکتا" ممکن ہے کہ ابتدا مین وہ اسے بہت دشوار نامناسب اور اپنے مذاق و رجحان کے خلاف نظر آتا ہو لیکن چند روز کی محنت و مصروفیت مین مذاق کے موافق ہی نہین نظر آنے لگے گا بلکہ اچھا اور خوش گوار معلوم ہو گا۔

(دوسرے عادت کے اِن مغیر نتائج سے فائدہ اُٹھانے کے مین ہر شخص کو وہی نصیحت کرنا چاہتا ہون جو فیثا غورث نے اپنے شاگردون کو کی تھی

اُس نے اُن سے کہا "ہمیشہ وہ پیشہ اختیار کرو جو عمدہ اور اعلےٰ نظر آتا ہو۔ عادت ڈالنے سے اگر مشکل بھی ہوگا تو آسان ہو جائے گا۔ اور آخر مین تم خود اُسے پسند کرنے لگوگے۔ جن لوگون کو اس بات کا موقع حاصل ہے کہ اپنے لیے سوچ سمجھ کے کوئی پیشہ اختیار کرین وہ اگر کوئی سودمند اور پسندیدہ عام مشغلۂ معاش نہ اختیار کرین تو ہرگز قابل معافی نہین ہین۔ انتخاب صورت کسب معاش کے وقت ہمین سب سے زیادہ اس بات کا لحاظ رکھنا چاہیے کہ کس کام مین ہم زیادہ فائدہ حاصل کر سکتے ہین۔ ابتدائی حالت مین دلی رجحان کے ہونے یا نہ ہونے کی مطلق پروا نہ کرنی چاہیے۔ کیونکہ عادت پڑ جانے کے بعد طبیعت خود بخود عادی ہو جائے گی اور آخر کار اُس مین لذت ملنے لگے گی۔

تیسری بہت بڑی بات معاد اور زندگی مابعد الموت کا خیال ہے۔ سخت سے سخت دنیا پرست جو مذہب کی دشواریون اور قیدون کو نہ برداشت کر سکتا ہو اور بالکل بندہ ہوا و ہوس ہو اُسے بھی عالم آخرت کا کچھ نہ کچھ خیال ضرور ہوتا ہے اور نیکوکارون کی طرح وہ بھی باوجود اپنی بدکاریون کے اسی بات کا آرزو مند ہے کہ اس عالم ابدی و سرمدی مین فلاح حاصل ہو۔ جس کا نتیجہ یہ ہے کہ ایسے گناہ گار کو بھی اُن فرائض کے ادا کرنے مین جو مذہب کے بتائے ہوئے ہین مسرت ہوتی ہے۔ اور اطمینان حاصل ہوتا ہے۔ مگر باوجود اس کے اُن لوگون کو مذہب کے بتائے ہوے اخلاق حسنہ خدا پرستی کے فرائض امر بالمعروف اور نہی عن المنکر اس قدر بار و دشوار معلوم ہوتے ہین کہ پابندی نہین کر سکتے۔ اس کی وجہ فقط یہ ہے کہ اُنھون نے اِن دینی باتون کی عادت نہین ڈالی۔ لیکن ہم اگر اِن باتون کی عادت ڈالین اور چند روز کی محنت مین اُن کو گوارا بنا لین تو پھر ہمین عبادت و ریاضت اور زُہد و تقویٰ مین لذت حاصل ہونے لگے۔ اور وہ اطمینان قلب اور فلاح دارین حاصل ہو جو خدا ہر دیندار کو نصیب کرے۔

چوتھے اِس کا بھی لحاظ رکھنا چاہیے کہ ہم نے جب ایک اسلوب زندگی اختیار کر لیا تو پھر ہمین اس پر بھی نظر رکھنی چاہیئے کہ دلچسپی اور تفریح و تفرّج کے لیے ہم جن باتون کو اختیار کرین وہ نہایت ہی لطیف پاکیزہ۔ بے عیب اور

دل کو ظلمت گناہ سے صاف کرنے والی ہون - اگر اُن کی احتیاط نہ کی گئی اور جو بُری باتین تمھاری دلچسپیون مین داخل ہو گئین تو اُن کے اثر سے رفتہ رفتہ آئینۂ دل زنگ آلود ہو جائے گا - صفائی و پاکیزگی مٹ جائے گی - سچی مسرت سے دل خالی ہو گا - اور ادنے درجے کے ذلیل مُضر اور بُرے کامون مین لطف آنے لگا -

آخر مین مین اِس نتیجے کو پہونچا ہون کہ انسان چند روز تک جو کام کرتا رہے عام از ین کہ وہ بُرا ہو یا بھلا اُس مین اس کو ایک گونہ خوشی ضرور حاصل ہونے لگتی ہے - لہذا ہر معمولی مسرت کو دیکھ کے اُسے نفس پروری کے پھندے مین نہ پڑ جانا چاہیے - دین و دنیا کی سعادت حاصل کرنے کی غرض سے اُس کے لیے ضروری ہے کہ اس زندگی چندروزہ مین ایسی پاکیزہ اور نیک عادتین اختیار کرے جو اُس عالم مین بھی اُسے فائدہ پہونچائین اور زندگی اُخروی مین بھی کام آئین -

جنت الفردوس اصل پوچھو تو کامل اور دائمی مسرت کا نام ہے جو ہمین اپنے مذاق کے مطابق دنیوی شکلون مین دکھائی اور بتائی گئی ہین - ان مسرتون کے مستحق ہم اُسی وقت ہو سکتے ہین اور اُسی وقت وہ ہمارے لیے موزون و مناسب ہو سکتی ہین جب ہم اپنے آپ کو اُن کے قابل بنائین - اس عالم مین تم سچائی اور نیکوکاری کے عادی بنو اور اپنی زندگی اس اعلیٰ مقصد کے حاصل کرنے مین صرف کرو دوسرے عالم مین بھی اچھے رہو گے - اور وہان کی سچی اور پاکیزہ لذتون اور مسرتون کے اہل ہو جاؤ گے - اصل یہ ہے کہ اُس ابدی روحانی مسرت کا بیج اسی امتحان گاہ فانی کی زمین مین بویا جاتا ہے - اور گو تخم ریزی یہان ہوتی ہے لیکن اُگتا اُس دوسرے عالم باقی مین نکلتا اور اُس خوشنما فرحت بخش پودھا بن کے پھولتا پھلتا ہے - خلاصہ یہ کہ جنت کی نسبت یہ کہنا کہ ہمین اپنے اعمال نیک کے صلے مین ملتی ہے فقط کہنے کی بات ہے - اصل مین پاکبازی اور شریفانہ زندگی کا قدرتی نتیجہ جنت ہے -

برخلاف اس کے وہ طبیعتیں جو شہوت پرستی خواہشات نفسانی جھوٹ۔ کینہ پروری اور عداوت و خصومت اور اسی طرح کی اور بہت سی باتوں کی عادی ہوگئی ہیں اُنھیں یقینی طور پر رنج والم اور ندامت و افسوس کے لیے تیار رہنا چاہیے۔ اُن کی یہ تکلیف دنیا ہی سے شروع ہو جاتی ہے۔ اور اس کے بعد جب اُن کی روحیں اس جسم خاکی فانی سے علیحدہ ہو جاتی ہیں تو اُس وقت بھی اُنھیں مسرت نہیں نصیب ہو سکتی۔ اور گو وہ اُس عالم میں نہ ہوں گے جہاں اُنھوں نے بداخلاقیوں سے اپنی زندگی خراب کی اور معاصی و جرائم کے مرتکب رہے تھے مگر اُسی دوسرے عالم میں اُن کے اعمال و افعال کا صدمہ والم ہر وقت پیش نظر رہے گا۔ اور ان باتوں سے اُن کو اس قدر تکلیف ہوگی اور ایسے پریشان رہیں گے کہ اُن کا وہ عالم آخرت اشد ترین دوزخ اور عذاب الٰہی کا مرکز ہو گا۔

یہ اہل مذہب کے مذاق پر نہیں کہا جاتا جو جنت و دوزخ کو مستقل مقامات ثواب و عقاب مانتے ہیں۔ بلکہ وہ لوگ جو اس کے قائل نہیں وہ بھی اس دوسرے عالم کو اسی حیثیت سے مزرعۃ الآخرۃ تسلیم کرتے ہیں کہ وہاں اپنے دنیوی افعال خیر کی بے اندازہ مسرت اور بدکاری کی ناقابل برداشت تکلیف ہوگی۔ اور اسی کو دنیا والوں کے جنت و دوزخ بتاتے ہیں۔ اسی بنا پر کہا جاتا ہے کہ جنت و دوزخ کا خیال فطرت کے مطابق ہے۔ اور بڑے بڑے محققوں اور مبصروں نے بخوبی غور کر کے ان دونوں عالموں کا پتہ لگا لیا ہے۔ چنانچہ اُن کا دعویٰ ہے کہ ہماری عادتیں اور خصلتیں ہی ہمارے لیے جنت و دوزخ کو پیدا کر دیا کرتی ہیں۔

قدر دانان دلگداز

دلگداز اور دل افروز دونوں نے آپ کو بڑی تکلیف دی اور اُس کی زندگی کیطرف سے آپ یقیناً مایوس ہو گئے ہوں گے۔ بدنظمی اس سے پہلے بھی اکثر برسوں میں رہی مگر یہ اتفاق شاید کم پیش آیا ہوگا کہ مجبوری سے جو سلسلہ اشاعت کا ٹوٹا تو بڑی مشکلوں سے اگست میں دوبارہ

نمبر فروری و مارچ کے مہینے کو نکلے پھر جو خاموشی ہوئی تو سال کے گیارھوین مہینے مین یعنی نومبر مین جو نکلے۔ لیکن یہ چونکنا مبارک ہے اور امید ہے کہ دسمبر تک پورے باقی پرچے نہ بھی نکلے تو جنوری سنہ ۱۹ء مین پرچون کی اشاعت انشاء اللہ تعالیٰ اپنے وقت پہ آجائے گی۔ ہم تو ہمیشہ کے قصوروار ہین۔ اور جس طرح خدا کی رحمت نے بندون مین گناہ کی ایک لذت پیدا کر دی ہے اُسی طرح ہمین بھی اپنے قدردانون کی مرحمت و نوازش سے قصور مین مزہ آنے لگا ہے۔ اور سچ بھی یہ ہے کہ جو مزہ عفو مین ہے وہ خدمت کا پورا پورا معاوضہ ملنے مین نہین۔

لیکن اب کی سال بھی بہت کڑا تھا۔ پلیگ کا لڑا۔ اور انفلوئنزا نے نوع انسانی کے ساتھ شاید وہ نہ کیا ہوگا جو کاغذ اور سامان طبع کی گرانی نے مطابع اور اخبارات کے ساتھ کیا۔ اب لڑائی ختم ہو گئی۔ ہمارے دوست ابد مدت اور سلطنت باشوکت برطانیہ کو خدا نے اپنے فضل و کرم سے کامیاب و فتحمند کیا۔ جرمنی کا ساہولناک دیو جو ابتدا مین نہایت ہی مہیب نظر آیا تھا پچھڑ گیا۔ اور ساری دنیا مین نعرۂ مبارکباد بلند ہے۔ اس سلسلے مین امید ہے کہ اب وہ گرانی رفع ہو گی۔ اور مطابع و اخبارات کو پھر وہی زندگی و قوت حاصل ہو جائے گی جو دولت برطانیہ کی برکتون سے دو چار سال پیشتر نصیب تھی۔ اور اس کی سب سے بڑی برکت ہمارے لیے یہ ہو گی کہ دلگداز پھر اُسی استقلال و خوبی سے نکلنے لگے گا جس شان سے کہ اُدھر چند سال پہلے نکل رہا تھا۔

دلگداز کے یہ تین پرچے اپریل۔ مئی۔ جون کے حاضر ہوتے ہین جولائی لغایت دسمبر کے پرچے خدا نے چاہا تو آخر دسمبر مین حاضر ہو جائین گے۔ اور جنوری سنہ ۱۹ء کا پرچہ اپنے مقررہ وقت پر شایع ہو گا۔ ان پرچون مین مسلمانون کے لیے خصوصًا اور اردو دان ہندوستانی پبلک کے لیے۔ تاریخی دلچسپ ذخیرہ زیادہ فراہم کیا گیا ہے۔

ناظرین کی نذر کے لیے ہم نے نیا ناول بھی لکھ کے تیار کر لیا ہے۔ یہ ایک خالص تاریخی ناول ہے جس کا نام ”لعبت چین“ ہے یہ عہد اولین اسلام یعنی پہلی صدی ہجری کے نصف آخر کے ابتدائی زمانے سے تعلق رکھتا ہے اس کا سین ملک ختا و ترکستان قدیم مین ہے۔ واقعات بالکل سچے اور تاریخی ہین۔ اور اُس عہد کی تمدنی حالت کے ساتھ پولیٹکل واقعات بھی بتائے گئے ہین۔ نہایت دلچسپ اور بانتیجہ ہے۔ اور امید ہے کہ عمومًا پسند کیا جائے گا۔

منتخب مضامین دلگداز ۱۸۸۷ء کی جلد کئی مرتبہ چھاپی گئی اور ہاتھون ہاتھ فروخت ہو گئی اب مدت سے نہین ملتی تھی شائقین کے اصرار سے بجاے پوری جلد کے اب اُسکا انتخاب چھاپ دیا گیا ہے قیمت ۱ر فی جلد ہے۔
مولانا شرر کے پرانے مضامین کے شائق اسے جلد طلب کرین کیونکہ تھوڑی ہی جلدین ہین۔
مینیجر دلگداز گولہ گنج۔ ن بزن بیگ خان لکھنؤ

عُلیہ بنت مہدی

یہ آل عباس کے خاندان خلافت کی ایک صاحب کمال و صاحب جمال اور بڑی نامور خاتون تھی۔ خلیفۂ مہدی عباسی کی بیٹی اور دو خلیفون ہادی اور ہٰرون رشید کی بہن تھی۔ اُس کے سگے بھائی ابراہیم بن مہدی نے بھی بعہد مامون رشید خلافت کا دعویٰ کیا تھا۔ بلکہ مامون خراسان مین تھا کہ وہ بغداد مین مسند نشین خلافت ہو گیا۔ مگر اُس کی واپسی پر سطوت مامونی سے گھبرا کے بھاگا۔ ادھر اُدھر چھپتا پھرا۔ آخر گرفتار ہو کے آیا۔ اور اُس کا قصور معاف کیا گیا۔

عُلیہ اور ابراہیم کی ماں مکنونہ نام ایک عربیہ کنیز تھی جو موسیقی مین کمال رکھتی تھی۔ اور مروان نام ایک شوقین مغنی کی تیار کی ہوئی لونڈیان جو گانے مین مستند سمجھی جاتی تھین اور "جواری مردانیہ" کہلاتی تھین اُنھین مین اُس کا بھی شمار تھا۔ مگر اُن سب مین زیادہ حسین و نازنین وہی کہی جاتی تھی۔ مکنونہ پہلے عبید اللہ بن عباس کے پوتے حسین بن عبد اللہ کے پاس تھی۔ مدینے مین اُن کا قیام تھا۔ اور وہان کے تمام گھرون مین شہرت تھی کہ مدینے کی کوئی لونڈی مکنونہ کے حسن و جمال کو نہین پہونچ سکتی۔ اُس کے بعد وہ ابو جعفر منصور کی زندگی ہی مین اُس سے چھپا کے اُسی کے فرزند مہدی کے لیے ایک لاکھ درہم پر خریدی گئی۔ مہدی کی صحبت عیش مین آتے ہی اُس کے دل و دماغ پر اس قدر حاوی ہو گئی کہ محل کے تمام حرمین اُس کی نظر سے گر گئین۔ یہان تک کہ اُس کی خاص ملکہ خیزران جو دو وارثان سلطنت ہادی اور رشید کی ماں تھی۔ اکثر کہا کرتی تھی "مکنونہ سے زیادہ میرے حق مین کوئی عورت سخت و ناگوار نہ تھی۔ جب تک منصور زندہ رہا مہدی نے

اُسے باپ کی نظر سے چھپایا۔ اور اُسے خبر بھی نہ ہونے دی کہ میرے مشکوئے معلے مین ایک ایسی پری جمال و نادرۂ روزگار مہ جبین ہے۔

عُلَیّہ اُس کے بطن سے سنہ ۱۶۰ھ مین اور اپنے باپ مہدی کے خاص ایام مسند نشینی خلافت مین پیدا ہوئی۔ ماں کی طرح وہ بھی نہایت ہی خوبصورت خورشید و مہ طلعت تھی۔ اچھی تعلیم کی وجہ سے بڑی صاحب ذوق تھی۔ بہت اچھے شعر کہتی تھی۔ اور شاعری و علمی تعلیم کے علاوہ باپ نے اُسے اور اُس کے بھائی ابراہیم کو موسیقی کی نہایت اعلے درجے کی تعلیم دی تھی۔ عُلَیّہ موسیقی مین کمال رکھنے کے علاوہ بڑی بذلہ سنج و سخن سنج تھی۔ خود ہی شعر کہتی اور اُن شعرون مین اپنی ذہانت و طباعی سے ایسی دُھنین قائم کرتی کہ جو سُنتا سر دُھننے لگتا۔ اُس کی شادی خاندان بنی عباس مین موسیٰ بن عیسیٰ کے ساتھ ہو گئی تھی۔ اُنھین کے عقد نکاح مین رہی اور اُس کی زندگی کا کوئی ایسا واقعہ نہین ہے جس سے ظاہر ہوتا ہو کہ اُنھین اُس سے یا اُس کو اُن سے کوئی شکایت تھی۔ عُلَیّہ کی جبین ناز پر ایک مسہ تھا جو کسی قدر عیب دیتا اور خوبصورت گورے گورے مکھڑے پر جو چاند کا ٹکڑا تھا کلف بن کے نمودار ہوتا۔ اس عیب کے چھپانے کے لیے اُس نے اعجوبۂ روزگار نظر فریب و مکلل بجواہر سرپیچ ایجاد کیے جو اُس وقت کی سوسائٹی مین ایسے بھلے اور دلکش معلوم ہوئے کہ تمام شوقین و حسین امیرزادیون کی وضع مین داخل ہو گئے۔ اور مردون مین سے اکثر مبصرین کا مقولہ تھا کہ "عورتون نے فیشن اور وضع و لباس مین جتنی ایجادین اور اختراعین کی ہین اُن مین ان سرپیچون سے زیادہ خوبصورت مائلی اور مہذب کوئی چیز نہین ہے"

اس حسن و جمال۔ اس بانکپن۔ اس خود آرائی۔ اس شاعری۔ اور اس سرود و غنا پر عُلَیّہ نہایت ہی دیندار متقی و پرہیزگار۔ اور پابند صوم و صلوٰۃ تھی۔ چنانچہ اُس کا معمول تھا کہ جب نماز سے معذور ہوتی اُس زمانے مین گاتی اور نبیذ پیتی جو اُن دنون بڑے بڑے مقدس لوگون مین مروج ہو کے اُس عہد کی "شراب الصالحین" بن گئی تھی۔ غسل کرتے ہی فوراً تلاوت قرآن اور مطالعۂ کتب مین مصروف ہو جاتی۔ ان مشاغل سے جو وقت بچتا

اس کو شعر گوئی مین صرف کرتی اس لیے کہ شاعری مین اُسے بڑا لطف آتا تھا۔ یہ اس کے مقررہ و معینہ اوقات و مشاغل تھے۔ جن کو خلیفہ کے حکم کے سوا اور کوئی چیز نہ بدل سکتی۔ اس لیے کہ جب خلیفہ بلاتا تو سو کام چھوڑ کے جانا پڑتا۔ اور کوئی عذر کارگر نہ ہوتا۔ عُلیّہ اکثر کہا کرتی کہ خدا نے کوئی چیز حرام نہین کی جس کا کوئی بہترین بدل حلال چیزون مین سے نہ عطا کر دیا ہو۔ پھر بھلا گناہ اور مبتلاے معاصی اُس کے سامنے کیا عذر کر سکتا ہے؟ یہ بھی اُس کا قول کا تھا کہ "زندگی مین اگر مین نے کبھی کوئی فحش کام کیا ہو تو خدا میری نجات نہ کرے۔ اور مین جو یہ شعر کہا کرتی ہون یہ بھی فقط تفنن طبع کے لیے ہے"۔

عُلیّہ چونکہ ایک شاعرہ صاحب کمال تھی لہذا سنّت شعراے عرب کی تکمیل کے لیے یہ بھی ضروری تھا کہ کوئی خاص اُس کا معشوق ہو جس کے خیال وجمال سے مزے لے لے وہ زور طبع دکھائے۔ شعراے عرب کا معمول تھا کہ اول تو اُن کی خاص کوئی مقررہ معشوقہ ہوتی جس کا نام لے لے کے وہ اپنے اشعار مین اظہار ذوق و شوق کیا کرتے۔ دوسرے فطرت کے سچے تقاضے کے مطابق اُن کی معشوقہ کوئی پری جمال عورت ہوتی۔ شعراے عجم و فارس کی طرح معشوق عموم ایک حسین بے ریش و بروت امرد لڑکا نہ ہوا کرتا۔ یہان تک کہ عجم و ہند کی عورتین بھی شعر کہتی ہین تو وہ بھی اشعار مین اپنے آپ کو مرد ظاہر کرتی اور دیگر شعرا کی طرح ایک کمسن لڑکے کی عاشق بن جاتی ہین۔

غرض عُلیّہ کے لیے بھی ضرور تھا کہ شاعری کی دنیا مین وہ ایک عاشقہ بنے۔ اور اپنا معشوق کسی خاص مرد کو قرار دے۔ چنانچہ رشید کے غلامون مین سے طَل اور رَشا نام دو خوبصورت لڑکون پر اظہار عشق کیا کرتی۔ اور ان سے نظم مین مراسلت کرتی۔ مگر باوجود اس کے اُس زمانے کے کسی شخص کو کبھی اُس کی پاکبازی پاکدامنی اور عفت و عصمت مین شک و شبہ نہین ہوا۔ اور سب جانتے تھے کہ یہ فقط سنت شاعری ادا کرنے شعر و سخن مین عاشقانہ اثر پیدا کرنے اور بقول اسی کے محض تفنن طبع کے لیے تھا۔ رَشا کی طرف مخاطب ہو کے اُس نے جو نظمین کہی ہین اُن مین سے بعض مین رَشا کے عوض "زینب" کا فرضی

نام ڈال دیا ہے۔ مگر ظل کی نسبت اپنا شوق محبت کھلے الفاظ مین اور اُس کا نام لے کے کیا۔ ظل کے معنے ہلکے سینہ کے ہین اور مرغوب مرد کو بھی کہتے ہین۔ ظل کے ساتھ اُس کو اس قدر شغف تھا کہ کبھی اُسے اپنے عاشقانہ اشعار جو اُسی کی مدح مین ہوتے لکھ بھیجتی اور کبھی قریب بلا کے اُس سے باتین کرتی۔ ایکدن قصر کے ایک پرنالے کے پاس جا کے کھڑی ہوئی۔ ظل کو بلایا۔ اور اپنے دو شعر اُسے سنائے اس کی خبر رشید کو پہونچ گئی۔ وہ اس سے ملا اور کہا "بہن دیکھو مین تمھین سمجھائے دیتا ہون کہ پھر کبھی ظل سے نہ ملنا۔ نہ باتین کرنا۔ اور نہ کبھی اُس کا نام زبان پر لانا" عُلیّہ نے قسم کھا کے اقرار کیا کہ مین آپ کے اس حکم کو بجا لاؤن گی۔ یہ قسم لینے کے بعد بھی رشید کے دل سے شبہہ نہ نکلتا تھا۔ اکثر خاموشی کے ساتھ عُلیّہ کے کمرے کے پاس جاتا اور کان لگا کے سُنتا کہ کیا باتین کر رہی ہے۔ اور کس سے باتین ہو رہی ہین۔ ایک دن گیا تو عُلیّہ تلاوت قرآن مین مصروف تھی۔ اور ایسی خوش گلوئی سے قرات کر رہی تھی کہ رشید کا دل لگ گیا۔ دیر تک چپکے کھڑا استماع رہا۔ عُلیّہ سورۂ بقرہ پڑھ رہی تھی۔ پڑھتے پڑھتے جب اس آیت پر پہونچی "فان لم یصبہا وابل فطل" تو ساری آیت پڑھ گئی مگر "فطل" کے لفظ پر پہونچ کے بے اختیار اُس کی زبان سے نکلا "فالذی منعنا منہ امیر المومنین" یعنی وہی جس سے امیر المومنین نے منع کیا ہے۔ اس واقعہ کا رشید پر عجیب اثر پڑا۔ بیتاب ہو کے اندر گھس گیا۔ بہن کو گلے سے لگا لیا۔ اس کی پیشانی چومی۔ اور کہا "لو مین نے ظل تمھین کو دے ڈالا۔ اور اب اس کے بعد اُس کے ساتھ تمھارا جو جی چاہے سلوک کرتے مین نہ روکون گا"

اس ظل کے متعلق عُلیّہ کی متعدد دلکش نظمین ہین جن مین اُسی نے دُھنین بھی قائم کی ہین۔ وہ سب عربی محفلون مین علی العموم گائی جاتی تھین۔ اور بہت ہی مشہور و مقبول تھین۔

رشید کو عُلیّہ سے بڑی محبت تھی۔ اور اکثر بغیر اُس کے لطف نہ آتا تھا۔ چنانچہ اُس کے عہد مین عُلیّہ حج کو گئی تو رشید کو اس کی مفارقت بہت ہی گران گزری۔ واپسی مین وہ مقام طیرتاباذ مین کسی ضرورت سے دوچار

روانہ ٹھہر گئی تو رشید ناراض ہوا۔ چنانچہ واپس آ کے عُلَیہ نے معذرت مین چار شعر کہے جو ایک ہی بحر مین تھے۔ مگر دُھن پہلے دو شعرون مین اور قائم کی اور دوسرے دو شعرون مین اور۔ ان اشعار کو اُن دھنون مین علیہ کی خوش گلو اور موسیقی دان لونڈیون نے سنایا تو رشید بہت خوش ہوا۔ اور ساری خفگی بھول گیا۔

ابراہیم بن مہدی یعنی عُلَیہ کے سگے بھائی کا بیٹا عبداللہ کہتا ہے کسی ضرورت سے رشید کو شہر رقہ مین جانا پڑا۔ وہان پہونچ کے میری پھوپی عُلَیہ یاد آئین۔ اُسی وقت اُن کے ماموں یزید بن منصور کو لکھا کہ "بہن عُلَیہ کو یہان میرے پاس بھیج دیجیے"۔ یہ تحریر پہونچتے ہی پھوپی اپنی محمل مین سوار ہو کے شان و شکوہ سے روانہ ہوئین۔ راستے مین اُنھون نے دو شعر کہے جن مین سے پچھلے شعر کا مضمون یہ تھا کہ "جس کے دیدار کی تمنا ہے اُس سے ملنے کا شوق نہ ہوتا تو مین اس دہشت و مشقت کے ساتھ بغداد سے نہ نکلتی"۔ یہ اشعار سُن کے رشید بہت خوش ہوا۔ اور اُس سے اور زیادہ محبت کرنے لگا۔

رشید کو عُلَیہ کی شاعری و سخن فہمی کا تو پورا علم تھا مگر ابھی اس کی خبر نہ تھی کہ فن موسیقی مین بھی وہ اپنا جواب نہین رکھتی ہے۔ اس سے واقف ہونے کا باعث یہ ہوا کہ ایک دن رشید کو بیٹھے بیٹھے ابراہیم موصلی سے ملنے کا شوق ہوا۔ جو اُس عہد کا سب سے بڑا صاحب کمال مغنی تھا۔ اور دربار مین اُس کی عزت علما و فضلا اور اکابر امرا کے برابر ہوتی تھی۔ بجای اس کے کہ اُسے بلوا بھیجے محل سے نکل کے سیدھا ڈیوڑھی پر گیا۔ پھاٹک سے باہر ہوتے ہی ایک چھوٹے گدھے پر سوار ہوا۔ اور ابراہیم کے گھر کی راہ لی۔ خدام اور غلام دوڑتے ہوئے ساتھ چلے ابراہیم کے دروازے پر پہونچا تو وہ باہر نکل آیا۔ دوڑ کے قدم چومے اور لیجا کے بٹھایا۔ یہان رشید نے بعضی لڑکیون کی جھلک دیکھی جو اُس کے آتے ہی بھاگ گئی تھین۔ ساتھ ہی نظر آیا کہ کئی سرود زمین پر بے قرینے پڑے ہین۔ پوچھا "یہ سرود کیسے اور کس کے ہین؟" ابراہیم نے پہلے تو ٹالا۔ مگر جب رشید کی طرف سے زیادہ اصرار ہوا تو عرض کیا "امیرالمومنین دو لڑکیان ہین اُن کو

مین موسیقی کی تعلیم دیتا ہون۔ وہی یہ سرود چھوڑ کے بھاگ گئین۔ رشید نے کہا "اُن کو بلاؤ" ابراہیم نے دونون کو لاکے پیش کر دیا۔ رشید نے دیکھا تو وہ نہایت ہی خوش جمال وجادو نگاہ تھین۔ ایک کو قریب بلا کے کہا "کچھ گاؤ۔ دیکھون تم نے کیا سیکھا ہے؟" اس نے ایک راگ بہت ہی سنبھل کے گایا۔ رشید کو اُس کی دُھن بے انتہا پسند آئی۔ ابراہیم کی طرف دیکھ کے کہا "ابراہیم۔ کیا اچھے شعر ہین اور کیسی اچھی دھن ہے۔ یہ کس کے ہین؟" ابراہیم بولا حضور مین نہین جانتا۔ تب اُس نے اُس لڑکی سے پوچھا تم بتاؤ یہ شعر کس کے ہین۔ اور یہ دھن کس کی ہے؟" بولی "دونون میری بیوی کی ہین"۔ پوچھا "تمھاری بیوی کون؟" عرض کیا "امیر المومنین کی ہمشیرہ عُلیّہ" حیرت سے پھر پوچھا "نظم اور دُھن دونون اُن کی ہین؟" بولی۔ "جی حضور دونون اُنھین کی"۔ اس جواب پر رشید نے متاثر ہو کے سر جھکا لیا۔ اور تھوڑی دیر کے بعد سر اُٹھا کے دوسری کنیز سے کہا "اب تم اپنا گانا سناؤ"۔ اُس نے ایک دوسرا نغمہ گایا۔ اُس کی نسبت بھی یہی واقعات پیش آئے۔ ابراہیم ٹالا اور چھپایا۔ اور کنیز کے بیان سے کھلا کہ وہ نظم اور وہ نغمہ بھی عُلیّہ ہی کے ایجاد ہین۔

اس کے بعد رشید اُٹھ کے محل مین واپس آیا اور آتے وقت ابراہیم سے کہا "ان دونون کنیزون کو احتیاط اور حفاظت سے رکھنا"۔ گھر پہونچ کے بجاے اپنے قصر مین آنے کے سیدھا عُلیّہ کی محلسرا مین گیا۔ اُس کے پاس بیٹھ گیا اور کہا "بہن آج جی چاہا کہ تمھارے پاس بیٹھ کے نبیذ پیون"۔ حکم کی دیر تھی۔ محفل عیش قائم ہو گئی۔ اور عُلیّہ کی کنیزین حاضر ہو کے گانے بجانے لگین۔ رشید تھوڑی دیر تک تو اُن کا گانا سنتا رہا۔ پھر ایک مغنیہ لڑکی کے آغوش سے سرود اُٹھا کے اُس نے عُلیّہ کے گود مین رکھ دیا۔ یہ دیکھ کے عُلیّہ بہت گھبرائی۔ آج تک کبھی رشید کے سامنے نہین گایا تھا۔ کسی طرح جرأت نہ ہوتی تھی کہ صاحب تاج و تخت بھائی کے سامنے بیٹھ کے گائے۔ اسے متامل دیکھ کے ہارون رشید نے کہا "بہن تمھین والد مرحوم (مہدی) کی تربت کی قسم ضرور گاؤ"۔ پوچھا "کیا گاؤن؟" رشید نے وہ چیز اور دُھن

بتادی جو ابراہیم کے مکان پر پہلی کنیز کے گلے سے سنی تھی۔ اب علیہ سمجھ گئی کہ بھائی کو میرے شوق موسیقی کی خبر ہو گئی۔ وہ اشعار گائے۔ اور جہان تک بنا محنت اور کوشش سے گائے۔ اُس کے بعد رشید نے دوسری لونڈی والا گیت گوایا۔ اُس کو بھی گانا پڑا۔ اپنی عزیز بہن کی ایجاد کی ہوئی دُھنین خاص اُسی کے گلے سے سن کے رشید اُٹھا۔ بہن کے سر پر بوسہ دیا۔ اور کہا "مجھے یہ خبر نہ تھی کہ تمھین یہ کمال بھی حاصل ہے" اور یہ دن سارا اسی صحبت مین بسر کر کے واپس گیا۔

اس کے بعد رشید کا معمول ہو گیا تھا کہ جب جی گھبراتا علیہ کے پاس آ کے کہتا "بہن کوئی نئی چیز سناؤ" چنانچہ ایک دن ایسے ہی موقع پر علیہ نے کہا "آپ کی جان کی قسم مین کوئی اور چیز نہ سناؤن گی۔ مگر آپ کی مدح مین خود ہی شعر کہون گی اور خود ہی اُن مین دُھن قائم کر کے سنادون گی" چنانچہ اسی وقت فی البدیہہ تین شعر کہے۔ اُن مین دھن قائم کی۔ اور سنایا تو رشید کی یہ حالت تھی کہ محو ہو گیا۔ اور آپے سے باہر ہو گیا۔

رشید نے رے کا سفر کیا تو محض دلچسپی کے خیال سے علیہ کو ساتھ لے لیا۔ مقام مرج تک پہونچا تھا کہ علیہ کو گھر چھوٹنے کی تکلیف محسوس ہونے لگی۔ وطن اور صحبت ہاے وطن کی یاد مین دو پُر سوز و گداز شعر کہے جن کا مضمون یہ تھا کہ "غریب الوطن مقام مرج مین حسرت و الم کے ساتھ رو رہا ہے۔ یاران وطن اُس کی نظر سے اوجھل ہین۔ اور وطن کی طرف سے جب کوئی سوار آجاتا ہے تو وہ اُن کے پاس جا جا کے سونگھتا ہے کہ شاید بوے وطن آجائے" یہ شعر اسیی مناسب و موزون دھن مین اُس نے خاص اپنے گلے سے رشید کو سنائے کہ وہ سمجھ گیا بہن کو سواد عراق یاد آ گئی۔ اور اُسی منزل سے اُس کو واپس کر دیا۔

ایک دن رشید کی خدمت مین ایک ایسی صاحب جمال و آفت روزگار کنیز پیش کی گئی جو خوبی و رعنائی اور تمیزداری و شائستگی مین نظیر نہ رکھتی تھی۔ رات کو وہ رشید کی صحبت عیش مین رہی۔ اور ایک ہی رات مین اس کا

ایسا اثر پڑا کہ صبح اُٹھتے ہی رشید نے حکم دیا کہ حریم خلافت مین جتنی گانے والی کنیزین ہین سب حاضر ہون۔ دم بھر مین تقریبًا دو ہزار پری جمال مہ طلعتین جمع ہو گئین۔ جو بہترین لباس پہنے تھین۔ مرصع زیورسے آراستہ تھین۔ اور سب سے کارزاجرائی کی شان عیان تھی۔ اُن مین سے کچھ تو ساقیہ تھین جو نبیذ کے جام پلاتین باقی سب مغنیہ تھین۔ اس جشن طرب مین رشید اپنی نئی محبوبہ کے ساتھ بیٹھ کے جام عیش پینے لگا۔ ام جعفر یعنی زبیدہ خاتون کو یہ حال معلوم ہوا تو دل ہی دل مین بہت کُڑھی اور علیہ کو خبر کی کہ دیکھو تمھارے بھائی کا یہ رنگ ہے! ایک نئی عورت کے دام فریب مین ایسے پھنسے ہین کہ سارے اگلے تعلقات بھلا دیے۔ علیہ نے جواب مین کہلا بھیجا "بھابی آپ اپنا دل نہ تھوڑا کرین مین اُنھین پھر آپ کا بنا دون گی۔ مگر آپ ایک کام کیجیے۔ اپنی تمام پری جمال کنیزون کو بھاری پوشاکین پنھا کے میرے پاس بھیج دیجیے" زبیدہ نے یہی کیا۔ علیہ نے دو نہایت ہی پرجوش شعر کہے۔ اور اُن مین اپنی طباعی سے ایسی دھن قائم کی کہ انسان سنتے ہی بیتاب و از خود رفتہ ہو جائے۔ پھر وہ شعر اور دُھن زبیدہ کی اور اپنی تمام لونڈیون کو خوب از بر اور صاف کرا دیے۔ اور سب کو اپنے انتخاب سے خاص قسم کی بانکی پوشاکین پنھائین۔

اب عصر کا وقت ہو گیا تھا۔ اور رشید اُسی طرح اُس نئی محبوبہ کے ہم پہلو جشن طرب مین بیٹھا محو عیش تھا کہ ناگہان ایک طرف سے علیہ اور دوسری طرف سے زبیدہ اُس محفل مین برآمد ہوئین۔ اور دونون کے ساتھ دو ہزار آفت روزگار ماہ پیکر کنیزین تھین۔ اور ایسی عجیب و غریب دلفریب وضع مین تھین کہ رشید مبہوت ہو گیا۔ وہ مبہوت ہی تھا کہ اُن ماہ پیکر کنیزون نے صفین باندھ کے اور سُر ملا کے وہ نغمہ گانا شروع کیا۔ اُس نغمہ کا مضمون یہ تھا کہ "او بے وفا۔ تو نے مجھے چھوڑ دیا۔ مگر میرا دل تجھے نہین چھوڑتا۔ اے آج مجھے چھوڑنے والے بتا تو سہی کہ اب کس سے ملنے کا ارادہ ہے؟"

یہ نغمہ ہوش ربا سنتے ہی رشید بیتاب و بیقرار ہو کے اُٹھ کھڑا ہوا۔ اور علیہ اور زبیدہ کے پاس آ کے کہنے لگا "آج سے زیادہ مسرت مجھے زندگی بھر

نہین نصیب ہوئی تھی" اور اس گھڑی ایسا مست و بیخود ہو رہا تھا کہ بے اختیار حکم دے دیا "خزانے مین جو کچھ ہو لُٹا دیا جائے۔ خبردار ایک درہم بھی باقی نہ رہے" چنانچہ کہتے ہین کہ اُس تاریخ مین چھ کروڑ درہم لٹائے گئے۔ جیسا کہ اُس وقت تک کبھی کسی تاجدار کے زمانے مین نہین سنا گیا تھا۔

یحییٰ بن خالد کا پوتا بیان کرتا ہے کہ ایک دن میرے والد خلوت و تنہائی مین دادا جان سے بیان کر رہے تھے کہ رشید کی میرے حال پہ کیا کیا عنایتین تھین اسی سلسلے مین اُنھون نے ایک دن کا یہ واقعہ بیان کیا کہ مین چھوٹا اور کمسن لڑکا تھا۔ امیر المومنین رشید نے میرا ہاتھ پکڑ لیا۔ اور ایک کمرے کی طرف چلے۔ اُس سے گزر کے دوسرے کمرے کے دروازے پر پہونچے تو تمام خدام اور غلام جو ساتھ تھے واپس چلے گئے۔ سب کے چلے جانے کے بعد اُنھون نے وہ دروازہ کھولا اور مجھے اندر لیجا کے وہ دروازہ اندر سے بند کر لیا۔ اب مجھے لیے ہوئے وہ ایک شاہانہ شان کے کمرے کے قریب پہونچے۔ اُس کا دروازہ کھولا اور اندر داخل ہوئے۔ اس عالیشان دیوانخانے کے صدر مین ایک شہ نشین تھا۔ اُس شہ نشین پر چڑھنے کے دروازے کے پاس وہ مجھے لے کے بیٹھ گئے اور ہاتھ سے دروازے پر دستک دی۔ ساتھ ہی مجھے اندر کچھ آہٹ معلوم ہوئی اور اُنھون نے دوبارہ دستک دی فوراً ساز چھڑ گیا۔ اور سرود کی صدائے خوش الحان میرے کان مین آئی۔ یہ آواز سنتے ہی امیر المومنین نے تیسری دستک دی۔ اور اب اندر سے گانے کی آواز سنی جانے لگی۔ یہ کسی عورت کی نہایت ہی دلکش اور محو کر دینے والی آواز تھی۔ اور ایسا اچھا نغمہ تھا کہ مجھے معلوم ہوا نہ دنیا مین اس سے اچھا نغمہ ہو سکتا ہے اور نہ اس سے اچھا سرود بج سکتا ہے۔ یہ عورت جو ہماری آنکھون سے اوجھل تھی کئی گیت گا چکی تو رشید نے کہا "اب ذرا میری ایجاد کی ہوئی دھن بھی سنا دو" اُس نے وہ نغمہ شروع کیا۔ اب جوش مسرت سے میری یہ حالت تھی کہ بے اختیار جی چاہتا دیوار سے ٹکرا کے اپنا سر توڑ ڈالون۔ اتنے مین امیر المومنین نے ایک اور گیت کی فرمایش کی۔ اُس نے وہ بھی گایا اور اب میری اور رشید کی دونون کی یہ

حالت تھی کہ گویا ہمین حال آگیا ہے۔ دونون کمال بیتابی سے کھڑے ہو کے ناچنے لگے۔ یہ نغمہ بھی ختم ہوا تو رشید نے کہا "بس اب چلو۔ ایسا نہ ہو محویت اس سے بھی زیادہ بیخود و ذلیل کرے" اب وہ مجھے ساتھ لے کے اُٹھا۔ اور جب مین اندر کی دہلیز سے اُترنے لگا تو اُس نے کہا "تم نے پہچانا بھی یہ کون گا رہا تھا؟" مین نے عرض کیا "مین کیا جانون"۔ بولا "تم دل مین حیران ہو گے۔ اور بار بار یہی سوال تمھارے دل مین پیدا ہوتا ہو گا۔ مگر اس راز کو تم چھپا نہ سکو گے۔ خیر مین بتائے دیتا ہون۔ یہ میری بہن عُلَیّہ بنت مہدی تھین لیکن یاد رکھو اگر کسی کے سامنے تم نے اس واقعے کو زبان سے نکالا اور مجھے خبر ہو گئی تو تھین زندہ نہ چھوڑون گا" یہ واقعات سُن کے دادا جان بولے "مگر اب تو تم نے یہ راز فاش کر دیا۔ اپنی جان بچانے کی فکر کرو۔ ورنہ امیرالمومنین بے قتل کیے نہ چھوڑین گے"

اِس دلچسپ عہد کے صاحب کمال و نامور مغنی اسحٰق موصلی کا بیان ہے کہ ہرون رشید کے زمانے مین مین نے ایک نئی دُھن نکالی۔ وہ مجھے کچھ ایسی دلکش اور بھلی معلوم ہوئی کہ خوب مشق کر کے ارادہ کیا کہ صبح ہوتے ہی امیرالمومنین کی خدمت مین حاضر ہو کے سناؤن گا۔ صبح کو اسی ارادے سے چلا۔ اور درِ دولت کو جا رہا تھا کہ راستے مین عُلَیّہ کا خادم ملا۔ اور سلام کر کے کہنے لگا۔ بیوی نے آپ کو حکم دیا ہے کہ اسی وقت اُن کی ڈیوڑھی پہ حاضر ہو کے ایک کنیز کے گلے سے ایک دُھن سن لین جسے وہ بتاتی ہے کہ آپ کے والد مرحوم سے حاصل کی تھی۔ اور اب اُس مین کچھ شک سا پڑ گیا ہے" مین فوراً اُس کے ساتھ چلا گیا۔ وہان مین ایک تنہا کمرے مین بٹھایا گیا۔ پہلے دسترخوان اور کھانے پینے کی چیزین لائی گئین۔ اور جب مین سیر ہو کے ہاتھ دھو چکا تو ایک کنیز نے آ کے کہا "بیوی فرماتی ہین کہ آپ اِس وقت امیرالمومنین کے پاس ایک نئی ایجاد کی ہوئی دُھن سنانے کو جا رہے ہین۔ پہلے وہ دُھن مجھے سنا دیجیے۔ اور اُس کے معاوضے مین آپ کو بہت کچھ انعام ملے گا" معلوم ہوتا ہے اُنھین کی کسی کنیز کے ذریعے سے خبر ہو گئی

جو میرے پاس تعلیم پاتی تھی۔ مجبوراً مین نے وہ دھن گا کے سُنائی۔ اور انھون نے اُس کو بار بار گوا کے سنا۔ اس کے بعد میرے سامنے بیس ہزار درہم اور بیس تھان لا کے رکھے گئے۔ اور پردے مین سے خود عُلیہ نے کہا "لو یہ تمھارا انعام ہے"

میری اُس دُھن کو پہلے کچھ دیر تک چپکے چپکے وہ خود ادا کرتی رہین پھر بولین "لے اب اس دُھن کو مجھ سے بھی سُن لو" یہ کہہ کے اُس نغمے کو اُنھون نے جو گایا تو دلکشی ہی اور تھی۔ مین نے بخدا ایسا دلکش اور مست کرنے والا نغمہ زندگی بھر نہین سنا تھا۔ سنا کر وہ پوچھنے لگین "بتاؤ مین نے کیسا گایا؟" مین نے عرض کیا کہ باللہ العظیم مین نے آج وہ نغمہ سُنا ہے جیسا زندگی بھر نہین سنا تھا" اب عُلیہ نے اپنی ایک کنیز سے کہا "لو اب تم بھی انھین ان کی یہی نئی دُھن اپنے گلے سے سنا دو" اس نے بھی سنایا۔ اور جب سنا چکی تو دوبارہ میرے سامنے بیس ہزار درہم اور بیس تھان لا کے رکھے گئے۔ ساتھ ہی عُلیہ پردے کی آڑ سے بولین "وہ پہلے تو انعام تھا اور یہ اُس دھن کی قیمت ہے جس کو مین نے تم سے لے لیا۔ اب مین امیر المومنین کے پاس جاتی ہون۔ سب سے پہلے یہی دُھن سناؤن گی۔ اور کہون گی کہ اسے مین نے ایجاد کیا ہے لیکن اگر کبھی تم نے کسی کے سامنے زبان سے نکالا کہ یہ تمھاری نکالی ہوئی دُھن تھی تو فوراً قتل کرا ڈالون گی"

اس واقعہ کے بعد مین پچھتاتا ہوا عُلیہ کی ڈیوڑھی سے نکلا۔ مجھے انعام کی اتنی خوشی نہ تھی جتنا اس دُھن کے چھن جانے کا ملال تھا۔ مگر عُلیہ رشید کی بہن تھی۔ اُس سے خوف بھی تھا۔ اور اُس کی ہیبت اس قدر چھائی تھی کہ اور کسی کے سامنے گانے سے درکنار مجھے اُس دُھن کا خیال بھی آجاتا تو کانپنے لگتا کہ کسی کو خبر ہو جائے یہان تک کہ مامون رشید کے عہد مین عُلیہ کا انتقال ہو گیا۔ اور اُس کے سوگ کے بعد مامون نے جو پہلی صحبت طرب قائم کی اُس مین مین نے سب کے پہلے وہی دُھن گا کے سُنائی۔ سنتے ہی مامون کی رنگت بدل گئی۔ اس دھن کو وہ عُلیہ کے گلے سے سُن چکا تھا۔ غصے کے ساتھ مجھ سے پوچھا "تمھین یہ دُھن کہان سے ملی؟" عرض کیا "جان کی امان ہو تو سچ سچ عرض کرون" اُس نے امان دینے کا وعدہ

کیا۔ اور مین نے ساری سرگزشت کہہ سنائی۔ تمام واقعات سُن کے مامون نے کہا "او کینہ ور کم ظرف! اب بھی تجھے اس واقعہ کا ظاہر کرنا مناسب نہ تھا۔ تو نے اُس معاوضے پر کیون نہ قناعت کی جو تجھے مل چکا تھا؟" مامون کی یہ تعریض سُن کے مین نے قسم کھائی کہ پھر کبھی اس نغمے کو نہ گاؤن گا۔

اُس دور کی نامور مغنیہ زریق کہتی ہے ایک دن مین امیر المومنین ہرون رشید کی صحبت طرب مین تھی۔ وہ اور اُن کے بھائی منصور دونون بیٹھے نبیذ کے جام پی رہے تھے۔ اور عیش و طرب مین مصروف تھے کہ علیہ کی لونڈی خلوب آئی۔ مگر اس شان سے کہ دو خوش رو کنیزین اُس کے آگے آگے تھین جن کے ہاتھون مین نبیذ کے لبریز جام تھے۔ پیچھے بھی ایک ماہ پیکر کنیز تھی جس کے ہاتھ مین ستر و تھا۔ امیر المومنین کا سامنا ہوتے ہی اُس نے ستر و چھیڑا اور خلوب نے ایسی براگیختہ کرنے والی مستانہ دُھن مین چند شعر گائے کہ صحبت کو محو کر دیا۔ یہ نغمہ گاتے ہی گاتے اُس نے دونون بھائیون کو وہ دونون جام نبیذ دیے۔ اور ادب سے بڑھ کے ایک رقعہ رشید کے ہاتھ مین دیا۔ رشید نے پڑھا تو اُس مین لکھا تھا "یا سیدی۔ آپ کی بہن نے آج یہ دُھن ایجاد کی ہے۔ اور لونڈیون کو اُس کی تعلیم دے کے خدمت مین پیش کر دیا۔ خدا آپ کی مسرت کو برقرار اور آپ کے عیش کو پائدار رکھے"

ایک دن علیہ نے عید کی مبارکباد مین دو شعر کہے اُن مین خود ایجاد کی ایک روح افزا و مسرت بخش دُھن قائم کی اور خود آکے بھائی کو خاص اپنے گلے سے ادا کر کے سنا گئے۔ رشید بے انتہا مسرور ہوا۔ وہ دھن عام محفلون مین مشہور ہو گئی یہان تک کہ مدتون کے بعد ایک عید کے جشن مین عریب مغنیہ نے وہ دُھن اس خوبی سے معتمد علی اللہ کو سنائی کہ وہ مارے خوشی کے مست ہو گیا۔ اور بیخودی مین عریب کو تیس ہزار درہم انعام مین دے ڈالے۔

رشید کے ساتھ علیہ کو بڑی محبت تھی۔ اور ایسا معلوم ہوتا تھا کہ جیسے اُس کا سارا عیش اُسی کے دم سے وابستہ ہے۔ جب ہرون رشید

نے سفر آخرت کیا تو اُسے بڑا بھاری صدمہ ہوا۔ حد سے زیادہ روئی پیٹی بیند پینا چھوڑ دی۔ اور گانا بھی چھوڑ دیا۔ مگر امین الرشید نے بہت اصرار کیا کہ پھر گائیے۔ اب وہی خلیفہ تھا اور اُس کی مخالفت اندیشے سے خالی نہ تھی۔ جبراً و قہراً گایا۔ مگر جو شعر کہے اور اُن مین جو دُھنین قائم کین دونون سے مجبوری و معذوری کے اظہار کے ساتھ بلا کی حسرت ناکی ظاہر ہوتی تھی۔

مگر امین کے بعد جب مامون رشید مسند نشین خلافت ہوا تو وہ ہر علم و فن کا اتنا بڑا مربی تھا کہ اُس کے دربار مین ایک سے ایک بڑا صاحب کمال موجود تھا اور اُس کی بے انتہا قدر ہوتی تھی۔ مامون نے عُلیہ کے ساتھ ایسی خُردانہ محبت ظاہر کی اور اس خوبی کے ساتھ اس کی دلدہی و قدر کرنے لگا کہ اُسے مرحوم بھائی رشید کی یاد بھولنے لگی۔ اور مامون کے خوش کرنے کے لیے پھر اُسے فن موسیقی مین اپنے کمالات ظاہر کرنا پڑے۔ مگر اس پر بھی کبھی یہ نہین ہوا کہ عُلیہ نے مامون کی خوشامد اور اُس کے خوش کرنے کے لیے کوئی قصیدہ کہا ہو یا کوئی نغمۂ سیارہ ایجاد کیا ہو۔ ہان اُس نے اپنا وہ نہ گانے کا عہد البتہ توڑ دیا۔

چنانچہ رشید کا بیٹا ابو احمد لکھتا ہے مین ایک دن مامون کی پرائوٹ صحبت مین بیٹھا ہوا تھا اور میرے برابر میرے دونون چچا منصور اور ابراہیم تھے۔ اتنے مین عُلیہ کا غلام پاس آیا۔ اور مامون کے کان مین کچھ کہا۔ مامون نے سن کے ابراہیم کو اشارہ کیا۔ وہ اُٹھ کے ایک پردے کے اندر چلے گئے جو حرم کی جانب دیوان خاص سے ملا ہوا تھا۔ اُنھین گئے چند لمحے ہوے تھے کہ یکایک ایسے نغمۂ دلکش کی آواز کان مین آئی کہ مین بے اختیار جھومنے لگا۔ مامون نے پوچھا "جھومتے کیون ہو؟" عرض کیا "ایسا نغمہ سُن رہا ہون کہ آداب دربار بھی بھولے جاتے ہین زندگی بھر کبھی ایسا نغمہ مستانہ نہین سُنا تھا!" اُس نے کہا "یہ تمھاری پھوپی عُلیہ تمھارے چچا ابراہیم سے ایک دُھن مین مقابلہ کر رہی ہین!"

عُلیہ کے سگے بھائی ابراہیم بھی موسیقی مین اعلیٰ ترین کمال رکھتے تھے۔ اور اس فن مین سوا اسحٰق موصلی کے اور کوئی اُن کا مقابلہ نہ کر سکتا تھا۔ اور

ان دونون بہن بھائیون کے ایسے صاحب کمال موسیقی دان ہونے کی وجہ سے
اُس زمانے کے بعض اکابر اسلام کا دعویٰ تھا کہ "اسلام مین کوئی ایسے
دو بہن بھائی نہین پیدا ہوئے جو ایک ہی فن مین اتنا اعلیٰ پایہ رکھتے ہون
نہ موسیقی مین کوئی عورت علیہ کی ہم پلہ تھی اور نہ کوئی مرد ابراہیم کا ہم رتبہ تھا
اور لطف یہ کہ موسیقی کے بڑے بڑے اُستاد علیہ کو ابراہیم پر ترجیح
دیتے تھے۔

یہی ابراہیم بن مہدی کہتے ہین کہ مجھے جیسی ندامت ایک دن
بہن علیہ کے سامنے ہوئی زندگی بھر نہین ہوئی تھی۔ وہ کچھ بیمار تھین مین عیادت
کو گیا۔ پوچھا "بہن کیسی ہو؟ اور کیا حال ہے؟" اُنھون نے جواب دیا "الحمد للہ
اچھی ہون" وہ یہ کہہ رہی تھین کہ میری ایک آفت روزگار و ماہ پارہ کنیز کے
دلفریب چہرے پر نظر پڑ گئی جو اُن کے پیچھے کھڑی مگس رانی کر رہی تھی۔ اُس کا
پیارا مکھڑا مجھے ایسا بھلا معلوم ہوا کہ اُس کے دیکھنے مین محو اور دنیا و مافیہا
سے بیخبر ہو گیا۔ اس محویت سے یکایک چونکا۔ اور بہن کی طرف متوجہ ہو کے
پھر پوچھا۔ آپ کیسی ہین؟ اور کیسا مزاج ہے؟" میرے اس سوال پر اُنھون
نے سر اُٹھایا۔ مڑکے اپنی اُس کنیز کو دیکھا اور پھر لیٹ کے مجھ سے کہا "ایک بار
یہی تم مجھ سے پوچھ چکے اور مین اس کا جواب بھی دے چکی" اُن کے ان الفاظ
سے مجھ پر گھڑون پانی پڑ گیا۔ اور مارے ندامت کے اُٹھ کر چلا آیا۔

ایک بار مرحوم خلیفہ ہادی کا بیٹا اسمٰعیل مامون کے پاس گیا تو وہان
زنانی حرم سرا کی طرف سے ایک ایسا نغمہ دلکش و روح افزا سُنا کہ مست
ہو گیا۔ اور ہوش و حواس بجا نہ رہے۔ مامون نے یہ حالت دیکھ کے
پوچھا "کیون؟ خیریت تو ہے؟" اُس نے عرض کیا "امیرالمومنین۔ ایسا نغمہ سُن کر انسان
کہ بیخود ہوا جاتا ہون۔ آج معلوم ہوا کہ لوگ جو کہتے ہین کہ ارغنون رومی کا
نغمہ سُن کے انسان کو شادی مرگ ہو جاتا ہے بالکل صحیح ہے۔ اب مجھے
اس کا یقین ہو گیا" مامون نے پوچھا "اور کچھ سمجھے بھی کہ یہ ہے کیا؟" مین نے
عرض کیا "خدا کی قسم نہین سمجھا" کہا "یہ تمھاری پھوپی علیہ ہین جو تمھارے

چچا ابراہیم کو اپنی ایک دُھن سکھا رہی ہین۔
اگرچہ موسیقی نے بظاہر علیہ کی شاعری کو مغلوب کر لیا تھا۔ اس لیے کہ اُس کے جتنے اشعار سُنے گئے ہین سب گانے اور اُن مین دھنین قائم کرنے کے لیے تھے۔ مگر نہین۔ وہ پوری شاعرہ تھی۔ اُس کے کلام کو موسیقی سے معریٰ کر کے دیکھیے تو پورے کمالات شاعری کا پتہ چلتا ہے۔ وہ فی البدیہہ کہتی تھی اور بہت اچھا کہتی تھی۔ چنانچہ اپنے بھائی علی بن مہدی کی بیٹی لُبانہ کی تعریف مین اُس نے دو ایسے پاکیزہ شعر کہے کہ جس نے سُنے داد دینے لگا۔
اس کی ڈیوڑھی پر ایک داروغہ تھا سباع۔ علیہ کو اس کی بددیانتی کی خبر پہونچی۔ اُسے پٹوایا اور قید کر دیا۔ محلہ والون کو اُس شخص سے ہمدردی تھی۔ سب نے مل کے اُس کی سفارش مین ایک عرضی علیہ کے ملاحظے مین پیش کی۔ علیہ نے اُس عرضی پر فی البدیہہ تین شعر کہہ کے لکھ دیے۔ جن سے جواب شافی ملتا تھا کہ سباع قابل اعتبار نہین۔ اُس کا جرم ثابت ہے۔ اور اُس کی سفارش بے محل اور بے وجہ ہے۔
مامون رشید ہی کے زمانے سنہ ۲۱۰ھ مین علیہ نے پچاس برس کی عمر مین انتقال کیا۔ ابھی اُس کے مرنے کے دن نہ تھے۔ مگر ایک ایسا عجیب واقعہ پیش آگیا۔ کہ علیہ کو مارے غیرت کے دنیا سے مُنہ چھپا لینا پڑا۔ ہوا یہ کہ مامون کے اصرار سے اُس نے ایک نغمہ گایا اُس کی دھن ایسی دلکش اور بیخود کر دینے والی تھی کہ مامون بیخود ہو کے اُٹھ کھڑا ہوا اور بے اختیار پھوپی کو گلے سے لگا کے پیار کر لیا۔ اگرچہ اس حالت مین بھی علیہ کے مُنہ پر نقاب تھی اور مامون کے ہونٹ اُس کے ہونٹون سے مس نہین ہوئے۔ مگر علیہ کے دل کو ندامت کا ایسا شدید دھچکا پہونچا کہ اُسی وقت بخار چڑھ آیا اور اُس بخار اور کھانسی نے تین ہی چار روز کے اندر اُس کی زندگی کا چراغ گل کر دیا۔
سچ یہ ہے کہ ایک پاکدامن امیرزادی کے لیے اس سے زیادہ شریفانہ موت نہین ہو سکتی۔

مگر مرنے کے بعد بھی علیہ ایسی مقبول عام اور نادر روزگار یادگارین چھوڑ گئی تھی کہ خلافت عرب کی مہذب اور امیرانہ صحبتون مین ہمیشہ اُس کی یاد تازہ رہتی۔ اور ہر محفل طرب مین اُس کا نام عزت سے لیا جاتا۔

زمانۂ مابعد مین شہرت پانے والی مغنیۂ عرب عریب کہا کرتی تھی کہ میری زندگی مین سب سے بہتر اور دلکش وہ دن تھا جس دن مین علیہ کی صحبت مین گئی۔ اُن کے بھائی ابراہیم اور یعقوب بھی اُن کے پاس بیٹھے تھے یعقوب سُر دینے مین اپنا جواب نہ رکھتے تھے۔ چنانچہ وہ سُر دینے لگے اور علیہ نے خاص اپنی ایجاد کی ہوئی دُھنین گانا شروع کین۔ اُن کے بھائی ابراہیم نے چند اپنی دُھنین گائین۔ اور یعقوب اُن کے ساتھ بھی سُر دیتے رہے۔" یہ واقعہ بیان کر کے عریب کہنے لگی ایسا نغمۂ دلکش مین نے کبھی زندگی مین نہ اُس سے پہلے سُنا تھا۔ نہ اُس کے بعد سُنا۔ اور نہ آیندہ سننے کی امید ہے۔

بعد کے بعض خلفائے آل عباس اس بات کو چھپانا چاہتے تھے کہ اُن کے خاندان کی ایک محترم خاتون گاتی بجاتی تھی۔ چنانچہ موسیٰ ہادی کا پوتا محمد بن اسمعیل کہتا ہے ایک دن مین معتصم باللہ کی صحبت عیش مین شریک تھا۔ مشہور مغنیون مین سے مخارق۔ علویہ۔ محمد بن حارث اور عقید بیٹھے ہوے تھے۔ عقید گا رہی تھی۔ اور مین سرود چھیڑتا تھا۔ گاتے گاتے اُس نے ایک چیز گائی جس کا مضمون یہ تھا کہ "ملامت کرنے والے تھک کے سو گئے۔ اور میری آنکھ نہ لگی۔ میرے مرض سے شکایت کرنے والے تیمارداروں کو شفا ہو گئی۔ اور میری وہی حالت ہے" یہ نغمہ سُن کے معتصم انتہا سے زیادہ محظوظ ہوا۔ اور پوچھا "یہ کس کے اشعار ہین؟ اور کس کی بنائی ہوئی دُھن ہے؟" جواب مین اور سب تو خاموش رہے مگر مین بول اُٹھا "دونون چیزین علیہ کی ہین!" سنتے ہی معتصم نے میری طرف سے مُنھ پھیر لیا۔ ساری محفل مین سناٹا چھا گیا۔ اور مین اب سمجھا کہ مجھ سے غلطی ہو گئی جو علیہ کا نام زبان سے نکالا۔ میری ندامت کو آخر معتصم نے محسوس کیا۔ اور کہا "محمد پریشان نہ ہو۔ اس کا جرانم

مجھ پر پڑتا ہے وہی تم پر بھی پڑتا ہے"
مگر خلیفہ منتصر کی یہ حالت نہ تھی۔ اس کا مذاق ہی اور تھا۔ اُس کی محفل طرب مین بُنان مغنیہ نے ایک دلکش نغمہ گایا۔ جس کے اشعار کا مضمون یہ تھا کہ "قصر برک کی ملکہ! اور بادشاہ و رعایا دونون کی حاکم! اللہ ہمارے قتل سے درگزر۔ ہم نہ دیلم مین نہ ترک" یہ نغمہ گا کے بنان بے اختیار ہنس پڑی۔ منتصر نے پوچھا "اس مین ہنسنے کی کون بات تھی؟" عرض کیا۔ "مجھے یہ خیال کر کے ہنسی آئی کہ اس گیت کا مصنف کتنا بڑا معزز شخص تھا؟ دُھن قائم کرنے والا کس پایہ کا تھا؟ اور سننے والا کتنا بڑا شخص ہے؟" منتصر نے کہا "صاف صاف بیان کرو کہ مجھے بھی لطف آئے" عرض کیا "یہ شعر ہرون رشید کا ہے۔ دُھن علیہ بنت مہدی کی ہے۔ اور سننے والے امیرالمومنین المنتصر باللہ ہین۔ یہ جواب منتصر کو بہت ہی پسند آیا۔ چنانچہ اس نغمہ کو وہ اکثر مغنیون سے بار بار گوا کے سنا کرتا۔
عریب کا شاگرد میمون بن ہرون مغنی کہتا ہے "مین نے ایک دن خواب مین دیکھا کہ علیہ بنت مہدی میرے سامنے آئی ہین۔ اور مین اُن سے پوچھ رہا ہون کہ خاص آپ کی ایجاد کی ہوئی کتنی دھنین ہین؟ اُنھون نے بتایا پچاس سے زیادہ اس کے بعد مین نے اپنی گانے کی اُستانی عریب سے اس خواب کا تذکرہ کیا تو وہ بولین "بے شک اُن کی دھنین اتنی ہی ہین"۔
متوکل کے عہد مین ایک مقبول و مشہور مغنیہ تھی خشف واضحیہ اُس سے اور عریب سے متوکل کے سامنے اس پر اختلاف ہوا کہ علیہ کی نکالی ہوئی کتنی دُھنین ہین۔ خشف نے بہتر دُھنین بتائین۔ عریب نے کہا "نہین بہتر ہی ہین"۔ متوکل نے کہا "اس کی سند نہین۔ اُن کی وہ سب دُھنین مجھے گا کے سناؤ" دونون نے علیہ کی دُھنون کو گانا شروع کیا۔ یہان تک کہ پوری بہتر دھنین گا گئین۔ بہترہوین دُھن خشف نے حافظے پر لاکھ زور ڈالا نہ یاد آئی۔ اور عریب کے مقابل اُسے خفیف ہونا پڑا۔ نہایت ہی دل شکستہ گھر مین آئی۔ رات کو خواب مین کیا دیکھتی ہے کہ علیہ آئی ہین اور کہہ رہی ہین کہ "خشف عریب نے تم سے اختلاف تو کیا مگر حق پر تھین۔ میری وہ دُھن جس کو تم بھول گئین یہ ہے"

یہ کہہ کے اُنھون نے وہ دُھن گا کے بتائی۔ اور اس طرح گائی کہ میرے دل پر نقش ہو گئی۔ اور جیسا اُنھون نے گایا ویسا نغمہ مین نے زندگی بھر نہین سُنا تھا۔ اس خواب مین علیہ نے مجھے اور بھی بہت سے رموز موسیقی بتائے۔

صبح کو مین اُٹھی تو مارے خوشی کے جامے سے باہر تھی۔ سویرے ہی متوکل کی خدمت مین حاضر ہوئی۔ خواب کا واقعہ بیان کر کے وہ دُھن سُنا دی عریب بھی بلوائی گئی تھی اُس نے سُن کر کہا "اس دُھن کو تو مین مانے لیتی ہون کہ علیہ کی ہے۔ مگر یہ خواب تمھارا تصنیف کیا ہوا معلوم ہوتا ہے" مین نے اس پر قسمین کھائین تو خلیفہ کو یقین آیا اور اُنھون نے تسلیم کر لیا کہ واقعی مجھے رات کو علیہ کی زیارت نصیب ہوئی"

مدینۂ طیبہ کے یہود کی ابتدا

جب حضرت رسول خدا محمد مصطفیٰ صلعم نے مشرکین مکہ کے ستانے سے عاجز آ کے وطن کو خیرباد کہی اور مدینۂ یثرب مین جا کے توطن اختیار کیا اُس وقت وہان اور اطراف و جوانب مین کثرت سے یہود آباد تھے مگر اُن پر غالب یمن کے قحطانی النسل قبائل اوس و خزرج تھے جو قدیم مذہب بت پرستی پر قائم تھے۔ ایک مورخ کے لیے غور طلب یہ امر ہے کہ یہودی قبائل اور اُن کے ساتھ رہنے والے مشرکین اوس و خزرج یہان کب آئے اور کیونکر اس گمنام و مجہول الحال شہر مین پہونچ کے آباد ہوئے۔

مدینے کے پہلے رہنے والے اور اُس کے حکمران یہود کے قبائل بنی قریظہ اور بنی نضیر تھے۔ یہ دونون قبیلے کاہن کہلاتے تھے۔ اور اس لقب کی وجہ یہ بتائی جاتی ہے کہ حضرت موسیٰؑ کے بھائی جناب ہرون کے ایک فرزند کی نسل سے تھے جن کا نام کاہن تھا۔ یہ لوگ حضرت موسیٰؑ کی وفات کے بعد اور جنوبی عرب کے مشہور سیلاب عرم سے پہلے یہان آ کے آباد ہوئے تھے۔ اُن سے پہلے مدینۂ یثرب مین نسل عمالقہ کی ایک قوم رہتی تھی

جو فنا ہو گئی اور اُس کا نام و نشان بھی مٹ گیا۔ عمالقہ ابتدائی عہد مین بڑے ذی شوکت اور سرکش لوگ تھے۔ اور مختلف شہرون مین پھیل گئے تھے۔ اُن کے جو خاندان مدینے مین آ کے مقیم ہوئے بنی ہف بنی سعد بنی ازرق اور بنی مطرق تھے۔ اُن کے دور حکمرانی مین فرمان روا شہر یار حجاز ارقم نام ایک شخص تھا جو تیما اور فدک کے درمیان مین رہتا تھا۔ اور اُن کی نسل اس قدر بڑھی اور پھیلی کہ مدینہ اُن سے بھر گیا۔ چارون طرف کثرت سے اُن کے باغ تھے۔ اور سر سبز کھیتیان تھین۔ یہی لوگ جبارین کے لقب سے یاد کیے گئے۔ جبارین وادی القری کی سرکوبی کے لیے حضرت موسیٰ نے اپنی اسرائیلی فوجین بھیجی تھین۔ جن کو حکم دیا کہ وہان پہونچتے ہی اُن سب مشرک سرکشون کو قتل کر ڈالنا اور ایک کو بھی زندہ نہ چھوڑنا۔ حضرت موسیٰ کا یہ لشکر حجاز مین آیا۔ عمالقہ پر فتحیاب ہوا۔ اور اُن مین سے جتنے ملے سب کو قتل کر ڈالا۔ فقط اُن کے فرمان روا ارقم کا ایک کمسن لڑکا زندہ بچ گیا۔ یہ لڑکا بہت خوبصورت اور شکیل تھا۔ اُس کی بھولی صورت دیکھ کے اسرائیلیون کو اُس کے قتل کرنے مین تامل ہوا۔ اور باہم طے پایا کہ اُسے حضرت موسیٰ کے پاس زندہ پکڑ لے چلین۔ اُنھین جو مناسب معلوم ہو گا کرین گے۔ چنانچہ اُس کو گرفتار کر کے ساتھ لیا اور واپس گئے۔ ارض سینا مین پہونچے تو حضرت کلیم اللہ وفات پا چکے تھے۔ بنی اسرائیل نے اُن لوگون سے اُن کی سرگذشت پوچھی تو اُنھون نے سب حال بیان کر دیا۔ اور کہا "بجز اس ایک لڑکے کے ہم نے کسی کو زندہ نہین چھوڑا۔ اور اس کو چھوڑا تو محض اس کی خوبصورتی اور فراست کی وجہ سے اور اُسے بھی آزاد نہین کیا بلکہ گرفتار کر کے ساتھ لیتے آئے ہین"۔ یہ حالات سُن کے بنی اسرائیل نے کہا "یہ تو تم نے حکم رسالت کی نافرمانی کی۔ تم سب کے قتل کر ڈالنے کا حکم تھا۔ اس لڑکے کو زندہ کیون رکھا؟ اب اس نافرمانی کی یہ سزا ہے کہ ہم تم کو اپنے گروہ مین نہ لین گے۔ اور نہ اپنے ساتھ ارض فلسطین مین رہنے دین گے"۔

بنی اسرائیل نے اُن کو اپنے گروہ سے نکال دیا تو اُنھون نے باہم مشورہ کیا۔ اور یہ قرار پایا کہ "جب ہماری قوم والے ہمین اپنے ساتھ نہین رہنے دیتے تو ہم وہین چل کے کیون نہ ٹھہرین جہان سے آئے ہین اور جس

سرزمین کو اپنی قوت بازو سے فتح کیا ہے مقتول عمالقہ کے مکان خالی اور سونے پڑے ہیں چلو اُنھیں کو آباد کریں" اس تجویز کے مطابق سب لوگ پھر ارض حجاز میں واپس آئے۔ اور مدینے میں آباد ہو گئے۔ یہی اسرائیلی لشکر مدینے میں یہود کی پہلی آبادی ہے۔ چند روز میں جب اُن کی نسلیں بڑھیں اور مدینے میں جگہ نہ رہی تو اُن کی شاخیں مدینے کے شمالی جانب پھیلنا شروع ہوئیں۔ وہاں کے زرخیز و شاداب مقاموں میں اُنھوں نے جائدادیں پیدا کیں۔ کھیت جوتے بوئے اور مدت تک برابر کامیابی سے پھولتے پھلتے رہے۔

مدت ہائے دراز کے بعد جب شام میں رومیوں نے بنی اسرائیل پر حملہ کیا تو اُنھیں پامال اور گرفتار کرنے لگے۔ اور جہاں اسرائیلی ملتے تہ تیغ کیے جاتے۔ اُن کی عورتیں لونڈیاں بنا بنا کے رومیوں کے حرموں میں داخل ہوتیں اُس وقت فلسطین کے یہودیوں میں سے قبائل بنی نضیر۔ بنی قریظہ اور بنی بہدل کے بہت سے لوگ مع اہل و عیال کے بھاگ کے مدینے میں آئے۔ اور یہیں فروکش ہو گئے۔ اُن کے چلے آنے کا حال قیصر روم نے سُنا تو اُن کے واپس لانے کے لیے اپنی فوجیں بھیجیں۔ مگر شام سے حجاز تک ایسا لق و دق صحرا ہے کہ رومی چند ہی منزلوں میں تنگ آ گئے۔ تاہم قیصر کے حکم سے برابر بڑھتے چلے آئے یہاں تک کہ مقام ثمر تک پہونچتے پہونچتے شدت تشنگی و گرسنگی سے سب ہلاک ہو گئے۔ اور اِسی واقعے کی یادگار میں مقام ثمر "ثمر الروم" مشہور ہو گیا۔

یہ تازہ وارد اسرائیلی قبائل مدینے میں آئے تو پہلے شہر کے باہر مقام غابہ میں ٹھہرے۔ مگر وہاں کی زمین بالکل خشک و بے گیاہ تھی۔ ایک شخص کو روانہ کیا کہ گرد و نواح میں پھر کے آباد ہونے کے لیے اچھی جگہ ڈھونڈھ نکالے۔ وہ پھرتا پھراتا شمال کی طرف وادی بطحان اور مُحذور میں پہونچا۔ وہاں کی زمین سیراب پائی۔ اور پانی میٹھا تھا فوراً واپس آ کے یہود کو خبر کی۔ چنانچہ اُسی وقت بنی نضیر وادی بطحان میں اور بنی قریظہ اور بنی بہدل وادی مُحذور میں فروکش ہو گئے۔

اب مدینے اور اُس کے اطراف مین یہودی ہی یہودی تھے۔ اور اُن کے مشہور قبیلے حسب ذیل تھے:۔ بنی عکرمہ۔ بنی ثعلبہ۔ بنی معمر۔ بنی زعوزہ۔ بنی قینقاع۔ بنی زید۔ بنی نضیر۔ بنی قریظہ۔ بنی بہدل۔ بنی عوف۔ اور بنی نصیص۔ یہی تمام آباد و شاداب زمینون کے مالک تھے۔ اِنھین کے ہاتھ مین حکومت تھی اور جو کچھ تھا اُنھین کا تھا۔ ان مین سے جو لوگ خاص یثرب کے اندر آباد تھے زیادہ شریف۔ زیادہ دولتمند۔ اور تمام یہود مین زیادہ معزز تصور کیے جاتے۔ ان مین بنی قریظہ اور بنی نضیر کو زیادہ خصوصیت حاصل تھی۔ اس لیے کہ وہی کاہن بن ہرون کی اولاد مین سمجھے جاتے تھے۔

انھین مین ملے ہوے مگر مغلوب و مقہور بعض قدیم عربی النسل خاندان بھی تھے جن کے قبائل حسب ذیل تھے:۔ بنی حریان یہ یمن کا ایک خاندان تھا۔ بنی مرثد۔ بنی نیف یہ دونون قبیلے بنی بلی کی شاخین تھین۔ بنی سلیم کا ایک گروہ جو بنی معادیہ کہلاتا اور بنی غسان کا ایک گھرانا جو بنی شطیبہ کہلاتا تھا۔

یہود یثرب کو یہ امتیاز حاصل تھا اور بلا شرکت احدے انا ولا غیری کا ڈنکا بجا رہے تھے کہ یمن کے قدیم شہر مآرب مین سیلاب کی بلائے عظیم نازل ہوئی۔ بند کے ٹوٹنے سے اتنا بڑا سیلاب عظیم آیا کہ بنی ازد کا قدیم قحطانی النسل زبردست قبیلہ تباہ ہوگیا۔ اور اُس کے تمام لوگ بے خانمان ہوگئے۔

اس تباہی و بربادی کے موقع پہ اُن کے ایک شیخ نے سب کو جمع کر کے کہا ،، سنو تم مین سے جس کے پاس اونٹ ہون دودھ ہو۔ اور مشکیزہ ہو وہ اس مقام کو چھوڑ کے ارض شنوءہ کے شہر شنی مین چلا جائے اور وہان کی سکونت اختیار کرے۔ جو کوئی فقر و فاقہ مین مبتلا ہو مصائب زمانہ کو صبر سے برداشت کر سکتا ہو وہ بطن مُر مین چلا جائے جو شراب و کباب حکومت و فرمان روائی اور دیبا و حریر کا شوق رکھتا ہو بلاد بُصریٰ و حفیر کی راہ سے جو ملک شام کے جنوب مین ہین۔ جو لوگ بلند جو صلہ ہون مضبوط سواریان اور کافی زاد راہ رکھتے ہون وہ قصر عمان کی طرف

جائین۔ اور جو لوگ نرم زمین مین ٹیلے اور وطن ہی مین پیدا ہونے والی غذا چاہتے ہون وہ شہر یثرب کی راہ لین۔ اس لیے کہ وہان کھجور کے باغون کی کثرت ہے "

تباہی زدہ بنی ازد نے اس مشورے کے مطابق مختلف مقامات مین جا جا کے سکونت اختیار کی اور جہان گئے وہان نئے نامون اور لقبون سے مشہور ہوے جو ازدی شنوءہ مین گئے ازد شنوءہ مشہور ہوئے۔ جو ازدی بطن مُر مین جا کے مقیم ہوے وہ خزاعہ کہلائے۔ جو ازدی جنوبی شام مین چلے گئے۔ غسان نام ایک چشمۂ آب پر ٹھہرنے کی وجہ سے بنی غسان مشہور ہوئے۔ جو ازدی قصر عمان مین گئے وہان کی جانب منسوب ہوئے اور ان ازدیون مین سے جو یثرب مدینہ مین آ کے ٹھہرے وہ اَوس و خزرج ہین۔

یہ دونون ازدی الاصل قبیلے جب مدینہ یثرب مین پہونچے تو پہلے ایک ایسے بلند ٹیلے پر فروکش ہوئے جہان تک پانی نہ پہونچ سکتا تھا۔ اس تکلیف سے چند ہی روز کے اندر وہ منتشر ہونے لگے۔ بعض تو ایسی بے گیاہ زمینون مین جا کے مقیم ہوئے جہان اُس پاس کوئی اور نہ تھا۔ بعض اطراف و نواح کے گاؤن مین پہونچے اور اور لوگون کے ساتھ مل کے رہنے لگے۔ مگر سب کی عام حالت یہ تھی کہ مصیبت و تنگدستی مین مبتلا تھے۔ اور مشقت و بے نتیجہ جد و جہد مین زندگی بسر کرتے تھے۔ نہ اُن کے پاس اُونٹ تھے۔ نہ بکریان تھین۔ نہ اُن کے قبضے مین باغ تھے۔ نہ کھیتی کی زمینین تھین۔ کسی کے پاس بجز اُن قطعات زمین کے جن مین بہت ہی کم پیدا ہو سکتا ہو کچھ نہ تھا۔

ایک مدت مدید تک دونون آزدی قبائل اَوس و خزرج اسی افلاس و تنگدستی کی حالت مین مبتلا رہے۔ یہان تک کہ اُن مین ایک شخص مالک بن عجلان سفر کر کے ارض شام مین بنی غسان کے فرمانروا ابو جبیلہ غسانی کے پاس گیا۔ ابو جبیلہ کو جب یہ معلوم ہوا کہ وہ اس کا ہم نسب ازدی الاصل ہے تو اُس کی قوم اور مسکن کے حالات پوچھے

اُس نے جو حالت تھی بیان کر دی کہ "ساری قوم سخت ذلت و مصیبت مین مبتلا ہے۔ تنگدستی و فلاکت کی کوئی حد نہین۔ اور فلاح کی کوئی صورت نہین نظر آتی۔" یہ واقعات سُن کے ابو جبیلہ بولا "خدا کی قسم ہماری نسل کی کوئی قوم آج تک کسی شہر مین جا کے نہین ٹھہری کہ وہان سب لوگون پر غالب آ گئی ہو۔ تمھاری قوم کی یہ حالت افسوسناک اور ہمارے لیے موجب ننگ ہے۔" پھر اُس نے کہا "تم اپنی قوم مین واپس جاؤ۔ اور سب کو خبر کر دو کہ مین اُن کی مدد کے لیے آتا ہون۔"

اُس کا یہ پیام لے کے مالک بن عجلان واپس آیا اور اپنے قبیلے والون کو شاہ غسان کی آمد کی خبر سُنائی۔ اُس کے ساتھ ہی اُس نے یہود کو بھی اطلاع دی کہ تاجدار غسان تمھارے شہر کی سیر کو آتا ہے۔ اُس کی دعوت اور اُس کے ٹھہرنے کا بندوبست کر رکھو۔ چند ہی روز بعد ابو جبیلہ ایک زبردست لشکر کے ساتھ یثرب مین آ پہونچا اور مقام ذی حرض مین خیمہ زن ہوا۔ اُس نے آتے ہی اوس و خزرج کے پاس کہلا بھیجا کہ "یہود کو ابھی دھوکے مین رکھنا تاکہ آسانی سے اُن کے سرغنا عمائد اور شرفا قتل ہو جائین اور اس کی نوبت نہ آنے پائے کہ وہ اپنے قلعون مین جا کے پناہ گزین ہو جائین۔ اور ہمین مدت تک محاصرہ کرنا پڑے۔"

اس کے بعد شاہ غسان نے اپنے پڑاؤ مین ایک وسیع احاطہ کھچوایا اور یہود کے پاس کہلا بھیجا کہ بادشاہ غسان آپ لوگون سے ملنا چاہتا ہے۔ یہ پیام پہونچتے ہی وقت مقررہ پر تمام اکابر یہود اور تقریباً وہ سب جو اُن مین کچھ حیثیت رکھتے تھے اُس کی لشکرگاہ مین آ کے جمع ہو گئے۔ اور ہر شخص اس شان اور آن بان سے آیا کہ اپنے ساتھ اپنے غلامون اور خدم و حشم کا ایک جلوس بھی لیتا آیا۔ ان لوگون کے جمع ہو جانے کے بعد اُس نے حکم دیا کہ اُس کے سپاہی دعوت کے بہانے تھوڑے تھوڑے لوگون کو اس احاطے مین لیے جائین۔ اور وہان فوراً قتل کر ڈالین۔ اس طریقے سے جتنے یہودی جمع ہوئے تھے سب قتل کر ڈالے گئے۔ اور دوسرے دن جب اس کی خبر مشہور ہوئی تو یہود مین کہرام مچ گیا۔ بنی قریظہ کی ایک عورت سارہ نے

اُن مقتول یہود کا مرثیہ لکھا۔ اور اُس کے جواب میں عتبہ ابن سالم نام ایک خزرجی شاعر نے جو رقّ کے لقب سے مشہور تھا۔ ابو جبیلہ کی مدح میں ایک قصیدہ کہا۔ ابو جبیلہ اُس قصیدے کو سُن کے بہت خوش ہوا۔ اور کہا "ذرا اپنے اس شاعر کو میرے سامنے تو لاؤ" لوگ لے گئے۔ مگر جب اُسے دیکھا تو نہایت ہی حقیر و کمرو پا کے کہنے لگا "پاکیزہ شہد اور خراب برتن میں"۔ چنانچہ یہ فقرہ اُسی وقت سے ضرب المثل ہو گیا۔

شاہ غسان نے اوس و خزرج سے کہا "ان لوگوں کے تمام عالی مدار ارکان کو میں نے قتل کر ڈالا اس کے بعد بھی تم اپنے دست و بازو سے غلبہ نہ حاصل کر سکو تو میں سمجھوں گا کہ تم کچھ نہیں ہو" یہ کہہ وہ اپنے ملک میں واپس چلا گیا۔

اس کے بعد بھی مدت تک یہی حال تھا کہ یہود اوس و خزرج کو اُبھرنے نہ دیتے اور اُن کی ترقی میں مزاحم ہوتے۔ اُن کے اس برتاؤ سے تنگ آ کے ایک دن مالک بن عجلان نے اپنے قبیلے والوں سے کہا۔ جیسا غلبہ ہم حاصل کرنا چاہتے ہیں یہود ہمیں خدا کی قسم نہ حاصل ہونے دیں گے۔ آؤ اُن کی ویسی ہی ایک دعوت اور کریں۔ چنانچہ سب کے مشورے سے اُس نے دعوت کا سامان کیا اور سو منتخب معزز یہود کو مدعو کیا۔ انھوں نے پہلے آنے میں عذر کیا اور گزشتہ دغابازی کو یاد دلایا۔ مگر جب اُن سے کہا گیا کہ "وہ کام ابو جبیلہ کا تھا جس کے ہم نہایت خلاف تھے اور اُسے اس سے منع کرتے رہے۔ ہم تمھارے پرانے رفیق ہیں بھلا ہم کیوں بے وفائی اور دغا بازی کرنے لگے۔ اس دعوت کا اصلی منشا یہ ہے کہ درمیان میں جو ملال پیدا ہو گیا ہے دور ہو۔ اور آپ کو ہماری دوستی کا ثبوت ملے" اس جواب پر مطمئن ہو کے سب یہودی جو بلائے گئے تھے چلے آئے۔ یہاں جو شخص آتا ایک معزز مقام میں لیجا کے قتل کر ڈالا جاتا۔ جب بہت سے یہودی قتل ہو چکے تو ایک نے مالک کے دروازے کے پاس کان لگایا۔ اور سناٹا دیکھ کے بولا "یہ کیا تماشا ہے کہ جاتے سب ہیں مگر واپس کوئی نہیں آتا؟" فوراً بدگمان ہو کے باقی ماندہ لوگوں کو ہوشیار کر دیا۔ اور سب باقی ماندہ یہود چلے گئے۔

اب اس واقعے سے یہود کی قوت اس قدر ٹوٹ گئی تھی کہ پھر کبھی سر نہ اُٹھا سکے چنانچہ وہ ذلیل اور اوس و خزرج کے مطیع و منقاد تھے۔ بلکہ جب کسی پر کوئی زیادتی ہوتی تو وہ بجائے یہود سے مدد مانگنے کے اوس و خزرج کے پاس آ کے خوشامد کرتا۔ اور اُن کی مہربانی کا امیدوار ہوتا۔

ابو دُلامہ

ایک روز کا واقعہ ہے کہ ابو دُلامہ مہدی کے دربار مین خاموش کھڑا تھا کہ مہدی نے اُس کی طرف دیکھا اور ہنس کے پوچھا "ابو دُلامہ سچ سچ بتاؤ ہمارے اعزا و اقارب اور ہمارے خاندان والون مین سے کوئی بھی باقی ہے جس نے تمھارے ساتھ کچھ سلوک نہ کیا ہو؟" عرض کیا "اس بارے مین غلام کو معاف ہی رکھا جائے تو بہتر ہے" مہدی نے اصرار کیا کہ "نہین تمھین بتانا ہو گا۔" خلیفہ نے اصرار کیا تو ہاتھ جوڑ کے جان کی امان مانگی۔ اور اُس نے وعدہ کیا کہ تم کو کوئی نقصان نہ پہونچے گا۔ یون اطمینان کر کے عرض کیا "امیر المومنین میرے ساتھ حضور کے تمام اعزا نے کچھ سلوک ضرور کر چکے ہین ایک نہین توجہ کی تو حضور کے محترم عزیز خاتم آل عباس یعنی نگین بنی عباس نے" پوچھا "وہ کون؟" کہا "حضور کے محترم چچا عباس بن محمد جو تمام عباسیون مین زیادہ سربرآوردہ اور سب مین بڑے تھے۔" اُن پر نکتہ چینی سنتے ہی مہدی کو طیش سا آگیا۔ ایک غلام کی طرف جو شمشیر برہنہ کھینچے سامنے کھڑا تھا دیکھ کے کہا "اس حرامزادے کا سر تو کاٹ لاؤ۔" غلام فوراً تلوار لے کے جھپٹا۔ مگر ابو دُلامہ کو اتنے دنون کی درباداریون اور آزادانہ بیباکیون نے اس قدر جری و مستقل مزاج بنا دیا تھا کہ ذرا بھی پروا نہ کی۔ اور غلام قریب آیا تو جھڑک کے کہا "نالائق غلام اُدھر ہٹ۔ اور اپنے آقا کا عہد نہ توڑ۔ تو نے سنا نہین کہ وہ ابھی ابھی مجھے امان دے چکے ہین؟" زبان کے اِس فقرے پر مہدی کو ہنسی آگئی۔ اور اب

وہ غصہ دور ہوا تو کہا "ابودُلامہ تم کہتے سچ ہو۔ وہ نہایت درجہ کنجوس ہین"
ابودُلامہ بولا "حضور ایسا نہ فرمائین۔ وہ تو بہت بڑے سخی ہین" مہدی نے کہا
"کیا لغو بکتے ہو۔ اُن کے سامنے تڑپ کے مر بھی جاؤ گے تو جھنجی کوڑی نہ دین گے"
ہاتھ جوڑ کے عرض کیا "مین اگر جاؤن گا تو کچھ مار ہی لاؤن گا۔ مہدی بولا "اچھا
جاؤ لاؤ۔ دیکھون کیسے لے آتے ہو۔ اور وعدہ کرتا ہون کہ اُن سے جو کچھ لاؤ گے
اُس کا تگنا مین دون گا" یہ اقرار کرکے ابودُلامہ مہدی سے رخصت ہو کے گھر
آیا۔ ایک اعلیٰ درجے کا قصیدہ عباس بن محمد کی شان مین کہا جو نہایت ہی مشہور
ومقبول ہوا۔ اس لیے کہ آپ نے اُس مین یہ مضمون موزون کیا تھا کہ ایک پری
جمال لونڈی معرض بیع مین ہے مین اُس کے شوق مین دیوانہ ہو رہا ہون۔ اور
آپ کے پاس آیا ہون کہ اُس کی خریداری مین میری مدد کیجیے۔

اس قصیدے کو جب ابودُلامہ نے لا کے عباس کو سنایا تو وہ
بہت ہنسے اور پوچھا "جو کچھ تم نے موزون کیا ہے یہ سچ ہے یا فقط بات بنائی ہے؟"
کہا "جی بالکل ٹھیک ہے" اس جواب پر اُنھون نے اپنے تحویلدار غلام کو حکم
دیا کہ اس کنیز کی قیمت کی بابت دو ہزار درہم ابودُلامہ کو دیدو۔ اور ابودلامہ
سے کہا "لو یہ رقم لو۔ اور اس لونڈی کی خریداری مین مجھے شریک کرلو" ادب سے
جواب دیا۔ بہت خوب۔ حضور کی یہ شرط نہایت ہی مناسب ہے۔ مگر ایک بات ہر
ضرورت ہے کہ اُس کے ساتھ اسی وقت ایک اور کنیز بھی خرید لی جائے تاکہ
جس دن وہ حضور کے پاس رہے وہ دوسری میرے پاس چلی آئے۔ اور
جس دن وہ میرے پاس ہو وہ دوسری حضور کی خدمت مین حاضر ہو جائے"
اس جواب پر نہایت ہی بگڑ کے عباس نے کہا "خدا تجھے غارت کرے۔ کس قدر
بیہودہ اور گستاخ ہے۔ جا یہ درہم بھی لیجا۔ اور اُس لونڈی کو بھی لے"

ہرحال وہ رقم لے کے آپ سیدھے مہدی کے پاس آئے۔ اور
درہمون کی تھیلی دکھا کے کہا "آپ کے چچا سے یہ دو ہزار درہم لے آیا۔ اب
اپنا وعدہ پورا کیجیے" پورے واقعے کو سن کے مہدی مارے ہنسی کے لوٹ
گیا۔ اور حسب وعدہ چھ ہزار درہم اپنے پاس سے دے کے رخصت کیا۔

ایک بار آپ اتفاقاً کوفے مین گئے۔ وہان مقیم تھے کہ چند مہمان آ گئے اور اُن کی ضیافت کی ضرورت پیش آئی۔ کوفے مین اُن دنون ایک سندھ کی رہنے والی کلوارن نبیذ بیچا کرتی تھی۔ آپ نے اُس کے پاس آدمی بھیجا۔ اور اُس نے نبیذ کا ایک سبوچہ بھیج دیا۔ سارے سبوچے کو آپ اور یاران صحبت پی گئے مگر ہوس نہین پوری ہوئی۔ دوبارہ اُسی کلوارن کے پاس آدمی بھیجا وہ ایک دوسرا سبوچہ لیے ہوے خود چلی آئی۔ اور کہا "دونون سبوچون کے دام دلوایئے" آپ نے فرمایا "سندھی کلوارن میرے پاس دام وام تو ہین نہین۔ لیکن ہان تمھاری تعریف مین چند شعر کہے دیتا ہون جو تمھاری نبیذ سے زیادہ مزے کے ہون گے۔ اُسے یہی غنیمت معلوم ہوا۔ آپ نے اُس کی تعریف مین ایک نظم کہدی۔ اور اُسے سُن کے وہ ٹھنڈی ٹھنڈی اپنے گھر گئی۔

بغداد کا ایک بردہ فروش تھا جنید۔ اُس کے پاس ایک نہایت ہی حسینہ و جمیلہ کنیز تھی جس پر آبو دُلامہ کا دل آگیا تھا۔ بار بار خریداری کے بہانے جاتے۔ اُسے بُلوا کے دیکھتے بھالتے۔ اور بے کچھ دیے واپس چلے آتے جب کئی بار انھون نے یہی حرکت کی تو جنید سخت ناراض ہوا۔ اور اب جو آپ خریدار بن کے پہونچے اور کہا "فلان کنیز کو لانا تو مین دیکھنا چاہتا ہون" اس نے بگڑ کے کہا۔ "مین کب تک یونہین بیکار لا لا کے دکھایا کرون؟ آپ کو لینا تو ہے نہین۔ پھر اس خالی زحمت دینے سے کیا حاصل؟" آپ نے جواب دیا "فرض کرو مین خریدار نہین۔ مگر ایک مدح کرنے والا بھائی تو ہون؟" ان کے اشعار کی مقبولیت و شہرت سے جنید واقف تھا کہنے لگا "اچھا اس کنیز کے حسن و جمال کی تعریف مین چند شعر کہہ دو۔ مین اُسے لاکے دکھا دون گا" اور دل مین خیال کیا کہ ان کی تعریف سے کنیز کی قدر و قیمت بڑھ جائے گی۔ آپ نے کہا "مین اُس کی تعریف مین شعر تو کہہ دون گا مگر تم سے یہ شرط ٹھہر جائے کہ اگر وہ اشعار تم کسی کو سناؤ یا خود نہین تو اُسی کنیز کی زبان سے کسی کو سنواؤ تو وہ آزاد ہو جائے گی۔ اور ایک یہ شرط بھی ہے کہ آیندہ اس لونڈی کو کسی سے نہ چھپانا جو دیکھنا چاہے بے تکلف دیکھ لے" جنید ان کی نظم کا کچھ ایسا گرویدہ تھا

کہ دو۔ "تو ن شرطین قبول کرلین۔ اور انھون نے اُس کنیز کے حسن کی تعریف مین اپنی شاعری کا کمال دکھایا۔

ایک دن بڑی دلگی ہوئی آپ اسحٰق ازرق کی عیادت کو گئے جو اُس عہد کا ایک رکن دولت اور عالی مرتبہ رئیس تھا۔ وہ سخت بیمار ہو کے اچھا ہوا تھا۔ اور اب فقط ضعف باقی تھا۔ اسحٰق نام نصرانی طبیب پاس بیٹھا دوائین تجویز کر رہا تھا۔ آپ بے تکلف اُس سے بھڑ پڑے۔ اور بے تکان کہنے لگے "کاذہ کے لڑکے! یہ دوائین اس شخص کو بتا رہا ہے جسے مرض نے سخت ناتوان کر دیا ہے؟ بخدا معلوم ہوتا ہے تو ان کی جان لینے کے درپے ہے۔" طبیب حیران تھا کہ کس جاہل شخص سے سابقہ پڑا جو اپنی ہی کہے جاتا ہے۔ اتنے مین آپ نے اسحٰق ازرق کی طرف دیکھ کے کہا "حضور اپنا نسخہ مجھ سے سنین" اُس نے مذاقاً و تعریضاً کہا "فرمائیے حکیم صاحب" آپ نے فی البدیہہ تصنیف کر کے چھ سات شعر برجستہ سنائے جن مین مذاق کے عنوان سے قوت دلانے والی غذائین اور شرابین بتائی تھین اور طبیب کو فحش گالیان دی تھین۔ وہ اشعار سن کے اسحٰق ازرق اور تمام لوگ جو عیادت کو آئے ہوئے تھے مارے ہنسی کے لوٹ گئے۔ اور اسحٰق نے پانچ سو درہم اُنھین بطریق انعام دے کے کہا "اب آپ تشریف لے جائین" یہ انعام دینا طبیب کو اور ناگوار ہوا۔ وہ اور زیادہ آزردگی کے ساتھ بگڑنے لگا۔ یہ دیکھ کے آپ نے اُس سے کہا "آپ کے ناراض ہونے کی کوئی وجہ نہین ہے۔ مجھے میرا حق مل گیا۔ اور اب اس کے بعد مین اقرار کرتا ہون کہ آپ بڑے قابل طبیب اور بہت ہی اچھے آدمی ہین۔"

ایک بار ابو دُلامہ مہدی کے دربار مین گیا تو دیکھا کہ سلمہ وصیف سامنے کھڑا ہے۔ اور خلیفہ اُس سے باتین کر رہا ہے۔ وصیف کے معنی تو ایک نوعمر غلام حسین کے ہین مگر سلمہ کا لقب پڑ گیا تھا۔ اور اس بڑھاپے مین بھی وہ وصیف ہی کہلاتا تھا۔ آپ نے فوراً دست بستہ عرض کیا کہ "امیرالمومنین مین ایک ایسا اچھا بچھیڑا حضور کی نذر کے لیے لایا ہون جو سارے بغداد مین

جواب نہین رکھتا۔ امید ہے کہ حضور قبول فرمائین گے۔ بچھیڑے کی تعریف سن کے مہدی نہایت مشتاق ہوا۔ اور حکم دیا کہ "لاؤ۔ پیش کرو۔ دیکھون کیسا بچھیڑا لائے ہو" آپ نے فوراً اپنا سواری کا خچر جو نہایت ہی بڈھا اور رڈا نگر تھا لا کے سامنے کھڑا کر دیا۔ اس کو دیکھ کے مہدی نے حیرت سے کہا "اسے تم بچھیڑا کہتے ہو؟" عرض کیا "امیر المومنین جس سرزمین مین اسی برس کا بوڑھا سلمہ وصیف کہلاتا ہے وہان اس خچر کو بھی لوگ بچھیڑا ہی کہا کرتے ہین" یہ سن کے مہدی کو بے اختیار ہنسی آگئی۔ اور سلمہ بگڑ کے ابو دُلامہ کو گالیان دینے لگا۔ مگر ابو دُلامہ نے بغیر اس کے کہ سلمہ وصیف کی گالیون کا لحاظ کرے مہدی سے کہا "امیر المومنین۔ خدام دربار خلافت مین سے کوئی نہین جس نے میرے ساتھ کچھ نہ کچھ سلوک نہ کیا ہو۔ بجز سلمہ کے۔ اس کے ہاتھ کا کبھی پانی بھی پیا ہو تو حرام ہو۔ مین جب تک جی بھر کے اِن کی خبر نہ لے لون گا چین نہ لون گا" مہدی نے کہا اچھا مین فیصلہ کیے دیتا ہون۔ سلمہ ایک ہزار درہم دے کے تم اپنی جان ابو دُلامہ کے ہاتھ سے بچاؤ۔ ورنہ تمھارا گریبان ان کے ہاتھ سے نہ چھوٹے گا" سلمہ نے کہا اس شرط سے دیتا ہون کہ پھر کبھی یہ ایسی حرکت نہ کرین" ابو دُلامہ نے کہا "تم نے کبھی دیا ہوتا تو آج ہی اس کی کیون نوبت آتی؟" الغرض سلمہ نے گھر جا کے رقم بھیج دی۔ اور ابو دُلامہ کے دست ستم سے اپنا گریبان چھڑایا۔

ابو دُلامہ کی زندگی کے واقعات مین سب سے اہم واقعہ یہ ہے کہ ایک روز وہ اپنے دوستون عزیزون اور رشتہ دارون کے ایک مجمع عظیم مین بیٹھا ہوا تھا کہ ناگہان اس کا بیٹا دُلامہ جو اُس سے زیادہ مسخرہ اور بیباک تھا آگیا۔ اور اہل محفل کی طرف متوجہ ہو کے کہنے لگا "حضرات میرے بوڑھے والد کی جو حالت ہے آپ دیکھ ہی رہے ہین۔ عمر بہت زیادہ آگئی۔ کھال لٹک پڑی۔ ہڈیان سوکھ گئین۔ اور پوست و استخوان کے سوا کچھ باقی نہین رہا۔ مگر یہ بدپرہیزیون سے باز نہین آتے۔ ہمین اِن کے زندہ رہنے کی سخت ضرورت ہے۔ چنانچہ مین ہمیشہ سمجھاتا رہتا ہون کہ بڑے خدا اتنی احتیاط کیجیے کہ آپ کی زندگی زیادہ ہو۔ قوت برقرار رہے۔ اور آپ مدت تک ہمارے سر پر برقرار

رہین۔ مگر یہ سماعت نہین کرتے۔ آخر مجبور ولاچار ہوکے آپ صاحبون کی خدمت
مین آیا ہون اور عرض کرتا ہون کہ میری ایک تمنا پوری کر دیجیے۔ مین زندگی
بھر آپ کا احسانمند رہون گا۔ اور امید ہے کہ اُن کی زندگی اور صحت و تندرستی
بھی برقرار رہی گی" سب نے کہا "اس بارے مین تمھاری جو خواہش ہو اُس کو
ہم بخوشی خاطر انجام دین گے۔ اور بسر و چشم بجا لائین گے" ساتھ ہی سب نے
ابو دُلامہ سے جو خاموش بیٹھا بیٹے کی باتین سُن رہا تھا کہا "اور آپ کو بھی
اس مین عذر کرنے کی کوئی وجہ نہین ہو سکتی۔ جو کچھ کہا جا رہا ہے آپ ہی کے
نفع کے لیے ہے" ابو دُلامہ نے کہا "بہتر ہے آپ جو منا سب جانین کرین۔ مگر
پہلے پوچھ تو لیجیے کہ یہ کہتا کیا ہے۔ اس کی شرارت سے آپ ابھی واقف نہین
ہین۔ اس نے کوئی بدمعاشی ہی کی بات سوچی ہو گی۔ اس کا یون آنا اور
باتین بنانا علت سے خالی نہین ہو سکتا" اب سب نے دُلامہ سے پوچھا
کہ "تمھاری کیا خواہش ہے؟" اُس نے کہا "سُنیے۔ بادا جان کی یہ حالت
ہی کہ اس بُڑھاپے پر بھی شہوت رانی کے پیچھے اپنی جان دیے ڈالتے ہین۔
آپ اتنی عنایت فرمائین کہ اِنھین زبردستی پکڑ کے اختہ کر دین۔ بغیر اس کے
یہ اپنی حرکتون سے باز آنے والے نہین ہین۔ اور ظاہر ہے کہ یہ تدبیر ان
کی تندرستی اور ترقی عمر دونون کے لیے مفید ثابت ہو گی" بیٹے کی یہ
درخواست سُن کے سب کو مذاق سوجھا اور ابو دُلامہ سے کہا "تمھین
اس مین کیا عذر ہو سکتا ہے۔ دُلامہ کی درخواست نہایت مناسب اور
تمھارے حق مین بے انتہا مفید معلوم ہوتی ہے" جواب دیا "مین تو پہلے ہی
سمجھ گیا تھا کہ اس حرامزادے نے کوئی شرارت کی بات سوچی ہے" سب نے
کہا "اس مین شرارت ہو یا نہ ہو مگر بات معقول کہتا ہے۔ تم جواب دو کہ تمھین
اس مین کیا عذر ہو سکتا ہے؟" کہا "اچھا تو اس کا فیصلہ مین اس کی ماں پر
چھوڑتا ہون۔ اس سے جا کے پوچھیے۔ اور جو وہ کہے اُس پر عمل کیجیے" مذاق
تو تھا ہی۔ سب نے کہا "چلو ان کی بیوی سے بھی چل کے پوچھ لین۔ اور سب کے
سب اُٹھ کے ابو دُلامہ کے گھر پر گئے۔ اُم دُلامہ کو ڈیوڑھی کے پاس بلا کے

ساری سرگزشت بیان کی۔ اور کہا "ابو دُلامہ نے فیصلہ تم پر محول کیا ہے۔ تم جو کہو گی اُس کے مطابق عمل ہوگا۔" ام دُلامہ نے سارا واقعہ سُن کر نہایت متانت سے کہا "مین بیٹے کی بہت شکرگزار ہون کہ خدا اُسے جزائے خیر دے اپنے باپ کو اس بارے مین سمجھاتا اور خیرخواہی کے ساتھ اُن کی صحت و تندرستی کی فکر کرتا ہے۔ اس لیے کہ مجھے دراصل اُس سے زیادہ اُس کے باپ کے زندہ اور صحیح و سالم رہنے کی ضرورت ہے لیکن اُس نے یہ ایسی نئی تدبیر حفظ صحت کی بتائی ہے جسے ہم لوگون نے کبھی آزمایا نہین ہے گو کہ اُس کے کارگر ہونے مین شک کرنے کی گنجایش نہین نظر آتی لیکن مناسب یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس تدبیر کو پہلے وہ خود اپنی ذات پر آزمائے۔ جب اس تدبیر سے اُس کو نفع ہوگا اور مین دیکھون گی کہ اس علاج کا اس پر اچھا اثر پڑا تو مشورہ دون گی کہ اُس کے باپ کے ساتھ بھی یہی عمل کیا جائے۔"

ابو دُلامہ سب کے ساتھ موجود تھا۔ بیوی کا جواب سنتے ہی قہقہہ مار کے ہنسا۔ اس کے ساتھ اور سب لوگ بھی مارے ہنسی کے بیتاب ہو گئے۔ اور بیٹا ایسا شرمندہ ہوا کہ مُنہ چھپا کے بھاگ گیا۔

عبداللہ بن جعفر کی فیاضیان

عرب لوگ جاہلیت مین بھی بڑے فیاض تھے۔ اور اس جہالت و بداخلاقی کے زمانے مین جن صفات پر وہ ناز کرتے اور شعرا اُن کی مدح سرائی مین جن باتون پر زور دیتے وہ شجاعت تھی اور سخاوت۔ اسلام نے اِن صفات کو اور زیادہ بڑھا دیا۔ اور اکثر اوقات اُن سے ایسی ایسی فیاضیان ظاہر ہوئین جو ساری دنیا مین حیرت کی نگاہ سے دیکھی جاتی ہین۔

عہد جاہلیت کے مشہور و معروف فیاض عرب حاتم طائی کا تذکرہ آپ بارہا سُن چکے ہین اور روز سنتے رہتے ہین۔ اب آئیے ہم آپ کو ایک عہد اسلام کے حاتم عرب کا بھی تذکرہ سنا دین جو فیاضی مین اگلے حاتم سے کچھ زیادہ ہی نظر

آئے گا۔ یہ ابن عم رسول اللہ حضرت جعفر طیار کے صاحبزادے عبداللہ تھے۔
عبداللہ موصوف کی آبائی شرافت و عظمت تو ظاہر ہے۔ اس لیے کہ خاص ہاشمی تھے۔ مہاجرین حبشہ کے سردار جعفر طیار کے فرزند تھے۔ حضرت رسالت اور جناب علی مرتضیٰ کے چچازاد بھائی تھے۔ رہی مادری شرافت اُس کا یہ حال ہے کہ اُن کی والدۂ ماجدہ حضرت اسماء بنت عمیس تھین جو قریش کی شریف ترین بیویون مین شمار کی جاتین۔ وہ چار بہنین تھین جن مین سے ایک حضرت سرور کائنات صلعم کی زوجۂ محترمہ ام المومنین حضرت میمونہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا تھین۔ دوسری بہن عم رسول اللہ حضرت عباسؓ کی بیوی ام الفضل تھین۔ تیسری بھی عم رسول اللہ سید الشہدا حضرت حمزہ کی بیوی سلمیٰ تھین۔ اور چوتھی اخیافی بہن بھی حضرت اسماء بنت عمیس تھین جن کا عقد نکاح پہلے حضرت جعفر طیار سے ہوا۔ جن سے حضرت عبداللہ موصوف پیدا ہوئے۔ حضرت جعفر کی شہادت کے بعد وہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے عقد نکاح مین آئین اور اُن کے نطفے سے حضرت محمد بن ابی بکر پیدا ہوے۔ پھر اُن کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ کی زوجۂ محترمہ ہین۔ اور علی مرتضیٰ کے فرزند محمد اصغر اور یحییٰ اُن کے بطن سے پیدا ہوے۔

یہ چارون محترم بہنین بڑی نیک نفس ستودہ صفات اور عابد و پرہیزگار بیویان تھین۔ چنانچہ حضرت رسول خدا صلعم نے اُن کی دینداری اور اُن کے زہد و تقوے کو دیکھ کے ارشاد فرمایا۔ اِنَّھُنَّ مومنات،، یعنی یہ مومنہ بیویان ہین۔ حضرت سیدۃ النساء فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا کی شب زفاف کے موقع پر یہی اسماء بنت عمیس ضروری خدمت و دلدہی کے لیے پردے کے پاس حاضر رہین۔ اتفاقاً خود حضرت رسول خدا صلعم تشریف لے گئے۔ اور پردے کے اُدھر کسی کا سایہ دیکھ کے دریافت فرمایا۔ "یہ کون ہے؟،، آواز آئی "مین ہون اسماء،، پوچھا "کیا عمیس کی بیٹی؟،، عرض کیا جی ہان مین ہی ہون۔ یا رسول اللہ مین آپ کی صاحبزادی کی حفاظت و خدمت کے لیے حاضر ہون۔ شب زفاف مین ہر لڑکی کے

پاس کسی ہمدرد عورت کا موجود رہنا ضروری ہے" یہ سُن کے جناب رسالتمآب نے ارشاد فرمایا "تو مین بارگاہ الہی مین دعا کرتا ہون کہ تمھارے چارون طرف سے وہ رب العزت تمھاری حفاظت و نگہبانی کرے"

انھین مومنہ اور حریم رسالت کی معتمد علیہ بیوی کے بطن سے حضرت جعفر طیار کے فرزند عبداللہ پیدا ہوئے جن کی فیاضیون کے حیرت انگیز واقعات سنا کے ہم اپنے ناظرین کو جود و سخا کا سبق دینا چاہتے ہین۔ عبداللہ موصوف جب چھوٹے بچے تھے ایک دن بیٹھے مٹی کا کھلونا بنا رہے تھے۔ اتفاقاً اُدھر سے حضرت رسالت کا گزر ہوا۔ پوچھا "عبداللہ کیا بناتے ہو؟" کہا "کھلونا بناتا ہون" پوچھا "بنا کے کیا کروگے؟" کہا "بیچون گا" دریافت فرمایا "اور اُس کے دام کس کام مین لگاؤ گے؟" کہا "خرمے مول لون گا۔ اور کھاؤن گا" یہ جواب حضور نبوی کو پسند آئے۔ خوش ہوئے۔ اور دعا فرمائی "بار الہا اس بچے کے ہاتھ کے کام مین برکت دے" اس دعا کا یہ اثر ہوا کہ عبداللہ نے زندگی بھر جس کام مین ہاتھ لگایا خدا نے برکت دی۔ اور اُنھون نے جو چیز فروخت کی اُس مین نفع ضرور ہوا۔

اب ہم حضرت عبداللہ بن جعفر کے اور حالات سے قطع نظر کر کے اُن کی فیاضیون کی تصویر دکھاتے ہین۔ اس لیے کہ اس موقع پر فقط اُن کی سخاوت و حاتمیت دکھانا ہے۔ دیگر حالات کے بیان کرنے کے لیے ہمارے صفحون مین کافی گنجائش نہین ہے۔

جب اُن کا خوب نشو و نما ہو چکا۔ عہد خلافت راشدہ مین جہاد فی سبیل اللہ کر کے بڑے بڑے کارنامے دکھا چکے اور خلافت کے باہمی فتنون نے گھر مین خاموش بٹھا دیا تو اُن دنون اُن سے ایسی ایسی غیر معمولی فیاضیان نمایان ہوئین کہ جود و سخا مین ضرب المثل ہو گئے۔ اور دُور دُور کے لوگ اُن کے ایثار نفس اور بے نظیر فیاضی کے معترف تھے۔

جناب معوٰیہؓ کے عہد مین جب مروان بن حکم ارض حجاز کا والی و حکمران تھا۔ ایک سال موسم حج کے موقع پر ایک فلاکت زدہ بدوی اُس کے

دروازے پر آیا اور اعانت و دستگیری کا امیدوار ہوا۔ مروان باوجودیکہ حاکم و دولتمند تھا۔ اُس سے کہا "میرے پاس تو دینے کے لیے کچھ موجود نہیں ہے تم عبداللہ بن جعفر کے پاس چلے جاؤ۔ وہ ضرور تمھاری مدد کرین گے" مروان یہ سُن کے وہ بدوی حضرت عبداللہ کے دروازے پر آیا۔ اتفاقاً اُس وقت وہ سفر حج کے لیے پابہ رکاب تھے۔ سب اسباب اُونٹون پر لد کے پہلے سے روانہ ہو چکا تھا۔ خاص اُن کی سواری کا راحلہ دروازے پر کسا اور لدا پھندا کھڑا تھا۔ جو کچھ نقد سرمایہ تھا اِسی اونٹ پر تھا۔ داہنے پہلو پر تلوار آویزان تھی۔ اور عبداللہ سوار ہونے کے لیے دروازے سے نکل رہے تھے کہ اُس بدوی کا سامنا ہوا۔ اور اُن کی صورت دیکھتے ہی اُس نے چند اشعار پڑھے جن کا مضمون یہ تھا کہ آپ خاندان رسالت اور قرابت داران نبوت مین سے ہین۔ دیندار ہین اور فیاض ہین۔ مین وہ مصیبت زدہ مفلوک الحال ہون جس کی خبرگیری مین امیر شہر مروان نے اپنا مال صرف کرنے مین دریغ کیا۔ گو مایوس ہون مگر امید اِس دروازے پر لے آئی کہ حکومت اپنے خزانے کا دروازہ چاہے بند کرلے مگر آپ کے خزانے کا دروازہ نہین بند کر سکتے" بدوی کے یہ اشعار سُن کے عبداللہ کے دل پر بڑا اثر ہوا۔ کہا "اے بدوی میرا سب سامان تو لد کے جا چکا۔ فقط یہ اونٹ رہ گیا ہے۔ لہذا یہ مع اُس تمام مال و اسباب اور ساز و سامان کے جو اس پر ہے تیرا ہے۔ لیکن ایک بات کا خیال رکھنا۔ یہ تلوار جو داہنی جانب بندھی ہوئی ہے اِس سے کبھی بدعہدی اور فریب کا کام نہ لینا۔ مین نے اسے ایک ہزار دینار دے کے خریدا ہے" بدوی نے اس کا وعدہ کیا۔ اظہار شکرگزاری مین چند اور شعر سُنائے۔ اور اُس اونٹ کی مہار اپنے ہاتھ مین لے کے چلا گیا۔

اسی طرح ایک اور موقع کا ذکر ہے کہ ایک ناشناسا مفلس بادیہ پیما نے اُن کے سامنے آکے چند اشعار پڑھے جن کا مضمون یہ تھا کہ "مین نے ایک دن خواب مین دیکھا کہ ابوجعفر (یہ جناب عبداللہ بن جعفر طیار کی کنیت تھی) نے مجھے حریر کی قبا پہنائی ہے۔ کئی دن گزر گئے اور اُس کی تعبیر نہ ظاہر ہوئی

تو مین نے اپنے ایک دوست سے اس خواب کا تذکرہ کیا۔ اُنھون نے کہا اس خواب کی تعبیر بغیر پوری ہوے نہین رہ سکتی۔ آل جعفر کے جن محترم بزرگ کو تم نے دیکھا ہے کوئی معمولی شخص نہین۔ سارا زمانہ اُن کے ابر کرم سے فیض پا رہا ہے وہ ایسے کے فیاض ہین کہ خود فیاضی کو اُنھون نے حکم دے رکھا ہے کہ خبردار مجھ سے آگے نہ بڑھنا اور اُس نے سر انقیاد جھکا کے قبول کر لیا کہ مین ہمیشہ آپ کی لونڈی اور تابع فرمان رہون گی۔ ایسے بزرگ ممکن نہین کہ تمھارے خواب کو سچا نہ کر دکھائین۔" یہ اشعار سُن کے جناب عبداللہ نے اپنے غلام کو حکم دیا کہ میری حریر کی قبا لا کے اِن کو دیدو۔ غلام تو قبا کے لانے کو گیا اور اُنھون نے اُس بدوی سے کہا "مگر تم نے خواب مین وہ میری قیمتی زربفت کی قبا کیون نہ دیکھی جو حریر والی قبا سے بدرجہا اچھی ہے؟ وہ مین نے تین سو دینار کو مول لی تھی اور یہ اُس سے بہت ہی کم قیمت ہے۔" با مذاق بدوی شاعر نے کہا "تو اس کو احتیاط سے رکھیے گا۔ اب کی انشاء اللہ مین اُسی کو خواب مین دیکھون گا۔" یہ سُن کے عبداللہ بن جعفر ہنسے اور غلام سے کہا کہ "دونون قبائین لا کے اِن کے حوالے کر دو۔"

ایک بار کوئی تاجر بغرض تجارت بہت سی شکر لے کے مدینۂ طیبہ مین آیا۔ مگر یہان آنے دیکھا تو شکر کا نرخ اس قدر کم پایا کہ سمجھا میرا سارا روپیہ ڈوب گیا۔ تھوڑی پونجی کا آدمی کساد بازاری نے حواس بگاڑ دیے۔ ایک ایک کے آگے جا کے روتا۔ فریاد کرتا۔ مگر کوئی کیا کر سکتا تھا؟ آخر اُسے زیادہ بیتاب و بیقرار دیکھ کے کسی نے کہا اس رونے دھونے اور مارے مارے پھرنے سے کچھ حاصل نہ ہوگا۔ اگر مدد چاہتے ہو تو عبداللہ بن جعفر کی خدمت مین حاضر ہو کے اپنی مصیبت بیان کرو۔ شاید اُنھین ترس آ جائے تو پھر تمھارا کام بن جائے گا۔ اشارہ پاتے ہی وہ آپ کے پاس دوڑا آیا اور اپنی مصیبت بیان کی۔ آپ نے فرمایا "اچھا اپنی شکر یہان لے آؤ۔" حکم پاتے ہی وہ ساری شکر لادکے لے آیا۔ آپ نے اپنے دروازے کے سامنے میدان مین ایک بڑا سا فرش بچھوا کے کہا "سب شکر اس پہ ڈھیر کر دو۔" اُس نے دم بھر مین انبار لگا دیا۔ حضرت عبداللہ

نے جب دیکھ لیا کہ اب اُس کے پاس شکر نہین باقی رہی تو لوگون کو حکم دیا کہ اس شکر کو لوٹ لو۔ اشارے کی دیر تھی۔ لوگون نے جی کھول کے لوٹنا شروع کیا۔ اور دم بھر مین میدان صاف تھا۔

جس وقت لوگ شکر کو لوٹ رہے تھے وہ تاجر اس منظر کو کھڑا حیرت سے دیکھ رہا تھا۔ دیکھتے دیکھتے اُس کے دل مین لالچ پیدا ہوا۔ اور عرض کیا "یا حضرت۔ مین بھی لوٹ سکتا ہون؟" جواب ملا "ہان۔ ہان شوق سے لوٹو" اجازت پاتے ہی وہ بھی جھپٹ جھپٹ کے اپنے خالی کیے ہوے بورے بھرنے لگا۔ اور بہت سی شکر اُسے بھی مل گئی۔

جب شکر بالکل لٹ گئی تو آپ نے اُس کی قیمت پوچھی۔ تاجر نے عرض کیا "چار ہزار درہم" فوراً یہ رقم دلوا دی گئی۔ اور وہ اس کو لے کے مع لوٹی ہوئی شکر کے خوش خوش اپنی فرودگاہ مین آیا۔ وہان اُس نے لوگون سے یہ واقعہ بیان کیا تو سب لوگ اس حیرت انگیز فیاضی پر تعجب کرنے لگے۔ اتنے مین کسی نے کہا "اجی عبداللہ بن جعفر کی فیاضی کا تو یہ عالم ہے کہ دنیا یاد بھی نہین رہتا۔ جو آج دیتے ہین کل بھول جاتے ہین۔ اور دوبارہ جا کے مانگو تو مکرر دینے کو تیار ہو جاتے ہین۔ نتیجہ یہ ہوا کہ وہ تاجر خواہ آزمانے کے لیے یا لالچ سے دوسرے دن حضرت عبداللہ کی خدمت مین پھر حاضر ہوا۔ اور عرض کیا "حضور آپ نے ابھی شکر کا روپیہ نہین دیا" آپ نے سنتے ہی پھر چار ہزار درہم دلوا دیے۔ تیسرے روز وہ پھر پہونچا۔ اور وہی رقم پھر طلب کی۔ آپ نے اُسی بے تکلفی و سادگی سے پھر چار ہزار درہم دلوا دیے۔ مگر آج جب وہ رقم لے کے چلنے لگا تو اُس سے فرمایا "یہ ملا کے بارہ ہزار درہم ہو چکے" یہ الفاظ سُن کے وہ سمجھا کہ یہ غلط مشہور ہے کہ آپ کو دینا یاد نہین رہتا۔ یاد سب کچھ رہتا ہے مگر جوش فیاضی اس بات کو گوارا نہین کرتا کہ کسی کی درخواست سُن کے انکار کرین۔ اور "نہین" کا لفظ زبان سے نکلے۔

ایسا ہی واقعہ ایک اور بدوی کے ساتھ بھی پیش آیا۔ اُس نے اپنا

اونٹ آپ کے ہاتھ بیچا تھا جسے آپ نے محض اُس کی کفالت و امداد کے خیال سے مول لیا ہو گا۔ اُس نے مسلسل تین دن تک آ کے تین بار اُس اونٹ کی قیمت لی۔ اور آپ دیتے چلے گئے۔ مگر تیسرے دن بتا دیا کہ مین تین بار قیمت دیچکا ہون۔ اور وہ فوراً ندامت سے اُسے چوتھی بار آنے کی جرأت نہ ہوئی۔

عبداللہ بن جعفر کی زندگی بھر یہ شان رہی کہ قسمت پہ شاکر اور برضا رضا تھے۔ اپنے معاملات کو عموماً خدا پر چھوڑ دیا کرتے۔ اور وہ حضرت رب العزت اُن کی تمام آرزوئین پوری کر دیا کرتا۔ اُن کے اس طرز عمل کا ایک نمونہ یہ تھا کہ اپنے تمام فرزندون کی تعلیم و تربیت مین کبھی کوئی اہتمام نہ کیا۔ اور نہ کسی قسم کی کوشش کی۔ بلکہ یون کہنا چاہیے کہ نہ کسی لڑکے کو تعلیم دی۔ نہ اُس کی تہذیب اخلاق کی کوشش کی۔ اس پر اکثر لوگ معترض ہوتے مگر وہ ہمیشہ یہ جواب دے کے ٹال دیا کرتے کہ اللہ جل شانہ کو اگر ان کے ساتھ بھلائی منظور ہے تو خود ہی اُنھین مہذب و شائستہ بنا دے گا۔ مگر وہ ایسا بابرکت عہد تھا جبکہ تعلیم نبوت نے ایسے ایسے مکمل ترین نمونہ ہائے اخلاق و تہذیب دنیا مین نمایان کر رکھے تھے کہ اُن کی برکت سے لڑکون کی تعلیم و تربیت کا انتظام کیجیے یا نہ کیجیے دنیا کے شائستہ ترین رنگ اور بزرگون کے بہترین اخلاق و عادات کو دیکھ کے وہ سدھر ہی جاتے۔ آج کل کوئی غفلت کرے تو اُس کے لڑکے خدا جانے کس قدر آوارہ و بد اطوار ہو جائین مگر حضرت عبداللہ بن جعفر کے تمام فرزند باوجود بزرگون کی غفلت و بے پروائی کے خاندانی کمالات سے آراستہ ثابت ہوئے۔ اور اُن کا وہی طرز عمل رہا جو اُن کے محترم خاندان کا تھا۔

عبداللہ بن جعفر سے حضرت معٰویہ رضی سے بڑی دوستی تھی۔ اور گو کہ اکثر بنی ہاشم اُن سے ناراض تھے مگر عبداللہ بن جعفر مین اور ان مین گہرے تعلقات تھے۔ ایک دن وہ جناب معٰویہ رضی کے پاس بیٹھے ہوئے تھے کہ آدمی نے آ کے خوشخبری سنائی کہ آپ کے فرزند نرینہ پیدا ہوا ہے۔ جناب معٰویہ رضی نے یہ مژدہ سُن کے اظہار مسرت کیا اور کہا دو بھائی اپنے اس فرزند کا نام میرے نام پر معٰویہ رکھ دو۔ یہ نام

ہماری تمھاری دوستی کی یادگار رہیگا۔ اور مین وعدہ کرتا ہون کہ اُس کی خوشی مین تم کو ایک لاکھ درہم دونگا۔ چنانچہ عبداللہ نے اُس فرزند کا نام معٰویہ ہی رکھ دیا۔ اِس فرزند اور اُس کے بیٹے عبداللہ بن معٰویہ بن عبداللہ بن جعفر نے بعد کو خاص شان پیدا کی۔ اور وہ درجہ حاصل کیا کہ اُن کی جداگانہ سیر مین کتب سیر مین درج ہوئین۔ اور کبھی موقع ملا تو ہم اُن کے تذکرون سے بھی اپنے ناظرین کو محظوظ کرینگے۔

عبداللہ بن جعفر نے بڑی عمر پائی۔ ستر برس کے سن کو پہونچ گئے۔ اور آخر عمر تک اپنی فیاضی کو کمال وضعداری کے ساتھ بناہتے رہے۔ مگر عبدالملک بن مروان نے اپنے عہد مین اُن کا وظیفہ موقوف کر دیا۔ اور اُن کی ساری آمدنی روک دی۔ جو کچھ اساسہ گھر مین تھا چندہی روز مین جود وسخا کی نذر ہو گیا۔ آخر بالکل مفلس و نادار ہو گئے۔ اس حالت مین ضروریات زندگی پورے نہ ہو سکنے کی اتنی فکر نہ تھی جتنا کہ ہاتھ کو فیاضی اور خبرگیری خلق اللہ سے رُوکنے کا صدمہ تھا۔

جب بالکل ناچار و سراسیمہ ہوئے تو ایک جمعہ کو بعد نماز درگاہ خداوندی مین بصدق دل اور عجز والحاح سے عرض کیا کہ "بار الٰہا! تو نے میری ایک ایسی عادت ڈالدی ہے جو آج تک کبھی مجھ سے چھوٹ نہ سکی۔ اب اگر اُس کا زمانہ گزر گیا ہے تو بجائے دنیا مین رکھ کے ذلیل کرنے کے مجھے اپنے پاس اُٹھا لے۔" یہ ایک سچے خدنگ سینہ کا تیر تھا جو سیدھا عرش پر پہونچا۔ اور انجام یہ ہوا کہ بعد والے جمعہ مین بعوض اُن کے اُن کا جنازہ جامع مسجد کے سامنے رکھا ہوا تھا۔

یہ سنہ ۸۰ھ کا زمانہ تھا۔ اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے صاحبزادے ابان بن عثمان مدینے کے والی تھے۔ نماز جمعہ کے بعد اُنھین نے نماز جنازہ پڑھائی جنازے پر تمام اہل مدینہ کا ہجوم تھا۔ اور زن و مرد رو رہے تھے کہ غریبون اور محتاجون کا والی اُٹھ گیا۔ جنازے کی مشایعت کرنے والون مین سے کوئی نہ تھا جس کی آنکھون سے سیل اشک نہ جاری ہو۔

جب دفن سے فراغت ہو گئی اور مٹی دی جا چکی تو حضرت عثمانؓ کے دوسرے صاحبزادے عمر بن عثمان قدم بڑھا کے قبر کے کنارے کھڑے ہو گئے۔ اور رقت قلب سے کہا "اے ابن جعفر! خدا تم کو اپنے آغوش رحمت مین لے۔ تم صلۂ رحم

کرتے تھے - بدکار ان کے دشمن تھے - اور اہل شک کے خلاف تھے - اور میرا تمھارا سابقہ ایسا تھا جس کو ام المومنین عائشہؓ نے اس شعر مین ظاہر کر دیا ہے - جس کا مضمون یہ ہے کہ مجھ مین تم مین جو محبت تھی اُس کا تم ہمیشہ پاس و لحاظ کرتے رہے یہان تک کہ قبر نے تمھین اپنے آغوش مین لے کے چھپا لیا - لہذا خدا تم پر رحمت نازل کرے - اُس دن جبکہ تم پیدا ہوے اُس دن جبکہ تم بڑھ کے پورے توانا و تندرست آدمی ہو گئے اُس دن جبکہ تم نے وفات پائی - اور اُس دن جبکہ خدا تمھین قبر سے اُٹھا کے کھڑا کر دیگا - بنی ہاشم کو تو تمھاری وفات کا صدمہ ہئی ہے مگر ہمین سارے قریش تمھاری موت پر اندوہناک ہین - اور آہ پھر تم سا آدمی نہ نظر آئے گا۔"

حُسن کی کرشمہ سازیان

(خرقا)

یہ بھی عرب کی ایک مشہور و معروف معشوقہ تھی - یون تو ہر زبان کے ادب و انشا اور ہر قوم کی شاعری مین چند معشوقائین مشہور ہوتی ہین مگر عرب مین چونکہ ہر شاعر کو اپنی شاعری کے لیے کسی خاص محبوبہ کی ضرورت پیش آیا کرتی تھی اس لیے جتنی مہ جبین دلربائین عرب مین مشہور ہوئین اور کسی زبان مین نہین مشہور ہو سکین -

خرقا کا عاشق صادق ذوالرمہ شاعر تھا جس کا کلام بہت مقبول و مشہور ہے - اور وہ سارا کلام دراصل اسی مہ جبین نازآفرین خرقا کے حُسن و جمال کا آئینہ ہے - ذوالرمہ کی وفات کے بعد خرقا مدت تک زندہ رہی - اور بہت بوڑھی ہو کے مری - آخر عمر مین اُسے ضرورت تھی کہ اُس کی بیٹی کی نسبت کسی اچھے گھر مین ہو جائے - اس خیال سے کوشش کی کہ اُس کی اگلی شہرت پھر زندہ ہو - چنانچہ اُس وقت کے ایک دوسرے شاعر قحیف بن حمیر کے پاس کہلا بھیجا کہ میرے حُسن کی تعریف اور میرے عشق کے اظہار مین چند نظمین کہہ کے مشہور کر دو قحیف نے فوراً اُسکے حکم کی تعمیل کی اور دنیائے شعر و سخن کی اس محترم ملکہ کا نام عرب

کی زندہ سوسائٹی مین از سر نو روشن کر دیا۔

اسی نحیف کا بھتیجا حجاج کہتا ہے مین حج کو گیا تھا۔ ایسی مین میرا گذر اُس مقام پر ہوا جہان خرقا رہتی تھی۔ اُن دِنون وہ نہایت ہی بوڑھی تھی۔ اور عہد شباب کی اُن دلربائیون کا کہین پتہ نہ تھا جنھون نے ذوالرمہ کو دیوانہ بنا دیا تھا۔ میرا اُس کا سامنا ہوا تو پوچھنے لگی "حج سے آرہے ہو؟" مین نے کہا "جی ہان" مسکرا کے پوچھنے لگی "اور تمھارا حج ہوا بھی؟" مین نے جواب دیا "الحمدللہ کہ خدا نے حج پورا کرا دیا" بولی "جھوٹے ہو۔ تمھارا حج ہرگز نہین ہوا" مین نے حیرت کے ساتھ دریافت کیا "کیون؟" کہنے لگی "اس لیے کہ ذوالرمہ کہتا ہے۔

تمام الحج ان تقف المطایا علی خرقاء واضعۃ اللثام

مطلب یہ کہ حج اُس وقت پورا ہوتا ہے جب قافلے خرقا کے سامنے آکے ٹھہرین اور وہ بے نقاب نظر آئے۔

مین نے ہنس کے کہا "یہ اُن دنون کا ذکر ہے جب تم جوان تھین۔ شباب کا زمانہ تھا۔ اور نگاہین تمھارے جمال جہان آرا کی زیارت کی مشتاق تھین۔ اب تم مین نہ وہ اگلی نگاہ دلدوز ہے۔ اور نہ وہ پرانی کشش دل افروز"

بولی "غلط کہتے ہو۔ اپنے چچا نحیف کا شعر یاد کرو جو کہتے ہین۔

وخرقاء لا تزداد الا ملاحۃ ولو عمرت تعمیر نوح وجلّت

مطلب یہ کہ خرقا چاہے بڑی لمبی عمر کو پہونچے۔ عمر نوح پائے۔ اور بوڑھی پھونس ہو جائے مگر اُس کا حُسن و جمال روز بروز بڑھتا ہی جائے گا۔

یہ سُن کے حجاج سے جواب نہ بن پڑا۔ اور اُس سے رخصت ہو کے آگے کی راہ لی۔

ہندوستان مین مشرقی تمدن کا آخری نمونہ

جن شادی کی تقریبون کا ہم ذکر کر چکے ہین اور اُن کی زنانی محفلون کی ایک عام تصویر گذشتہ موقع پر دکھا دی ہے اُن کی مفصل تشریح یہ ہے

کہ چھٹی اُس تقریب کا نام ہے جبکہ زچگی کے بعد ماں اور بچے کو پہلی دفعہ نہلایا جاتا ہے۔زچہ کو تیز گرم پانی سے نہلانا ایک طبّی علاج ہے۔مگر یہ غسل ولادت چونکہ ایک خوشی کے موقع پہ ہوتا ہے۔اس لیے اُس کو نہایت اہمیت دی جاتی ہے اور چونکہ عموماً زچگی کے چھٹے روز یہ پہلا نہان ہوتا ہے اس لیے اس کا نام ہی چھٹی پڑ گیا۔اور اس مین زچہ بڑے اہتمام سے نہلائی جاتی ہے۔پھر بچہ نہلایا جاتا ہے۔اور اُن کے بعد تمام عورتین جو مہمان ہوتی ہین یکے بعد دیگرے سب نہاتی ہین۔زچہ اور بچے کے لیے نئے بھاری جوڑے حسب حیثیت تیار کیے جاتے ہین۔اور ساتھ ہی سب عورتین کپڑے بدلتی ہین۔اس نہان مین جو طرح طرح کی رسمین برتی جاتی ہین وہ بے حد و بے شمار ہین۔اور غالبًا ہر شہر و قریے بلکہ ہر خاندان مین کلیتہً یکسان اور جزءً مختلف اور رنگی ہین۔

دولھن کے میکے یا دیگر اعزا کی طرف سے اس موقع پر زچہ اور بچے کے جوڑے طوق ہنسلی اور کڑے ننھے بچے کے قابل کھلونے جھنجھنے چٹو ے۔ان کے ساتھ مرغیان اور خدا جانے کیا کیا چیزین بڑی دھوم دھام جلوس اور باجون کے ساتھ آتی ہین۔زنانے مین رقص و سرود کی محفلین گرم ہوتی ہین۔اور اتنی استطاعت نہ ہو تو خود گھروالی عورتین ڈھول سامنے رکھ کے گا بجا لیتی ہین۔

یہی شان بعد کے دو نہانون یعنی بیسوین اور چلّے کے نہانون کی ہوتی ہی۔اگر خدا نے اطمینان دیا ہے تو دونون موقعون پر محفل عیش و نشاط گرم ہوتی ہے ورنہ فقط چلّہ کے نہان مین زیادہ دھوم دھام ہوتی ہے۔اور بیسوین کے نہان کی تقریب معمولی رہتی ہے۔

عقیقہ مسلمانون کی خالص مذہبی رسم ہے جس کا آغاز بنی اسرائیل کے زمانے سے آل ابراہیم مین چلا آتا ہے۔یہودی پیدایش کے آٹھوین دن بچے کو مسجد اقصےٰ مین لیجا کے اُس کا سر مُنڈاتے اور قربانی کرتے تھے اور اُن کا مقتدا خاص طریقون سے اُس کے لیے برکت کی دعا کیا کرتا تھا۔یہی طریقہ مسلمانون مین بھی رسم ابراہیمی اور سنت محمدیؐ کی حیثیت سے آج تک جاری چلا آتا ہے۔

اگرچہ اب ولادت کے بعد آٹھوین دن عقیقہ کرنے کی قید اُٹھ گئی ہے مگر اکثر بچے کی عمر کے پہلے ہی سال مین ہو جایا کرتا ہے۔ اس مین بچے کو نہلا کے نئے کپڑے پنھائے جاتے ہین۔ اور اس کے بعد اعزا و احباب کے مجمع مین نائی اُس کا سر مونڈتا ہے۔ اور جیسے ہی وہ سر مین استرا لگاتا ہے بچہ اگر لڑکا ہو تو دو اور لڑکی ہے تو ایک بکرا قربانی کیا جاتا ہے۔ مونڈ جانے کے بعد سر مین صندل لگایا جاتا ہے۔ اعزا و اقارب حسب حیثیت بچے کو کچھ رونمائی دیتے ہین۔ قربانی کا گوشت غربا اور اعزا مین تقسیم کر دیا جاتا ہے۔ اور گھر مین خوشی کا جلسہ ہوتا ہے۔ اور اُسی قسم کی محفل مرتب ہو جاتی ہے جیسی کہ اور تقریبون مین ہوتی ہے۔

کھیر چٹائی۔ اس تقریب سے بچے کو دودھ کے علاوہ اور غذاؤن کے دینے کا آغاز ہوتا ہے جو اکثر اُس وقت ہوا کرتی ہے جب بچہ چار یا پانچ مہینہ کا ہو چکتا ہے اکثر گھرون مین غذا کا آغاز کھیر سے کیا جاتا ہے۔ جو خاص اہتمام سے پکائی اور خاص طور پر قرابت دار خاتونون کی موجودگی مین بچہ کو چٹائی جاتی ہے جبکہ وہ نئے کپڑے پہنے ہوتا ہے اور سب بیویان ترقی عمر کی دعاؤن کے ساتھ اُس کے ہاتھ مین روپے دیتی ہین۔ اور وہی محفل طرب قائم ہو جاتی ہے جو ہر تقریب مین نظر آتی ہے۔

دودھ بڑھائی یہ تقریب اُس موقع پر ہوتی ہے جب بچے کا دودھ چھڑایا جاتا ہے۔ اس مین عموماً کچھ برین پکائی جاتی ہین تاکہ بچہ اگر دودھ کے لیے ضد کرے تو بہلانے کے طور پر اُس کے ہاتھ مین دیدی جایا کرین۔ مگر عموماً رواج ہے کہ اتنی مقدار مین پکائی جاتی ہین کہ جن جن گھرون سے حصہ داری ہے اُن مین تقسیم بھی ہو سکین۔ دودھ کے چھڑانے کا عام طریقہ یہ ہے کہ مان یا مُرضعہ کی چھاتیون مین پانی مین گھول کے ایلوا یا کوئی اور کڑوی چیز لگادی جاتی ہے جس کی کڑواہٹ سے گھبرا کے بچہ دودھ چھوڑ دیتا ہے۔ اور جب پینے کے لیے ضد کرتا اور بہلائے نہین بہلتا تو پھر یہی کارروائی کیجاتی ہے۔ اور دو ایک دفعہ مین اُسے دودھ سے نفرت ہو جاتی ہے۔ دودھ بڑھائی کا زمانہ علی العموم اُس وقت ہوتا ہے جب بچہ دو سال کا ہو جائے۔ حنفیون مین مدت رضاعت اڑھائی برس ہین۔ یعنی اڑھائی

برس کے بعد دودھ چھڑانا لازمی ہے۔ لیکن رواج اس سے کم ہی زمانے کا ہے۔
یہ اور بات ہے کہ بعض عورتیں تین تین چار چار سال تک دودھ پلاتی رہتی
ہیں۔ مگر یہ بات عموماً نفرت کی نظر سے دیکھی جاتی ہے۔ اس لیے کہ شرع کے خلاف
ہے۔ اس تقریب میں بھی جن گھروں کو خدا نے استطاعت دی ہے اُن میں
بہت اچھی چہل پہل ہو جاتی ہے۔ اور رقص و سرود کی محفل گرم ہوتی ہے۔

تسمیہ اللہ۔ تقریب اُس دن ہوتی ہے جس روز لڑکے کو پہلے پہل پڑھنے
کے لیے بٹھاتے ہیں۔ اور اُس کا زمانہ از روے رسوم مروجہ وہ خیال کیا گیا ہے
جب بچہ چار سال چار مہینے اور چار دن کا ہو جائے۔ اور اس چار کے عدد نے
اس تقریب میں اس قدر خصوصیت پیدا کر لی ہے کہ چار سال چار مہینے چار دن
کے بعد چار گھنٹے اور چار منٹ کا بھی لحاظ کیا جاتا ہے۔ وقت مقررہ پر کوئی محترم
مولوی صاحب یا کوئی بزرگ خاندان لڑکے کو جو نہلا دُھلا کے اور نئے کپڑے
پہنا کے دولھا بنا دیا جاتا ہے پڑھانے کے لیے لے کے بیٹھتے ہیں۔ الف بے کی کتاب
اُس کے سامنے رکھتے ہیں۔ اور بسم اللہ کہلا کے عربی کے دعائیہ الفاظ "رب یسر
ولا تعسر وتمم بالخیر" کہلاتے ہیں۔ جن کے معنی یہ ہیں کہ "خداوندا آسان کر۔ اور دشوار
نہ کر۔ اور خیریت سے ختم کر۔" بعد ازاں کہلا کے مٹھائی تقسیم ہوتی ہے۔ عزیز و قریب لڑکے
کو حسب توفیق دیتے ہیں۔ اور اُس دن سے اُس کی تعلیم شروع ہو جاتی ہے۔

ختنہ یہ بھی سنت ابراہیمی اور آل ابراہیم کی پرانی اور ضروری رسم
ہے۔ اور چونکہ ہندوستان میں صرف مسلمانوں کے ساتھ مخصوص ہے اور خیال
کیا جاتا ہے کہ اس کارروائی کے بعد سے لڑکا مسلمانوں میں شامل ہو جاتا ہے
اس لیے اس رسم کا عام نام ہی مسلمانی پڑ گیا ہے۔ اس میں بچے کے عضو مخصوص
کے منہ پر کی کھال کاٹ لی جاتی ہے۔ جس کا کاٹنا طبی اور ڈاکٹری اصول سے
بھی بعض امراض و شکایات سے بچنے کے لیے نہایت مفید ہے۔ یہ ایک قسم کا اپریشن
ہے جس کو ہمارے قدیم سرجن جراح جو عموماً نائی ہوتے ہیں نہایت خوبی اور
غیر معمولی پھرتی سے انجام دیتے ہیں۔ اُن کو اچھا معاوضہ اور انعام دیا جاتا ہے
اور اس رسم کے انجام دیتے وقت مردانے میں اکثر اعزا و احباب بُلا کے بٹھائے

جاتے ہین اور زنانے مین مہان بیویون کا مجمع ہوتا ہے۔ ختنہ ہوتے ہی مٹھائی تقسیم ہوتی ہے۔ جن کو استطاعت ہوتی ہے دعوت کرتے ہین۔ اور پھر اُس روز خوشی کی تقریب ہوتی ہے جب زخم اچھا ہونے کے بعد لڑکا غسل صحت کرے۔ اکثر خاندانون اور منت مراد والے گھرانون مین اس روز لڑکا دولھا بنا کے گھوڑے پر چڑھایا جاتا ہے۔ اور بیاہ ت بڑے جلوس اور دھوم دھام کے ساتھ کسی درگاہ مین جاتی ہے۔ جہان چادر اور مٹھائی چڑھا کے لڑکا اُسی شان سے گھر واپس آتا ہے۔ جہان خوشی کے چہچہے اور عیش و شادمانی کے جلسے نظر آتے ہین۔ اس رسم کے ادا ہونے کا زمانہ مختلف ہے۔ بعض لوگ چھٹی یا چلے ہی مین بچے کا ختنہ کرا دیتے ہین مگر عام رواج اُس وقت سے جب لڑکا چھ سات برس کا ہو جائے۔

ایک اور تقریب روزہ کشائی کی بھی ہے۔ یہ اُس وقت ہوتی ہے جب لڑکا یا لڑکی نو دس برس کی عمر کو پہونچ جائے اور اُسے پہلے پہل روزہ رکھوایا جائے۔ اس مین علی العموم بہت سے روزہ دارون کی دعوت کیجاتی ہے جن کے لیے کثرت سے افطاریان تیار کی جاتی ہین۔ اور لڑکا اُن کے ساتھ بیٹھ کے افطار کرتا ہے۔ اور لڑکی ہے تو زنانے مین مہان روزہ دار بیویون کے ساتھ روزہ کھولتی ہے۔ اس مین گانا بجانا کم ہوتا ہے۔ مگر شوقین اور رنگین مزاج لوگون کے لیے یہ بہانہ بھی محفل رقص و سرود گرم کرنے کے واسطے کافی ہو جاتا ہے۔

اسی قسم کی کارروائیان غسل صحت کی تقریبون اور منت مراد پوری ہونے کے موقعون پر ہوا کرتی ہین۔ اور سوا اُن خاص باتون کے جو اُس تقریب سے تعلق رکھتی ہون باقی سب باتین اُن مین بھی وہی ہوتی ہین جو اور تقریبون مین بیان کی گئین۔

(سب سے بڑی اور اہم تقریب شادی یا عقد نکاح ہے۔ یہ وہ ضروری تقریب ہے جس کی بے اعتدالیون کی بدولت سیکڑون خاندان تباہ ہو گئے اور تباہ و برباد ہوتے چلے جاتے ہین۔ اور وجہ یہ کہ

خوشی کے جوش اور شاہد آرزو سے ہمکنار ہونے کی محویت مین کسی کو نہ اپنی حالت واستطاعت کا خیال رہتا ہے نہ اپنے انجام و آل کار کا۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ قرض لے کے جائداد بیچ کے دوستون اور عزیزون سے مانگ کے۔ یا جس طرح کوئی رقم مل سکے فراہم کرکے ارماںین پوری کیجاتی ہین۔ اور شادی کے ختم ہوتے ہی یہ حالت ہوتی ہے کہ اکثر گھرون مین فاقے کی نوبت آجاتی ہے۔)

شادی اور نکاح چونکہ انسانی زندگی کا اہم ترین واقعہ ہے اس لیے اس کو ہم ذرا زیادہ تفصیل و تشریح سے بیان کرنا چاہتے ہین۔ شادی کی نسبت اکثر مثلاً طاؤن کے ذریعے سے ٹھہرتی ہے۔ ہندوستان کے تمام بڑے شہرون مین خصوصاً اُن مین جہان اگلے تمدن نے ترقی کی تھی عورتون کا ایک خاص پیشہ ہے مشاطہ گری۔ شعرا کے کلام اور لغت مین مشاطہ اُس عورت سے مراد ہے جو عالی مرتبہ خاتونون کے کنگھی چوٹی کرتی۔ کپڑے اور زیور پہناتی۔ اور اُنھین بنا چنا کے سنوارتی اور آراستہ کرتی ہے۔ مگر ہندوستان مین مشاطہ اُن عورتون کو کہتے ہین جو شادی کے پیام لیجاتی۔ نسبتین ٹھہراتی۔ اور شادیان کراتی ہین۔ غالباً اس پیشے کی ابتدا اُنھین عورتین سے ہے جو بڑی حسینون کو بنایا سنوارا کرتی تھین۔ اور آخر مین شادی ٹھہرانے والی عورتون کا نام مشاطہ پڑ گیا۔ یہ بڑی چالاک اور مکار عورتین ہوا کرتی ہین۔ ہر لڑکے کا پیام جب کسی گھر مین لیجاتی ہین تو اُس کی دولتمندی۔ تعلیم۔ سعادتمندی۔ خوش اخلاقی اور خوبصورتی کی اس قدر تعریف کرتی ہین کہ لڑکی والون کی نظر مین اُسے مثنوی میرحسن کا شاہزادۂ بے نظیر ثابت کیے بغیر دم نہین لیتی ہین۔ اسی طرح جب کسی لڑکی کی بات لڑکے والون کے یہان لے جاتی ہین تو اس کے حسن و جمال ناز و انداز۔ اور خوبی و رعنائی کے بیان مین ایسے لقلقے باندھ دیتی ہین کہ معلوم ہوتا ہے جس لڑکی کا ذکر کر رہی ہین وہ انسان نہین کوہ قاف کی پری یا شاہزادی بدر منیر ہے۔

مشاطہ کی پیام رسانیون کے بعد اگرچہ تحقیق و جستجو مرد ہی کرتے ہین

مگر نسبت ٹھہرنے مین زیادہ دخل دونون گھرون کی عورتون ہی کو ہوا کرتا ہی
جو اپنا اطمینان کر کے مردون کی رضامندی حاصل کرتی ہین- اور نسبت ٹھہر
جاتی ہے- جن خاندانون مین بچون کے پیدا ہوتے ہی ارمان بھری مائین
نسبت ٹھہرا لیا کرتی ہین اُن کے لیے مشاطہ کی ضرورت نہین پیش آتی- بلکہ دولہا
کو بے غل وغش ٹھیکرے کی منگی دولھن مِل جاتی ہے- اور شادی سے پیشتر
کی رسمین جن کو نسبت ٹھہرنے سے تعلق ہے اُن کی نوبت نہین آتی- گویا پیدا
ہوتے ہی منگنی ہو جاتی ہے-

نئے گھرون مین جب پیام جاتا ہے تو اکثر لڑکا اپنے چند عزیزون
اور مخصوص دوستون کے ساتھ "بر دکھوا" کے نام سے دولھن والون کے
وہان بلایا اور ایسی جگہ بٹھایا جاتا ہے جہان سے عورتین بھی اُسے تاک
جھانک کے دیکھ سکین- گھر والے مرد جمع ہو کے اُس سے ملتے اور
حسب حیثیت خاطر مدارات کرتے ہین- اسی طرح لڑکے کی مان بہنین
ایک مقررہ تاریخ پر دولھن کے گھر مین جاتی اور مٹھائی کھلانے یا کسی
اور بہانے سے دولھن کا چہرہ دیکھتی ہین جو عام طور پر اُن سے چھپائی
اور پردے مین رکھی جاتی ہے- مگر بعض شریف گھرون مین دولھا نہین بلایا جاتا
بلکہ خاندان کے مرد کسی نہ کسی عنوان سے لڑکے کی لاعلمی مین اُسے دیکھتے اور اس
کا حال دریافت کر لیتے ہین- اور یونہین لڑکی کی حالت کا بھی پتہ لگا لیا جاتا ہے-

ان طریقون سے جب لڑکے والی لڑکی کو اور لڑکی والے لڑکے کو پسند
کر لیتے ہین جس مین صورت شکل- حالت حیثیت کے علاوہ شرافت خاندان کو بھی
بہت کچھ دخل ہوتا ہے تو منگنی کی رسم عمل مین آتی ہے- اُس مین دولھا کے طرف سے
مٹھائی جاتی ہے- پھولون کا گہنا جاتا ہے- اور ایک سونے کی انگوٹھی جاتی ہے جسے
بعض گھرانون مین دولھا کی عزیز عورتین خود جا کے پہناتی ہین-

منگنی کی رسم ادا ہو جانے کے بعد سمجھا جاتا ہے کہ نسبت ٹھہر گئی اور
اس وقت سے دونون جانب معمول ہو جاتا ہے کہ جب کوئی تقریب ہو تو سمدھیانے
مین خاص اہتمام سے حصے جائین اور جو حصہ لڑکے یا لڑکی کے لیے ہوتا ہے وہ

بڑا ہوتا ہے اور خصوصیت کے ساتھ مُثَنّٰی و باوقعت بنا دیا جاتا ہے۔ اتنی اثنا مین اگر محرم آگیا تو دونون جانب سے اہتمام اور تکلف کے ساتھ گوٹا۔ آلائچیان چکنی ڈلیان۔ اور اعلیٰ درجے کا رچوبی اور ریشمی بٹوے سمدھیانے مین بھیجے جاتے ہین۔

برات یعنی نکاح کے دن سے چند روز پہلے دولھن مانجھے بٹھا دی جاتی ہے جبکہ اُسے مانجھے کا زرد جوڑا پہنایا جاتا ہے اُس وقت سے روز اُس کے ٹبنا لگتا ہے۔ اور بجز خاص ضرورتون کے وہ پردے کے باہر نہین نکلتی جس دن وہ مانجھے بیٹھتی ہے اُسی روز رسم ہے کہ اُس کا چھوٹا بٹنا۔ اُس کی چھوٹی مہندی مصری کا کوزہ اور بہت سی پینڈیان ایک شاندار جلوس اور باجے کے ساتھ دولھا کے گھر بھیجی جاتی ہین۔ جو پینڈیان خاص دولھا کے لیے ہوتی ہین وہ جداگانہ خوانون مین ممتاز و مخصوص ہوتی۔ اُنھین کے ساتھ دولھا کے لیے مانجھے کا زرد دھاری جوڑا۔ ایک رنگی ہوئی منقش چوکی اور توٹا کٹورا بھی ہوتا ہے توٹا کٹورا چوکی پر ناڑے سے کس کے باندھ دیے جاتے ہین۔ اور جلوس مین یہ چیزین اس ترتیب سے ہوتی ہین کہ باجے والون اور جلوس کے بعد سب کے آگے چوکی ہوتی ہے اُس کے بعد خوانون مین دولھا کی مخصوص چیزین ہوتی ہین جو عموماً کچے طباقون مین رکھی ہوتی ہین۔ اور اُن کے بعد بہت سے خوانون مین عام قسم کی پینڈیان ہوتی ہین۔ دولھن کی چھوٹی بہنین اور ڈومنیان فینس اور ڈولیون پر سوار ہو کے ساتھ جاتی ہین۔ جو دولھا کے گھر پہونچ کر ایک پینڈی اور مصری کے سات سات ٹکڑے کر کے وہ سب ٹکڑے دولھا کو ڈھکا ڈھکا کے کھلاتی ہین۔ اس رسم کی نسبت قیاس کیا جاتا ہے کہ خالص ہندی رسم ہے جس کو نہ عرب سے تعلق ہے نہ عجم سے۔ اس لیے کہ مانجھے اور اُس کے ساتھ کنگنے کی ابتدا ہندوستان کے سوا اور کسی جگہ نہین ثابت ہوئی۔

مانجھے کے دس بارہ روز سے زیادہ زمانہ گزرنے کے بعد اُسی شان و شوکت اور جلوس کے ساتھ دولھا کے گھر سے دولھن کے وہان ساچق جاتی ہے۔ ساچق ترکی لفظ اور ترکی رسم ہے اور معلوم ہوتا ہے

کہ ترک و مغل اس رسم کو اپنے ساتھ ہندوستان مین لائے مگر اس مین دولھا کے بیان سے دولھن کے لیے چڑھاوے کا جوڑا جاتا ہے جو عموماً بہت بھاری اور کارچوبی ہوتا ہے۔ اُس کے ساتھ دولھن کے لیے سُنہری مقیش کا سہرا۔ چاندی کا چھلا۔ سونے کی انگوٹھی۔ دو ایک اور چیزین ہوا کرتی ہین اور وہ زیور ہوتا ہے جس کو پہنا کر وہ رخصت کی جائے گی۔ اور پھولون کا گہنا ہوتا ہے۔ جوڑے کے ساتھ شکر کے نقل شکر کے قرص اور میوہ جاتا ہے۔ سانچق کے لیے خاص اہتمام سے منقش اور رنگین گھڑے تیار کرائے جاتے ہین پھر بانس اور کاغذ کے رنگا رنگ تختون مین چار چار گھڑے لگا کے چوگھرے بنا دیے جاتے ہین۔ اور دولتمندی و امارت کی شان کے مناسب اِن چوگھرون کی تعداد بڑھتی جاتی ہے۔ اور اکثر سو سو دو دو سو کے شمار کو پہونچ جاتے ہین مگر اُن کے اندر چند گنتی کے نقلون یا آدھ سیر شکر کے سوا کچھ نہین ہوتا۔ اُن کے مُنھ گھڑون پر عموماً سُوہے کا کپڑا ناڑے سے بندھا ہوتا ہے اور جلوس مین اُن سب گھڑون کے آگے چاندی کی ایک دہی کی مٹکی رہتی ہے جس مین دہی بھرا ہوتا ہے۔ اور اُس کے مُنہ پر بھی سُوہا ناڑے سے باندھ دیا جاتا ہے۔ اور اُس کے گلے مین مبارک فالی کے لیے دو ایک مچھلیان بھی بندھی ہوتی ہین یہ چیزین جب دولھن کے گھر مین پہونچتی ہین تو اعزا و اقارب مین تقسیم ہوتی ہین۔

چند کتابون پر ریویو

آب بقا۔ یہ خواجہ محمد عبدالرؤف صاحب عشرت لکھنوی کا ایک بیش بہا تذکرہ شعراے اُردو کے حالات مین ہے جو ۱۸×۲۲ تقطیع کے ۲۱۶ صفحون پر پورا ہوا ہے۔ اس مین حضور جان عالم واجد علی شاہ اختر آخری تاجدار اودھ۔ آتش۔ ناسخ۔ اور بہت سے اور شاعرون کے حالات زندگی اور اُن کا منتخب کلام ہے۔ اس کو مرزا جعفر علی صاحب نشتر لکھنوی نے سیٹھ کندن لال پریس مین چھپوا کے شائع کیا ہے۔ قیمت فی جلد عمہ

[illegible]۔ اس مین فصیح با محاورہ زبان مین مختلف عنوانون پر خواجہ صاحب موصوف کے چند مضامین ہین جن سے قدیم طرز تمدن خانہ داری کا انکشاف ہوتا ہے [illegible] ان پر اچھا اثر پڑتا ہے۔ اس کتاب کو بھی مرزا جعفر علی صاحب نشتر نے مطبع مذکور مین چھپوایا ہے۔ قیمت فی جلد ۲ ہے دونون [illegible] کتابین [illegible] قابل مؤلف یعنی مرزا جعفر علی صاحب نشتر سے لکھنؤ [illegible] کے پتہ پر خط بھیج کے منگوائی جائین

قدیم سیاحان ہندوستان

سارا ہندوستان تین حصون مین منقسم ہے۔ ایک حصہ ایران سے دریاے سندھ تک پھیلا ہوا ہے۔ دوسرا دریاے سندھ سے دریاے گنگا تک۔ اور تیسرا حصہ وہ ہے جو اُس کے آگے ہی۔ یہ تیسرا حصہ دولت۔ شائستگی اور شان وشوکت مین پہلے دونون حصون سے بڑھا ہوا ہے۔ اور تہذیب اور طرز معاشرت مین بھی خاص ہمارے ملک کی طرح ہے۔ یہان کے باشندے بڑی بڑی خوشنما عمارتون مین رہتے ہین۔ اور اُنھین نہایت شاندار ساز وسامان سے آراستہ کرتے ہین۔ وہ اپنی زندگی ایسی عمدگی سے بسر کرتے ہین کہ اُس مین کوئی خرابی یا غیر مہذب بات نہین پائی جاتی۔ یہ لوگ نہایت خوش اخلاق ہین اور تاجر بہت دولتمند ہین۔ بعض تاجرون کی یہ حالت ہی کہ اُن کے پاس چالیس سے زیادہ جہاز ہین جو اُن کا مال تجارت لے جاتے اور لے آتے ہین۔ اُن مین سے ہر جہاز کی قیمت کا اندازہ پچاس ہزار دینار ہے۔ یہ لوگ یورپ والون کی طرح میز پر کھانا کھاتے ہین جن پر چاندی کے ظروف استعمال کیے جاتے ہین۔ ہندوستان کے بقیہ سب لوگ زمین پر دری بچھا کے کھانا کھاتے ہین۔ ہندوستان مین انگور نہین ہوتا اور نہ وہان کے لوگ شراب کا استعمال کرتے ہین۔ لیکن وہ ایک قسم کا عرق تیار کرتے ہین جو چاول کو ایک درخت کے عرق مین پیس کے بنایا جاتا ہے اور سرخ رنگ اُس مین ملا دیا جاتا ہے۔ وہ بھی شراب کی طرح نشہ پیدا کرتا ہے۔ جزائر سماترہ مین ایک درخت ہوتا ہے جس کی شاخین کاٹ کے اونچے پر لٹکا دیجاتی ہین اُس مین سے بھی ایک قسم کا شیرین عرق نکلتا ہی جو نہایت خوش ذائقہ ہوتا ہے۔ دریاے سندھ اور گنگا کے درمیان

مین ایک تالاب ہے جس کا پانی ایک خاص ذائقہ رکھتا ہی اور لوگ اُسے بڑی
خوشی سے پیتے ہین خاص اُس ضلع کے اور دُور دُور کے لوگ اُس تالاب کے گرد
جمع ہوتے ہین تاکہ اُس کا پانی لیجائین۔ سوارون کے ذریعے سے اُس کا تازہ
پانی روزانہ دُور دُور پہونچایا جاتا ہے۔ یہان روٹی نہین ہوتی بلکہ یہان کے
لوگ ایک قسم کی غذا پر بسر کرتے ہین جو چاول۔ گوشت۔ دودھ۔ اور پنیر سے تیار
کیجاتی ہے۔ یہان مرغیان۔ تیتر۔ بٹیر اور دوسری جنگلی چڑیان پیدا ہوتی ہین اور
یہان کے لوگ اُن کو پالتے اور اُن کا شکار کرتے ہین۔ ان لوگون کی ڈاڑھیان
نہین ہوتین اور اُن کے بال بہت لمبے ہوتے ہین۔ بعض لوگ اُنھین اپنے سر کے پیچھے
ایک ریشمی ڈورے سے باندھ دیتے ہین اور وہ اُن کے پشت کی جانب شانون
پر لٹکتے رہتے ہین۔ اسی شان سے وہ لڑائی پر جاتے ہین۔ ہماری طرح اُن کے
یہان بھی حجام ہوتے ہین۔ قد و قامت اور مدت عمر مین وہ لوگ یورپ والون
کی طرح ہین۔ وہ کارچوبی بسترون اور ریشمی دریون پر سوتے ہین۔ لیکن ہر ملک
کا لباس جداگانہ ہوا کرتا ہے۔ یہان اُون بہت کم استعمال کیا جاتا ہے۔ لیکن روئی
اور ریشم نہایت کثرت کے ساتھ پیدا ہوتا ہے اور اُسی سے یہ لوگ اپنے کپڑے
بناتے ہین۔ مرد اور عورتین سب ایک قسم کا سوتی کپڑا اپنے جسم کے گرد لپیٹ
لیتے ہین اور اُس کے اوپر ایک سوتی یا ریشمی کپڑا ہوتا ہی جو مردون کے گھٹنون تک اور
عورتون کے ٹخنون تک لٹکتا رہتا ہی گرمی کی وجہ سے وہ زیادہ کپڑے نہین پہن سکتے۔ اور اسی وجہ سے وہ جوتون
کے بجاے تلے پہنتے ہین جس مین سرخ اور سنہری پٹیان لگی ہوتی ہین جیسی کہ ہم قدیم مورتون
مین دیکھتے ہین۔ بعض مقامات کی عورتین جوتے بھی پہنتی ہین جو نہایت ہلکے چمڑے
کے بنائے جاتے ہین اور جن پر سُنہرا اور ریشمی کام بنا ہوتا ہے۔ خوش نمائی
کے لیے وہ اپنے ہاتھون اور پاؤن مین سونے کے کڑے پہنتی ہین۔ ایسے ہی
طلائی زیور اُن کے گلے اور پاؤن مین بھی ہوتے ہین جن کا وزن ڈیڑھ سیر
سے کم نہین ہوتا اس مین ہیرے اور جواہرات جڑے ہوتے ہین۔ بدچلن عورتین
ہر جگہ پائی جاتی ہین جو خاص مکانون کے اندر شہر کے ہر حصے مین رہتی ہین
اور تیل کی خوشبو۔ بناؤ سنگھار حُسن اور نوجوانی کے ذریعے سے مردون کو اپنی

طرف مائل کرتی ہین۔ ہندوستان کے لوگ بہت زیادہ شہوت پرست ہین۔ لیکن غیر نطری افعال اُنھین بالکل نہین معلوم۔ سر کا سنگھار مختلف طریقون سے کیا جاتا ہے۔ لیکن زیادہ تر یہ طریقہ رائج ہے کہ سر کے اوپر ایک کارچوبی کپڑا ڈال لیا جاتا ہے اور بال ایک ریشمی ڈورے مین لپیٹ دیے جاتے ہین۔ بعض جگہ کی عورتین اپنے بالون کو سر کے اوپر لپیٹ کے ایک مخروطی شکل بنا لیتی ہین۔ اُس کے سرے پر ایک سونے کی کیل لگی ہوتی ہے جس مین سے سونے کے تار اُن کے بالون پر لٹکتے رہتے ہین۔ بعض عورتین سیاہ رنگ کے نقلی بال لگا لیتی ہین۔ بعض لوگ اپنے سرون پر درختون کے پتے لگاتے ہین جن کے اوپر نقش و نگار بنا دیے جاتے ہین۔ لیکن نیچے (جنوبی حصۂ چین یعنی خطا) کے سوا اور کہین کے لوگ اپنے چہرون پر نقش و نگار نہین بناتے۔

وسط ہندوستان کے لوگ صرف ایک بیوی رکھ سکتے ہین۔ مگر ہندوستان کے دوسرے حصون مین مردون کو ایک سے زیادہ شادیان کرنے کا اختیار ہے۔ لیکن مسیحی جنھون نے نسطوری بدعت کو اختیار کر لیا ہے اور سارے ہندوستان مین پھیلے ہوے ہین ایک ہی شادی کرتے ہین۔

ہندوستان کے سب حصون مین تجہیز و تکفین کی رسمین جداگانہ ہین لیکن ہندوستان کے آخری حصہ کے لوگ اپنے مردون کی تجہیز و تکفین مین جو شان و شوکت دکھاتے ہین وہ سب سے زیادہ ہے۔ قبر زمین کو کھود کے پکی دیوارون کے ذریعہ سے مضبوط اور خوشنما بنائی جاتی ہے۔ مردون کو ایک خوشنما تابوت مین رکھتے ہین جس مین سنہرے تکیے ہوتے ہین۔ یہ سارا تابوت اُس قبر مین رکھ دیا جاتا ہے۔ اُس کے گرد ٹوکریون مین نہایت قیمتی کپڑے اور زیور رکھ دیے جاتے ہین۔ گویا وہ شخص دوسری دنیا مین جا کے اُنھین استعمال کرے گا۔ پھر اُس قبر کو پکی دیوار کے ذریعے سے چن دیتے ہین تاکہ کوئی شخص اُس کے اندر نہ جا سکے۔ قبر کے اوپر ایک بہت بڑا گنبد بڑے صرف سے تعمیر کیا جاتا ہے جس کی وجہ سے قبر بارش اور دھوپ سے محفوظ رہتی اور بہت دنون تک قائم رہتی ہے۔ وسط ہندوستان مین مُردے جلا دیے جاتے ہین اور اُن کی زندہ بیبیان اکثر اپنے شوہرون کے ساتھ اُسی چتا پر جل کے مر جاتی ہین۔ اگر کسی مرد کے ایک سے زیادہ بیبیان

ہون تو پہلی بیوی قانوناً مجبور ہے کہ اپنے شوہر کے ساتھ جل کے مرجائے۔ لیکن دوسری بیبیان اُس معاہدے کی پابند ہون گی جو شادی کے وقت خاص طور پہ کیا جائے کہ وہ بھی اپنے شوہر کی موت پہ اُس کی چتا کو زیادہ شاندار بنائین گی یا نہین۔ شوہرون کے ساتھ جلکے مرجانا بڑی عزت کی بات خیال کیجاتی ہے۔ مردہ شوہر ایک بستر پہ لٹا دیا جاتا ہے۔ اُسے بہترین کپڑے پہنائے جاتے ہین۔ پھر اُس کے اوپر خوشبودار لکڑیون کی ایک بہت بڑی چتا مخروطی شکل مین بنائی جاتی ہے۔ چتا مین آگ لگا دیجاتی ہو۔ اور اُس کی بیوی جو نہایت قیمتی کپڑے پہنے ہوتی ہو گاتی ہوئی اُس چتا کے گرد پھرتی ہے بہت سے لوگ جمع ہو جاتے ہین اور زور زور شور سے باجا بجایا جاتا ہے۔ ایک برہمن جو بجالی کھلاتا ہے اونچی جگہ پہ کھڑا ہوتا ہو اور اُس عورت کو زندگی سے نفرت دلاتا ہے۔ پھر اُسے اِس بات کا یقین دلاتا ہو کہ تمھین دوسرے عالم مین اپنے شوہر کے ساتھ بیشمار دولت اور بے انتہا ہیرے اور جواہرات کے زیورون کے ساتھ لطف حاصل ہو گا۔ وہ عورت آگ کے گرد کئی مرتبہ چکر لگاتی ہے پھر اُس برہمن کے قریب آکے کھڑی ہو جاتی ہے اپنے قیمتی کپڑے اُتار ڈالتی ہے اور رسم کے مطابق نہانے دھونے کے بعد ایک سفید چادر لپیٹ لیتی ہے پھر برہمن کے اشارہ کرتے ہی آگ مین پھاند پڑتی ہے اگر کسی عورت سے کمزوری اور بزدلی ظاہر ہوتی ہے کیونکہ اکثر ایسا ہوتا ہے کہ دوسرون کے جلنے کی تکلیفین دیکھ کے اُس کے ہوش و حواس درست نہین رہتے تو خواہ وہ راضی ہو یا نہ ہو مگر لوگ اُسے پکڑ کے آگ مین پھینک دیتے ہین۔ اُن کی راکھ جمع کر کے رکھ لی جاتی ہے۔

مُردون کا غم اور تعزیت ادا کرنے کے لیے بھی مختلف طریقے ہین وسط ہندوستان کے لوگ اپنا سارا جسم اور سر تک ایک کپڑے مین لپیٹ لیتے ہین بعض لوگ چورا ہون پر لمبے بانس کھڑے کرتے ہین جن مین رنگین کاغذ لٹکتا ہوتا ہے۔ تین دن وہ اُس کا ماتم کرتے اور رو دیتے ہین۔ پھر عزیزون کو خدا کی راہ مین کھانا کھلاتے ہین۔ مرنے والے کے گھر مین اُس کے اعزا اور پڑوسی جمع ہوتے ہین وہان کوئی کھانا نہین پکایا جاتا۔ بلکہ جس چیز کی ضرورت ہوتی ہے

باہر سے آتی ہیں تین روز تک اُن کے دوست ایک قسم کی کڑوی پتی اپنے مُنہ میں رکھتے ہیں جن کے ماں یا باپ مرجاتے ہیں۔ وہ ایک سال تک نہ اپنے کپڑے بدلتے ہیں نہ دن میں ایک دفعہ سے زیادہ کھانا کھاتے ہیں نہ اپنے ناخون یا بال کٹواتے ہیں اور نہ اپنی ڈاڑھی مُنڈاتے ہیں۔ مُردون کے لیے اکثر عورتین ہی روتی اور ماتم کرتی ہین۔ وہ میت کے گرد اپنا سینہ کھول کے کھڑی ہوجاتی ہین اور چلا چلا کے رونے اور آہ و زاری کرنے کے ساتھ ہاتھون سے اپنے سینے پیٹتی ہین ایک عورت پُرسوز نغمے مین اُس مرحوم شخص کی تعریف کرتی جاتی ہے اور خاص خاص وقفون کے ساتھ دوسری عورتین بھی اُس کے ساتھ شامل ہوجاتی اور اپنے سینے پیٹنے لگتی ہین۔ شہزادون کی چتا کی راکھ سونے اور چاندی کے ظروف مین رکھی جاتی ہے۔ پھر کسی ایسے تالاب مین ڈال دیجاتی ہے جو دیوتاون کے لیے مخصوص ہے کیونکہ اُن کے اعتقاد کے مطابق دیوتاون کے پاس پہونچنے کا یہی طریقہ ہے۔

اُن کے برہمن جو پجاری کھلاتے ہین کسی جانور کا گوشت نہین کھاتے۔ خصوصاً گائے یا بیل کو مارنا اور کھانا بہت بڑا گناہ خیال کیا جاتا ہے۔ کیونکہ وہ انسان کے لیے سب سے زیادہ مفید جانور ہے۔ ہندوستان کے لوگ بیل کو باربرداری کے کام مین لاتے ہین۔ یہ برہمن چاول ترکاریون پھلون اور ٹھاجی پر بسر کرتے ہین۔ اُن کی فقط ایک بی بی ہوتی ہے جو اپنے شوہر کے ساتھ جلا دیجاتی ہے۔ وہ لاش کے برابر لیٹ رہے اور اپنا ہاتھ اُس کے گلے مین ڈال کے بغیر کسی قسم کا ہراس ظاہر کیے جل جاتی ہے۔

ہندوستان کے ہر حصے مین ایک قسم کے فلسفی لوگ ہین جو برہمن کھلاتے ہین یہ نجوم اور آیندہ واقعات کی پیشین گوئی کے لیے اپنی زندگی کو وقف کردیتے ہین۔ یہ لوگ نہایت مہذب ہوتے ہین اور نہایت پاکبازنہ زندگی بسر کرتے ہین۔ نکلو بیان کرتا ہے کہ انھین برہمنون مین مین نے ایک شخص کو دیکھا جس کی عمر تین سو برس کی تھی۔ لوگ اُسے حیرت سے دیکھتے تھے اور جہان کہین وہ جاتا تھا لڑکے اُس کے ساتھ ہوتے تھے۔ یہ لوگ ایک علم کے ذریعے سے جو اِن لوگون کو معلوم ہے اکثر پیش آنے والے واقعات کو ایسی صحت کے ساتھ بیان کردیتے ہین گویا وہ خود اُن واقعات کو دیکھ چکے ہین۔ وہ بعض منترون سے بھی کام لیتے ہین اور اُن کے ذریعے سے اکثر باد و باران کا طوفان اُٹھاتے ہین اور پھر اُس کو خاموش بھی کرسکتے ہین۔ انھین

کی وجہ سے اکثر لوگ تنہائی مین بیٹھ کے کھانا کھاتے ہین تاکہ ان برہمنون کی نظر نہ لگ جائے۔

نکو بیان کرتا ہے کہ ایک موقع پر مین جہاز کا سردار تھا اور بیچ سمندر مین ہمارا جہاز سات دن تک بغیر ہوا کے پڑا رہا۔ ملاحون کو یہ خوف پیدا ہوا کہ اب چند روز ہوا نہ چلے گی لہٰذا وہ سب ایک میز کے گرد جمع ہوے جو مستول کے قریب رکھی تھی چند پاک رسمین ادا کرنے کے بعد وہ اُس میز کے گرد ناچنے لگے اور زور زور سے اپنے دیوتاؤن کا نام لیکر پکارتے رہے۔ اس اثنا مین ایک عرب جس کے قبضے مین کوئی جن تھا عجیب و غریب طریقے سے گانے لگا اور ایک پاگل شخص کی طرح جہاز بھر مین ادھر اُدھر دوڑنے لگا۔ پھر وہ میز کے قریب آیا اور ایک کوئیلا اُٹھا کے کھا لیا جو اُس پر رکھا ہوا تھا۔ اور ایک مرغ کا خون مانگا۔ فوراً مرغ حلال کر کے اُس کے منھ مین لگا دیا گیا۔ اور وہ اُس کا خون پی گیا۔ اب اُس نے پوچھا "تم کیا چاہتے ہو" لوگون نے جواب دیا "ہوا"۔ اُس نے وعدہ کیا کہ تین دن کے اندر ایسی ہوا چلنے لگی جس سے تم بہت خوش ہو گے۔ اور وہ تمھین بندرگاہ مین پہونچا دے گی۔ پھر اُس نے ہاتھ سے اشارہ کر کے بتا دیا کہ اس رُخ کی ہوا چلے گی اور اُنھین آگاہ کر دیا کہ اُس ہوا کے لیے تیار ہو جائین۔ اُس کے تھوڑی دیر بعد وہ شخص بیہوش ہو کے گر پڑا اور اُسے بالکل خبر نہ تھی کہ تھوڑی دیر قبل مین کس حال مین تھا اور کیا کہہ رہا تھا۔ اُس کی پیشین گوئی کے مطابق ہوا چلی اور چند روز مین وہ سب لوگ بندرگاہ مین پہونچ گئے۔ ہندوستان کے ملاح اپنے جہازون کو جنوبی کُرے کے ستارون کی مدد سے لیجاتے ہین کیونکہ شمالی کُرے کے ستارے اُنھین نظر نہین آتے۔

وہ لوگ قطب نما کا استعمال نہین جانتے لیکن اپنا راستہ اور مقامات کا فصل قطب جنوبی کے اُونچے اور نیچے ہونے سے معلوم کر لیتے ہین اور اُس کی بلندی اور پستی کے ناپنے کا ایسا عمدہ طریقہ اُن کو معلوم ہے کہ وہ جان جاتے ہین کہ اس وقت ہم کہان ہین۔ اُن کے بعض جہاز ہمارے جہازون سے بہت بڑے ہوتے ہین جن مین دو ہزار آدمی بخوبی سوار ہو سکتے ہین۔ اُن مین پانچ بادبان اور اتنے ہی مستول ہوتے ہین۔ اُن کے پیندے لکڑیون کے تہرے تختون سے

بنائے جاتے ہین تا کہ طوفانون کی شدت سے جس سے اکثر اُنھین سابقہ پڑا رہتا ہی محفوظ رہین۔ بعض جہاز کے علیحدہ علیحدہ حصے کرکے اس طرح بناتے ہین کہ اگر ایک حصہ ٹوٹ جائے تو دوسرا حصہ صحیح وسالم اُس دریائی سفر کو پورا کرسکے۔

سارے ہندوستان مین دیوتاؤن کی پرستش کیجاتی ہے اور اُن کے لیے وہ لوگ ہماری طرح مندر بناتے ہین اُن کا اندرونی حصہ مختلف تصویرون سے منقش کیا جاتا ہے۔ خاص خاص دنون مین یہ مندر پھولون سے آراستہ کیے جاتے ہین اُن کے اندر وہ اپنے بتون کو رکھتے ہین جو پتھر سونے چاندی اور ہاتھی دانت کے ہوتے ہین۔ اُن مین سے بعض بُت ساٹھ فٹ بلند ہین۔ ان کی عبادت اور قربانیون کے طریقے جداگانہ ہین۔ تازے پانی سے نہا کے وہ لوگ صبح اور شام ان مندرون مین داخل ہوتے ہین اور ہاتھ اور پیر سمیٹ کے سجدے مین گر پڑتے ہین دعاءین پڑھتے ہین اور وہان کی زمین چومتے ہین۔ بعض لوگ اپنے دیوتاؤن کے سامنے خوشبودار لکڑیان صندل اور لوبان جلاتے ہین۔ ہندوستان کے اُن لوگون کے پاس جو گنگا کے اُس طرف رہتے ہین گھنٹیان نہین ہین اور وہ پیتل کے برتنون کو آپس مین بجا کے نغمے کی آواز پیدا کرتے ہین۔ وہ اپنے دیوتاؤن کی دعوتین کرتے ہین۔ یہ طریقہ قدیم بُت پرستون کا ہی۔ وہ کھانا غریبون مین تقسیم کردیا جاتا ہی جو اُسے کھا لیتے ہین۔ شہر کھمبات مین برہمن بتون کے سامنے کھڑے ہو کے لوگون کے سامنے تقریر کرتے ہین اور لوگون کو مذہبی فرائض کے ادا کرنے کی ترغیب دلاتے ہین اور اِس بات کو خاص طور پر بیان کرتے ہین کہ ہمارے دیوتا اس سے بہت خوش ہوتے ہین کہ اپنی جان اُن کی نذر کردیجائے۔ اس طرح جو لوگ اپنے کو قربان کرنے کے لیے آمادہ ہوجاتے ہین وہ اُس مندر کے سامنے جمع ہوتے ہین اور اپنی گردن مین ایک گول لوہے کی ہنسلی ڈال لیتے ہین جس کا اگلا حصہ گول ہوتا ہی اور پچھلا حصہ تلوار کی طرح باڑھ دار اور تیز ایک زنجیر اُس ہنسلی کے اگلے حصے مین لگی ہوتی ہے جو اُن کے سینے پر لٹکتی رہتی ہے۔ وہ لوگ اپنی گردن جھکا کے بیٹھ جاتے ہین۔ اور پیرون کو سمیٹ کے اِس زنجیر مین ڈال لیتے ہین پھر وہ برہمن اُن کے قریب آکے چند الفاظ اپنی زبان سے ادا کرتا ہے اور وہ لوگ فوراً اپنے پاؤن

پھیلاکے اور گردنون کو قائم رکھ کے خود ہی اپنا سرتن سے جدا کردیتے ہین - اسی طرح وہ لوگ اپنی جانون کو اُن دیوتاؤن پر قربان کرتے ہین اور وہ دلی خیال کیے جاتے ہین

بیجانگر مین سال مین ایک مرتبہ مقررہ تاریخ پر اُن کے دیوتا کا بُت شہر سے نکالا جاتا ہے - جو دو رتھون کے اوپر رکھا ہوتا ہے - اور اُن رتھون مین نوجوان اور حسین عورتین بھی ہوتی ہین جو نہایت قیمتی لباس سے آراستہ کردیجاتی ہین - یہ اُس دیوتا کے بھجن گاتی جاتی ہین - بیشمار لوگ اُن کے ساتھ ہوتے ہین - بہت سے لوگ جو راسخ العقیدہ ہین اور مذہبی جوش دکھانا چاہتے ہین اُن رتھون کے پہیون کے آگے اپنے آپ کو ڈال دیتے ہین تاکہ اُن کے نیچے دب کے مرجائین - اُن کا خیال ہے کہ موت کا یہ طریقہ اُن کے دیوتا کو بہت پسند ہے - بعض لوگ اپنے پہلو مین ایک سوراخ کرکے اُس مین سے رسّی ڈال کے اپنے آپ کو رتھون مین لٹکا دیتے ہین اور اسی طرح لٹکتے ہوئے اس دیوتا کی سواری کے ساتھ جاتے ہین قربانی کا یہ طریقہ سب سے زیادہ اچھا تسلیم کیا جاتا ہے -

یہ لوگ سال مین تین مرتبہ خاص طور پر اپنی عیدین مناتے ہین - ایک موقع پر ہر عمر کے مرد اور عورتین اور بچے ندی یا سمندر مین نہاتے ہین اور نئے کپڑے پہن کے تین دن ناچنے گانے اور دعوتون مین بسر کرتے ہین - دوسری عید مین وہ اپنے مندرون کے اندر اور باہر اور چھتون پر بیشمار چراغ جلاتے ہین جو رات دن روشن رہتے ہین - تیسری عید مین جو نو دن منائی جاتی ہے چوراہون پر بڑی بڑی لکڑیان کھڑی کیجاتی ہین جو چھوٹے جہاز کے مستول کیطرح ہوتی ہین - اُس کے اوپر کے حصے مین مختلف قسم کا خوش نما کارچوبی کپڑا لپیٹ دیا جاتا ہے اِن کے اوپر ایک نہایت پرہیزگار شخص بٹھا دیا جاتا ہے جو اپنے مذہب کا پابند ہو اور ہر قسم کی سختی کو برداشت کرسکتا ہو - وہ وہان بیٹھ کے خدا سے دعا مانگتا ہے - لوگ اُس کی طرف لیمون نارنگی اور دوسرے خوشبودار پھل پھینک کے مارتے ہین - اور وہ نہایت صبر و تحمل کے ساتھ اُس کے صدمے کو برداشت کرتا ہے - اس کے علاوہ اِن لوگون کی تین اور عیدین ہین جن مین وہ ایک دوسرے کے اوپر راستے مین زعفران کا پانی ڈالتے ہین - اور اگر بادشاہ اور ملکہ بھی آجائین تو اُس پانی سے نہین بچ سکتے -

جعفر اور یوسف مصر مین

لیکن اب بھی ابو الفتوح کو اطمینان نہ تھا۔ جعفر سے لوگ اس قدر ناراض تھے کہ دل مین ڈرتا تھا کہ حکمرانی سے علیحدہ ہونے پر بھی اُسے کسی طرح کا ضرر نہ پہونچا دین چنانچہ اُس نے جعفر کو جہاز پر سوار کرا کے مصر مین پہونچا دیا تاکہ وہان امن و امان سے زندگی بسر کرے۔ اس کے چند روز بعد خود یوسف بھی باوجود معذوری کے مصر مین چلا گیا۔ اور اپنے ساتھ صقلیہ سے بہت بڑی دولت و حشمت لیتا گیا۔ مورخین کا بیان ہی کہ جب اُس نے ساحل سے لنگر اُٹھایا ہے تو اُس کے ہمراہ چھ لاکھ ستر ہزار اشرفیان تھین۔ لیکن مصر مین باوجود دولتمندی کے وہ شہریاری و حکمرانی کی شان و شوکت کہان نصیب ہو سکتی تھی؟ کہتے ہین کہ صقلیہ مین اُس کے پاس خچرون اور بار برداری کے جانورون کے علاوہ تیرہ ہزار عمدہ گھوڑے تھے۔ مگر مصر مین جب وہ مرا ہے تو اُس کے پاس ایک گھوڑے کے سوا دوسرا نہ تھا۔

احمد بن یوسف الملقب بہ اکحل حاکم صقلیہ

احمد زمانے کے نشیب و فراز اور رعایا کی حالت دیکھ چکا تھا۔ اب جو حکومت کی باگ اپنے ہاتھ مین لی تو بڑی احتیاط سے کام لیتا۔ اور پھونک پھونک کے قدم رکھتا۔ عقلمندی و دانائی سے حکومت کی۔ ملک کا انتظام بڑی ہوشیاری سے کیا۔ فوجین جمع کین سلطنت کی قوت بڑھائی۔ اور بلاد کفار پر فوجین بھیجنا شروع کین۔ جنھون نے حسب سابق اٹلی کے مختلف شہرون پر تاختین کین۔ آبادیون کو لوٹا مارا جلایا۔ مال غنیمت حاصل کیا۔ اور ہزارون لونڈی غلام پکڑ لائے۔ اور چند ہی روز مین اگلی سطوت و شوکت کی جھلک پھر مسلمان ساکنین صقلیہ کو نظر آ گئی۔ اس لیے کہ صقلیہ کے تمام قلعے تابع فرمان اور مطیع و منقاد تھے۔ رعایا مین امن و امان تھا۔ شورش و عناد کا کہین نام و نشان نہ تھا۔ اور دشمن شہرون اور ملکون پر مسلسل حملے ہو رہے تھے۔

احمد اکحل کا ایک بیٹا تھا جعفر جو اُسے بہت عزیز تھا۔ وہ جب کسی مہم پر

جاتا تو اُسی کو اپنا جانشین بنا کے چھوڑ جاتا۔ مگر اُس سے باپ کے خلاف ایسے حرکات سرزد ہونے لگے جن سے ملک مین پھر شکایت پیدا ہو گئی۔ یہ رنگ دیکھ کے احمل نے اس بات کی کوشش کی کہ حکمت عملی سے رعایا کا زور توڑ کے اِس اندیشے کو ہمیشہ کے لیے مٹا دے۔

رعایا کے ساتھ اُس کی ذلیل سازش

اُن دنون صقلیہ مین دو گروہ تھے۔ ایک بربری جو اگلے فاتحان عرب کے ساتھ آئے تھے اور جزیرے پر قبضہ کر کے یہین مقیم و متوطن ہو گئے۔ ان لوگون کو اگرچہ جعفر نے کثرت نے سے نکال دیا تھا مگر پھر بھی بہت سے باقی تھے۔ اور جو نکالے گئے تھے اُن مین سے اکثر اپنے تعلقات کے باعث احمد اکحل کے عہد مین واپس آگئے تھے۔ دوسرے خاص صقلیہ کے لوگ تھے جن مین سے اکثر نے دین اسلام قبول کر کے عربی معاشرت اختیار کر لی تھی۔ اور مسلمان حکمرانان صقلیہ کے جھنڈے کے نیچے جا کے دشمنان دین سے مقابلہ کیا کرتے تھے۔

اس پچھلے گروہ کے سرگروہون اور عمائد کو احمد اکحل نے اپنے قصر مین جمع کیا۔ اور اُن سے کہا "مین چاہتا ہون کہ تم کو افریقہ والون پر غالب کر دون۔ مناسب یہ معلوم ہوتا کہ وہ سب چن چن کے ہمارے جزیرے سے نکال دیے جائین جو تمھارے وطنی حقوق مین خواہ مخواہ شریک ہو گئے ہین۔ اُن کے نکل جانے کے بعد تم آزاد ہو گے۔ اور تمھارا وطن تمھارے لیے رہ جائے گا۔" صقلیہ والون نے یہ سُن کے کہا "آپ کا فرمانا بجا ہے۔ مگر یہ کیونکر ممکن ہو گا؟ اہل بربر نے یہان توطن اختیار کر لیا ہے۔ جائدادین پیدا کی ہین۔ یہان شادیان کی ہین۔ اُن کی اولاد ہر شہر و قصبہ مین پھیلی ہوئی ہے۔ ہم سے اُن سے قرابتین ہین۔ ہم دل کے ایک ہو گئے ہین۔ اور اب وہ غیر نہین بلکہ یہین کے باشندے ہین۔" اہل صقلیہ کا یہ جواب سُن کے احمد اکحل نے اُن کو رخصت کر دیا۔

دو چار روز بعد بربری متوطنان صقلیہ کے سرگروہون اور افسرون کو اپنے قصر مین بلوایا۔ اور اُن سے اہل صقلیہ کی مخالفت کی۔ اُن سے

کہا "مین چاہتا ہون کہ تمھین اہل صقلیہ پر فوقیت دون۔ اور تمھارے حقوق فاتحون کے سے مقرر کر دون۔ تمھاری اس مین کیا راے ہے؟" اُنھون نے کہا "ہم آپ کی راے کے موافق ہین۔ اور ہمین آپ ہر موقع پر وفادار اور تابع فرمان پائین گے۔" یہ جواب سنتے ہی اکحل نے ارادہ کر لیا کہ بربریون کو خصوصیت کے ساتھ ترجیح اور عزت دے۔ اور اُن کے حقوق بڑھا دیے جائین۔

اہل افریقیہ کی جنبہ داری اور اہل صقلیہ پر ظلم

چنانچہ اُس وقت سے اُس نے اہل بربر کو اپنے گرد جمع کیا۔ معزز عہدے اور خدمات اُنھین کے ہاتھون مین دیدیے۔ اُن کی جائدادون اور زمینون کو ٹکس اور خراج سے مستثنیٰ کر دیا۔ اور اُس سے خراج مین جو کمی ہوئی اُس کو اہل صقلیہ کی جائدادون پر بڑھا لیا۔ اور اُن کے ساتھ خراج وصول کرنے مین سختیان ہونے لگین۔

اہل صقلیہ کی فریاد المعز کے سامنے

چند ہی روز مین اہل صقلیہ گھبرا اُٹھے۔ لاکھ چیخ پکار کی مگر سماعت نہ ہوئی اور ایسا نظر آنے لگا کہ جیسے سلطنت نے اُن کی آہ و زاری سننے سے کان بہرے کر لیے ہین۔ جب اُن کی فریاد کسی طرح نہ سُنی گئی تو اُن کا ایک بڑا بھاری گروہ ۴۲۷ھ مین جہازون پر سوار ہو کے افریقیہ مین پہونچا۔ وہان فریادیون کی وضع سے معز بن بادیس کے دربار مین حاضر ہوا۔ اور احمد اکحل کی شکایت کی۔

خاندان المعز کی مختصر تاریخ

یہ ہم بیان کر آئے ہین کہ فاطمی خلیفۂ المعز لدین اللہ ۳۶۱ھ مین جب مصر مین سکونت اختیار کرنے کے لیے مہدیہ سے روانہ ہوا ہو تو اُس نے سارے افریقیہ کا والی اور اپنا نائب یوسف بلکین ابن زیری بن مناد صنہاجی حمیری کو مقرر کیا۔ یوسف بلکین نے بارہ سال حکومت کر کے ۳۷۳ھ مین وفات پائی۔ اور

اُس کا بیٹا منصور اُس کا جانشین اور حاکم افریقہ ہوا۔ جس نے دربار فاطمی مصر سے سند حکومت حاصل کی۔ ۳۸۶ھ مین جب وہ مرا تو اُس کا بیٹا بادیس ابو مناد حاکم افریقہ ہوا۔ یہ بھی دربار فاطمی کا مطیع و منقاد تھا اور اُسے الحاکم بامر اللہ فاطمی کے دربار سے خلعت ولایت عطا ہوا تھا۔ بادیس نے ۴۰۶ھ مین وفات پائی اور اُس کی جگہ وارث ولایت افریقہ اُس کا فرزند المعز ہوا۔

المعز کا عہد اور اُس کا مذاق

یہ اس خاندان کا سب سے زبردست اور با اقبال فرمان روا تھا۔ ۴۵۳ھ تک حکمران رہا۔ یعنی ۴۷ سال کر و فر سے حکومت کی۔ افریقہ کے تمام حریفون کو شکستین دین۔ سب پر غالب آیا۔ اور اُسے پیروی مذہب اہل سنت مین اِس درجہ انہماک تھا کہ اسماعیلی شیعون کے ساتھ جو اُن دنون بنی فاطمہ مصر کے اثر سے سارے افریقہ مین پھیلے ہوئے تھے سخت تعصب ہو گیا۔ اور اُن کے قتل و قمع اور استیصال کی کوشش کرنے لگا۔ مسند نشینی کے دوسرے ہی سال اُس نے حکم جاری کر دیا کہ سارے افریقہ مین جتنے شیعہ ہین سب بلا استثنا و امتیاز قتل کر ڈالے جائین۔ اور اُس کی قوت اتنی بڑھی ہوئی تھی کہ خلفاے بنی فاطمہ مصر مین خاموش بیٹھے ہوے اس خونریزی کا تماشا دیکھا کیے۔ اور اتنی بھی جرأت نہ ہوئی کہ خود اپنے مقرر کیے ہوے اس فرمان روا افریقہ کو اس ظلم سے روک سکین۔ یہان تک کہ ۴۳۵ھ مین المعز نے خلفاے مصر کی ماتحتی چھوڑ کے القائم بامر اللہ عباسی خلیفہ بغداد کی اطاعت قبول کی اور اسے اپنا امام تسلیم کر لیا۔

اسی المعز کے پاس ۴۲۷ھ مین اہل صقلیہ اپنے والی و حاکم اکحل کے خلاف فریادی ہوے تھے۔ اکحل کے خاندان کے پہلے شخص حسین بن علی بن ابو الحسین کلبی خاندان فاطمیہ مصر کے دوسرے خلیفہ منصور نے ۳۳۶ھ مین والی صقلیہ مقرر کیا تھا۔ اور اُس وقت سے صقلیہ کی فرمان فرمائی اِسی خاندان مین چلی آتی تھی۔ لیکن اب فاطمیین کو اس مہتم بالشان جزیرے کی طرف سے اِس قدر بے پروائی ہو گئی تھی کہ گویا اُن سے کچھ علاقہ ہی نہ تھا۔ اور یہان کی رعایا فریادی

ہوئی تو المعز کے دربار مین جو اس کوشش مین لگا ہوا تھا کہ فاطمیون کے اثر کو دنیا بھر سے مٹا دے۔

المعز کا بیٹا عبداللہ صقلیہ مین

اہل صقلیہ نے جب اُس کے سامنے جا کے اکحل کے مظالم کی فریاد کی تو کہا "ہم چاہتے ہین کہ آپ کے محکوم اور آپ کی سلطنت کے ایک جزو بنے رہین۔ لہذا ہماری خبر لیجیے اور ہماری مدد کیجیے۔ اور اگر آپ نے ہماری خبر نہ لی تو پھر ہم مجبور ہو کے رومیون کے آگے سر جھکا دینے پر مجبور ہونگے اور سارے شہر اُن کے حوالے کر دین گے"۔ معز نے اُن کی فریاد سُنی اور اپنے بیٹے عبداللہ کو ایک لشکر کے ساتھ جہازون پر سوار کرا کے صقلیہ مین بھیجا۔ عبداللہ ساحل صقلیہ پر قدم رکھتے ہی شہر مدینہ مین داخل ہوا۔ اور بڑھ کے اکحل کو ایک شہر مین محصور کر لیا۔

احمد اکحل کا قتل

اب اس زمانے مین اہل صقلیہ مین اختلاف پڑا۔ بعض لشکر معز کے طرفدار تھے اور بعض احمد اکحل کی جانبداری کر رہے تھے۔ مگر وہ لوگ جو عبداللہ بن معز کو افریقہ سے لائے تھے مخالفون پر غالب آئے اور اکحل کو پکڑ کے قتل کر ڈالا۔

اہل صقلیہ مین پھوٹ اور عبداللہ کا ناکام واپس جانا

اس واقعے کے بعد پھر اہل صقلیہ مین شورش پیدا ہوئی۔ بعض نے بعض سے مل کے کہا "تم نے غیرون کو لا کے اپنے ملک مین اُتار لیا۔ اپنی آزادی خود اپنے ہاتھ سے کھوئی اور غیرون کے غلام بن گئے۔ واللہ اس کا انجام اچھا نہ ہوگا" آخر اس شورش کا نتیجہ یہ ہوا کہ وہی اہل صقلیہ جو عبداللہ کو افریقہ سے جا کے اپنی مدد کو لائے تھے اُس کی مخالفت پر آمادہ ہو گئے۔ اور سب نے عبداللہ کے مقابلے مین ہتھیار اُٹھائے۔ اور اس زور سے حملہ کیا کہ عبداللہ بن معز کے لشکر مین سے آٹھ سو آدمی قتل ہو گئے۔ اور جو زندہ بچے اپنے جہازون پر سوار ہو کے افریقہ بھاگ گئے۔

حسن صمصام حاکم صقلیہ

اُن کے جانے کے بعد اہل صقلیہ نے اکحل کے بھائی حسن صمصام کو اپنا حاکم منتخب کر لیا۔ لیکن اب شہر کا نظم و نسق ایسا بگڑ گیا تھا کہ بجز کسی بیرونی زبردست حملہ آور کے اصلاح غیر ممکن تھی۔ صمصام کے بنائے کچھ نہ بنی۔ رزیل اور ذلیل لوگوں کا زور بڑھنا شروع ہوا۔ شرفا و معززین اُن کے دست ستم سے بھاگ بھاگ کے جانین بچانے لگے۔ اور صمصام کی کمزور حکومت کوئی اصلاح نہ کر سکی۔ یہان تک کہ سلطنت کی مجموعی قوت ٹوٹ گئی۔ اور ہر شہر مین ایک نیا خودرو حکمران پیدا ہو گیا۔ اور خاتمہ یہ ہوا کہ صمصام بھی مار کے نکال دیا گیا۔

صقلیہ مین طوائف الملوکی

اس طوائف الملوکی کے دور مین شہر آترما اور طرابنش کا فرمان روا امیر الجیش عبداللہ بن منکوت قرار پایا۔ اور قصریانہ اور جرجنت کی عنان حکمرانی دوسرے امیر الجیش علی بن نعمہ معروف بہ ابن حوّاس کے ہاتھ آ گئی۔ شہر سرقوسہ اور قطانیہ کا حکمران ابن ثمنہ ہو گیا۔ اور یہ لوگ چند روز تک آزادی سے اپنے اپنے علاقون مین حکومت کرتے رہے۔

ابن ثمنہ اور ابن حوّاس کا خانگی جھگڑا

اسی اثنا مین ابن ثمنہ نے ابن حوّاس حاکم قصریانہ کی بہن میمونہ سے نکاح کر لیا۔ مگر میان بیویون مین بنتی نہ تھی۔ ایک دن دونون لڑے۔ اور باہم درشت زبانی کی۔ اُس وقت ابن ثمنہ شراب کے نشہ مین بدمست تھا۔ حکم دے دیا کہ میمونہ کے دونون ہاتھون کی فصدین کھولدی جائین۔ اور اُسے اسی حالت مین خون بہتے ہوے چھوڑ کے چلا گیا۔ ابن ثمنہ کے جانے کے بعد اُس کے بیٹے ابراہیم کو یہ حال معلوم ہوا۔ تو فوراً ماں کے پاس دوڑا آیا۔ فصدون کا خون روکا۔ پٹیان باندھین۔ اور طبیبون کو بلا کے ایسا علاج کیا کہ مرنے سے بچ گئی۔ اور تھوڑی دیر مین طاقت بھی آ گئی۔ صبح کے وقت ابن ثمنہ کو ہوش آیا تو اپنے کیے پر پچھتایا۔ اور

جب سُنا کہ بیٹے نے ماں کو بچا لیا تو خوش ہوا۔ اُس کا شکریہ ادا کیا۔ اور بیوی کے پاس جا کے اظہار ندامت کیا۔ عجز و الحاح سے اپنا قصور معاف کرایا۔ اور میان بیویون مین صفائی ہو گئی۔

خوب اچھے ہو جانے کے چند روز بعد میمونہ شوہر سے اجازت لے کے اپنے میکے اپنے بھائی ابن حواس کے پاس آئی اور یہ سرگزشت بیان کر دی۔ وہ قسم کھا گیا کہ ایسے بے مہر شوہر کے پاس مین تمھین ہرگز نہ جانے دون گا۔ اور چند روز بعد جب ابن ثمنہ کے پاس سے اُس کی بیوی کے لینے کو آدمی آیا تو بھیجنے سے انکار کر دیا۔ اور کہلا بھیجا کہ وہ اب تمھارے پاس نہ آئین گی۔ یہ سُن کے ابن ثمنہ کو بڑا غصہ آیا اور لڑائی کے لیے فوج جمع کرنے لگا۔

ابن ثمنہ کا ابن حواس پر حملہ اور شکست

سارے جزیرۂ صقلیہ مین اُن دنون سب سے زیادہ اقتدار ابن ثمنہ کا تھا۔ اور شہر مدینہ مین اُسی کے نام کا خطبہ پڑھا جاتا تھا۔ اپنی اس سطوت کے زعم مین اُس نے جا کے قصریانہ کا محاصرہ کر لیا۔ ابن حواس نے نکل کے مقابلہ کیا۔ اور ایسے جوش و خروش سے ابن ثمنہ کے لشکر پر حملہ کیا کہ لوگون کے حواس چھوٹ گئے۔ ابن ثمنہ اپنی جان بچا کے بھاگا۔ اور ابن حواس شہر قطانیہ تک اُس کا تعاقب کر کے اور اُس کے بہت سے آدمیون کو قتل کر کے قصریانہ مین واپس آیا۔

ابن ثمنہ نے رجار فرنگی حاکم مالطہ سے مدد چاہی

ابن ثمنہ نے جو دیکھا کہ ابن حواس پر میرا زور نہین چل سکتا اور میری بیوی مجھ سے چھوٹ گئی ہے تو ارادہ کیا کہ اٹیلیہ کی عیسائی سلطنتون سے مدد لے۔ خدا کی مرضی مین تھا کہ صقلیہ مین ان نااہل حکمرانان اسلام کا زمانہ ختم ہو جائے۔ چنانچہ ابن ثمنہ کے دل مین اُس نے یہ بات ڈال دی۔ اس مقصد کے لیے وہ جزیرۂ مالطہ (مالٹا) مین گیا جو اب رومیون کے قبضے مین تھا۔ اس لیے کہ جرد ویل رومی نے ۲۷۔۲۸ھ مین اُس پر قبضہ کر لیا تھا اور رومی وہان رہ پڑے تھے۔ اُن دنون رجار فرنگی اس جزیرے کا حاکم

وفرمان روا تھا۔ اور اُس کے پاس مسلمانان صقلیہ کی دستبرد سے بچنے کے لیے کافی تعداد مین فرنگی فوج موجود رہا کرتی تھی۔ ابن ثمنہ نے مالطہ مین رجار سے مل کے کہا "چلیے مین آپ کا سارے جزیرۂ صقلیہ پر قبضہ کرا دون"۔ رجار نے کہا "بھلا یہ کیونکر ممکن ہے؟ وہان مسلمانون کے پاس کثیر التعداد فوج موجود ہے جس کا مین مقابلہ نہ کرسکون گا"۔ ابن ثمنہ نے کہا "یہ فقط آپ کا وہم ہی وہم ہے۔ اور زیادہ فوج ہو بھی تو باہم شہرون مین پھوٹ پڑی ہوئی ہے۔ ہر شہر دوسرے سے لڑ رہا ہے اور یہ غیر ممکن ہے کہ سب کی فوجین ایک جھنڈے کے نیچے جمع ہو سکین۔ ماسوا اس کے وہان کا سب سے بڑا فرمان روا مین ہون۔ اکثر اہل جزیرہ میرے کہنے مین ہین اور میری فرمان برداری کرتے ہین۔

اور وطن کو اُس کے ہاتھ بیچ ڈالا

غرض ابن ثمنہ نے اس قدر اُبھارا اور ایسا لالچ دیا کہ رجار کو مع اُس لشکر کے صقلیہ مین لے ہی آیا۔ یہ فرنگی حاکم مالطہ سنہ ۴۴۴ھ کے ماہ رجب مین آیا۔ اور یہان کوئی ایسا نظر آیا جو ذرا بھی مزاحمت کرے۔ چنانچہ جس شہر مین گزر ہوتا اُس پر بغیر لڑے بھڑے قابض ہوتا ہوا وہ قصریانہ پر پہونچا اور اُس کا محاصرہ کرلیا۔ ابن حواس نے نکل کے بہادری سے مقابلہ کیا مگر اپنی قوت کے کم ہونے کے باعث شکست کھائی۔ اور قلعہ بند ہو کے بیٹھ رہا۔ مگر رجار اُسے قصریانہ مین محصور چھوڑ کے آگے بڑھا۔ اور یکے بعد دیگرے بلاد صقلیہ پر ابن ثمنہ کی مدد سے قبضہ کرتا چلا گیا۔

دیندار مسلمانون کا صقلیہ سے بھاگنا اور المعز سے فریاد

جب یہ حالت ہوئی تو صقلیہ کے اکثر دیندار لوگون فقیہون اور عباد و زہاد نے ترک وطن کرکے افریقیہ کی راہ لی۔ اس لیے کہ اب یہ جزیرہ مسلمانون کے رہنے کے قابل نہین رہا تھا۔ بہت سے لوگ مظلوم و بیکس اہل وطن کے سفیر بن کے المعز کے دربار مین حاضر ہوئے۔ اور مسلمانان صقلیہ کے باہمی اختلافات اور فرنگیون کے غلبے کی تصویر کھینچ کے اُس کے سامنے رکھ دی۔

ہندوستان مین مشرقی تمدن کا آخری نمونہ

سانچق کے دوسرے ہی روز شب کو دولھن کے گھر سے بڑے جلوس اور روشنی کے ساتھ مینڈھی جاتی ہے۔خیال کیا جاتا ہے کہ غالباً یہ عربی الاصل رسم ہے۔اس مین دراصل دولھن والون کی طرف سے دولھا کے لیے وہ جوڑا جاتا ہے جسے پہنکر وہ بیاہنے کو آئے گا۔اس جوڑے مین علی العموم قدیم عہد مغلیہ کے درباری وضع کا خلعت۔شملہ۔جیغہ سرپیچ۔اور مرصع کلغی ہوتی ہے۔نصیب ہوا تو اُس کے ساتھ موتیون کا ہار بھی بھیجا جاتا ہے۔ مذکورہ چیزون کے علاوہ ریشمی پائجامہ اور جوتا وغیرہ معمولی چیزین بھی ہوتی ہین۔ اکثر ایک طلائی انگوٹھی بھی جاتی ہے۔اس جوڑے کے ساتھ دولھا کے لگانے کے لیے پسی ہوئی تیار مینڈھی بھی بھیجی جاتی ہے۔جس کو بہت سے طباقون مین پھیلا کے رکھتے ہین۔اور اُس مین سبز و سرخ شمعون کو نصب کر کے روشن کر دیتے ہین۔اس طرح کے مینڈھی کے بہت سے طباق روشن ہوتے ہین جو مینڈھی کے جلوس مین ایک خاص شان اور آن بان پیدا کر دیتے ہین۔مینڈھی کے اُن روشن طباقون کے ساتھ سوچاس طباقون مین ملیدہ ہوتا ہے جو خُرمون کو کوٹ کے بنایا جاتا ہے۔اور جیسی حیثیت ہوتی ہے اُسی کے مناسب کثرت سے بھیجا جاتا ہے۔اس موقع پر جوڑے کے ساتھ دولھا کے لیے سونے کا سہرا بھی بھیج دیا جاتا ہے

مینڈھی کے دوسرے دن دولھا کی طرف سے برات جاتی ہے۔برات جانے کا اگلا ضروری وقت پہر رات رہے یعنی تین بجے شب کا تھا۔لیکن اب یہ وقت اکثر چھوٹتا جاتا ہے۔اور بجاے پہر رات رہے کے پہر دن چڑھے یعنی نو دس بجے صبح کو براتین جانے لگی ہین۔اس تاخیر کی ابتدا واجد علی شاہ آخری بادشاہ اودھ کے زمانے سے ہوئی۔اُن کی برات جانے مین اتفاقاً دیر ہو گئی اور دن نکل آیا تھا۔لوگون نے آسانی اور روشنی کے سامان کی تخفیف کے خیال سے اُسی وقت کو اختیار کرنا شروع کر دیا۔چنانچہ اب عموماً ابتداے روز مین برات جاتی ہے اور دوپہر کو عقد نکاح ہو جاتا ہے۔

برات مین حتی الامکان پورا جلوس جمع کیا جاتا ہے۔مروجہ تین باجے یعنی

پرانا ڈھول تاشے اور جھانجھین۔ روشن چوکی۔ اور آرگن باجا ضرور ہوتے ہین۔ اس سے ترقی ہوئی تو گھوڑون پر نوبت نقارہ۔ جھنڈیان۔ برچھے بردار۔ ہاتھی۔ اونٹ گھوڑے اور اس سے بھی زیادہ حوصلہ ہوا تو اُنھین باجون کے متعدد گروہ بڑھا دیے جاتے ہین۔ دولھا وہی جوڑا پہن کے جو مینڈھی کے ساتھ آیا تھا۔ اور سہرا باندھ کے علی العموم گھوڑے پر اور اعلے طبقے کے اُمرا کے یہان ہاتھی پر سوار ہو کے سارے جلوس اور باجون کے پیچھے آہستہ آہستہ زینت و وقار سے روانہ ہوتا ہے۔ دولھا کو "نوشہ" یعنی نیا بادشاہ کہتے ہین۔ اور خیال بھی یہی ہے کہ دولھا ایک دن کے لیے بادشاہ بنادیا جاتا ہے۔ مگر غور طلب یہ امر ہے کہ جب دولھا کو بادشاہ بناتے ہین تو اُس کے سر پر شملہ کیون ہوتا ہے؟ تاج کیون نہین پہناتے؟ اس سے اس بات کا ثبوت ملتا ہے کہ ہندوستان مین مسلمان سریرآرا تاج نہین پہنتے تھے بلکہ سب کے سرون پر کلغی دار شملے ہوتے تھے۔ انگریزون نے غازی الدین حیدر کے زمانے سے شاہان اودھ کو تاج پہنا دیا۔ مگر وطنی سوسائٹی نے اُس تاج کو نہین قبول کیا۔ اور اپنے بادشاہون کی وضع وہی رکھی جو پرانی تھی۔ اور اُسی نمونے کا بادشاہ اپنے نوشاؤن کو بناتے ہین۔ دولھا کے پیچھے فینسون اور ڈولیون مین سوار دولھا کی ماں بہنین اور عزیز و قریب عورتین اور ڈومنیان ہوتی ہین۔ چلتے وقت گھر مین جو صدہا رسمین اور ٹوٹکے ہوتے ہین بہت ہین مختلف ہین۔ اور لغو ہونے کی وجہ سے زیادہ تر قابل لحاظ بھی نہین۔

(اس شان سے برات جب دولھن کے گھر پہونچتی ہے تو عموماً اُس وقت دولھن نہلائی جا چکتی ہے۔ اور اُس کے غسل کا پانی باہر لا کے دولھا کی سواری کے گھوڑے یا ہاتھی کے پاؤن کے نیچے ڈال دیا جاتا ہے۔ دولھن کو یہ غسل سات دن کے باسی ٹھنڈے پانی سے دیا جاتا ہے جو کلس کا پانی کہلاتا ہے۔ اور جاڑون کے موسم مین غریب دولھن کے لیے اِس پانی مین نہانا قیامت سے کم نہین ہوتا۔ چوکی پر پان بچھا کے وہ نہلائی جاتی ہے۔ اور یہی پان اُس اکیس یا نون والے بیڑے مین شامل ہوتے ہین جو دولھا کو سب سے پہلے سسرال مین کھلایا جاتا ہے۔)

اب دولھا سواری سے اُتر کے زنانے مین جاتا ہے وہان رسم نگھائی جاتی ہے۔ اور طرح طرح کی بیسیون اور رسمین عمل مین آتی ہین جو ہر گروہ اور ہر خاندان مین جدا جدا اور عجیب و غریب ہوتی ہین۔ یہ وقت علی العموم وہ ہوتا ہے جب دولھن نہا تو چکتی ہے مگر ابھی کپڑے نہین پہنائے گئے ہوتے ہین۔ وہ ایک چادر مین لپٹی ہوتی ہے۔ اور اُس کے ہاتھ پر مصری رکھ کے دولھا کو کھلائی جاتی ہے جس مین سالیان زندہ دل جوان عورتین اور ڈومنیان تیہ بن بڑھا بڑھا کے دولھا کے لیے ہر کام مشکل کر دیتی ہین۔

شادی کی یہ پہلی ہفتخوان طے کر کے دولھا باہر مردانے مین آتا ہے جہان بزم نشاط مرتب ہوتی ہے۔ اعزا و احباب پر تکلف کپڑے پہنے قرینے سے صاف ستھری دری چاندنی اور قالینون کے فرش پر بیٹھے ہوتے ہین۔ اور سامنے مردانہ یا زنانہ طائفہ کھڑا مجرئی کرتا ہوتا ہے۔ عین محفل کے درمیان مین اور صدر مقام پر دولھا کے لیے زرنگار مسند تکیہ ہوتا ہے۔ جس پر دولھا کو اُس کے ہم عمر لڑکے لا کے بٹھا دیتے ہین۔ اور اُس کے دونون طرف خود بیٹھ جاتے ہین تاکہ دولھا اُن کے ساتھ آزادی سے باتین کر سکے۔

دولھا کے لیے لازم ہے کہ اپنی ہر وضع و حرکت سے شرمیلاپن ظاہر کرے وہ نہ تو بے تکلف باتین کر سکتا ہے۔ نہ کوئی اُس کی آواز سن سکتا ہے۔ نہ کسی سے وہ بے تکلفی سے ہل مل سکتا ہے۔ منہ پر سہرا ہوتا ہے۔ اور پھر سونے کے سہرے پر پھولون کا سہرا باندھ کے اس قابل نہین رکھا جاتا کہ کوئی بغیر کوشش اور دیر تک کی محنت کے اُس کی صورت دیکھ سکے محفل نشاط مین بیٹھنے بلکہ اکثر عقد ہو جانے کے بعد سہرا اُٹھا کے شملے مین لپیٹ دیا جاتا ہے تاکہ چہرہ کھل جائے۔ مگر اب بھی اُس کے لیے لازم ہے کہ ایک ہاتھ سے منہ پر رومال رکھے رہے جو اظہار شرم کی ایک علامت ہے۔ اور اب چہرہ کھلنے کے بعد بھی اس رومال کی وجہ سے اُس کی صورت دیکھنے کے شائقین کو بغیر دیر تک اس فکر مین لگے رہنے کے کامیابی نہین ہو سکتی۔

دولھا کے باہر آ کر تھوڑی دیر بیٹھنے کے بعد عقد نکاح کا انتظام

ہوتا ہے جس کے لیے یہ سب بکھیڑا کیا گیا ہے۔ اگر شیعہ خاندانون کی شادی ہے تو دو مجتہد صاحب تشریف لاتے ہین ایک لڑکے کے نائب و وکیل بن کے اور دوسرے لڑکی کے نائب و وکیل بن کے۔ لڑکی والے خود پردے کے پاس جا کے یا عادل شاہدون سے تصدیق فرما کے لڑکی کی شرعی مختاری حاصل کرتے ہین اور اُس کے بعد دونون دولھا کے سامنے بیٹھ کے دولھا دلھن کی جانب سے قرأت وصحت مخارج سے ایجاب و قبول کے صیغے ادا کرتے ہین۔ اور اگر خاندان سُنی ہین تو کوئی محترم مولوی صاحب اور اگر کوئی گاؤن ہوا تو وہان کے مقررہ خاندانی قاضی صاحب آ کے نکاح پڑھاتے ہین۔ جس کا طریقہ یہ ہوتا ہے کہ لڑکی کے عزیزون مین سے کوئی صاحب اُس کے وکیل و مختار بن کے آتے ہین اور دو شاہدون کو پیش کرتے ہین کہ فلان لڑکی نے مجھے اپنا وکیل ان دونون شاہدون کے سامنے مقرر کیا اور اُس نے مجھے اپنے عقد کا اختیار دیا۔ قاضی صاحب اُن کے شاہدون پر اطمینان کر کے اور مقدار مہر کو اُن وکیل صاحب سے دریافت کر کے دولھا کو کلمۂ شہادت پڑھاتے۔ مسلمان کے لیے جن جن چیزون پر ایمان لانا ضروری ہے اُن کا عربی مین اقرار کراتے۔ اور اُس کے بعد تین بار اُس سے یہ کہہ کے کہ فلان لڑکی کے ساتھ اتنے مہر پر ہم نے تمھارا عقد نکاح کر دیا" اور دولھا سے اقرار کراتے ہین کہ مین نے قبول کیا۔ اس کے بعد ایک دعائیہ خطبہ پڑھ کے لوگون سے کہتے ہین "مبارک" ساتھ ہی مبارک سلامت کا غل ہوتا ہے۔ نقل اور چھوہارے جو سینیون مین بھرے سامنے رکھے ہوتے ہین اُن کو حاضرین مین لٹا دیتے ہین۔

مجتہد یا مولوی صاحب کے آنے کے وقت گانا بجانا موقوف ہو جاتا ہے۔ اور بعد عقد جب مولوی صاحب چلے جاتے ہین تو پھر رقص و سرود کی محفل گرم ہو جاتی ہے۔ اور اُس کے بعد دولھا پھر اندر زنانے مین بلایا جاتا ہے۔ عورتون کی دنیا مین رسوم اور شرائط عقد کے اصلی لوازم کے بجا لانے کا خاص یہی وقت ہے (زنانے مین اِس موقع پر رسوم نکاح کے

تھمین ہین دولھا کے ساتھ ہر قسم کا تمسخر کیا جاتا ہے اور اُس کے پریشان کرنے مین
کوئی کارروائی اُٹھا نہین رکھی جاتی۔ ان تمام رسوم کی بجالانے والی سالیان
اور ڈومنیان ہوتی ہین۔ درحقیقت ناکتخدا نوجوانون کے لیے شادی ایک
پُراسرار لاج (فراموشخانہ) ہے جس مین بیسیون ایسے مراحل پیش آتے ہین
جو اُس کے وہم و گمان مین بھی نہین ہوتے۔ دولھن اور لپیٹ کے ایک غیر
متحرک گٹھری کی طرح اُس کے سامنے لا کے رکھ دی جاتی ہے۔ ابھی تک اُسے رخصتی
کا جوڑا نہین پنھایا گیا ہوتا۔ لاتے وقت کوشش کیجاتی ہے کہ پہلی آمد مین دولھن
کی ایک لات دولھا پر پڑ جائے۔ پھر ٹوٹکے گائے جاتے ہین۔ دولھا سے بیوی
کی غلامی ذلیل ترین غلامی اور خدا جانے کیسی کیسی خدمتین بجالانے کا اقرار
کرایا اور وعدہ لیا جاتا ہے۔ اُس کے بعد آرسی مصحف کی رسم ادا ہوتی ہے۔
جس کے لیے دولھا دولھن کے درمیان رحل پر قرآن شریف اور اُس پر آئینہ
رکھا جاتا ہے۔ اور اُس آئینے مین دولھا کو دولھن کا پہلا جلوہ دکھایا جاتا ہے۔ مگر
لازم ہے کہ چہرہ دیکھنے سے پہلے دولھا سورۂ اخلاص پڑھے۔ اس جلوے مین دولھن
آنکھین بند کیے رہتی ہے۔ عورتین دولھا سے آنکھین کھولنے کے لیے طرح طرح کی التجائین
کراتی ہین۔ اور اسی سلسلہ مین ہر قسم کی اطاعت و غلامی کا اُس سے اقرار کرا لیتی ہین۔
بڑی شکلون اور خوشامدون کے بعد دولھن آنکھین کھول کے ایک نظر دیکھتی اور پھر
آنکھین بند کر لیتی ہے۔ اور اسی پر رسوم کا خاتمہ ہو جاتا ہے۔

اب دولھا باہر رخصت کر دیا جاتا ہے کہ دولھن کو کپڑے پنھائے جائین
زیور پنھایا جائے۔ بنائی سنواری اور سسرال جانے کے لیے تیار کی جائے۔ اس وقت
ڈومنیان بابل یعنی رخصتی کا نغمۂ جانگداز گاتی ہین۔ اور خوشی کا گھر ماتم کدہ بنجاتا ہے
جب دولھن بنا چنا کے تیار کر دی جاتی ہے اس وقت میکے کے تمام عزیز دوست
اور سب ملنے والے آتے اور روکے دولھن کو رخصت کرتے۔ اور جو کچھ توفیق
ہو روپیہ یا زیور اُسے دیتے ہین۔

ترجمہ تاریخ گبن

(جواب طلب ضروری)

گبن کی تاریخ "انحطاط و زوال دولت روم"، دنیا کی وہ اہم ترین تصنیف ہے جس نے شائع ہوتے ہی دنیا کا علمی مذاق بدل دیا۔ اور واقعی یہ کتاب اُن چند مہتم بالشان اسباب مین سے ہے جنھون نے یورپ کو موجودہ یورپ اور انگلستان کو موجودہ انگلستان بنایا۔ اور اسی عظمت وشان کی وجہ سے اُس کا ترجمہ یورپ کی تمام زبانون مین ہو گیا۔ اصل یہ ہے کہ جس زبان مین اُس کا ترجمہ موجود نہ ہو اُسے مہذب و ترقی یافتہ زبانون مین جگہ نہین مل سکتی۔ اس سے انکار نہین کیا جا سکتا کہ فن تاریخ کا آغاز یونانیون سے ہوا اور عربون نے اُسے اعلیٰ ترین ترقی پر پہونچا دیا۔ مگر گبن نے اپنی یہ کتاب نہین لکھی تاریخ کا عطر نکال کے دنیا کے سامنے پیش کر دیا۔ اور اُس کا ایسا نیا اور نفیس نسخہ دنیا کو بتا دیا۔ کہ دنیا کچھ سے کچھ ہو گئی چنانچہ اب تاریخ نویسی محض افسانۂ سلف لکھنے کا نام نہین بلکہ تاریخ کو علمی طور پر اقوام و دول کے حالات سے وابستہ کرنے اور اُس کے نتائج نکال کے دنیا کے سامنے بکار آمد دستور العمل پیش کرنے کا نام ہے۔ اور اس کا مکمل ترین نمونہ یہی تاریخ "انحطاط و زوال دولت روم ہے"، جس مین روم ایران عرب مسیحیت یہودیت مجوسیت اور اسلام کی تاریخ کا بہت زیادہ پُر لطف حصہ آ گیا ہے۔

اردو مین بارہا کوشش کی گئی کہ اس عظیم الشان تاریخ کا ترجمہ شائع کیا جائے مگر اس کی عظمت و ضخامت کی وجہ سے کسی کو ہمت نہ ہوئی۔ اور جن چند بزرگون نے ہمت کی بھی تو اُن کو کامیابی نہ ہو سکی۔ فی الحال برخوردار محمد صدیق حسن سلمہ ایڈیٹر مورخ کو اس کا حوصلہ ہوا ہے۔ اُنھون نے تاریخ کانڈی کا ترجمہ کر کے اور تاریخ مین توغل اور وسعت نظر پیدا کر کے یہ خدمت وطن اپنے ذمے لینا چاہی ہے کہ انگریزی کے اعلیٰ اور منتخب تاریخون کے ترجمون سے اردو کے خزانۂ کتب کو معمور کرتے رہین۔ اُن کے جو ترجمے شائع ہوئے ہین وہ اس کا ثبوت بھی دیتے ہین کہ اُنھین ترجمہ کرنے کا اچھا سلیقہ ہے۔ اور اُن

ترجمہ کی ہوئی کتابین اردو مین آنے کے بعد بھی دلچسپ رہتی ہین۔ خوشی کی بات ہی کہ پبلک نے قدردانی بھی کی۔ اور احباب کی حوصلہ افزائی سے اُن کا یہ شوق ترقی کرتا جاتا ہے۔ جس کا ایک نمونہ یہ ہے کہ اب ترجمۂ تاریخ گبن کے اہم کام کو وہ اپنے ذمے لینا چاہتے ہین۔ لیکن یہ ظاہر ہے کہ اتنی بڑی کتاب کو ترجمہ کر کے ایک ساتھ تمام و کمال شائع کر دینا کسی کے امکان سے باہر ہے۔ نہ اتنا سرمایہ ہے اور نہ اتنی استطاعت ہے کہ اتنے بڑے کام کے انجام پانے تک بغیر پبلک کی مدد کے کوئی خاموش بیٹھا رہے۔

لہذا اس کام کے لیے اُنھون نے ایک نہایت ہی مناسب تجویز قرار دی ہے۔ جس کو بہی خواہان اردو اگر غور سے پڑھین گے تو غالباً پسند فرمائین گے۔ وہ چاہتے ہین کہ گبن کے دو دو بابون کا ترجمہ جو اردو مین دس بارہ جز مین آجایا کرے گا جدا جدا رسالون کے طور پر شائع کرتے رہین۔ ہر رسالہ دو تین مہینون کے اندر شائع ہوجایا کرے گا۔ اور اُس کی قیمت فی جلد ۸ ر یا ۱۰ ر یا زیادہ سے زیادہ ۱۲ ر قرار دی جائے گی۔ یہ رسالے مورخ سے الگ غیر موقت الشیوع کتابون کی وضع سے برابر نکلتے رہین گے۔ اور چند سال مین پوری مکمل "تاریخ گبن" کو اردو مین پیدا کر دین گے۔ یہی کارروائی اکثر کتابون کے بارے مین ایشیاٹک سوسائٹی کے رسالے کرتے رہتے ہین۔

برخوردار صدیق حسن اپنی یہ تجویز فی الحال مشورہ لینے کے لیے اور نیز اس بات کا اندازہ کرنے کی غرض سے شائع کرتے ہین کہ ملک مین تاریخ کے کتنے قدردان موجود ہین جو ایسی علمی خدمتون مین دستگیری کرنے اور شریک ہونے کو تیار ہو جائین۔ مین اپنی راے ابھی سے دیے دیتا ہون کہ اس طریقہ سے اگر یہ کام انجام پاجائے تو اردو زبان کی بڑی خوش نصیبی ہے۔ اور سمجھنا چاہیے کہ اردو کی حامی ایک زندہ اور ترقی کرنے والی قوم ہے۔ لیکن اکیلی میری راے سے کام نہین چل سکتا۔ اکابر قوم اور ملک کے صاحب علم اور صاحب ذوق شائقین کی رائین معلوم ہونے پر کارروائی منحصر ہے۔

لہذا براہ کرم وہ تمام حضرات جو اِس کوشش کو ضروری و مفید

سمجھتے ہون اور جو اِس ارادے کی قدر دانی کرنے اور مادری زبان کی اِس عظیم الشان خدمت مین ہاتھ بٹانا چاہتے ہون براہ کرم اِس صراحت کے ساتھ بر خود ار ندکور کو تحریر فرمائین کہ اس تجویز سے اُن کو اتفاق ہے - اور اِس رسالے کی ایک یا بخیال دستگیری و اعانت کئی جلدین وی پی لے لیا کرین گے - اگر دو سو خریدار بھی مل گئے تو فوراً کام شروع کر دیا جائے گا - اور مہینے ہی دو مہینے کے اندر ترجمہ گبین کا پہلا رسالہ اُن کے ہاتھ مین پہونچ جائے گا -

ہمین اپنے احباب سے امید ہے کہ اِس معاملے مین خاموشی نہ اختیار فرمائین گے - یہ خوب یاد رکھیے کہ یہ کام تکمیل کو پہونچ گیا تو بہت بڑا کام ہوگا -

ناظرین کرام

جولائی اگست - اور ستمبر کے دلگداز بھی حاضر ہوگئے - انشاء اللہ دسمبر کے ختم سے پہلے یا اوائل جنوری ۱۹۱۸ء مین اکتوبر - نومبر اور دسمبر کے پرچے بھی آپ کے پُر شوق ہاتھون مین ہون گے - اور جنوری ۱۹۱۹ء کا دلگداز اپنے وقت پر یعنی آخر جنوری مین شائع ہو جائے گا -

"ناول لعبت چین" جو اس سال آپ کی خدمت مین پیشکش کرنے کے لیے لکھا گیا ہی وسط جنوری ۱۹۱۹ء مین تیار ہو جائے گا - یہ تقریباً ۴۰۰ صفحون پر ختم ہوا ہے - اور نقصان گوارا کرکے ہم نے اُس کو سفید کاغذ پر چھپوایا ہے - اور اُس کی مستقل قیمت ایک روپیہ ہے - یہ ناول جنوری ۱۹۱۹ء ہی مین تمام خریداران دلگداز کی خدمت مین ۱۹۱۹ء کے چندہ دلگداز و محصول کل عہ/ کے وی پی حاضر ہوگا - جن صاحبون کو نہ لینا یا سلسلہ خریداری ختم کرنا ہو منع فرما دین - تاکہ ہم زحمت سے بچین - اور جو قدر دان لینے والے ہون اسکا خیال رکھین اور اپنے گھر مین انتظام فرما دین کہ وی پی واپس نہ آنے پائے -

دل افروز کی اشاعت کی بھی ہم کو فکر ہے - ابھی سے کوشش شروع کر دی ہے کہ آغاز جنوری ۱۹۱۹ء سے پوری توجہ کرکے ہم دو مہینون مین اُس کے سب پرچے خریدارون کی خدمت مین پہونچا دین گے مطمئن رہین -

ایڈیٹر دلگداز -

خدا نے باغ عالم سے لطف اُٹھانے کے لیے ہمین پانچ حواس دیے ہین آنکھون سے پیاری صورتین اور خوشنما منظر دیکھتے۔ کانون سے نغمہ جان افزا اور دلکش آوازین سنتے۔ ہاتھون سے گدگدے پنڈون اور نرم چکنے جسمون کو چھوتے۔ نتھنون سے روح افزا خوشبوؤن اور زندگی بخش عطرون کو سونگھتے۔ اور زبان سے الوان نعمت اور انواع و اقسام کی لذتون کا مزہ لوٹتے ہین۔ ان پانچون مخبران عالم ارواح اور حسی قوتون مین سے ہر ایک نئی جنت تیار کر کے ہمارے سامنے پیش کرتی اور ہمارے قبضے مین دے دیتی ہے اور کوئی نہین جس کی کمی ہماری زندگی کو بے مزہ نہ کر دیتی ہو۔ مگر ہمین تو اپنے محلے کے اُس اندھے فقیر کا یہ فقرہ کبھی نہ بھولے گا جس کی صدا تھی کہ "انکھیان بڑی نعمت ہین!" واقعی آنکھین سب سے بڑی نعمت ہین اور جو مزہ لذت دیدار مین ہے کسی چیز مین نہین۔

آنکھین تمام اعضاے حس اور آلات ادراک کی سردار ہین۔ اُن کو جتنا تعلق نزدیک سے ہے اُتنا ہی دور کی چیزون سے ہے۔ جس شوق سے اس چاند کو دیکھتی ہین جو پہلو مین ہے اُسی لطف سے اُس چاند پر بھی ٹکٹکی باندھتے ہین جو آسمان پر روشن ہے۔ اور حواسون کی حالت یہ ہے کہ ایک ہی لذت دیر تک قائم رہے تو جی اُکتا جاتا ہے۔ اور ممکن اُس کے شوق کو بے مزہ کرنے لگتی ہے۔ مگر پُر شوق آنکھین جس پیاری صورت پر جم گئین ہٹنے کا نام ہی نہین لیتین۔ جس صورت زیبا کو دیکھ رہی ہین وہ ہماری گرمی شوق سے نازک پھول کی طرح کمھلائی جاتی ہے۔ اُس کی شرم آلود نرگسین آنکھین جھکی پڑتی ہین۔

جبین ناز پر پسینہ آگیا ہے۔ اور تاؤ دکھاتے ہوئے رخساروں پہ ایک رنگت آتی ہے اور ایک جاتی ہے۔ مگر یہان ٹکٹکی باندھی تو نظر اُسی روئے زیبا پہ جم کے رہ گئی۔ اور شوق مین ڈوبی ہوئی آنکھین زبان حال سے کہہ رہی ہین ع

دامان نگہ تنگ و گل حسن تو بسیار گلچین بہار تو ز داماں گلہ دارد

لمس اور مَس مین بھی بے شبک مزہ ہے۔ کسی جسم کی وسعت۔ ہیئت۔ وضع قطع نرمی۔ نزاکت۔ گدگداپن۔ چکناہٹ ان سے معلوم ہو جاتی ہے۔ مگر آہ وہ رنگ روپ نہین معلوم ہو سکتا جو ہماری مسرت کی جان اور ہمارے شوق کی روح رواں ہے۔ پھر اس کے ساتھ شمار و تعداد قرب و بعد نشیب و فراز اور مسافت اور فاصلے کے معلوم کرنے مین اکیلا لامسہ کام بھی نہین دے سکتا۔ مگر نظر مین یہ نقصان نہین ہے۔ وہ گویا زیادہ قوی درجے کی قوت لامسہ ہے جو ہم پہلوے دلدار ناز آفرین کے چہرے سے لے کے صحن چمن کے چپے چپے تک پہونچتی بستر کے فرش زمردین پر دوڑتی نرگس کی آنکھون اور پھولون کے رخسارون کو چومتی۔ سنبل کی زلفون مین اُلجھتی۔ اور سرو کے قد رعنا سے بغلگیر ہوتی ہے۔ پھر اُس کے بعد دم بھر مین سب کا مقابلہ کر کے فیصلہ کر لیتی ہے کہ جو لطف کسی کی مستانہ آنکھون۔ پھول کے سے گالون نازک ہونٹون۔ اور قد رعنا مین ہے کسی مین نہین۔

آہ! تم اس نیرِ شوق نظر کے کمالات معجزات تو دیکھو کوسون کا میدان ایک لمحہ مین طے کرتی۔ وسیع مرغزارون مین گشت لگاتی۔ پہاڑون کی چوٹیون پر پہونچتی۔ وہان کی برف پر پھسلتی۔ گھاٹیون مین ٹہلتی جنگلون مین پھرتی۔ دشت ناپید اکنار مین چھلیا چھلیا کھیلتی۔ پانی کی نہرون سے لڑتی۔ آسمان سے تارے توڑ لاتی۔ اور ایک چشم زدن مین ہمین وہ معراج کرا دیتی ہے جو ہمارے وہم و گمان اور اندازہ و قیاس سے باہر ہے۔ پھر اس آنا فانا کی معراج۔ اس زندگی بخش گلگشت۔ اس گلچینی کی سیر سے جب واپس آتی ہے تو ہماری دلچسپی اور ہمارے لطف کے لیے کتنا ایک سامان مسرت اپنے ساتھ لیتی آتی۔ اور لانے کے بعد اُس کو کس حفاظت اور احتیاط سے خزانۂ دماغ مین رکھوا دیتی ہے۔ کہ اس وسیع و بے پایان سامان عیش مین سے جب جس چیز کو جی چاہے نکال کے

ہم لطف اُٹھانے دل بہلانے اور اُس سے کھیلنے لگتے ہین۔

اس خزانۂ دماغ مین کوئی صورت اور کوئی لذت بھی ایسی ہے جو نظر شوق کے علاوہ کسی اور ذریعے سے ہم تک پہونچی ہو؟ بعض لذتین اور اجنبیون کی معرفت بھی حاصل ہوتی ہین مگر اُن کی مقدار و تعداد بہت کم ہے اور اس سے انکار کرنے کی کوئی وجہ نہین کہ ہمارا سارا سامان عیش اور سرمایۂ مسرت اسی نظر شوق کا اندوختہ ہے۔ مگر خداوند جل علا نے ہمین جیسا یہ سامان عیش کا فراہم کرنے والا دیا ہے ویسا ہی اس خزانے کی حفاظت و داشت کے لیے سلیقہ مند اور مزاج شناس مہتمم بھی عطا کیا ہے۔ وہ اُن دل لبھانے والی صورتون اور مسرت بخش چیزون مین سے دو دو چار چار بلکہ سو سو اور دو دو سو کے جوڑ ملا کے اور لطیف ترین ترتیبون سے مرتب کر کے وقتاً فوقتاً اس شان سے ہمارے سامنے پیش کرتا ہے کہ ہماری خوشیون کی کوئی حد نہین باقی رہتی اپنے خزانۂ سامان عیش کے اس داروغہ کا نام ہم نے "خیال" رکھ لیا ہے۔ مگر ذرا اس کی کارگزاریان بھی تو دیکھو۔

ہم ہجران زندگی کے کلبۂ احزان اور شب فراق کے غمکدۂ تار مین پڑے تھے۔ یاس نصیبی نے زندگی کو بے مزہ بلکہ جینے سے ناامید کر دیا تھا۔ ناگہان ہمارا یہ داروغۂ عیش آپہونچا۔ امید کی شمع روشن کی اور جس کے شوق مین بیتاب تھے اُسی کو ہمارے پہلو مین لا کے بٹھا دیا۔ اور پھر اس آزادی و لطف کے ساتھ کہ اُسے جس لباس مین چاہین دیکھین۔ اُس کی جس ادا کا چاہین لطف اُٹھالین۔ اور اُس کے ساتھ جو سلوک چاہین کرین۔ چاہین اسے اپنے دل مین بٹھالین اور چاہین خود اُس کے دل مین جا بیٹھین۔

ہم دشت غربت مین خاک چھان رہے تھے۔ احباب سے چھوٹنے کا صدمہ تھا۔ جلاوطنی کی مصیبت مارے ڈالتی تھی۔ اور قسمت پر زور نہ چلتا تھا۔ یکایک اس داروغۂ نشاط نے اندوختۂ نظر مین سے چھانٹ چھانٹ کے ہمارے سامنے وطن کی تمام چیزون کا انبار لگا دیا۔ ساتھ ہی سواد وطن نگاہ کے سامنے تھی۔ یاران وطن پاس بیٹھے تھے۔ عزیز آشنا زن و فرزند کوئی نہین جو نظر کے

سامنے موجود نہ ہو - جس سے جی چاہا ہنسے بولے - جس سے دل مین آئی باتین کین - اور وطن کے جتنے مزے تھے ایک دم بھر مین اُٹھا لیے -

ہم قیدخانے مین بند تھے نہ کہین آنے پاتے تھے اور نہ کہین جانے پاتے تھے - محبس جفا کا داروغہ ظالم و سنگدل تھا - اور اس زندگی سے موت اچھی معلوم ہوتی تھی - نہ کسی سے مدد کی امید تھی - نہ کسی سے ہمدردی کی آس بس یاس ہی یاس تھی - یک بیک یہ ہمارا انشاط بخش انیس زندگی آیا - دل پر تسکین کا ہاتھ رکھا - اور کہا تم قید مین گھٹتے کیون ہو؟ اور یہ یاس و حسرت کس لیے؟ تمھین قیدی کون کہتا ہے؟ آزاد ہو - میرے ساتھ چلو - اور جہان کی کھوسیر کرا لاؤن - پس اُس کے ہاتھ مین ہاتھ دے کے جو آزادی کے ساتھ قیدخانے سے نکلے تو جدھر جی چاہا قدم اُٹھا دیا - اور جس طرف دل مین آئی نکل گئے -

مذکورہ باتون سے ہمین اندازہ ہو جاتا ہے کہ نظر شوق کی مسرتون کے دو درجے ہین - پہلا درجہ تو وہ ہے جبکہ ہم باغ عالم کی تفریح کرنے وقت نظر کے معرفت عالم کے مسرت بخش مناظر کو دیکھ کے لطف اُٹھاتے ہین اور دوسرا درجہ وہ جبکہ ہمین اپنی جگہ سے ہٹنے کی زحمت بھی نہین گوارا کرنا پڑتی - اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جیسے ہمارے عوض ہمارا دماغ باغ قدرت کی سیر کر کے گوناگون مسرتین اور اقسام و انواع کی دلچسپیان ہمارے لیے فراہم کر لاتا ہے - اور ہماری یہ حالت ہوتی ہے جو غالب مرحوم نے بتائی ہے - ع

جی چاہتا ہے پھر وہی فرصت کہ رات دن بیٹھے رہین تصور جانان کیے ہوے -

لہذا نگاہ کی حاصل کی ہوئی مسرتون کے ان دونون درجون پر ہم جدا جدا غور کرنا چاہتے ہین - پہلا درجہ ہماری ذاتی سیر نظر کا - بعض اوقات ہماری نظر کے سامنے مہیب ڈراؤنی صورتین بھیانک اور بدقطع شکلین بھی آجاتی ہین جن سے دل و دماغ کو سخت اذیت پہونچتی ہے اور خوف سے خون خشک ہو جاتا ہے - مگر یہ کبھی کبھی کے خطرے اور وقتی زحمتین ہین جو

اُس کے بعد ہماری مسرتون اور دلچسپیون کا لطف دوبالا کر دیا کرتی ہین۔

ایک پیارا چہرہ سارا غم غلط کر دیتا ہے۔ ایک خوبصورت پھول آنکھون کو روشن کر دیتا ہے۔ ایک خوشنما چڑیا یا ایک خوش رنگ تتلی ہمارے دل کو شگفتہ کر دیتی ہے۔ اور ان کے دیدار مین وہ مزہ آتا ہے جو ساری کلفتون کو دور اور تمام اگلی اذیتون کو کافور کر دیتا ہے۔ یاد بھی نہین رہتا کہ ان آنکھون کو کبھی کسی بڑی چیز کے دیکھنے سے تکلیف ہوئی تھی۔ اس دل خوش کن نظر شوق کا سب سے بڑا کمال یہ ہے کہ بہت سی چیزون کو جو بجاے خود نہ خوشنما ہین نہ دل فریب۔ ساحرہ نظر اُن کو نہایت ہی دلکش و دلچسپ بنا کے ہمارے سامنے لاتی اور ہمین بیخود کر دیتی ہے۔ دنیا کے اکثر وحشت ناک مناظر جو بجاے خود کوئی خوبی و رعنائی نہین رکھتے مشاطۂ نظر کی سحر طرازی سے ہمارے لیے ایسے دلچسپ بن جاتے ہین کہ دیکھتے ہی زبان سے کلمۂ تحسین نکل جاتا ہے۔ لق و دق میدان ناپیدا کنار ریگزار سر بفلک پہاڑ۔ بڑی بڑی سنگلاخ چٹانین۔ اُن کے درمیان کی خوفناک گھاٹیان متلاطم سمندر۔ اور گھنے وحشتناک جنگل ان سب مین کیا خوبصورتی اور کون سی زیب و زینت ہے؟ سطح میدان جس مین گھاس کی کثرت سے کوئی سیدھی طرح چل سکے۔ بالو کا عظیم الشان ریگزار جس مین بگولے اُڑتے اور خاک اُڑاتے پھرتے ہین اور جو تشنہ لب مارتا ہے۔ آسمان سے باتین کرنے والے پہاڑ اُن کی گھاٹیان اور چٹانین جن کو پاس جا کے دیکھیے تو انسان کے لیے اُن سے زیادہ ہولناک منظر مشکل گذرگاہ اور پُر اذیت جگہ نہین ہو سکتی جہان قدم قدم پر ٹھوکرین لگتی ہین اور ایک ادنے لغزش تحت الثریٰ تک پہونچا دیتی ہے۔ متلاطم سمندر جس کی لہرین دنیا کا سخت ترین عذاب ہین۔ اور جو انسان کو ایک گھڑی بھر مین غرق کر کے قعر فنا مین پہونچا دیتا ہے۔ وحشتناک جنگل جس مین درختون کے ناہموار جھنڈون کانٹون بھرے پھلون اور خونخوار درندون کے سوا کچھ نہین ان سب مین کیا خوبی رکھی ہے۔ مگر ان خوفناک اور اذیت رسان چیزون کو دور سے کھڑے ہو کے دیکھیے تو یہ شوق نگاہ اُن کو کیسا دلچسپ کس قدر خوشنما۔

کس درجہ پُر لطف- اور کس حد تک سرمایۂ مسرت بنا دیتی ہے-

انھین آسمان کے تارون کو دیکھو جو ہمارے کلبۂ احزان کے چراغ اور ہماری صحبت عیش کی جان ہین نظر کو کس قدر بھلے معلوم ہوتے ہین- مگر علم ہیأت کی ترقی و تحقیق انھین یا تو آگ کے ہولناک گولے یا ہماری زمین ہی کے مانند جنگلون پہاڑون سمندرون اور بیابانون کا وحشتناک ذخیرہ ثابت کر رہی ہے-

ان باتون سے پتہ چلتا ہے کہ ہماری نظر شوق محض ہمارا دل بہلانے اور ہماری دلچسپی کے لیے کیسے کیسے معجزے دکھاتی- اور مہیب و خوفناک بد قطع اور کاواک چیزون کو کیسا اچھا اور دلکش و دلکشا بنا کے پیش کرتی ہے- بلکہ سچ یہ ہے کہ دنیا کی کسی چیز مین لطف و خوبی اور دلکشی و رعنائی نہین- ہماری دلچسپی و دلکشی ہماری نظر شوق کی ہے جو بُری سے بُری چیزون کو نظر فریب خلعت پنھا کے ہمارے سامنے لاتی- اور ہمین لُبھاتی ہے-

ہماری طبیعتین آزادی پسند واقع ہوتی ہین- ایک حالت مین پڑے رہنے کو ہمارا مضطرب دل ایک قید تصور کرتا ہے- اسی وجہ سے نظر کے سامنے چاہے کیسا ہی خوشنما منظر ہو اگر اُس مین تغیر نہ ہوا تو دم اُلجھنے لگتا ہے- اور جی چاہتا ہے کہ چل پھر کے سیر کرین- اگرچہ ہماری اس خصلت کی نبض شناسی کر کے قدرت نے بہار و خزان کے موسم پیدا کر رکھے ہین جو صفحۂ عالم کو بدل بدل کے نئی نئی صورتون مین پیش کیا کرتے- اور دنیا کو ایک حالت پر قرار نہین لینے دیتے ہین- مگر اتنا سکون بھی ہمین ناگوار گزرنے لگتا ہے جو ایک موسم کے قیام کے لیے لازم ہے- اپنی اس فطرت ہی کی وجہ سے ہماری یہ حالت ہے کہ چاہے کیسا ہی نشاط افزا سمان نظر کے سامنے بندھا ہو مگر ہمین جو لطف چل پھر کے سیر کرنے مین آتا ہے ایک جگہ بیٹھے رہنے مین نہین آتا- جس کا سبب یہ ہے کہ چلنے پھرنے مین نظر شوق کے سامنے نئی نئی صورتین گزرتی رہتی ہین- ایک پھول سامنے سے ہٹتا ہے اور دوسرا [illegible] دریاؤن کی روانی یا ریل مین بیٹھ کے سیر کرنے مین ہمین [illegible]

آتا ہے۔ اس لیے کہ دریا بہتا رہتا ہے۔ اور دم بھر کے لیے بھی قرار نہین لیتا۔ اور ریل خود ہم کو اس طرح لے کے بھاگتی ہے کہ ایک دلچسپ چیز پر نظر نہین جمنے پائی تھی کہ غائب ہو گئی اور دوسری اُس کی جگہ آگئی۔

ہماری نگاہ شوق کے اسی لطف پُر شعلہ کے لیے قدرت نے یہ انتظام کر دیا ہے کہ آسمان ایک حالت پر قرار نہین لیتا۔ اس بحث کو چھوڑ دو کہ وہ حرکت کر رہا ہے یا خود ہماری روانی اُس کو متحرک دکھا رہی ہے۔ اور مشاطۂ قدرت کی اس مزاجداری کی داد دو کہ بزم انجم کے یہ نورانی اجرام جو خدا جانے کتنے کتنے بڑے عالم ہین اور اُن مین کیا ہو رہا ہے مگر فقط یہ خیال کر کے کہ ہمین روانی و حرکت پسند ہے شب و روز چلتے پھرتے ہی رہتے ہین۔ اور اس پُر لطف سیر مین ہم اس قدر بہلے رہتے ہین کہ زندگی کی دشواریان اور قسمت کی نامرادیان سب بھول جاتی ہین۔ آفتاب نکلتا ہے۔ بلندی پر آتا ہے۔ اور غروب ہو جاتا ہے۔ ماہتاب ایک چاندی کے خمیدہ بال کی طرح نمودار ہو کے بڑھنے لگتا ہے۔ بڑھتے بڑھتے بدر کامل بنتا۔ پھر زوال کی صورت اختیار کر کے گھٹتا۔ اور گھٹتے گھٹتے نظر سے غائب ہو جاتا ہے۔ یونہین تمام تارے رات کو نکلتے فلک کی قوس علوی کو طے کرتے اور صبح ہوتے ہی پیارے ہم پہلو مہمانان شب کی طرح غائب ہو جاتے ہین یہ سب کیون ہے؟ اس لیے کہ ہم متحرک منظر کے شیدا ہین اور سکوت و سکون مین ہمارا دم اُلجھنے لگتا ہے۔

اجرام فلکی کی رفتار کی تیزی ہمارے وہم و گمان سے بالا ثابت ہوتی ہے۔ مگر فضائے ہستی کی فضا اسی قدر وسیع ہے کہ اتنی سُرعت پر بھی ہمین اکثر بطی السیری کا شبہ ہو جاتا ہے۔ محض اس خیال سے کہ شاید یہ تاخیر بھی ہماری نظر شوق کو ناگوار گزرے سطح فلک پر بدلیان اُڑنا شروع ہوتی ہین۔ اور اپنے چلنے پھرنے کی دلچسپی کے علاوہ ہمین یہ تماشا دکھانے لگتی ہین کہ حسینان فلک کے چہرون پر کبھی ابر کی نقاب پڑ جاتی ہے اور کبھی ہٹ کے پھر اُن کا پیارا چہرہ دکھاتی ہے۔

بہرحال اے نگاہ شوق تیری دلچسپی کے لیئے قدرت نے تو یہ سامان

فراہم کر رکھا ہے مگر افسوس تجھے تسکین نہ ہونا تھی نہ ہوئی۔ تو ایسی صورتون کی جستجو
مین مصروف ہی رہی اور ہمیشہ رہیگی

دل سے شوق رخ نکو گیا تاکنا جھانکنا کبھو نہ گیا

سمجھ مین نہین آتا کہ نگاہ کو یہ لپکا اور دل مین یہ شوق کیون پیدا ہو گیا کہ بے اچھی صورتین
دیکھے قرار نہین آتا۔ صوفی صافی مشرب اس کا سبب یہ بتاتا ہے کہ مخلوق کی ہر صورت زیبا مین خالق
کا جلوہ عیان ہے۔ اس لیے دل اُدھر کھنچتا ہے۔ رند مشرب اس شوق کو فقط فطری تقاضائے نفس
پر محمول کرتا ہے۔ اور کہتا ہے کہ اس سامنے کی لذت کے اُدھر کچھ نہین۔ فلسفہ مادی اور سائنس کا
دلدادہ کہتا ہے کہ قدرت نے ہمین محض بقائے نسل کے لیے اس عالم مین بھیجا ہے۔ مگر ہمارا مقولہ
یہ ہے۔ کس نکشود و نکشاید بحکمت این معما را

نہ ہمین روح انسانی کی اصلی ماہیت معلوم ہے نہ یہ خبر ہے کہ [illegible]
یہ جانتے ہین کہ کسی خوبصورت چیز کی طرف شوق کھینچتا ہے اور کسی بدصورت چیز سے دل کو نفرت
ہوتی ہے تو کیون؟ ہم سے یہ معمہ بھی تو آج تک حل نہ ہو سکا کہ حسن کیا ہے؟ اور بدصورتی کیا۔ کوئی
چیز خوبصورت ہے تو کیون؟ اور بدصورت ہے تو کس لیے؟ معمولی کہنے والا کہہ دیگا اس لیے کہ حسن کی طرف
دل مائل ہوتا ہے اور بدصورتی سے نفرت کرتا ہے لیکن اس سے خود بدصورت چیز مین نہ کوئی
بدصورتی ثابت ہو سکی اور نہ خوبصورت شے مین خوبصورتی۔ جناب صوفی صاحب نے خدا کا جلوہ گاہ
فقط خوبصورتی کو بتا دیا۔ مگر اس کا جواب نہ دے سکے کہ بری شے مین بھی تو اُسی کا جلوہ نظر
آ رہا ہے۔ رند مشرب حقیقت طرازی کے پُرخطر مسلک سے بھاگا۔ دل مین کہا ان سب کو کہنے دو
اور اپنا تقاضائے نفس پورا کر کے خاموش ہو گیا۔ فلسفی نے دنیا مین نوع انسان کو کثرت سے
بڑھا دیا۔ مگر یہ کوئی نہ بتا سکا کہ عالم مین یہ تماشا کیون ہو رہا ہے؟ اور باوجودیکہ ایک
ایک کا دشمن ہے اور ہر فرد دوسرے کو کھائے جاتا ہے۔ مگر دشمنی کی اسی نبردگاہ
عام ہی مین حسن و عشق کا قصہ بھی چھڑا ہوا ہے۔ اور جسے دیکھیے کسی محبوب رعنا
کے شوق مین سرگردان و بیقرار نظر آتا ہے۔

بہرحال تم فلسفی کو بکنے دو۔ سبب و علت نہ پوچھو۔ اور ان فکرون
سے آزاد ہو کر اس صورت زیبا کو جی بھر کے دیکھ لو جسے نظر شوق دیکھنا چاہتی
ہے۔ خدا جانے اس کے بعد پھر زیارت کی فرصت ملے گی یا نہین۔

افریقہ کے بیڑے کی تباہی

معز کے دل پر بڑا اثر پڑا۔ فوراً ایک بڑا بھاری بیڑا تیار کروایا۔ اور اُس پر سامان جنگ لاد کے اور بہادر سپہگرون کو سوار کرا کے موسم سرما مین قوصرہ کی طرف روانہ کیا۔ مگر خدا ہی کو منظور نہ تھا کہ بدنصیب و بداطوار مسلمانان صقلیہ کی فریاد رسی ہو۔ ایک شدید طوفان مین پڑکے یہ سارا بیڑا تباہ ہو گیا۔ سب جہاز ڈوب گئے۔ اور فوج مین سے معدودے چند لوگون کے سوا جتنے گئے تھے سب غرق ہو کے لقمۂ نہنگ اجل ہوئے۔ اس بیڑے کی تباہی کا یہ اثر ہوا کہ خود افریقہ مین المعز کی حالت نازک ہو گئی یہان تک کہ عرب زناتہ جو ہمیشہ اُس کی فوجون سے بھاگا کرتے تھے یکایک چیرہ دست ہو گئے۔ اور بعض شہرون کو حملہ کر کے اُس کے قبضے سے چھین لیا۔ اور المعز بغیر اُس کے کہ اُس کا کچھ تدارک کر پائے ۴۵۲ھ مین مر گیا۔

تمیم حاکم افریقہ اور اس کے بیٹے علی و ایوب صقلیہ مین

اب اُس کا بیٹا تمیم مسندنشین ہوا۔ عنان حکومت ہاتھ مین لے کے اُس نے ایک اور بڑا بھاری بیڑا بنوایا اور اُس مین زبردست لشکر کو سوار کرا کے جزیرۂ صقلیہ کی طرف روانہ کیا۔ اور اپنے دو بیٹون علی اور ایوب کو بھی اُس لشکر کے ساتھ بھیجا۔ یہ بیڑا خیریت سے پہونچ گیا۔ چنانچہ ایوب کچھ لشکر کے ساتھ شہر مدینہ مین اترا۔ اور علی نے شہر جرجنت پر قدم رکھا۔ اور دو چار روز کے بعد ایوب بھی سارے لشکر کو لے کے اپنے بھائی علی کے پاس آ گیا۔

ابن حواس نے علی کو اپنے قصر مین اُتارا۔ اور بہت سے ہدیے اور تحفے پیشکش کیے۔ ایوب جب چند روز یہان رہا تو اُس کے اخلاق اور اچھے برتاؤ کی وجہ سے عام اہل شہر اُس کے گرویدہ ہو گئے۔ جس پر ابن حواس کو حسد معلوم ہوا۔ اور اسی حسد کے جوش مین اُس نے اہل شہر کو لکھ بھیجا کہ

ایوب کو اپنے یہان سے نکال دو۔ مگر اہل صقلیہ اُس کے اس قدر گرویدہ ہو رہے تھے کہ اپنے حاکم ابن حواس کے حکم کا بھی کچھ خیال نہ کیا۔ یہ رنگ دیکھا تو وہ اپنا لشکر جمع کر کے چڑھ آیا۔ اکثر اہل جرجنت نے ایوب کی رفاقت چھوڑ دی۔ مگر لڑائی چھڑ ہی گئی۔ اور عین اُس وقت جبکہ معرکہ کارزار گرم تھا ابن حواس پر ایک ایسا کاری تیر پڑا کہ گھوڑے سے گرا اور اُسی وقت ٹھنڈا ہو گیا۔

اُن کی واپسی افریقہ

اب تمام اہل شہر اور ساری فوج نے ایوب ہی کو اپنا فرمان روا و حاکم بنا لیا۔ مگر چند ہی روز مین تمیم یعنی ایوب کے باپ فرمان روائے افریقہ کے غلامون اور شہر جرجنت والون کے درمیان کچھ جھگڑے پیدا ہوئے اور اُس سے جو آتش فساد بھڑکی وہ سارے جزیرے مین پھیل گئی۔ یہ رنگ دیکھ کے ایوب اور علی دونون بھائیون نے جو اہل صقلیہ کی مدد کو آئے تھے اپنے لشکر کو جمع کر کے جہازون پر سوار کرایا۔ اور لنگر اُٹھا کے ۴۶۱ھ مین افریقہ واپس گئے۔ اُن کے ساتھ بہت سے معززین صقلیہ اور سرداران افواج بحری نے بھی وطن کو خیرباد کہہ کے افریقہ کی راہ لی۔

فرنگی فرمانروا رجار کا زور اور اسلامی قوت کا خاتمہ

اب صقلیہ سے قریب قریب تمام سربرآوردہ اور کارآزمودہ بہادران اسلام نکل گئے۔ اور کوئی ایسا باقی نہ رہا جو فرنگیون کو اُن کی دست برد سے روک سکے۔ چنانچہ چند ہی روز مین وہ سارے جزیرے پر چھا گئے۔ تمام شہرون پر اُن کا قبضہ ہو گیا۔ فقط بلاد قصریانہ اور جرجنت باقی تھے۔ جن کا آکے فرنگیون نے محاصرہ کر لیا۔ اور مسلمانون کو یہان تک تنگ کیا کہ اگرچہ اُن کے پاس کھانے کو کچھ نہین باقی رہا تھا مگر انجام کے خطرون کے خیال سے ہتھیار نہ رکھتے تھے۔ مردار

کھاتے تھے اور ہر قسم کی مصیبت و ذلت برداشت کرتے تھے مگر مقابلہ کیے جاتے تھے۔ آخر مجبوری و تکلیف اس درجے سے بھی بڑھی۔ اور بالکل عاجز آ کے اہل جرجنت نے ہتھیار رکھ دیے۔ اور شہر و قلعہ فرنگیون کے حوالے کیا۔ مگر اہل قصریانی جان سے ہاتھ دھو کے اور تین سال تک مقابلہ کیا۔ یہان تک کہ ۴۸۵ھ مین اُن کی آزادی اور صقلیہ کی آخری اسلامی ریاست کا بھی خاتمہ ہو گیا۔

مسلمانون کے ساتھ رجار کا سلوک

اس طریقے سے جب رجار سارے جزیرے پر قابض ہو گیا تو اُس نے رومیون اور فرنگیون کو لا کے مسلمانون کے ساتھ بسایا۔ اور چند ہی روز کے اندر مسلمانون کی یہ حالت کر دی کہ اب نہ اُن کے قبضے مین کوئی حمام تھا نہ آٹا پیسنے کی چکی تھی۔ اور نہ کسی مسلمان کی کوئی دکان تھی۔ یہان تک کہ ۴۹۰ھ سے پیشتر رجار مر گیا۔

دوسرا رجار مسلمانون کا قدردان تھا

اب اُس کا بیٹا دوسرا رجار وارث مسند حکومت ہوا۔ اس دوسرے رجار کو مسلمانون سے اُنس تھا۔ اور اُس زمانے کی فرنگی وحشت و بہیمیت کے مقابل عربی تمدن کو وہ پسند کرتا تھا۔ چنانچہ اُس نے سلاطین اسلام کی روش اختیار کی۔ اسلامی ممالک کی طرح خدمتین قائم کین۔ حاجب اور وزرا مقرر کیے۔ فوجین مرتب کین۔ دیگر محکمہ جات کی بنیاد ڈالی۔ اور فرنگیون کے طور و طریق کو ترک کر دیا۔ اس لیے کہ اُن لوگون مین اُس وقت تک اس تہذیب اور اِن تمدنی صلاحون کا پتہ نہ تھا۔ چنانچہ اِس مسیحی فرمان روائے صقلیہ نے خاص بنا در بار عدالت قائم کیا۔ جس مین فریادی آ کے انصاف چاہتے اور وہ مظلومون کی دادرسی کر کے ظالمون کو سزائین دیتا۔ اور سزا دینے مین چاہے اُس کا بیٹا ہی کیون نہ ہو کسی کی جنبہ داری نہ کرتا۔ اسوا اِس کے اُس نے مسلمانون کی قدر افزائی کی۔ اور فرنگیون کو اُن پر دست ستم دراز کرنے سے روکا۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ مسلمان اس کے خیرخواہ اور جان نثار خادم ہو گئے۔

گرد کے تمام جزائر پر اُس کا قبضہ

اس کے بعد اُس نے ایک بڑا زبردست بیڑا تیار کرایا۔ اور اُن تمام جزیرون پر قبضہ کر لیا جو مہدیہ یعنی دار السلطنت افریقہ اور صقلیہ کے درمیان مین واقع تھے۔ مالطہ تو پہلے ہی اُس کے پاس تھا اب جزائر قوصرہ جربہ اور قرقنہ بھی اُس کے تصرف مین آ گئے۔ اور آخر کار اُس کی قوت یہان تک بڑھی کہ اب ملک افریقہ کے ساحلی شہرون پر بھی حملے کرنے لگا۔

اس تاریخ کا عبرتناک خاتمہ

یہ تھی جزیرۂ صقلیہ کی مختصر تاریخ۔ جس مین عربی سطوت قائم ہوئی۔ بڑھی۔ جنوبی ایطالیہ تک پھیلی۔ اور آخر باہمی نفاق خود سریون اور بدنظمیون سے گھٹنا شروع ہوئی۔ یہان تک کہ گھٹتے گھٹتے بالکل فنا ہو گئی۔ مسلمانون نے صقلیہ مین ہزارون مسجدین بنائی تھین۔ سیکڑون حمام قائم کیے تھے صدہا قلعے بنائے تھے اور خدا جانے کتنے ایک بڑے بڑے عالیشان قصر و ایوان تعمیر کیے تھے۔ مگر جب اُن کی نالائقی کی سزا مین خدا نے اپنا یہ عہد پورا کیا کہ "جو لوگ اپنی حالت کو بدلتے ہین ہم بھی اُن کی حالت بدل دیتے ہین" اور اُن کے عروج و اقبال کا کہین پتہ نہ تھا۔ اور اُس دور کی عظمت کا نام و نشان بھی نہ باقی تھا۔ جس کے دونون رخون کی تصویرین یہ ہین کہ ابن جبیر اندلسی نے اپنے سفر مین تو یہ حالت پائی تھی کہ سارے جزیرے مین کوئی جگہ مسجدون سے خالی نہ نظر آتی تھی یا اب یہ حالت ہے کہ نہ وہان کسی مسجد کا پتہ ہے نہ مسلمانون کے آنے رہنے اور حکومت کرنے کی کوئی یادگار کہین نظر آ سکتی ہے۔

قدیم سیاحان ہندوستان

اُن کی شادیون مین گانا بجانا اور دعوتین ہوتی ہین اور بانسری بجائی جاتی ہے۔ ارغنون کے سوا اور سب باجے اُن کے یہان بھی رائج ہین۔ اُن کا گانا اور بجانا ہمارے یہان کی طرح ہے۔ رات اور دن دونون وقت نہایت فیاضی کے ساتھ دعوت کی جاتی ہے اور دونون وقت گانا بجانا ہوتا ہے۔ بعض ہمارے یہان کی طرح حلقہ باندھکے ناچتے ہین بعض ایک صف مین کھڑے ہوکے اور ایک کے بعد ایک۔ اس مین وہ رنگین ڈنڈے آپس مین بدلتے جاتے ہین کیونکہ جیسے ہی ایک دوسرے کا سامنا ہوتا ہے باہم ڈنڈے بدل لیتے ہین۔ یہ ناچ نہایت خوشنما اور عمدہ ہوتا ہے۔

شمالی ہندوستان کے امرا کے سوا گرم حمام کوئی نہین استعمال کرتا عام لوگ دن مین کئی مرتبہ ٹھنڈے پانی سے نہاتے ہین۔ یہان نیل نہین پیدا ہوتا۔ اور ہمارے ملک کے سیب۔ ناشپاتی۔ اور شفتالو بھی نہین ہوتے۔ انگور جیسا کہ مین پہلے بیان کر چکا ہون فقط ایک مقام پر اور بہت کم مقدار مین پیدا ہوتا ہے۔ ہندوستان مین ایک درخت تین بالشت بلند ہوتا ہے۔ جس مین کوئی پھل نہین ہوتا۔ اگر کوئی شخص اُس کے قریب آتا ہے تو وہ سمٹ جاتا ہے اور اپنی شاخین بھی سمیٹ لیتا ہے۔ جب وہ شخص چلا جاتا ہے تو وہ پھر پھیل جاتا ہے۔ اِس درخت کا نام "لاج ونتی" ہی۔

بیجانگر سے پندرہ دن کی مسافت پر شمال کی جانب ایک پہاڑ ہے جو البنجارہ کہلاتا ہے۔ اُس کے گرد پانی کے چشمے ہین۔ جن مین بے شمار زہریلے جانور ہین۔ اور پہاڑ کے اوپر بھی ہر جگہ سانپ رہتے ہین۔ اس مین ہیرے اور جواہرات پیدا ہوتے ہین۔ انسان کی عقل کوئی ایسا طریقہ نہین معلوم کر سکی ہے کہ اُس پہاڑ پر جانے کی کوئی ترکیب نکالی جا سکے۔ لیکن ہیرے اور جواہرات حاصل کرنے کا ایک طریقہ اُنھین معلوم ہو گیا ہے۔ اس پہاڑ کے قریب ہی ایک دوسرا پہاڑ ہے جو اُس سے کسی قدر زیادہ بلند ہی۔ سال کے

ایک خاص زمانے مین لوگ اِس بڑے پہاڑ پر بیل لے کے آتے ہین وہان اُنھین ذبح کرکے گوشت کے بڑے بڑے ٹکڑے جس مین خون بھرا ہوتا ہے ایک خاص کل کے ذریعے سے جو اُنھون نے اس مقصد کے لیے بنائی ہے دوسرے پہاڑ کی چوٹی پر پھینک دیتے ہین۔ ہیرے اور جواہرات گوشت کے ٹکڑون مین لپٹ جاتے ہین۔ گد اور عقاب جاکے اِس گوشت کو اُٹھا لاتے ہین کیونکہ سانپون کے ڈر سے وہ وہان بیٹھ کے نہین کھا سکتے۔ اور ایسی جگہ لے آتے ہین جو محفوظ ہو۔ لوگ اُن کے پیچھے پیچھے جاتے ہین اور اُس جگہ سے ہیرے اور جواہرات چُن لیتے ہین۔ دوسری قسم کے قیمتی پتھر آسانی کے ساتھ دستیاب ہوجاتے ہین۔ پہاڑون کے دامن مین یہ پتھر زمین کے اندر ملتے ہین۔ لوگ وہان جاکے زمین کھودتے ہین یہان تک کہ پانی اور کیچڑ نکل آتی ہے۔ اسی کیچڑ مین وہ قیمتی پتھر ہوتے ہین۔ لوگ خاص قسم کی چھلنیون مین چھانتے ہین۔ پانی اور مٹی اُن مین سے نکل جاتے ہین۔ اور پتھر رہ جاتے ہین۔ قیمتی پتھرون کے نکالنے کا یہی طریقہ ہر جگہ رائج ہے۔ لیکن نوکرون اور مزدورون کی نہایت سخت نگرانی کیجاتی ہے تاکہ وہ چوری نہ کرسکین معتبر لوگ اُن کی نگرانی کے لیے مقرر کیے جاتے ہین جو اُن کے کپڑون اور جسم کو جاتے وقت دیکھ لیا کرتے ہین۔

سال بارہ مہینے مین تقسیم ہے اور ہر مہینے کا نام بُرجون کے نام پر رکھا گیا ہے۔ راستے کا شمار مختلف طریقون سے کیا جاتا ہے۔ زیادہ تر لوگ اُسے آکٹیوین کے زمانے سے شمار کرتے ہین۔ کیونکہ اُس کے وقت مین ساری دنیا مین امن تھا۔ لیکن ۱۴۴۰ء کو وہ ۱۴۹۲ء بتاتے ہین۔ بعض ممالک مین کوئی سکہ نہین ہے اور اُس کی جگہ پر لوگ سنگ شب چراغ استعمال کرتے ہین۔ بعض ممالک مین سکہ کی جگہ لوہے کے ٹکڑے استعمال کیے جاتے ہین۔ جو موٹی سوئی کے شکل مین بنائے جاتے ہین۔ بعض ممالک مین ایک موٹے کاغذ کا سکہ ہے جس پر بادشاہ کا نام لکھدیا گیا ہے۔ ہندوستان کے بعض حصون مین وینس کے ڈوکٹ رائج ہین۔ بعض ممالک مین سونے کے سکے

ہین جن کا وزن ہمارے قلندرن کا دونا ہے۔ اس کے علاوہ وہان سونے اور پیتل کے سکے بھی ہین۔ بعض مقامات پر سونے کے ٹکڑے جن پر کچھ کام بنا ہوتا ہے اور کاٹ کے ایک ہی وزن کے کر دیے جاتے ہین سکے کی جگہ استعمال ہوتے ہین۔ ہندوستان کے لوگ لڑائی مین برچھے تلوار دستانے۔ گول ڈھالین اور تیر و کمان استعمال کرتے ہین بعض حصون کے لوگ خود اور زرہ بھی استعمال کرتے ہین۔ وسط ہندوستان کے لوگ وہ تمام آلے استعمال کرتے ہین جو ہمارے یہان شہر کے محاصرہ کرنے اور اُس پر حملہ کرنے کے لیے مروج ہین۔ وہ ہمین فرینگ (فرنگی) کہتے ہین۔ اُن کا بیان ہے کہ ہم دو آنکھین رکھتے ہین فرنگی ایک آنکھ اور دنیا کی باقی سب قومین اندھی ہین کیونکہ عقل و دانائی مین وہ اپنے آپ کو سب سے بڑھا ہوا پاتے ہین۔

فقط کھمبات کے لوگ کاغذ کا استعمال جانتے ہین باقی سب لوگ درختون کے پتون پر لکھتے ہین اور اُن سے نہایت خوشنما کتابین بنا لیتے ہین۔ لیکن ہمارے یا یہودیون کی طرح بائین سے داہنے یا داہنے سے بائین جانب نہین لکھتے بلکہ اُن کی سطرین صفحہ کے اوپر سے نیچے کے جانب آتی ہین۔ ہندوستان کے لوگون کی بہت سی زبانین ہین۔ اُن کے یہان غلامون کی تعداد بہت زیادہ ہے اور مقروض کو جو روپیہ نہ ادا کر سکے۔ ہر ایک قرضخواہ اپنی ملکیت سمجھتا ہے۔

فوجداری مقدمات مین جہان کوئی شہادت نہ ہو ملزم سے قسم لی جاتی ہے اور اُس کے تین طریقے ہین۔ ایک یہ کہ وہ شخص جس سے قسم لیجاتی ہے اپنے دیوتا یعنی بت کے سامنے کھڑا ہو کے اُس بُت کی قسم کھاتا ہے کہ مین بے گناہ ہون اس قسم کے بعد وہ اپنی زبان ایک گرم سُرخ لوہے کے ٹکڑے پر لگاتا ہے۔ اور اگر اُسے کسی قسم کا صدمہ نہ پہونچے تو وہ بے گناہ قرار دیا جاتا ہے۔ دوسرا طریقہ یہ ہے کہ اُسی طرح قسم کھانے کے بعد اُس گرم و سُرخ لوہے کو وہ شخص چند قدم لے کے چلتا ہے اگر اس کا جسم کسی مقام پر جل گیا تو اُسے اس جرم کی سزا دیجاتی ہے۔ اگر کسی قسم کا صدمہ نہ پہونچا تو رہا کر دیا جاتا ہے۔ قسم کھانے کا ایک تیسرا طریقہ یہ ہے اور یہی عام

طور پر رائج ہی۔ بت کے سامنے ایک برتن مین اُبلتا ہوا گھی رکھا جاتا ہے جو شخص یہ کہتا ہے کہ مین بے گناہ ہون اپنی دو انگلیان اُس اُبلتے ہوے گھی مین ڈالتا ہے اور نکالتے ہی فوراً ان پر کپڑا لپیٹ کے مُہر کر دیجاتی ہے۔ تاکہ اُس بندش کو بدل نہ سکے تیسرے دن وہ پٹی کھولی جاتی ہے اگر انگلیون مین کسی قسم کا صدمہ پایا گیا تو اِس ملزم کو سزا دیجاتی ہے اگر صحیح و سالم ہوئین تو چھوڑ دیا جاتا ہے۔

وبائی امراض ہندوستان کے لوگون کو نہین معلوم اور نہ وہان اس قسم کی بیماریان پیدا ہوتی ہین جو ہمارے ممالک مین ساری آبادیون کا خاتمہ کر دیا کرتی ہین۔ اُس کا نتیجہ یہ ہے کہ اِن قومون کی آبادی اتنی زیادہ ہی۔ کہ یقین نہین آسکتا۔ اُن کی فوجون مین دس لاکھ سے زیادہ سپاہی ہوتے ہین۔ ایک لڑائی کے بعد فاتح بارہ گاڑیون مین وہ ریشمی اور سُنہرے ڈورے لاد کے لائے تھے جو مقتولین کے سر کے بالون سے کھولے گئے تھے۔ بعض اوقات مین خود میدان جنگ مین موجود تھا۔ لیکن مین نے کسی طرف حصہ نہین لیا۔ اور دونون جانب کے لوگون نے یہ دیکھ کے کہ مین اجنبی ہون چھوڑ دیا۔

جزیرہ جاوہ مین ایک درخت پیدا ہوتا ہے لیکن وہ شاذ و نادر کسی کو ملتا ہے۔ اُس کے تنے کے بیچ مین ایک لوہے کی سیخ ہوتی ہی جو بہت پتلی اور درخت کے تنے کے برابر لمبی ہوتی ہے۔ اگر کسی شخص کو اُس سیخ کا ایک ٹکڑا مل جائے اور وہ اُسے اپنے جسم مین گوشت سے ملا کے رکھے تو وہ لوہے کے ضرر سے بالکل محفوظ ہو جاتا ہے۔ اسی وجہ سے اکثر لوگ اپنی کھال مین شگاف دے کے اُس لوہے کا ایک ٹکڑا اپنے جسم کے اندر رکھ لیتے ہین۔

وسط ہندوستان کی سرحد پر ایک عجیب و غریب چڑیا ہی جو ققنس کہلاتی ہی۔ اُس کی چونچ مین بہت سے مختلف سوراخ ہوتے ہین۔ جب اُس کی موت قریب آتی ہے وہ سوکھے تنکے اپنے گھونسلے مین جمع کر لی ہے۔

اُس کی چونچ کے ہر سوراخ سے مختلف راگ پیدا ہوتے ہین۔ یہان تک کہ وہ خود ہی وجد مین آکے اپنے بازو جھاڑنے لگتی ہے۔ اُس سے لکڑیون مین آگ لگ جاتی ہے اور وہ چڑیا اُسی مین جل کے مرجاتی ہے۔ اُس کے تھوڑی دیر بعد اُسکی راکھ مین ایک کیڑا پیدا ہوتا ہے۔ اور یہی کیڑا بڑھ کے اُس چڑیا کی شکل مین ہوجاتا ہے۔ وہان کے لوگون نے اُس چڑیا کی چونچ کی نقل مین بانسری بنائی ہے جس کی آواز بھی بہت اچھی ہوتی ہے۔ ایک دفعہ لوگون کے سامنے مین نے اس باجے کی تعریف کی تھی تو اُنھون نے بیان کیا کہ اس کا آغاز اسی طریقے سے ہوا ہے۔

ہندوستان کے آگے جزیرۂ سیلون (لنکا) مین ایک ندی ہے جو آبرو تانی کہلاتی ہے۔ اس مین مچھلیان اس کثرت سے ہین کہ لوگ اُنھین ہاتھ سے پکڑ سکتے ہین۔ لیکن اگر کوئی شخص اس مچھلی کو تھوڑی دیر اپنے ہاتھ مین لیے رہے تو اُسے بخار آجاتا ہے۔ اور جیسے ہی وہ مچھلی کو چھوڑ دے پھر صحیح وسالم ہوجاتا ہے۔ وہان کے لوگ اس کی وجہ یہ بیان کرتے ہین کہ وہ مچھلیان دیوتاؤن سے تعلق رکھتی ہین۔ لیکن میرا خیال یہ ہے کہ یہ ایک قدرتی بات ہے۔ اگر ہمارے یہان بھی کوئی شخص تارپیڈو مچھلی کو اپنے ہاتھ مین پکڑے تو اُس کا ہاتھ فوراً سُن ہوجاتا ہے اور ایک خاص قسم کا درد محسوس ہوتا ہے۔

ہندوستان مین مشرقی تمدن کا آخری نمونہ

اسی اثنا مین جہیز کا سامان نکالا جاتا ہے۔ اُس کی فرد لاکے دو طھا والون کے سامنے پیش کردی جاتی ہے جس مین وہ تمام زیور جوڑے۔ ظروف۔ پلنگ۔ ادوتوکی اور جو کچھ چیزین دیجاتی ہین درج ہوتی ہین۔ تمام چیزون کا فہرست سے مقابلہ کرلیا جاتا ہے اور اب دولھن رخصت ہونے کے لیے بالکل تیار ہوتی ہے۔ اُس کا لباس کوئی بھاری کامدار جوڑا نہین ہوتا ہے۔ بلکہ ایک سوہے یعنی لال رنگ کی تنزیب کا کرتا اور سادہ ریشمی کرتا پائجامہ پہنے ہوتی ہے۔ اور اُس مین بھی سادگی کا اس قدر لحاظ رہتا ہے کہ گوٹا ٹک نہین لگائی جاتی۔ اور

اور ناڑے کا ازار بند پڑا ہوتا ہے۔

اُس کے سنگار اور کپڑے پہنانے کے وقت ڈومنیان "بابل" یعنی میکا چھوٹنے کا راگ گاتی رہتی جو نہایت ہی پُرحسرت اور جگر گداز ہوتا ہے۔ ایک عجیب رنج والم کا سمان بندھ جاتا ہے۔ ہر شخص ملول وحزین ہوتا ہے۔ اور تمام حاضرین کی آنکھون سے سیل اشک جاری ہوتا ہے۔ جب تمام اعزا ملنے والے اور خاندان کے دوست احباب مِل مِل کے اور سوز وگداز کے الفاظ کے ساتھ لڑکی کو رخصت کر چکتے ہین۔ وہ خود زار وقطار روتی ہوتی ہے۔ اور فینس ڈیوڑھی مین لگادی جاتی ہے اُس وقت دولھا پھر اندر بلایا جاتا ہے کہ آکے اپنی دولھن کو لے جائے۔ وہ آتا اور دولھن کو اپنی گود مین اُٹھا کے فینس مین بٹھا دیتا ہے۔

رخصت سے پہلے زنانے مین دولھا کو سلام کرائی دیجاتی ہے۔ اور تمام اعزا واقارب دوست احباب بقدر حیثیت دیتے ہین۔ اسی وقت باہر شربت پلائی ہوتی ہے۔ جس مین شربت کا کنڑا اور گلاس فقط رسم کے طور پہ لایا جاتا ہے پیتا کوئی نہین مگر تمام حاضرین محفل شربت کی تھالی مین حسب حیثیت وتوفیق روپیہ ڈالتے ہین۔ اور اِس طرح اندر باہر جو کچھ روپیہ سلام کرائی اور شربت پلائی مین جمع ہوتا ہے دولھا کو دے دیا جاتا ہے۔

اب برات اُسی دھوم دھام اور اُسی شان وشوکت سے دولھا کے گھر کی طرف واپس روانہ ہوتی ہے۔ واپسی کے اس جلوس مین جو اضافہ ہوتا ہے اُس مین سب سے پہلے تو دولھن کی فینس ہے جو دولھا کے گھوڑے کے آگے رہتی ہے۔ اور نہایت ہی ممتاز ہوتی ہے۔ پُر تکلف جھمکا پڑا ہوتا ہے دونون جانب کہاریان جھمکے کو پکڑے ہوئے ساتھ رہتی ہین۔ اور گرد دولھا کے ملازمون یا مخصوص لوگون کا ہجوم رہتا ہے۔ اور دولھا کے بعد پھر اور سب ساتھ والی عورتون کی فینسین رہتی ہین۔

سب سے زیادہ نمایان چیز اس جلوس مین جہیز کا سامان ہوتا ہے
یہ سب سامان سارے جلوس اور باجے والون کے پیچھے اور دولھن کی فینس
کے آگے اس ترتیب سے جاتا ہے کہ تانبے کا ایک ایک برتن ایک ایک چنگیر مین
رکھا ہوتا ہے اور ایک مزدور کے ہاتھ مین ہوتا ہے۔ چینے اور شیشے کے
ظروف کشتیون مین لگے ہوتے ہین۔ اُن کے بعد صندوق وغیرہ ہوتے ہین
جن مین دولھن کے جوڑے ہوتے ہین۔ اُن کے بعد پلنگ ہوتا ہے جس مین
ریشمی توشک لحاف۔ تکیے۔ چادر سب سامان تیار موجود ہوتا ہے اور بچھونا
ریشمی ڈوریون سے پایون مین بندھا ہوتا ہے اور ڈوریون کے دونون سرون
پر خاص وضع کے نقرۂ گپھے لٹکتے ہوتے ہین۔ لڑکی کو معاشرت کا تمام سامان
دیا جاتا ہے۔ آئینہ۔ کنگھی۔ سنگار کی ضروری چیزین تیل عطر اور اگر
استطاعت ہو تو چاندی کا پاندان خاصدان۔ لوٹا۔ کٹورا۔ اور بعض اور
چیزین دیجاتی ہین۔ بہر حال یہ سب سامان باجون اور برات کے جلوس اور دولھا
کے درمیان مین رہتا ہے۔ اور سب کے پیچھے ڈولیون پر کھانے کی دیگین
ہوتی ہین۔ یہ بھوڑے کا کھانا کہلاتا ہے جس کو عموماً لڑکے والے دولھا کو
دیتے ہین۔

اس شان سے جب برات دولھا کے گھر پہونچتی ہے تو خوشی کے
شادیانے بجتے ہین۔ ڈومنیان پہلے سے پہونچ کے نبڑے گانا شروع کرتی ہین
جو خاص شادی کے گیت ہین۔ اور اِس مبارک سلامت کے زور وشور مین
دولھن اُتاری جاتی ہے۔ بعض خاندانون مین یہان بھی اُسے دولھا ہی گود
مین لے کے اُتارتا ہے اور بعض گھرانون مین دولھا کی ماں بہنین آکے اُتارتی
ہین۔ اندر اُسے لے جا کے بٹھاتے ہی دولھا سے اُس کے دامن پر نماز شکرانہ
پڑھائی جاتی ہے۔ دولھن کے پاؤن دھلا کے پانی مکان کے چارون کونون
مین ڈال دیا جاتا ہے۔ رونمائی ہوتی ہے جس مین تمام عورتین اور عزیز
مرد بھی کھول کھول کے روپیہ یا زیور دیتے ہین۔ اور مُنھ کھول کھول کے
اُس کی صورت دیکھتے ہین۔

اس نئے گھر مین یہ پہلی رات دولھن کے لیے نہایت سخت پابندیون اور شرمیلے پن سے بسر کرنے کی رات ہوتی ہے۔ نہ وہ کسی سے بول سکتی ہے نہ باتین کر سکتی ہے۔ نہ کسی کو آنکھ بھر کے دیکھ سکتی ہے سوا میکے کی ساتھ والیون کے اور کسی سے کچھ نہین کہہ سکتی۔ اور اسی مصیبت سے بچانے کے لیے صبح ہوتے ہی اُس کا بھائی یا کوئی اور رشتہ دار چوتھی لینے کو آپہونچتا ہے۔ اور جہانتک بنتا ہے سویرے ہی سوار کرا لیجاتا ہے۔ اس مرتبہ بھی دولھن اگرچہ امتیاز اور شان سے جاتی ہے۔ مگر جلوس اور باجے کی ضرورت نہین۔ دولھا بھی دولھن کے ساتھ جاتا ہے اور اُس کے ساتھ سات طرح کی ترکاریان اور سات قسم کی مٹھائیان جاتی ہین۔

دن گزر کے اُسی رات کو دولھن کے گھر مین چوتھی کھیلی جاتی ہے۔ دولھن کو وہ بر کا جوڑا اُتار کے چڑھاوے کا جوڑا پہنایا جاتا ہے جو سب جوڑون سے زیادہ بھاری کامدار اور نہایت ہی پُر تکلف ہوتا ہے۔ یہ جوڑا پہنا کے اُس کا خوب بناؤ چناؤ کیا جاتا ہے۔ دولھا کی طرف سے اُس کی بہنین اور رشتہ دار عورتین بھی آجاتی ہین۔ اور اُس مجمع مین دولھا دولھن مٹھائی سے اور دولھا کی ساتھ والیان اور دولھن والیان ترکاریون کی چھڑیون سے باہم لڑتی ہین۔ یعنی مٹھائی اور ترکاریان ایک دوسرے کے کھینچ کھینچ کے مارتی۔ اور چھڑیون کے ہاتھ رسید کرتی ہین۔ کبھی دلگی مین لڑائی تیز بھی ہو جاتی ہے۔ اور بعض عورتین خفیف سی چوٹ بھی کھا جاتی ہین۔

چوتھی کے دو چار روز بعد پھر دولھن دولھا کے گھر مین آتی ہے۔ اور اُس کے بعد علی العموم چار چالے ہوا کرتے ہین۔ چالے کا لفظ چال اور چلنے سے نکلا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ دولھن اپنی سسرال سے بُلائی جاتی ہے۔ مگر یہ بُلانا خود اُس کے میکے مین نہین بلکہ میکے والیون مین ہوتا ہے۔ یعنی اُس کی خالائین پھوپھیان ممانیان ہمت کرکے باری باری

اُسے اپنے یہان بلاتی ہین۔ جہان وہ مع دولہا کے جاتی ہے۔ اور اُس نئے جوڑے کے رکھ رکھاؤ کے لیے خاص اہتمام اور انتظام کیا جاتا ہے فقط ایک رات دن دولہا دولھن مہمان رہتے ہین۔ اور رخصت کرتے وقت اُنھین جوڑا اسلام کرائی اور زیور وغیرہ بقدر ہمت و استطاعت دیے جاتے ہین۔

یہ تھی لکھنؤ والون کی شادی جس کی بہت سی رسمون کو چھوڑ کر اُس کا ایک اجمالی خاکہ ناظرین دلگداز کو دکھا دیا گیا۔ دیہات والون کی شادی کا طریقہ بجز عقد نکاح کے اور تمام باتون مین بدلا ہوا ہے۔ وہان بھی مانجھا ہوتا ہے۔ مگر دولہا کے لیے مانجھے کا زرد جوڑا اس کی بہنین یا اور عزیز عورتین لاتی ہین۔ دولھن کے گھر سے دھوم دھام اور جلوس اور باجے کے ساتھ مانجھا نہین آتا۔ نہ دولھا کے یہان سے سانچق آتی ہے اور نہ دولھن کے گھر سے مینڈھی جاتی ہے۔ بلکہ سانچق اور مینڈھی کا مقصد برات ہی کے دن ایک اور طریقے سے پورا ہو جاتا ہے وہ یہ کہ برات جب دولھن کے وہان پہونچتی ہے تو اُس کے مکان سے ذرا فاصلے پر ٹھہر جاتی ہے۔ وہان سے پہلے بجاے سانچق کے بری کے نام سے دولھن کا جوڑا اور اُس کے ساتھ اور بہت سے جوڑے اور سوہاگ کی چیزین جو ضروری سمجھی جاتی ہین کچھ شکر کچھ تھیلین خوانون پر لگا کے باجے کے ساتھ دولھن کے دروازے پر بھیجی جاتی ہین۔ دولہا کے اعزا و احباب ساتھ جاتے ہین۔ جو اُن سب چیزون کو دولھن والون کو علانیہ دکھاتے اور اُن کے سپرد کر کے شربت پینے کے بعد واپس آتے ہین۔

اُس کے تھوڑی دیر بعد اسی طریقے سے دولھن کی طرف سے بری آتی ہے۔ جس مین دولہا کا جوڑا ہوتا ہے۔ یہ بری دیہاتون مین مینڈھی کی قائم مقام ہے۔ اس کے بعد وہ جوڑا پہن کے جس مین جامہ نیمہ پگڑی مقنع سہرا پھولون کی بدھیان اور جوتا وغیرہ ہوتا ہے روانہ ہوتا ہے۔ اب برات دولھن کے دروازے پر جاتی اور اُس مقام مین ٹھہرتی ہے جو محفل نکاح کے لیے منتخب کیا گیا ہو۔ یہان رات بھر نغمہ و سرود اور ناچ گانے کی محفل گرم رہتی ہے بجز اُس وقت کے جب قاضی صاحب آ کے نکاح پڑھائین۔ نکاح کا وہی طریقہ ہے

جو شہر والون مین بیان کیا گیا- عقد کے بعد لڑکی والے برات کو کھانا دیتے ہین شہر مین بجز بہوڑے کے کھانے کے برات کو کھانا دینا لازمی نہین ہے بلکہ دولھا خود کھلا پلا کے لے جاتا ہے- مگر دیہات مین لڑکی والون کا اہم ترین فرض برات کو کھلانا ہے جس مین ذرا بھی کمی رہ جائے تو اُن کے خیال مین برادری مین ناک کٹ جاتی ہے-

یہ کھانا پورا توڑا ہوتا ہے جس مین پلاؤ- زردہ- قورمہ- خمیری روٹیان شیرمال- لازم ہین- اور ہر ادنٰی و اعلٰی کو بلا استثنار و امتیاز پورا توڑا دیا جاتا ہے کھانا لیتے وقت لڑکے والے نہایت بے حمیتی اور بے شرمی سے چونٹی چونٹی کے لیے کھا مانگتے ہین- گھوڑون اور بیلون کے لیے دانہ چارہ ضرورت سے بہت زیادہ طلب کرتے ہین اور لڑکی والون پر فرض ہے کہ زبان سے نہین نہ نکلے- کسی چیز کے دینے سے انکار کیا اور آبرو خاک مین مل گئی- اور سب کیا دھرا برباد ہو گیا-

اس کے بعد رخصتی اور روالیسی کا قریب قریب وہی طریقہ ہے جو شہر والون مین ہے- ہان ایک رواج یہ بھی ہے کہ دیہات مین برات کے ساتھ عورتین نہین جاتین- اور نہ دولھن کے ساتھ کوئی معزز خاتون آتی ہے دائی اور خادمہ کی حیثیت سے دو ایک ادنٰی درجے کی عورتین البتہ چلی آتی ہین- ماسوا اس کے دیہات مین دولھن پر بھی بہت زیادہ سختیان ہوتی ہین اُس کا فرض ہے کہ چوتھی مین واپس آنے کی گھڑی تک سسرال مین جس طرح رکھ دیجائے رکھی رہے- نہ کھائے پیے نہ پیشاب پیخانے کو جائے- نہ بولے چالے- نہ چہرے پر سے ہاتھ ہٹائے- اور نہ آنکھین کھولے- اس لیے کہ یہ سب باتین بیحیائی و بے شرمی مین داخل ہین- اور اس اندیشے سے کہ دولھن کو سسرال مین جا کے پیشاب پاخانے کی ضرورت نہ پیش آئے دو دو دن پہلے سے اُس کا کھانا پانی بند کر دیا جاتا ہے- اور زیادہ مصیبت یہ ہے کہ دیہات کی دولھن اکثر دوسرے گاؤن میں بیاہ جاتی ہے- اور آمدورفت مین دو دو تین تین منزلین طے کرنا ہوتی ہین- ظاہر ہے کہ ایسی حالت مین

دولھن بیچاری پر کیسی سخت مصیبتین گزرتی ہون گی۔

دیہات مین ساچق اور مینڈھی کے ترک ہو جانے اور براتکھلانے مین سختیان ہونے کی وجہ غالباً یہ ہے کہ زیادہ تر برات سفر کر کے ایک بستی سے دوسری بستی مین جاتی ہے۔ جس کی وجہ سے یہ ممکن نہین ہوتا کہ ایک دن ایک جلوس یہان سے جائے اور دوسرے دن دوسرا جلوس وہان سے یہان آئے۔ اور پھر تیسرے روز برات روانہ ہو۔ علی ہذا القیاس براتیون کو گو کہ دولھا اکثر اپنے گھر سے کھلا کے لیجاتا ہے مگر لڑکی والون کے گھر پہونچتے پہونچتے سارے براتی بھوکے بنگالی ہوتے ہین۔ اور کنگلون کی سی شان دکھانے لگتے ہین۔

چند کتابون پر ریویو

سوانح مولوی شاہ سید قربان علی مرحوم - اس کے کئی نام ہین "تذکرہ" "محبوب جہان سید قربان علی نور اللہ مرقدہ" "کشکول جہان فیض" اور "بیاض اتقیا" اور سب سے تاریخ ۱۳۳۵ھ نکلتی ہے۔ مولوی سید قربان علی ایک صاحب تصنیف رئیس تھے جو بہ اعتبار دنیا وکالت و مختاری سے ترقی کر کے جےپور کی رکنیت ریاست تک ترقی کر گئے۔ اور ملک کے عالی پایہ رؤسا مین شمار تھا۔ لیکن بہ لحاظ دین اُنھون نے زہد و تقویٰ اور عبادت و ریاضت سے جو کمال روحانی و شرف معرفت رحمانی حاصل فرمایا وہ اُن جیسے ایک دولت مند آدمی کے لیے بالکل نئی چیز تھا۔ وہ سلسلہ مجددیہ نقشبندیہ کے مرشد طریقت تھے اور بہت سے لوگ اُن کے مرید ہین۔ اُنھین کے پوتے مولوی سید انوار الرحمٰن صاحب نے اُن کی لائف لکھی ہے جس سے بخوبی نظر آسکتا ہے کہ اس رئیس اعظم و بہ ولی اکرم کا دین و دنیا دونون عالمون مین کیا رتبہ تھا۔ یہ کتاب ۲۰×۲۶ تقطیع کے سفید کاغذ پر عمدہ روشن اور صاف چھپی ہے اور ۲۰۰ صفحون پر تمام ہوئی ہے۔ جناب مصنف مدظلہ سے جےپور خط بھیج کے منگوائی جاسکتی ہے۔

فیض المدینہ فی حال السکینہ یہ بھی مصنف ممدوح بالا کا چھوٹی تقطیع پر ایک چالیس صفحون کا رسالہ ہے جس مین اُنھون نے اپنے اُن جذبات رحمت کا ذکر فرمایا ہے جو شرف حضوری مدینہ اور زیارت تربت حضرت خیر الانام کے وقت اُن کے دل مین پیدا ہوے۔ طریقہ مجددیہ کے سلوک کا بیان ہے یہ ایک فارسی مثنوی مثنوی مولانائے روم کی بحر مین ہے جس کی فارسی اور اس کا فلسفۂ روحانی دونون قابل تعریف ہین۔ یہ بھی جناب مصنف سے طلب کی جائے۔

رسالہ احیاء المیت فی فضائل اہل البیت - مولفہ علامہ جلال الدین سیوطی کا ترجمہ علامہ موصوف جلب روایات کے بادشاہ ہین اگرچہ احادیث کی تنقید مین سب سے پیچھے ہین - اس رسالے مین اُنھون نے اہل بیت نبوت کی فضیلت مین ساٹھ حدیثین مختلف اہل تخریج کی کتابون سے چھانٹ کے جمع کر دی ہین - اس رسالہ کا ترجمہ مشتاق بڑی بیگم صاحب دہلویہ متخلص بہ پردہ زوجہ حضرت شاہ مولوی قربان علی کی زوجہ محترمہ نے فصیح اور صاف اردو مین کیا ہے - محترمہ پردہ بیگم صاحبہ کا نظم و نثر کلام شائع ہو چکا ہے اور ہماری ناظرین اُن کے کمالات سے بخوبی واقف ہین - امید ہے کہ مسلمان اپنی قوم کی اس فاضلہ محترمہ کے تصانیف کی قدر اور اُن کا احترام فرمائین گے - یہ رسالہ بھی مولوی انوار الرحمن صاحب سے جے پور کے پتہ پر خط بھیج کے منگوایا جائے -

سراج القواعد اور فوائد الصبیان - تعلیم فارسی کے لیے یہ فارسی نحو و صرف کے دو رسالے ہین جو دو حصون پر منقسم ہین - چھوٹی تقطیع پر صاف اور واضح چھپے ہین - حکیم سید شاہ محمد راحت حسین صاحب بہاری نے اُن کو تصنیف فرما کے شائع کرایا ہے - بچون کو فارسی زبان سکھانے کے لیے ملک کی یہ بہت مختصر اور مفید خدمت ہے - جس سے فائدہ اُٹھانا چاہیے - قیمت دونون حصون کی ۲/ ہے - اور حاجی کاظم علی صاحب سے " کلکتہ - محلہ مرزاپور بیٹھک خانہ روڈ نمبر ۶۸ " کے پتہ پر خط بھیج کے منگوائی جا سکتی ہے -

شفائی جنتری - جس کو ابو الشفا حکیم محمد شمس الحسن صاحب سہسوانی طبیب گیا نے مرتب فرما کے بہت حسن و خوبی سے شائع فرمایا ہے - اس مین سنین و ایام عیسوی - ہجری محمدی - فصلی - الٰہی - بنگلہ - اور پردشتہ مندرج ہین - اس مین بعض بہت قیمتی چیزین بھی ہین - مثلاً ایک ایسے فرمان کا فوٹو ہے جس مین تودہ کے مندر کے نام ایک مسلمان فرمان روا کے اوقاف عطایا کا پتہ چلتا ہے - ایک فوٹو حکیم رضی الدین احمد خان شفاء الملک مرحوم کا ہے - ایک فوٹو تاجگیر کے منظر عام کا ہے - اور بہت سی تحقیقات اور دلچسپی کی باتین ہین - یہ جنتری ۲۰×۲۶ سائز کے ۸۰ صفحون پر ہے - جناب مشتہر سے منگوائی جائے -

نابغۂ ذبیانی

جاہلیت عرب کے شاعرون مین یہ نہایت ہی ممتاز اور دور اولین عرب کا مستند ترین اُستاد سخن تھا۔ اور قبائل مُضر بن عدنان یعنی حضرت اسمٰعیل کی نسل مین سے تھا جو بڑھتے بڑھتے سارے عرب پر چھا گئی تھی۔ اس کا اصلی نام زیاد بن معٰویہ تھا۔ کنیت ابواُمامہ تھی اور لقب جس نے سب سے زیادہ شہرت پائی نابغہ۔ نابغہ عرب کا ہومر ہے اس لیے کہ اس سرزمین کا سب سے پہلا شاعر یہی ہے جس کے کلام پر عرب کی شاعری کو ناز تھا۔

نیر اسلام کے طلوع کے بعد بھی اہل عرب مین اُس کی شاعری کی ویسی ہی عظمت و وقعت باقی رہی۔ چنانچہ خلیفۂ دوم امیرالمومنین عمر فاروق نے ایک روز بنی غطفان کے چند تازہ وارد لوگون کے سامنے ایک شعر پڑھ کے سوال فرمایا کہ "یہ کس کا شعر ہے؟" اُنھون نے کہا "نابغہ کا" ارشاد فرمایا "تو تمھارے شعرا مین سب سے بڑھا ہوا یہی ہے"

اسی طرح ایک اور بار کا ذکر ہے کہ حضرت عمر نے حاضرین سے پوچھا "عرب کا سب سے بڑا شاعر کون ہے؟" اُنھون نے عرض کیا "امیرالمومنین اس کو خود ہی جانتے ہون گے" تب آپ نے دو شعر پڑھ کے دریافت فرمایا "یہ کس کے شعر ہین؟" جواب دیا "نابغہ کے" اس کے بعد ایک اور شعر پڑھ کر پوچھا "یہ کس کا ہے؟" لوگون نے کہا "یہ بھی نابغہ کا ہے" اس کے بعد آپ نے اور تین شعر پڑھے اور اُن کی نسبت بھی وہی سوال کیا۔ اور جواب یہ تھا کہ "یہ بھی اُسی کے ہین" اب حضرت نے فرمایا "تو پھر تمھاری قوم کا سب سے بڑا شاعر وہی ہے"۔ اس واقعے مین دلچسپ اور قابل لحاظ یہ بات ہے کہ جناب فاروق اعظم نے

اس موقع پر نابغہ کے جتنے شعر سنائے سب توحید اور درستی اخلاق کے بارے مین تھے - اور اُن مین انبیاے سلف کا بھی ذکر تھا -

ایک دن کسی نے حضرت عبداللہ بن عباس کے سامنے اُٹھ کے آپ سے دریافت کیا "سب سے بڑا شاعر کون ہے؟" آپ نے ابوالاسود دؤلی کی طرف اشارہ کیا کہ تم بتا دو - ابوالاسود اُس وقت کے ادیب بے ہمتا - زبان عرب کے ماہر بے بدل اور نحو و صرف اور اصلاح رسم خط کے موجد تھے - لہذا ان سے زیادہ قابل استناد کس کا فیصلہ ہو سکتا تھا؟ ابوالاسود نے فوراً نابغہ کا ایک شعر پڑھا اور کہا "جس کا یہ شعر ہے وہی سب سے بڑا شاعر ہے"

بنی مراد کا ایک وفد عبدالملک بن مروان کی خدمت مین حاضر ہوا - باریابی ہوتے ہی اُن مین سے ایک شخص نے کھڑے ہو کر اپنے کسی گزشتہ فعل پر عذر خواہی کی - اور قسم کھائی کہ ہم سے پھر کبھی ایسی حرکت نہ ہوگی - عبدالملک اُس کی عذر خواہی سُن کے خوش ہوا اور اُن لوگون کی طرف متوجہ ہو کے کہا "تمھارے لیے یہ مناسب بھی نہ تھا کہ ایک ناپسندیدہ کام کرو اور پھر معذرت خواہ بھی نہ ہو" اس کے بعد اُس نے درباریان اہل شام کی طرف رخ کر کے کہا "نابغہ نے نعمان بن منذر کے سامنے جو قصیدہ سنا کر عذر خواہی کی تھی وہ قصیدہ تم مین سے کسی کو یاد ہے؟ جس مین کا ایک شعر یہ ہے

حَلَفْتُ فَلَمْ اُتْرُکْ لِنَفْسِکَ رِیْبَةً ۔۔۔ وَلَیْسَ وَرَاءَ اللّٰہِ لِلْمَرْءِ مَذْہَبٗ "

(مین نے قسم کھالی اور آپ کے لیے شک کی کوئی گنجائش نہین باقی رکھی اور خدا کے بعد (یعنی اُس کی قسم کھانے کے بعد) انسان کے لیے اور کوئی طریقہ باقی بھی نہین رہتا) اتفاق کی بات - اہل شام مین سے کسی کو یہ قصیدہ یاد نہ تھا - تب عبدالملک نے وفد والون کی طرف توجہ کر کے پوچھا "تم مین سے کسی کو یاد ہے؟" اُن مین سے ایک شخص نے عرض کیا "جی ہان یاد ہے - اور سارا قصیدہ سنا دیا - سن کر عبدالملک نے ہر ہر شعر کی بڑی تعریف کی اور کہا "عرب کا سب سے بڑا شاعر یہی شخص تھا"

معٰویہ بن بکر باہلی نے ایک دن حماد راویہ سے جو کلام عرب کا بہت بڑا حافظ و محقق تھا پوچھا "لوگ نابغہ کو سب شاعرون پر کیون ترجیح دیتے ہین؟" حماد نے

شعر مذکورۂ بالا سنا کر کہا "اس لیے کہ اس شعر کا سا ایک شعر بلکہ اس کا آدھا یا چوتھا بھی تم کو نصیب ہو جائے تو تمھارے شاعر ہو جانے کے لیے کافی ہے۔

اس موقع پر عبدالملک کا ایک اور واقعہ بھی اگرچہ طولانی ہے مگر غالباً لطف سے خالی نہ ہو گا۔ اُس نے اپنے والی عراق حجاج کو لکھا "دنیا کی کوئی لذت نہین جو مجھے نصیب نہ ہوئی ہو۔ اور میرے نزدیک قابل و فاضل ندیمون کی باتون سے زیادہ جی کو کوئی لذت دنیا مین نہین ہے۔ تمھارے وہان عامر شعبی ہین جن کی مین بڑی تعریف سنتا ہون۔ اُنھین میرے پاس بھیج دو۔" عامر اکابر تابعین مین تھے۔ فاضل اجل اور مجتہد بے بدل تھے۔ چنانچہ ہزار دن حدیثین اُن کے ذریعے سے ہم تک پہونچی ہین۔ بخاری و مسلم اور تمام ائمۂ حدیث کے مستند ترین راویون مین تھے۔ اور زندگی ہی مین اُن کے فضل و کمال کی بے انتہا شہرت ہو گئی تھی۔

خلیفہ کا یہ خط پاتے ہی حجاج نے سامان سفر درست کر کے امام شعبی کو دمشق روانہ کیا۔ خود شعبی کہتے ہین کہ مین دمشق مین پہونچتے ہی سیدھا عبدالملک کے قصر کے دروازے پر پہونچا۔ اور عرض بیگی سے کہا "میری اطلاع کر دیجیے۔" اُس نے پوچھا "آپ کون ہین؟" مین نے اپنا نام بتایا۔ نام سنتے ہی اُس نے بڑے جوش و خروش سے مرحبا کہی مجھے اپنی کرسی پر بٹھا کے اندر گیا۔ اور فوراً واپس آ کے کہا "تشریف لے چلیے۔" اب مین اندر گیا۔ اور دیکھا کہ ایک کرسی پر عبدالملک بیٹھا ہے۔ اور اُس کے سامنے کرسی پر ایک پیر کہن سال بیٹھا ہے جس کے سر اور ڈاڑھی کے تمام بال سفید ہین۔ مین نے سامنے جا کے سلام کیا۔ اور عبدالملک نے سلام کا جواب دے کے مجھے بیٹھنے کا اشارہ کیا۔ چنانچہ مین اُس کے بائین ہاتھ کی طرف ایک کرسی پر بیٹھ گیا۔

میرے بیٹھتے ہی عبدالملک نے اُس معمر شخص سے پوچھا "سب سے بڑا شاعر کون ہے؟" اُس نے جواب دیا "امیرالمومنین مین۔ مجھ سے بڑا شاعر کون ہو سکتا ہے؟" اُس کا یہ جواب سُن کر میرے تن بدن مین آگ لگ گئی۔ بے اختیار پوچھ بیٹھا "امیرالمومنین یہ کون صاحب ہین جو اپنے منہ میان مٹھو اپنے آپ کو سب سے بڑا شاعر بتاتے ہین؟" میرے یون بیباکی سے پوچھ بیٹھنے پر عبدالملک کو تعجب ہوا۔

اور کہا۔ ان کو آپ نہین جانتے؟ یہ اخطل ہین" مگر مجھے کہان تاب تھی؟ نام سنتے ہی اُس شخص کی طرف رخ کر کے کہا "سنیے اخطل صاحب سب سے بڑا شاعر وہ ہے جس کے یہ اشعار ہین" اور نابغہ کے چند شعر پڑھ دیے۔ اب اخطل نے عبدالملک سے پوچھا کہ "یہ کون بزرگ ہین؟" اور عبدالملک نے فوراً میرا نام بتا کے تعارف کرا دیا۔ میرا نام سُن کے اُس نے کہا "امیرالمومنین بخدا انھون نے سچ کہا۔ نابغہ مجھ سے بڑھا ہوا ہے۔

اب عبدالملک نے میری خیریت پوچھی مین نے کہا "امیرالمومنین اچھا ہون" ساتھ ہی مین نے اس بارے مین عذر خواہی کی کہ مین گذشتہ لڑائین مین محمد بن اشعث کے ساتھ اور حجاج کے خلاف تھا۔ عبدالملک نے کہا "ان باتون کو جانے دیجیے۔ اور میرے کسی قول و فعل پر آپ ان امور کا اثر نہ پائین گے۔ اب اُس نے دریافت کیا "نابغہ کی نسبت آپ کی کیا راے ہے؟" مین نے کہا "امیرالمومنین۔ نابغہ کا پوچھنا ہی کیا؟ عمر بن الخطاب اُسے تمام شعراے عرب پر فضیلت دے چکے ہین" یہ کہہ کے شعبی نے حضرت فاروق کا مذکورۂ بالا واقعہ بیان کیا۔ اب عبدالملک نے اخطل کی طرف توجہ کی اور کہا "بھلا شعراے عرب مین کسی کا کلام ایسا بھی ہے کہ اُس کے اشعار سُن کے تمھارا جی چاہتا ہو کہ یہ میرے شعر ہوتے؟" اخطل نے کہا "کوئی نہین۔ مگر میرے ہی قبیلے کا ایک شخص ہے جس کے بعض اشعار سُن کے میرے دل مین آئی کہ یہ میرے شعر ہوتے تو اچھا ہوتا" عبدالملک نے اُن شعرون کے سنانے کی فرمائش کی۔ اخطل نے چھ شعر پڑھے اور اُن کا معرف ہوا۔ شعبی کہتے ہین یہ سنتے ہی مین بے ساختہ کہہ بیٹھا "ان شعرون سے اچھے تو قطامی شاعر کے اشعار ہین" اور یہ کہتے ہی مین نے قطامی کے بہت سے منتخب اشعار سنائے۔ عبدالملک اُن کو سُن کے بیتاب ہو گیا اور بولا "خدا کمبخت کو غارت کرے خوب کہتا ہے"

اب اخطل نہایت ہی شکستہ خاطر اور ملول تھا۔ مجھ سے کہنے لگا "سنیے آپ علم حدیث اور اُس کے متعلق بہت سے فنون مین کمال رکھتے ہین اور میرا اکیلا

ایک فن شاعری ہے۔ لہذا عرض ہے کہ مجھے آپ اگر اپنی قوم کی صف اولین میں نہین بیٹھنے دیتے تو اُسی جگہ پر پڑا رہنے دیجیے حیران مین ہون"۔ مین نے کہا "مین وعدہ کرتا ہون کہ کبھی آپ کے اشعار پر معترض نہ ہون گا۔ نہ آپ کی شہرت کا مزاحم ہون گا۔ اور اس وقت جو کچھ ہوا اُس کو آپ معاف فرمائین"۔ اُس نے کہا "مگر اس عہد وپیمان مین کوئی آپ کا ضامن بھی ہے؟" مین نے کہا "امید ہے کہ خود امیر المومنین میری ضمانت کرلین گے"۔ ساتھ ہی عبدالملک بولا "ہان ہان مین شعبی کی ضمانت کرتا ہون اور ذمہ دار ہون کہ یہ کبھی آپ کی شہرت کے مزاحم نہ ہون گے"۔

اب مین عبدالملک کو روز نابغہ کا کلام سنایا کرتا۔ اور اُس کی یہ حالت تھی کہ کبھی نہ اُکتاتا۔ برابر سنے جاتا۔ ایک دن باتون باتون مین اُس نے مجھ سے پوچھا کہ "زبان عرب مین سب سے بڑی شاعرہ کون ہے؟" مین نے خنساء کا نام لیا۔ اور خلیفہ نے اس کی دلیل پوچھی تو مین نے خنساء کے دو شعر پڑھ کے سنائے۔ عبدالملک نے کہا "مگر میرے خیال مین تو سب سے بڑی اور اچھی شاعرہ وہ ہے جس کا کلام یہ ہے" اور لیلیٰ نام ایک شاعرۂ عرب کے دو شعر سنانے۔ یہ جواب سن کر مین خاموش ہو رہا۔ اور اُس نے کہا "شعبی میرے اختلاف سے آپ ناراض تو نہین ہو گئے؟" مین نے کہا "جی نہین۔ ناراضی کیسی مین تو ایک نیا دلکش کلام سن کے خوش ہوا۔ میرے لیے سب سے بڑی مشکل یہ ہے کہ مجھے آئے دو مہینے ہو گئے جس مدت مین سوا نابغہ کے اشعار سنانے کے مین کوئی اور کام نہین کرسکا"۔ عبدالملک نے کہا "اور مین نے جو تم سے ایک بات مین اختلاف کیا اور تم کو ایک نئی شاعرۂ عرب کا کلام سنایا تو اس لیے کہ اہل عراق اہل شام کی نسبت اکثر کہا کرتے ہین کہ یہ لوگ دولت وحکومت مین اگرچہ ہم پر غالب آگئے۔ مگر علم و روایت مین ہم ہی اُن سے بڑھے ہوے ہین۔ لیکن مین کہتا ہون کہ ہم عراق والون کے اُس علم مین بھی اُن سے بڑھے ہوئے ہین بس یہ اُنھین جتا دیجیے یعنی علم و روایت مین بھی اُن پر فوقیت رکھتے ہین"۔ اس کے بعد اُس نے لیلیٰ کے متعدد اشعار بار بار پڑھے یہان تک کہ مجھے مستحضر ہو گئے۔

اس واقعے کے بعد شعبی کہتے ہین "جب تک مین شام مین رہا یہ معمول تھا

کہ روزانہ بلا ناغہ سب سے پہلے عبدالملک کی صحبت مین پہونچتا۔ اور سب کے بعد واپس آتا۔ اس پابندی سے کئی سال تک مجھے وہان رہنے کا اتفاق ہوا۔ جس مدت مین اُس نے مجھے اور میرے لڑکے بالون کو جن کا شمار مین تھا دو دو ہزار درہم انعام دیے۔ اور آخر مجھے اپنے بھائی عبدالعزیز کے پاس بھیج دیا جو مصر کا والی تھا۔ اور اُسے اس مضمون کی تحریر بھیجی "مین شعبی کو تمھارے پاس بھیجتا ہون۔ اُن کے علم و فضل کو دیکھو اور بتاؤ کہ ایسا صاحب کمال تم نے کوئی اور بھی دیکھا ہے؟" جب عبدالعزیز کی صحبت مین چند روز رہ کے مین دمشق مین واپس آ گیا تب مجھے اپنے گھر آنے کی اجازت دی۔

نابغہ کی شاعری کی عرب مین اس درجہ قدر تھی کہ عکاظ کے میلے مین جہان تمام شاعرون کا مجمع ہوتا نابغہ کے لیے ایک چرمین خیمہ کھڑا کیا جاتا جس مین مُنہ پر نقاب ڈال کے وہ ایک شان و وقار کے ساتھ صدر مین بیٹھتا۔ تمام شعراے عرب اُس کی خدمت مین حاضر ہو کے اپنا کلام اُس کے سامنے پیش کرتے۔ اور اگر وہ پسند کر لیتا تو اپنی شاعری پر ناز کرتے۔ ایک سال اُسی میلے مین نابغہ کو پہلے اعشی نے اپنا کلام سنایا۔ پھر حسان بن ثابت نے سنایا۔ اُن کے بعد اور بہت سے شعرا اپنا اپنا کلام سناتے رہے۔ یہان تک کہ خنسا بنت عمرو نے اُس کے روبرو کھڑے ہو کے اپنے بھائی صخر کے غم مین اپنا ایک مرثیہ سنایا۔ جس کے مضمون کا خلاصہ یہ تھا کہ صخر وہ شخص تھا کہ سرداران قوم اُس کی اقتدا کرتے تھے۔ گویا وہ ایک جھنڈا تھا جس کی نوک پر آگ روشن تھی (رہنمائی کے لیے پہاڑ پر دن مین آگ سلگا دی جاتی ہے اور اُس کا دھوان نو وارد اور رہ نورد لوگون کو راستہ کا نشان دیدیا کرتا ہے) نابغہ یہ اشعار سُن کے پھڑک گیا۔ اور کہا "ابو بصیر (یہ حسان کی کنیت تھی) ابھی اپنا کلام سنا چکا ہے اس کے اشعار نہ سنے ہوتے تو مین کہتا کہ تم تمام جن و انس سے اچھا کہتی ہو" حسان کو اُس کا یہ کہنا ناگوار ہوا۔ اور بگڑ کے کہنے لگے "مین قسم کھا کے کہتا ہون کہ مین تجھ سے اور تیرے باپ دادا دونون سے اچھا کہتا ہون۔ اور دونون سے بڑا شاعر ہون" یہ طیش کا کلمہ سُن کے نابغہ نے نہایت متانت سے جواب دیا۔ کہ "بھتیجے تو اپنے دل مین جو چاہے خیال کر۔ مگر تو نے یہ اچھے شعر نہین کہے ہین" پھر اُن دو شعرون پر چند ایسے اعتراض کیے

کہ حسان سے جواب نہ بن پڑا۔

فرمان روا ے حیرہ نعمان بن منذر کے دربار مین نابغہ کی بڑی قدر و منزلت تھی اُس کے مخصوص و مقرب ندیمون مین تھا اور جلوت و خلوت مین ہر جگہ حاضر رہتا۔ ایک دن نعمان کی پری جمال و حور وش ملکہ برہنہ تھی کہ نابغہ کا سامنا ہو گیا۔ ملکہ کی جو نظر نابغہ پر پڑی تو گھبرا کے اُٹھ کھڑی ہوئی۔ بدحواسی مین دوپٹہ گر گیا۔ اور اُس نے نہایت اضطراب کے ساتھ دونون ہاتھون سے اپنا مُنہ چھپا لیا۔ اُس کی اُس وقت کی ادائین نابغہ کے دل پر ایسا اثر کر گئین کہ اُس کے شوق اور اُس کے حسن و جمال کی تعریف مین ایک قصیدہ کہہ ڈالا۔ وہ قصیدہ نعمان کے گوش گزار ہو گیا۔ اور اُس کے خوف سے نابغہ بھاگ کھڑا ہوا۔

یہان سے بھاگ کے نابغہ مدینۂ یثرب مین آیا۔ مگر اُس کا کلام اس قدر مقبول عام تھا کہ وہ قصیدہ اُس سے پہلے پہونچ کے بہت سے سخن فہمان مدینہ کو یاد ہو چکا تھا۔ اتفاق سے اس قصیدے کے ایک شعر مین کچھ عیب تھا مگر نابغہ کا رعب اس قدر غالب تھا کہ کسی کو زبان سے نکالنے کی جرأت نہ ہوئی۔ آخر سب نے ایک گانے والی رنڈی کو بُلا کے گوایا۔ اور جب تھوڑی دیر تک وہ مختلف چیزین گا چکی تو اُس کی زبان سے وہی قصیدہ گوایا۔ اور اس طرح کہ جس شعر مین عیب تھا اس کے معیوب لفظ پر پہونچتے ہی ہر بار گانے والی کی زبان کو لغزش ہو جاتی۔ یہ سُن کے نابغہ چونک پڑا۔ اور اپنے عیب سے واقف ہو گیا۔ مگر اُس وقت تو خاموش رہا۔ یہان سے جانے کے بعد اینا وہ مصرع بدل دیا۔ اور دل کا اتنا صاف تھا کہ اس واقعے کے بعد جب کبھی لوگ اُس کے شاعرانہ کمال کا تذکرہ چھیڑتے تو وہ کہتا، ہونے کو تو مین سب سے بڑا شاعر ہون مگر میرے کلام مین اکثر عیب رہ جایا کرتا ہے۔ اور اُس کے ثبوت مین یہی مدینے کا واقعہ بیان کر دیا کرتا۔

نعمان کی ملکہ کی تعریف مین نابغہ نے قصیدہ کہا تو اپنے ایک دوست کو سب سے الگ لے جا کے سنایا۔ اُس نے جا کے نعمان کو سنا دیا۔ اور اُس کی یہ حالت ہوئی کہ آپے سے باہر تھا۔ اور طیش و غضب کی کوئی انتہا نہ تھی۔ نابغہ کو ڈھنڈھوایا تو کہین پتہ نہ تھا۔ جوش غیظ کے ساتھ کہا ”اچھا کبھی تو ملے گا۔

اور جب ہاتھ آیا زندہ نہ چھوڑون گا" نابغہ مدینے ہوتا ہوا پہلے اپنے قبیلے مین گیا اور اُس کے بعد فرمان روا ے آل غسان حارث اعرج کے بوبکے دربار مین پہونچا۔ اور اُس کی مدح مین قصیدہ کہا۔

بعض راویان سلف کہتے ہین کہ نابغہ سے نعمان کے ناراض ہونے کی بنیاد اور تھی۔ وہ یہ کہ درباداران حیرہ مین سے مُرّۃ بن سعد سعدی کے پاس ایک بے نظیر و لاجواب تلوار تھی۔ نابغہ نے ایک دن اُس کی تعریف نعمان کے سامنے کر دی۔ نعمان نے وہ تلوار دیکھنے کے بہانے منگوائی اور پسند کر کے چھین لی۔ اس نقصان کی وجہ سے مُرّہ کو نابغہ سے عداوت ہو گئی۔ اُس نے عبدالقیس نام ایک یتیمی الاصل درباری کو گانٹھا۔ دونون نے مل کے نعمان کی ملکہ کی تعریف مین وہ عاشقانہ قصیدہ کہا جس کے بعض شعرون مین فحش الفاظ بھی تھے۔ اور وہ فحش قصیدہ نعمان کو سنا کے کہا "یہ اشعار نابغہ نے ملکہ کی تعریف مین کہے ہین۔ جس پر نعمان بے سوچے سمجھے نابغہ کا دشمن ہو گیا۔

اس واقعے کے حالات بعض علماے جاہلیت ایک اور عنوان سے بیان کرتے ہین۔ جو قصۂ دونون مذکورہ واقعات سے زیادہ دلچسپ ہے۔ وہ یہ کہ ایک دن نعمان بن منذر اور منخل بن عبید بن عامر یشکری ایک صحبت مین بیٹھے ہوئے تھے۔ اور سامنے نابغہ کھڑا تھا۔ نعمان نہایت ہی بھدا موٹا اور بدصورت آدمی تھا اُس کے مقابل منخل نہایت ہی خوبصورت و خوش اندام اور عرب کے اعلیٰ ترین صاحب جمالون مین تھا۔ یہان تک کہ عام لوگون مین شہرت تھی کہ نعمان کی پری جمال ملکہ سے اور منخل سے ناجائز تعلق ہے اور نعمان کے دونون بیٹے (جو باپ کے خلاف خوبرو تھے) اُسی کے نطفے سے ہین۔ اس موقع پر نعمان کی مدح مین نابغہ نے جو قصیدہ سنایا تو منخل نے کہا حضور بادشاہ کی تعریف مین تو تم نے بہت کہا ہے کوئی دلچسپ قصیدہ ملکہ کی تعریف مین نہین کہتے۔ یہان سوچنے اور غور کرنے کی تو ضرورت تھی نہین۔ فوراً ایک پُرجوش قصیدہ ملکہ کی مدح مین سنا دیا جس مین ملکہ کا حسن و جمال بیان کرنے کے سلسلے مین اُس کے چہرے۔ سینے۔ پیٹ۔ کمر۔ سُرینون۔ اور شرم گاہ تک کی تعریف مین

اشعار موجود تھے- ان اشعار کو سُن کے نعمان پر تو کچھ اثر نہین ہوا- مگر منخل کو بڑی غیرت معلوم ہوئی- اور کہنے لگا "یہ شعر تو وہی شخص کہہ سکتا ہے جس نے اُن اعضا کو دیکھا ہو اور اُن کے لطف سے آشنا اور لذت شناس ہو"- منخل کے یہ الفاظ نعمان کے دل پر جم کر بیٹھ گئے- انتقام کی فکر مین ہوا- اور نابغہ اُس کے تیور پہچانتے ہی بھاگ کھڑا ہوا-

نابغہ کے بھاگنے کے بعد منخل کے سر پر ایک نئی آفت آئی- وہ یہین حیرہ مین عمرو بن ہند کی بیٹی ہند پر عاشق تھا- چنانچہ اُس کے شوق مین اُس نے نہایت ہی اشتیاق بھرے شعر کہے- یہ شعر جیسے ہی اُس کی محبوبہ کے باپ عمرو بن ہند کے گوش گزار ہوے اُس نے طیش مین آکے اُسے پکڑ بلایا- اور اُسی وقت قتل کر ڈالا-

نابغہ بھاگ کے غسان کے جن فرمان رواکے پاس پہونچا وہ عمرو بن حارث اعرج کا بیٹا تھا- اُس کے دادا حارث اعرج کی مان ماریہ بنت ظالم تھی جو "ذات القرطین" یعنی دو گوشوارون والی کے لقب سے مشہور تھی- اُس کے گوشوارے بیش قیمت ہونے مین ضرب المثل ہو گئے تھے- اور سارے عرب مین یہ حال تھا کہ جب کسی چیز کی زیادہ قیمت بتائی جاتی تو لوگ کہتے "کیا یہ ماریہ کے گوشوارے ہین؟"

بہرحال نابغہ اب اس ماریہ کے پر پوتے کے دربار مین تھا- اُس کی اور اُس کے بھائی نعمان کی شان مین قصیدے کہتا- صلہ یاب ہوتا- یہان تک کہ اسی مشغلہ مین خاک بنی غسان ہی مین اُس نے دنیا چھوڑ کے سفر آخرت کیا-

مگر نابغہ کا بنی غسان مین مرنا صحیح نہین معلوم ہوتا- اس لیے کہ معتبر ذرائع سے معلوم ہوتا ہے کہ نعمان بن منذر کو اُس کا اس قدر شوق تھا کہ اُس کے جانے کے چند روز بعد اُس کی صحبت سے محروم ہو جانے پر پچھتایا- ادھر نابغہ کو بھی نعمان کی فیاضیان اور قدردانیان نہ بھولتی تھین- اور اسی کوشش مین لگا رہتا تھا کہ قصور معاف کرا کے پھر اُسی دربار حیرہ مین پہونچے- اور آخر اس کوشش مین کامیاب ہوا-

اس واقعے کو حضرت حسان بن ثابت نے جو مداح حضرت ختم المرسلین

محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم تھے شرح و بسط کے ساتھ بیان فرمایا ہے۔ اس لیے کہ یہ واقعات خود اُن پہ گزرے تھے۔ وہ فرماتے ہین "مین نے جاہلیت مین نعمان ابن منذر کی مدح مین ایک قصیدہ کہا اور حیرہ مین پہونچا کہ نعمان کو سُنا کے صلہ انعام حاصل کرون۔ نعمان کے قصر مین گیا تو دروازے پہ اُس کے عرض بیگی عصام ابن شہبرہ سے ملا۔ میری صورت دیکھ کے اُس نے کہا تم اندرونی علاقۂ عرب کے آدمی نظر آتے ہو۔ میرے خیال مین تم کو حجازی ہونا چاہیے۔ مین نے کہا "جی ہان مین حجازی ہی ہون" بولا "تو پھر قحطانی نکلو" کہا "جی ہان قحطانی" بولا "تو پھر یثربی نکلو" کہا "جی ہان یثرب ہی مین رہتا ہون" کہنے لگا "تو اب تم خزرجی نکلو" مین نے کہا "آپ کا یہ فرمانا بھی بجا ہے" یہ سنتے ہی ہنس کے بولا "تو پھر تم حسان بن ثابت نکلو" کہا "آپ کا یہ خادم وہی شخص ہے"

اب اُس نے کہا تو پھر دربار مین چلنے سے پہلے چند باتین یاد کر لو اول تو جیسے ہی تمھارا بادشاہ کا سامنا ہوگا وہ جبلہ بن ایہم شاہ غسان کا حال تم سے پوچھین گے۔ اور گالی دے کر اُس کا نام لین گے۔ تم خبردار اُن کی ہان مین ہان نہ ملانا۔ وہ بلکھ اُسے بُرا بھلا کہین تم اُس کے خلاف کوئی کلمہ زبان سے نہ نکالنا۔ اور نہ کچھ اُس کی طرفداری مین کہنا۔ بلکہ اگر تم سے تائید چاہین بھی تو عرض کر دینا "حضور مین کیا ہون جو حضور اور شاہ غسان کے درمیان مین دخل دون۔ حضور اُسے جانین اور وہ حضور کو جانین۔ اُس کے بعد اگر وہ تم کو اپنے ساتھ دسترخوان پہ بُلائین تو حتی الامکان اس سے بچنا۔ لیکن اگر اصرار کرین اور قسم دلائین تو ادب سے بیٹھ جانا اور آہستہ آہستہ اُس طرح کھانا کہ نہ بھوکے رہو اور نہ مربھکون کی طرح پیٹ بھر لو۔ اُس کا بھی خیال رہے کہ بادشاہ کے سامنے باتون کو زیادہ طول نہ دینا۔ اور کسی معاملہ کو جب تک وہ خود نہ بیان کرین اپنی طرف سے نہ چھیڑنا۔ اور اُن کی صحبت مین بہت دیر تک نہ ٹھہرنا کہ اُن کے لیے موجب ناگواری ہو۔

دربارداری کی یہ ہدایتین سُن کے مین نے عصام کا شکریہ ادا کیا۔ اور وہ بادشاہ سے اجازت حاصل کر کے مجھے اُن کے روبرو دربار مین لے گیا۔

مین بادشاہ نعمان کا سامنا ہوتے ہی آداب بجا لایا۔ اور اُس نے چھوٹتے ہی جلنہ کا ذکر چھیڑ دیا۔ مگر مین نے وہی جواب دیا جو عصام نے بتایا تھا اب مین نے اجازت لے کے اپنا قصیدہ سنایا۔ تھوڑی دیر کے بعد دسترخوان بچھا۔ الوان نعمت کے ظروف اور مے گلگون کی صراحیان لا کے چنی گئین۔ مگر مین نے عذر کیا۔ اور آخر خاطرخواہ انعام پا کے باہر نکلا۔

اب مجھے وہان کوئی کام نہ تھا۔ واپسی کے لیے عصام سے رخصت ہونے لگا۔ تو اُس نے روکا اور کہا ابھی مجھ کو تمھین ایک بات بتانا باقی ہے۔ آج خبر ملی ہے کہ نابغہ ذبیانی آیا ہوا ہے۔ گو کہ آجکل بادشاہ اُس سے ناراض ہین مگر اُس کی باتون مین اُنھین اس قدر لطف آتا ہے کہ جب وہ ہوتا ہے تو اُس کے سوا وہ کسی سے بات نہین کرتے۔ تم بھی اُس کے سامنے دربار مین چلنا۔ اور عزت کے ساتھ واپس آنا۔ معمولی طریقے سے واپس چلے جانے کے مقابل یہ اچھا ہو گا۔ اُس کے کہنے سے مین ٹھہر گیا۔ اور مہینہ بھر تک وہین نعمان کی ڈیوڑھی پر پڑا رہا۔

اس اثنا مین مین نے یہ تماشا دیکھا کہ قبیلۂ بنی فزارہ کے دو شیخ نعمان کے پاس آئے جن سے نعمان کو بڑی خصوصیت تھی۔ اور اُن کی باتون کو بہت کم رد کیا کرتا تھا۔ نابغہ نے آخر مین جا کے اُنھین لوگون مین پناہ لی تھی۔ اور اُن کو آمادہ کیا تھا کہ بیچ مین پڑ کے اُس مین اور نعمان مین صفائی کرا دین۔ چنانچہ اس موقع پر وہ اُسے اپنے ہمراہ لیتے آئے۔ اور جس خیمے مین جو نعمان کے حکم سے اُن کے لیے کھڑا کیا گیا تھا اُسے چھپا کے بٹھا رکھا۔ مگر نابغہ نے اُنھین فزاری سردارون کی ایک گانے والی مغنیہ کنیز کو اپنا ایک قصیدہ یاد کرا دیا۔ جس کو اُس کنیز نے اپنے آقاؤن کے ساتھ دربار مین جا کے نعمان کے سامنے گایا۔ وہی چار اشعار سُنے تھے کہ نعمان سے ایک بیقراری ظاہر ہوئی۔ اور بولا "مین قسم کھا کے کہتا ہون کہ یہ اشعار تو نابغہ کے ہین" نابغہ کا خیال آتے ہی حاضرین سے اُس کے حالات پوچھنے لگا کہ کہان ہے اور کیا کرتا ہے۔ اُسے مہربان دیکھ کے کسی نے کہدیا کہ "حضور وہ آپ کے فزاری دوستون کے خیمے مین موجود ہے" سنتے ہی نعمان نے متوجہ ہو کے فزاریون سے پوچھا اُنھون نے کہا "جی ہان موجود ہے۔ حضور سے عفو تقصیر کے لیے

حاضر ہوا ہی مگر سامنے آنے کی جرأت نہین ہوتی - اس کے بعد دونون نے نہایت خوشامد کے الفاظ مین سفارش کی - اور نعمان نے نابغہ کا قصور معاف کر دیا -
اس واقعے کو بعض ماداپان سلف تھوڑے تغیر کے ساتھ بیان کرتے ہین - وہ کہتے ہین کہ نابغہ نے اُس مغنیہ کنیز کو جب اپنے اشعار یاد کرا کے بھیجا ہے تو سمجھا دیا تھا کہ میرے یہ اشعار اُس وقت گانا جب حضور شہر یار نشۂ صہبا سے بدمست اور جوش سرور سے بے خود ہون - اُس نے یہی کیا - نعمان نے اشعار پہچان لیے - اور مزے مین جھومتا اُٹھ کھڑا ہوا کہ کھلی فضا مین جا کے ٹہلے دو چار قدم گیا ہوگا کہ دونون فزاری دوست ملے - نابغہ اُن کے درمیان مین تھا اور اُس کی ڈاڑھی مہندی سے رنگی ہوئی تھی - اُس کی صورت دیکھتے ہی نعمان نے کہا "اِس داڑھی کو تو خون مین رنگنا چاہیے" یہ سُن کے فزاریون نے سفارش کرنا شروع کی - اور یہان تک کہا کہ نعمان نے راضی اور خوش ہو کر اُس کا قصور معاف کر دیا -
اس کے بعد حسان نے اُسے نعمان کے دربار مین آتے جاتے دیکھا - اور کہتے ہین مجھے اُس کی تین باتون پر حسد آیا - اور نہین کہہ سکتا کہ اِن تینون مین سے کس کی جلن زیادہ بڑھی ہوئی تھی - اول تو مجھے اُس پر حسد تھا کہ نکالے جانے کے بعد جب پھر باریاب ہوا تو اُسے بادشاہ سے کس قدر تقرب حاصل تھا اور کس شان سے ہر وقت شریک صحبت اور مدح سرا رہتا تھا - دوسرے اُس کے کلام کی خوبی و لطافت اور سادگی و بے تکلفی پر - تیسرے اُن سو اعلیٰ درجے کے اونٹون پر جو اس جدید تقرب کے وقت اُسے انعام مین ملے تھے - اور یہی چیز تھی جس نے نابغہ کو پھر اُس دربار مین پہونچایا - دراصل نہ وہ نعمان کی فوجون سے ڈرتا تھا اور نہ اُس کے لیے کوئی زندگی کا خطرہ تھا - اصلی وجہ یہ تھی کہ جب نعمان کے انعام و اکرام کا خیال آتا اور اُس کے بدل و نوال کو یاد کرتا تو اُس کو بغیر اُس دربار مین دوبارہ پہونچے اپنی زندگی بیکار و بے مزہ نظر آتی تھی - اس دربار کی فیاضیون نے اُس کی معاشرت بدل دی تھی - اور اس کو بدوی صحرانشین

سے ایک عالی مرتبہ بنیں بھم بنا دیا تھا۔ چنانچہ وہ سونے چاندی کے برتنون مین کھاتا پیتا تھا جن کے بغیر کھانا نہ ہضم ہوتا۔ یہ ظروف دربار نعمان سے مرحمت ہوئے تھے اور یہ رئیسانہ شانداری دربار حیرہ کے طفیل مین تھی۔

بعض راویان اخبار دربار نعمان مین نابغہ کی واپسی کا اور ہی سبب بیان کرتے ہین۔ وہ کہتے ہین کہ نابغہ نے جب سُنا کہ نعمان سخت بیمار ہے اور ایسا بیمار کہ زیست کی امید نہین تو اُسے بڑا صدمہ ہوا۔ پُرانے تعلقات یاد آ گئے اور گو کہ صدہا طرح کے اندیشے تھے اور قتل ہونے کا خوف لگا تھا۔ مگر دل بیقرار ہو گیا۔ فوراً سفر کر کے اُس کی خدمت مین حاضر ہوا۔ وہان پہونچا تو نعمان کو سخت بخار مین مبتلا پایا۔ وہ بچھونے پر پڑا کراہ رہا تھا۔ جگہ سے ہلنے کی طاقت نہ تھی۔ مگر لوگ شاہان حیرہ کے قدیم رواج کے مطابق پلنگ اُٹھا کے ادھر اُدھر لے جاتے۔ کبھی دربار مین لاتے۔ کبھی باغون مین لے جاتے۔ کبھی محلون قصرون اور ایوانون مین پھراتے۔ اور کبھی زنانی محلسرائون مین پہونچا دیتے۔ نابغہ اُس کی عرضبیگی عصام سے ملا۔ اور نظم مین اُس سے پوچھا کہ "بتاؤ بادشاہ کا کیا حال ہے؟ مین تمھین اس کا الزام نہین دیتا کہ میرے لیے باریابی کی اجازت کیون نہین حاصل کی۔ مگر جلدی بتاؤ وہ ہین کیسے۔ اس لیے کہ خدانخواستہ اگر وہ نہ ہوئے تو ساری نعمتین اور برکتین بھی اُن کے ساتھ رخصت ہو جائین گی" بہرحال عصام سے حال معلوم ہونے کے بعد وہ نعمان سے ملا۔ اور پھر اُس کا مورد عنایت ہو گیا۔

عرب کے لوگ نابغہ کی قادرالکلامی کے اس قدر قائل تھے کہ کسی کے نہ تھے۔ حسان بن ثابت نے خود بیان کر دیا کہ اُنھین باوجود اعلی درجے کے مقبول عام شاعر عرب ہونے کے نابغہ کے کلام کی خوبی و لطافت پر رشک آتا تھا۔ اُن کے بیٹے صالح نے ایک دن کہا کہ "میرے نزدیک تو بخدا نابغہ مخنث تھا" کسی نے پوچھا "آپ کو یہ کیسے معلوم ہوا؟ کیا آپ نے اُسے دیکھا تھا؟" کہا "دیکھا تو نہین مگر اپنے شعر سقط النصیف لم مین اُس نے عورت کی ادائون کو اس کمال سے دکھایا ہے کہ سوا مخنث کے اور کسی سے یہ ہو سکتا ہی نہ تھا"

نابغہ چونکہ شعرائے جاہلیت مین ہے اس لیے اُس کی وفات کی تاریخ نہین معلوم ہو سکی۔

ہندوستان مین مشرقی تمدن کا آخری نمونہ

خوشی کی تقریبون کو ہم بہ قدر ضرورت بتا چکے اب غمی کی صحبتون کا بیان کردینا بھی ضروری ہے۔ گو یہ سارے ہندوستان مین عام ہین۔ جہان تک مین نے غور کیا ان مین لکھنؤ کی کوئی خصوصیت نہین نظر آتی۔ غمی کا باعث کسی کا مرنا ہوتا ہے۔ لہذا مرنے کے دن اعزا و احباب کو خبر کر دی جاتی ہے۔ اور جن لوگون کو مجبوری مانع نہین ہوتی ضرور آتے ہین۔ عورتین جو آتی ہین اپنی ڈولی یا سواری کا کرایہ آپ دیتی ہین شادی کی تقریبون مین اور عام قسم کی آمد و رفت مین لازم ہے کہ مہمان آنے والیون کی سواری کا کرایہ دیا جائے مگر غمی کا گھر اس تکلیف سے مستثنی کر دیا گیا ہے۔

اس کے بعد مردے کو نہلاتے ہین۔ شیعون کے یہان عام معمول ہے کہ غسل کے لیے جنازہ پہلے غسل خانے مین لے جایا جاتا ہے جہان غسال جو نہلانے مین نہایت مشتاق مگر اس کے ساتھ قسی القلب مشہور ہین مردے کو غسل دے کے کفن پنہاتے ہین۔ مگر سنیون کے یہان مردہ اپنے گھر ہی مین نہلایا جاتا ہے اور خود اعزہ و اقارب یا دوست احباب نہلاتے ہین۔ اکثر مرد اور عورتین جو زیادہ مشاق ہون بلا لیے جاتے ہین۔ اور اکثر جگہ یہ ہوتا ہے کہ کوئی شرع دان مولوی صاحب یا کوئی اور پڑھے لکھے واقف کار بزرگ بتاتے جاتے ہین کہ اس ترتیب سے نہلانا چاہیے۔ اور مسنون غسل میت کیا ہے۔

غسل کے بعد کفن پنہایا جاتا ہے جس مین ایک ازار ایک کفنی جو کرتے کے نام سے مشہور ہے پنہا کے اوپر سے دو چادرین لپیٹ دیجاتی ہین۔ اور سر اور پاؤن کے پاس اور کمر مین کپڑے کی چیتین پھاڑ کے باندھ دیجاتی ہین تاکہ کھلنے نہ پائین۔

اس کے بعد اگر شیعون کا جنازہ ہے تو صندوق مین رکھ کے اس پر کوئی دو شالہ ڈال کے جنازے کو شامیانے کے سایہ مین لے جاتے ہین۔ اور ساتھ ساتھ کوئی شخص قرأت و اداے مخارج سے سورۂ رحمان کی بعض آیتین پڑھتا جاتا ہے۔ صندوق شامیانے بلکہ اُٹھانے والے علی العموم شہدے ہوتے

ہین جن کا مدت دراز سے مُردے اُٹھانا پیشہ ہوگیا ہے۔ مگر ان لوگون کی بیہودگیون
اور بدتمیزیون سے شیعون مین خیال پیدا ہوا ہے کہ جنازون کو خود اُٹھانا
چاہیے۔ جس کے لیے متعدد کمیٹیان شہر مین قائم ہوگئی ہین اور اُن کے پُرجوش اور
دیندار ارکان تلاش مین رہتے ہین کہ کوئی مرجائے تو اُس کے جنازے کو خود
اپنے اہتمام مین لے کے مذہبی آداب اور احتیاطون سے اُٹھائین۔

سنیون مین میت کو کسی ہلکی چارپائی پر لٹا کے اور اُوپر سے چادر
ڈال کے لیجاتے ہین۔ اگر عورت کا جنازہ ہو تو چارپائی پر بانس کی کھپاچون
کو قوس نما صورت مین قائم کرکے اور اُن کے سِرون کو دونون جانب
چارپائی مین اٹکا کے اوپر سے چادر ڈالتے ہین۔ اس کو گہوارہ بنانا کہتے
ہین۔ اور اس کی ضرورت محض پردے کے خیال سے پیدا ہوئی ہے۔ سنیون
مین جنازے کو خود اعزا و احباب اپنے کندھون پر اُٹھا کے آہستہ آہستہ
کلمہ پڑھتے ہوے لے جاتے ہین۔ اور نماز جنازہ پڑھائی جاتی ہے۔

قبریان عموماً صندوقی کھودی جاتی ہے۔ جس مین انسان کے سینے تک
ایک چوڑا حوض کھودا جاتا ہے۔ پھر اُس کے اندر دونون جانب کنارے
چھوڑ کے ایک دوسرا پتلا حوض کھودتے ہین وہ بھی انسان کی کمر سے کم گہرا
نہین رہتا۔ جب قبر خوب صاف کرلی جاتی ہے تو مُردے کو اس مین نہایت
احتیاط سے اُتارتے ہین کہ ہاتھ سے چھوٹ کے گرنے اور چوٹ کھانے نہ پائے
قبر مین عموماً سرہانا شمال کی طرف رکھا جاتا ہے۔ اور مُردے کا مُنہ ڈھیلون
وغیرہ کی آڑ لگا کے قبلے کی طرف کردیا جاتا ہے۔ اس کے بعد بند کھول دیتے
ہین۔ اور اکثر اعزا کو منہ کھول کے میت کی آخری صورت بھی دکھادیا
کرتے ہین۔ اس موقع پر شیعون کے وہان تلقین پڑھی جاتی ہے۔ جس کی صورت
یہ ہے کہ کوئی ثقہ اور متقی بزرگ قبر مین اُتر کے میت کا شانہ ہلاتے جاتے
ہین اور ایک عربی عبارت پڑھتے جاتے ہین جس مین میت کی طرف خطاب
کرکے بتایا جاتا ہے کہ وہان منکر نکیر آ کے سوال کرین تو تم یہ جوابات دینا جس کے
سلسلے مین تمام عقائد دینیہ کی تعلیم کردی جاتی ہے اس کے بعد اندرونی حوض پتھر

جما دیے جاتے ہین - اور اگر اُن مین درز یا جھری ہو تو مٹی کے ڈھیلے رکھ رکھ کے اطمینان کر لیتے ہین کہ مٹی اندر نہ جائے گی. قبر مین کافور اور خوشبو تو کفن ہی مین موجود ہوتی ہے - بعض لوگ کیوڑے کی بوتل بھی ڈال دیتے ہین - اور اُس کے بعد اوپر سے مٹی ڈال کے قبر کا اوپر والا حوض بھر دیا جاتا اور قبر کی صورت بنا دی جاتی ہے -

مٹی دینے کو لوگ بڑا اہم اور ضروری کام تصور کرتے ہین - اور جب قبر مین مٹی ڈالی جانے لگتی ہے تو حاضرین مین سے ہر شخص عام اس سے کہ کوئی ہو تین مرتبہ ہاتھ مین مٹی لے کے قبر مین ڈالتا ہے - اور قرآن کی تین آتین پڑھتا ہے - جن کا ترجمہ یہ ہے کہ "ہم نے تم کو اس سے (مٹی سے) پیدا کیا" "ہم نے تم کو پھر اُسی مین پہونچایا" "اور ہم پھر آیندہ (بروز قیامت) تم کو اس سے نکال کے کھڑا کرین گے"

بہرحال جب قبر بن کے تیار ہو جاتی ہے تو اُس پر وہی چادر جو جنازے پر تھی یا پھولون کی چادر ڈال دیجاتی ہے - اور فاتحہ پڑھ کے اور دعاے مغفرت کر کے لوگ واپس آتے ہین -

مرنے والے کے گھر مین اُس کی وفات کے دن چولھا نہین جلتا بلکہ جنازے کے گھر سے نکلنے کے بعد کسی عزیز و قریب کے گھر سے پکا پکایا کھانا آجاتا ہے - جس کو لوگ دفن سے واپس آکے کھاتے ہین - اور اُسی وقت تمام مہمان اُس کھانے سے پیٹ بھرتے ہین - تین دن تک معمولاً یہی ہوتا ہے کہ گھر مین کھانا نہین پکتا - یہ طریقہ اصل مین آغاز اسلام اور خود حضرت رسالت علیہ السلام سے شروع ہوا - جبکہ حضرت جعفر طیار کی شہادت کا حال سُن کر اور ان کے گھر والون کو روتا پیٹتا دیکھ کر آپ نے کھانا بھجوا دیا تھا - مگر لوگون نے اس شائستہ بنیاد پر جو عمارت یہان قائم کر لی ہے وہ نہایت لغو اور شرمناک ہے - کسی کے مرتے ہی گھر مین جتنا کھانا تیار ہو پھینک دیا جاتا ہے - گھر کے برتنون کا پانی بہا دیا جاتا ہے - اور اس کا سبب عورتین بچون سے یہ بیان کرتی ہین کہ فرشتۂ موت جس چھری سے جان لیتا ہے اُس کو کھانے پینے کی چیزون مین دھو لیا

مرنے کے تیسرے دن اور کبھی مناسب دن دیکھ کے چوتھے روز سوم ہوتا ہے۔ دراصل اس کا آغاز اس سے ہوا کہ یہ دن اس لیے مقرر تھا کہ لوگ آکر رسم تعزیت ادا کرین۔ اور پس ماندون کی تسلی و تشفی کرین۔ مگر یہ خیال کرکے کہ ایک مجمع کثیر کا خالی بیٹھا رہنا اچھا نہین معلوم ہوتا۔ یہ طرز عمل اختیار کیا گیا کہ جو لوگ آئین بیٹھ کر قرآن مجید کی تلاوت کرین۔ اور دو دو ایک پارے پڑھ کے اُن کا ثواب مرحوم کی روح کو بخشین۔ چندروز مین تعزیت کا خیال جاتا رہا۔ اور فقط یہ رہ گیا کہ اُس دن کتنے لوگ آئے اور کتنے قرآن مرنے والے کو بخشے گئے۔ ختم صحبت کے وقت پہلے مختلف لوگ قرآن کے چند رکوع اور آخر کی چھوٹی سورتین پڑھکر فاتحہ کے لیے ہاتھ اُٹھاتے ہین۔ اس مین ایک نیا لغو طریقہ یہ اختیار کیا گیا ہے کہ تھوڑا گھسا ہوا صندل ایک پیالے مین تیل اور تھوڑے پھول لا کے حاضرین مین سے ہر ایک کے سامنے پیش کیے جاتے ہین۔ ہر شخص ایک پھول اُٹھا کے تیل مین ڈالتا ہے۔ اور وہ صندل اور تیل اور پھول لے جا کے مرحوم کی تربت پہ ڈال دیتے ہین۔

اسی روز شام کو پہلی بڑی فاتحہ خوانی ہوتی ہے۔ اور گھر مین پہلی بار کھانا پکتا ہے۔ اگرچہ اب غربت نے ہمدردون کی اس قدر کمی کر دی کہ میت کے گھر کھانا بھیجنے والے بہت کم رہ گئے ہین۔ اور اکثر غریب گھر والون کو اس سے پہلے ہی کھانا پکانے پر مجبور ہو جانا پڑتا ہے۔ لیکن مروجہ طریقہ یہی ہے کہ تیجے یعنی سوم سے پہلے باہر ہی کے کھانے پر بسر ہو۔

سوم اور چہلم کی فاتحون نے عوام مین عجب شان پیدا کر لی ہے۔ اصلیت تو اسی قدر ہے کہ جہان تک ہو سکے غریبون اور محتاجون کو کھانا کھلایا جاے اور اُس کا ثواب مرنے والے کو پہونچا دیا جائے۔ ہندوستان مین ہندوون مین مُردون کی تیرہوین اور برسی ہوتے دیکھ کے مسلمانون کا جی چاہا کہ ہم بھی اسی قسم کے کام نامودری اور دھوم دھام سے کرین۔ اس شوق کے تقاضے نے تیجے۔ دسوین۔ بیسوین۔ چہلم اور ویسے کے نام سے غمی کی تقریبین پیدا کر دین۔ جن مین ہوتا وہی ایصال ثواب ہے مگر وہ کھانے

نام پیدا کرنے اور برادری کو کھانا دینے کی شان سے۔ پھر اُس پر قیامت یہ ہوئی کہ عوام مین یہ عقیدہ پیدا ہوا کہ ان ہمارے موجہ فاتحون مین جو کچھ دیا جاتا ہے وہ خدا کے حکم سے بجنسہ مُردے کو پہونچا دیا جاتا ہے۔ اس عقیدے نے فاتحون مین یہ شان پیدا کر دی کہ گویا مُردے کی دعوت کیجاتی ہے۔ وہ کھانے زیادہ اہتمام سے دیے جاتے ہین جو مرحوم کو مرغوب تھے۔ حالانکہ خیرات کا اصول یہ چاہتا ہے کہ جس غریب کو کھلایا جائے اُس کی پسند کا لحاظ رکھا جائے تاکہ اُس کے خوش کرنے سے ثواب مین ترقی ہو۔

اسی قدر نہین۔ فاتحون مین اب تو یہ ہوتا ہے کہ چار چار پانچ پانچ جوڑ کھانے کے نکال کے ایک پاک و صاف مقام پر ترتیب سے چنے جاتے ہین۔ آبخورے مین پانی بھی لا کے رکھ دیا جاتا ہے۔ اس لیے کہ کھانے مین مردے کو پانی پینے کی بھی ضرورت ہو گی۔ پھر اُس کے لیے کپڑون کے نئے اور حتی الامکان نفیس و قیمتی کپڑے اوڑھنا بچھونا۔ جانماز۔ نئی قلعی کیے ہوے تانبے کے برتن لوٹا۔ کٹورا۔ پتیلی وغیرہ بھی کھانے کے برابر رکھ دیے جاتے ہین۔ اور جب یہ سب سامان تیار ہو جاتا ہے تو کوئی مُلّا آ کے فاتحہ کرتا۔ یعنی قرآن کی چند مخصوص آیتین اور چھوٹی سورتین پڑھکر دعا کرتا ہے کہ خداوندا ان چیزون کا ثواب فلان شخص کو پہونچا۔ اس طریقے سے عوام کو اطمینان ہو جاتا ہے کہ یہ چیزین مردے کو پہونچ گئین۔ اور وہ سب کھانے اور چیزین کسی محتاج یا دیندار مسلمان کے گھر پہونچا دیجاتی ہین۔

ان چیزون سے خود مرحوم کے متمتع ہونے کے خیال نے دلون مین یہان تک رسوخ پیدا کر لیا ہے کہ بعض ادنے طبقے کی جاہل عورتین فاتحے کی چیزون کے پاس بن سنور کے خود بھی بیٹھ جاتی ہین کہ مرحوم شوہر ان کھانون اور کپڑون سے لطف اُٹھائے گا تو خود اُن کے حسن و جمال کی لذت سے کیون محروم رہ جائے۔

فاتحون مین کھانا فاتحے کی ضرورت سے بہت زیادہ پکوایا جاتا ہے۔ جو حسب توفیق اعزا و احباب مین جن سے حصہ داری ہے تقسیم ہوتا ہے۔

اور تمام گھر کے بر جوبن - دھوبی - نائی - حلال خور وغیرہ کو دیا جاتا ہے - جنھون نے فاتحون کے شاندار تقریبین بن جانے کی وجہ سے اپنے حقوق پیدا کر لیے ہین -

گو کہ ہم نے یہ سب کاروائیان فاتحہ سوم کے ضمن مین بیان کر دی ہین لیکن ان کی تکمیل زیادہ اہمیت کے ساتھ چہلم مین ہوتی ہے جو کہنے کو تو مرنے کے چالیسوین دن مگر از روے عمل در آمد چالیس سے دو چار روز کم زمانے مین ہوا کرتا ہے اور فاتحے دسوین بیسوین کے بھی گو امتیاز سے ہوتے ہین - بلکہ ہر جمعرات کا دن خاندان کے بزرگون کے فاتحے کے لیے مقرر ہو گیا ہے مگر جو اہتمام سوم اور چہلم کے فاتحون کے لیے ہوتا ہے اور فاتحون کے لیے نہین کیا جاتا - ششماہی اور برسی کے فاتحے بھی بڑے اہتمام سے ہوتے ہین - اور حضرات امامیہ کے ہان ہر غمی کے فاتحے مین لزوم کے ساتھ مجلس عزاے آل عبا علیہ السلام بھی ہوتی ہے

غمی کی تقریبون کے خصوصیات ہم نے بیان کر دیے - اب رہی محفلون کی نشست کا طریقہ وہ وہی ہے جو دوسری تقریبون مین عرض کر دیا گیا - یہ خوشی اور غمی کی وہ تقریبین تھین جو اخلاقی و معاشرتی طریقے سے مروج ہین - مذہب نے جن محفلون کو رواج دیا ہے اُن کو ہم آیندہ بیان کرین گے -

عائشہ بنت طلحہ

یہ عہد تابعین کی بڑی شریف النسب زندہ دل پارسا و صاحب جمال خاتون تھین - اُن کا پہلا شرف یہ تھا کہ حضرت طلحہ بن عبیداللہ کی صاحبزادی تھین جن کا شمار عشرۂ مبشرہ مین ہے - دوسرا شرف یہ کہ اُن کی والدۂ محترمہ اُم کلثوم حضرت ابو بکر صدیق رض کی بیٹی تھین - جن کے وسیلے سے اُنھین حضرت صدیق اکبر کی نواسی اور حضرت اُم المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی بھانجی ہونے کا شرف حاصل ہے اسکے سوا تیسرا فخر اُن کا یہ ہے کہ حضرات حسنین علیہما السلام کی سالی تھین - اس لیے کہ اُن کی بہن اُم اسحق کے ساتھ پہلے حضرت امام حسن علیہ السلام نے اور اُن کے بعد جناب امام حسین علیہ السلام نے نکاح کیا - اور دونون امامون کو خدا نے اُن کے بطن سے اولاد عطا کی - اس لیے کہ امام حسن ع کے فرزند طلحہ اور امام حسین ع کی

صاحبزادی فاطمہ اُنھین کے بطن سے پیدا ہوئی تھین۔

عائشہ بنت طلحہ کا حسن وجمال اُن دنون شرفا و معززین عرب مین نہایت مشہور تھا۔ اور علی العموم اہل سیر کہتے ہین کہ اُن کی صورت اُن کی خالہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے بہت ملتی تھی۔ اور حضرت عائشہ کو اُن سے محبت بھی ویسی ہی تھی۔ چنانچہ انھون نے اپنی اِن خوبصورت و پری تمثال بھانجی کا عقد اپنے سگے بھتیجے عبداللہ ابن عبدالرحمن بن ابی بکر کے ساتھ کر دیا۔ اُن سے عائشہ بنت طلحہ کو خدا نے پہلے جو فرزند دیا اُس کا نام عمران تھا۔ اور اُسی کی نسبت سے اُنھون نے اپنی کنیت ام عمران رکھی۔ عمران کے علاوہ اُنھین اِنھین پہلے شوہر سے خدا نے تین اور اولادین بھی دی تھین۔ جن کے نام نامی آبو بکر۔ طلحہ۔ اور نفیسہ ہین۔ اُن کی صاحبزادی نفیسہ بھی حسن وجمال مین بے نظیر تھین۔ چنانچہ ولید بن عبدالملک کے ساتھ نکاح ہونے کے بعد وہ خلافت بنی امیہ اسلامیہ کی ایک عالی وقار ملکہ بن گئین۔

عائشہ بنت طلحہ باوجود پارسا و پرہیزگار ہونے کے بڑی نازآفرین بیوی تھین۔ شوہر کا دباؤ مشکل سے مانتین۔ اور جیسی زندہ دل شوخ طبع تھین ویسی ہی نازک مزاج اور زبان کی تیز بھی تھین۔ عام مرجعیت و مقبولیت اور اُس کے ساتھ دولت و امارت نے اِن جذبات کو بڑھا دیا تھا۔ اُنھین خاندانی قرابت بنی تمیم سے تھی۔ اور بنی تمیم کی عورتون کی یہ شان سارے عرب مین مشہور تھی کہ ایک طرف تو اپنی شوہرون کی نہایت محبوبہ اور چاہیتی لاڈلی بیوی ہوتین اور دوسری طرف نہایت ہی زبان دراز اور تیز ہوتین۔ یہی صفت ایک حد تک اِن محترم بیوی مین بھی موجود تھی۔

یہی حال اُن کی بہن ام اسحق کا تھا۔ جن دنون وہ حضرت امام حسین علیہ السلام کے عقد نکاح مین تھین وہ اُن بیوی کی نسبت فرمایا کرتے۔ اکثر ایسا اتفاق ہوا ہے کہ وہ حاملہ ہوئین۔ زچگی ہوئی مگر اس پوری مدت مین مجھ سے اُن سے بگاڑ رہتا تھا بات چیت ترک تھی۔ نہ وہ مجھ سے بولتی تھین نہ مین اُن سے بات کرتا تھا۔

اس مزاج و مذاق کا انجام یہ تھا کہ عائشہ بنت طلحہ اور اُن کے شوہر عبدالرحمن سے بگڑی۔ اور ملال یہان تک بڑھا کہ عائشہ نے اُٹھ کے ایک چادر اوڑھ لی اور گھر سے نکل کے اپنی خالہ حضرت ام المومنین صدیقہؓ کے پاس پہونچین اور اُنھین کے حجرے مین جو مسجد نبوی کے اندر تھا سکونت اختیار کر لی۔ اسی زمانے کا واقعہ ہے کہ مسجد نبوی مین ایک دن اتفاقاً اُن کے خوبصورت چہرے پر صحابی رسول اللہ حضرت ابوہریرہؓ کی نظر پڑ گئی۔ اور یہ بے خود کر دینے والا جمال جہان آرا دیکھ کر بے تحاشا اُن کی زبان سے نکلا ”سبحان اللہ! معلوم ہوتا ہے جنت سے حور اُتر آئی!“ چار مہینے تک محترم خالہ کے پاس رہی تھین کہ اُنھون نے سمجھا بُجھا کے میان بیویون مین ملاپ کرا دیا۔ اور پھر شوہر کے پاس جا کے رہنے لگین مگر اب بھی نبتی نہ تھی۔ روز بگاڑ ہوتا۔ یہان تک کہ ان لڑائیون کا حال سُن سُن کے لوگون نے عبداللہ سے کہا ”یہی حال ہے تو پھر آپ طلاق کیون نہین دیدیتے؟“ لوگون کے اس ناگوار مشورے کو سُن کر اُنھون نے دو شعر پڑھے جن کا مضمون یہ تھا کہ ”لوگ کہتے ہین طلاق دیدو۔ مگر جس سے محبت ہو اُس کو کیونکر طلاق دون؟“ تھوڑے دنون بعد عبداللہ کا انتقال ہو گیا۔ اور عائشہ بنت طلحہ باوجود رنجشون کے اُن کی وفات تک اُنھین کے عقد مین رہین۔

ان پہلے ابن عم شوہر کی وفات کے بعد اُنھین حضرت عبداللہ بن زبیر کے بھائی مصعب بن زبیر نے پیام دیا۔ عائشہ بنت طلحہ کی طرف سے بہت ہی ناقابل برداشت شرطین پیش ہوئین۔ اور مصعب نے اُن سب کو قبول کر لیا۔ چنانچہ پانچ لاکھ درہم مہر ادا کر کے اُن سے عقد کیا۔ اور پانچ ہی لاکھ درہم نکاح کے بعد رونمائی مین دیے۔ یہ خبر عبداللہ بن زبیر کو پہونچی تو اپنے بھائی مصعب کی نسبت کہا ”اُنھون نے تلوار میان مین کر لی۔ اور حظ نفس حاصل کرنے مین پڑ گئے“ ان دونون بھائیون کا سب سے بڑا سنگدل دشمن عبدالملک بن مروان تھا۔ اُس نے جو عبداللہ بن زبیر کا یہ فقرہ سُنا تو ہنس کر کہا ”عبداللہ نے غلطی کی مصعب تو دین و دنیا دونون مین غافل ہین“

بہرحال عبداللہ بن زبیر نے یہ جملہ کہنے کے بعد مصعب کو ایک تحریر بھیجی جس مین

عیش پرستیون پر سرزنش تھی۔ قسم دلائی تھی کہ خبردار اب مدینے کو چھوڑ دو۔ اور مجھ سے مکہ معظمہ مین آکے ملو۔ یہ بھی تاکید جانو کہ راستے مین مقام بیدا کے سوا اور کسی جگہ نہ ٹھہرنا۔ اور وہان ٹھہرنے کو مین نے کہا بھی تو اس لیے کہ میرے خیال مین شاید تمھین وہ شخص ہو جو وہان زمین مین دھنسے گا۔ مصعب کو یہ تحریر ملی تو فوڑا مکے مین آکر معظم و محترم بھائی سے ملے۔ اور عجز و الحاح کے ساتھ قصور معاف کرا کے اُنھین راضی کر لیا۔

مصعب کے عقد مین آنے کے بعد جناب عائشہ بنت طلحہ کے غمزہ و ناز کی یہ حالت تھی کہ کبھی اُنھین اپنے بنڈے مین ہاتھ نہ لگانے دیتین۔ مصعب ہزار خوشامدین کرتے مگر وہ ایک نہ سُنتین۔ آخر ایک دن مصعب نے عاجز آکے اس کی شکایت اپنے معتمد اور منشی ابن ابی فروہ سے کی۔ اُس نے کہا "آپ کی ناز برداری نے اُن کے ناز و انداز بڑھا دیے ہین۔ آپ کی اجازت ہو تو مین دم بھر مین اُنھین سیدھا کر کے آپ کی لونڈی بنا دون"۔ مصعب نے کہا "مین تمھین اجازت دیتا ہون۔ مگر اتنا خیال رہے کہ اُن سے زیادہ محبوب مجھے دنیا مین کوئی نہین ہے۔ اور خدا نے اپنے فضل و کرم سے مجھے جتنی نعمتین عطا فرمائی ہین اُن سب سے زیادہ شیرین و پر لُطف نعمت مین اُنھین کو سمجھتا ہون"۔ ابن ابی فروہ نے کہا "آپ اطمینان رکھین اُنھین ضرر کسی قسم کا نہ پہونچے گا"۔ اس کے بعد ابن ابی فروہ نے دو قوی ہیکل حبشی غلامون کو ساتھ لیا۔ اور جناب عائشہ رضی کے دروازے پر جا کے دروازہ کھلوایا۔ اور اندر جانے کی اجازت مانگی۔ اُس وقت رات ہو چکی تھی۔ اور اندھیرا چھایا ہوا تھا تو لین "بھلا اندر آنے کا یہ کون وقت ہے؟" جواب دیا "جی ہان۔ مین اسی وقت آنے پر مجبور ہون۔ عائشہ سامنے سے ہٹ گئین اور اُس نے گھر کے اندر داخل ہو کے غلامون کو حکم دیا کہ انگنائی مین ایک گہرا گڑھا کھود دو۔ وہ دونون جو کدالین ساتھ لائے تھے کھودنے لگے۔ اور جناب عائشہ اور اُن کی کنیزین گھبرا گھبرا کے دیکھ رہی تھین کہ یہ گڑھا کیون کھودا جا رہا ہے۔ آخر ایک کنیز نے پوچھا کہ "گڑھا کیون کھود رہے ہو؟" ابن ابی فروہ نے کہا "ب[illegible] اس کا کیا جواب دون؟ تمھارے آقا کمبخت اتنے بڑے ظالم و سنگدل

ہین کہ دم مارنے کی مجال نہین۔ مین تو یہ کام نہ کرتا۔ مگر افسوس اُن سے ڈرتا ہون
اور اُن کے حکم سے مجبور ہون"۔ اُس کنیز نے گھبرا کے پوچھا "آخر اُنھون نے کیا حکم دیا
ہے؟" کہا "حکم یہ ہے کہ ایک گہرا کنوان کھود کے تمھاری بیوی کو اُس مین زندہ دفن
کر دون"۔ یہ سنتے ہی سب کنیزین کانپ گئین۔ اور عائشہ بنت طلحہ کے تو ہوش و حواس
بجا نہ تھے۔ ابن ابی فروہ کے پاس آ کے رحم کی التجا کرنے لگین۔ اُس نے کہا "بیوی
آپ کے میان اتنے بڑے سنگدل ہین کہ جس کی حد نہین۔ دنیا بھر مین اُن سے بڑا خونریز
آدمی نہین پیدا ہوا ہے۔ کس کی مجال ہے کہ اُن کے حکم کو ٹال کے اپنی جان خطرے
مین ڈالے؟" جناب عائشہ نے خوشامد کر کے کہا "اچھا اتنا ٹھہرو کہ مین ذرا اُن سے مل لون"
ابن ابی فروہ نے کہا "افسوس یہ تو ہو ہی نہین سکتا" اور ساتھ ہی غلامون کو ڈانٹا کہ
"جلدی کھودو"۔ اُس کی یہ مستعدی دیکھ کے جناب عائشہ اور سب کنیزین زار و قطار
رونے لگین۔ اور گھر بھر مین پٹس پڑ گئی۔ تھوڑی دیر رونے پیٹنے کے بعد اُنھون نے
نہایت ہی یاس کے لہجے مین کہا "تو کیا اب مجھے مار ہی ڈالو گے؟ اور میرے بچنے کی کوئی
صورت نہین؟" ابن ابی فروہ بولا "حضور کیا عرض کرون؟ اللہ جل شانہ اس سنگدل
ظالم سے اُس کا بدلہ ضرور لے گا۔ مگر اس وقت کوئی بات نہین بن پڑتی۔ خدا نہ کرے
کہ اُسے غصہ آئے۔ اُس کا غصہ وہ کافر غصہ ہے کہ جس کی کوئی روک نہین"۔ عائشہ نے
پوچھا "تو آخر میرا قصور کیا ہے؟ جو مجھ پر یہ غصہ ہے؟" بولا "یہی کہ آپ اُن کا کہنا
نہین مانتین۔ اُن کو خیال پیدا ہو گیا ہے کہ آپ کے دل مین اُن کی طرف سے کینہ ہے۔
اور آپ کے دل مین کوئی اور بسا ہوا ہے۔ اسی طیش مین وہ آپے سے باہر ہو گئے ہین"۔
بولین "تو مین تمھین قسم دلاتی ہون کہ اُن کے پاس جا کے اس بارے مین کچھ کہو سنو"۔
ابن ابی فروہ نے کہا "لیکن ڈر لگا ہے کہ مین حکم کی تعمیل کرنے سے پہلے اُن کے
سامنے گیا۔ اور اُنھون نے میرے قتل کا حکم دیدیا تو کیا ہو گا؟" اس جواب پر پھر
گھر مین کہرام مچ گیا۔ جب دیر تک یہی حالت رہی اور ابن ابی فروہ نے سب کنیزون
خصوصاً جناب عائشہ کو خوب پٹوا لیا۔ تو کہا "افسوس آپ کی گریہ و زاری اب مجھ سے
نہین دیکھی جاتی۔ اب چاہے مارا جاؤن یا زندہ بچون اُن کے پاس جاتا ہون۔ مگر
حضور فرمائین تو سہی کہ اُن سے جا کے کیا کہون؟" بولین "تم اُن سے ذرا کہو کہ

مجھ سے پھر کبھی ایسی حرکت نہ ہو گی" کہا "اور اِس کے معاوضے مین حضور میرے ساتھ کیا سلوک کرین گی؟" کہا "جب تک جیتی ہون احسان مند رہون گی" بولا "تو پھر قسم کھا کے اقرار اور عہد و پیمان کیجیے" اُنھون نے عہد کیا۔ اور ابن ابی فروہ حبشیون کو کھودنے سے روک کے مصعب کے پاس آیا۔ اور ساری سرگزشت بیان کی اُن کو ابن ابی فروہ کی کارروائی پر تعجب ہوا۔ اور کہا "تو پھر جا کے اُن سے قسم بھی لے لو کہ اب کبھی مجھ سے نہ لڑین گی۔ اور نہ میرا کہنا رد کرین گی" ابن ابی فروہ نے فوراً جا کے اس کی بھی تعمیل کرائی۔ اور غلامون کو لے کے واپس آیا۔ اور مصعب مین اور اُن مین بہت دنون کے لیے ملاپ ہو گیا۔

(ایک بار اور مصعب سے بگاڑ ہوا۔ اور اتنے دنون تک کشیدگی رہی کہ دونون کو اس کا ملال محسوس ہونے لگا۔ اسی اثنا مین مصعب ایک میدان جنگ مین گئے۔ اور وہان سے فتحیاب ہو کے واپس آئے۔ اُن کے واپس آنے کی خبر سنی تو عائشہ نے اپنی ایک کنیز سے کہا کہ "افسوس مجھ سے اُن سے بگاڑ ہے۔ اور اب اس ملال سے مجھے تکلیف ہوتی ہے" اُس نے کہا "اس سے بہتر ملاپ کا کوئی موقع نہین ہو سکتا۔ آپ اِسی وقت چلی جائین اور فتح کی مبارکباد دین۔ دل مین نیکی آ گئی۔ فوراً چلی گئین۔ اور فتح کی مبارکباد دی۔ مصعب چونکہ اسی وقت میدان گیرودار سے چلے آتے تھے چہرے اور کپڑون پر بے انتہا غبار پڑا ہوا تھا۔ اپنے ہاتھ سے اُن کے چہرے اور جسم کو جھاڑنے لگین۔ مصعب خود و زرہ پہنے ہوے تھے۔ کہنے لگے "زیادہ قریب نہ آؤ۔ لوہے کی بو سے تمھارے سر مین درد ہونے لگے گا۔ بولین "یہ بُو خدا کی قسم مجھے مشک و عنبر کی خوشبو سے زیادہ پیاری ہے")

عائشہ بنت طلحہ کی نازآفرینی اور نازک مزاجی کی یہ حالت تھی کہ ایک دن صبح صبح مصعب آٹھ بڑے بڑے موتیون کے دانے لیے ہوے آئے۔ اُن کو خواب ناز سے جگایا۔ اور موتی اُن کی گود مین ڈال دیے۔ وہ آنکھین ملتی ہوئی اُٹھین۔ اور کہا "جو لطف اس وقت نیند مین آ رہا تھا اُس کے سامنے یہ موتی کچھ نہین۔ مجھے ناحق جگا دیا"

لو سال رواں بھی ہر روانہ باشد

یا حضرت ۱۹۱۸ء اور برسون کے دیکھتے آپ بڑے بھلے مانس تھے مگر افسوس آپ کو بھی بارہ مہینے مین اپنا عہد حکومت ختم کر کے جانا ہی پڑا۔ جی چاہتا ہے کہ آپ ایسے صلح جو حاکم کا زمانہ ہمیشہ قائم رہتا۔ اور آپ کے پرامن دور سے زندگی کا لطف اُٹھاتے رہتے۔ لیکن کیا کرین تقدیر سے لاچار ہین۔ کچھ زور نہین چلتا۔ اور آپ رخصت ہوے جاتے ہین۔ اکثر ایسا ہوا ہے کہ کوئی لاٹ صاحب زیادہ مہربان و ہردلعزیز ہوئے تو دنیا کے ملاء اعلے مین عرضداشتین بھیج کے ہم نے زیادہ نہین تو چند ہی روز کے لیے اُن کی مدت حکومت مین توسیع کرا لی۔ مگر جس دربار قدس و اعلی نے آپ کو بھیجا ہے وہ ایسا وضعدار واقع ہوا ہے کہ ایسے معاملون مین کسی کی نہین سنتا۔ کہنا سننا خوشامد والتجا کرنا سب بیکار ہے۔ اور یہ محال عقلی سمجھ لیا گیا ہے کہ کوئی برس بارہ مہینون سے زیادہ کا ہو۔ ہم جہان تک غور کرتے ہین یہ کوئی مشکل بات نہین معلوم ہوتی کہ دیگر برسے کو اکبر کی طرح اب کی مرتبہ آفتاب کے گرد زمین کا دورہ بجاے بارہ مہینے کے چوبیس مہینون کا ہوتا۔ زمین اتنی بھاگا بھاگ نہ جاتی۔ ایسی تیزی سے نہ دوڑتی۔ یا وہ بیضاوی دائرہ جو اس کی سڑک ہے وہی پھیل کے بڑا ہو جاتا۔ مگر نہین یہ وہ نظام ہے جو نہین بدل سکتا۔ اور کیسا ہی اچھا مبارک و فرخندہ فال سال ہو یہ ممکن نہین کہ تین سو پینسٹھ دن چھ گھنٹے سے ایک دن بلکہ ایک گھنٹہ کی بھی زیادہ عمر پا سکے۔ ہم سب کی طرح آپ کی موت کے لیے بھی کاتب قدرت نے وقت اور گھڑی مقرر کر دی ہے۔ لیکن اتنا فرق ہے کہ آپ کو اپنی عمر بتا دی گئی ہے کہ اتنی ہوگی۔ اور ہمین لاکھ سر مارین کسی طرح نہین معلوم ہو سکتا کہ کب مرین گے۔ اور اگر خدانخواستہ یہ معلوم ہو جاتا تو ہمین جینا محال ہو جاتا۔ ہم کو

مر جاتے۔ مگر آپ کو خدا نے ایسا مضبوط دل دیا ہے کہ جانتے ہین اتنے دنون سے ایک بھنگ بھی زیادہ نہ جئین گے۔ مگر مطلق پروا نہین۔ یہ آپ جیتے کیسے ہین؟

آپ کے جاتے وقت جی چاہتا تھا کہ آپ کو دم بھر کے لیے اپنے یہان روکتے۔ آپ کی دعوت نہ کر سکتے تو بھی ایک ہلکا سا "ایٹ ہوم" ضرور دیتے جس مین آپ کی مہربانیون کا شکریہ ادا کرتے۔ آپ کے احسانات کا اعتراف کرتے اور یقین دلاتے کہ آپ کو خبر ہو یا نہ ہو ہم آپ کے کارنامون کو صفحات ایام مین بڑے فخر کے ساتھ درج کرین گے۔ اور دنیا اتنی ناحق شناس نہین ہے کہ آپ کے نام اور آپ کی برکتون کو کبھی بھول جائے۔

آپ سے پیشتر متواتر چار ایسے جانستان بزرگ تشریف لائے کہ افسوس آپ نے آ کے دنیا کو آدھا بھی مشکل سے پایا ہو گا۔ روم کے اگلے ظالم تاجدارون کی طرح اُنھون نے آدمیون ہی کو نہین قومون اور نسلون ملکون اور مملکتون کو باہم لڑا کے تماشا دکھا۔ اپنی دلچسپی اور اپنے تفنن طبع پر لاکھون نہین کرورون آدمی کٹوا ڈالے۔ ایسے تماشے بہت سے اگلے برسون نے بھی دیکھے اور دکھائے مگر وہ کسی ملک کسی سرزمین اور کسی قوم یا گروہ تک محدود تھے۔ لیکن ان زبردست بزرگان ماضی اور سنگدل ابنائے فلک نے ساری دنیا کو لڑا دیا۔ تمام ملکون مین خون اُچھالا۔ اور کوئی نہ تھا جسے کسی جگہ اطمینان سے بیٹھنے دیا ہو۔ ہم جھوٹ نہ بولین گے۔ ہم کو اُنھون نے اس آتش قتال سے بہت دور رکھا۔ اور گو اس کا دھڑکا ہر وقت لگا رہتا تھا۔ مگر بفضلہ تعالی اس کی نوبت نہ آنے پائی کہ ہماری سرزمین مین تلوار چلی ہو۔ مگر اس سے کیا ہوتا ہے۔ ان خون آشام بزرگون نے ہمارے وطن کے منتخب لوگون کو ہزارہا میل پر کھینچ بلایا۔ اور یہان نہین تو وہین ہم کو لڑا لڑا کے ہمارے لڑنے اور کٹنے مرنے کا تماشا دیکھ لیا۔

اور ہم جو وہان نہین گئے تو کیا مصیبت سے بچ گئے؟ یہان گھر بیٹھے مصیبت تھی۔ دانے پانی تک کو ترس گئے۔ ذرا ذرا سی ضروریات زندگی سے محروم ہو گئے۔ اور سب سے بڑی آفت یہ تھی کہ جس طرح کوئی دشمن حریف سپاہیون کو گرفتار کر کے زنجیرون مین جکڑ دیتا ہے اُسی طرح ہم یہان اپنے وطن اور اپنے گھر مین ہاتھ پاؤن باندھ کے ڈال دیے گئے۔ نہ کچھ لکھ سکتے تھے۔ نہ پڑھ سکتے تھے۔ نہ دوستون سے ۔۔۔ گفتگو کر سکتے تھے۔ یہان تک کہ باہر والون کی آواز بھی نہ سُن سکتے تھے

وہ جو سُنا ہو "بے مارکی توبہ" اِن بزرگون کے عہد مین دیکھ لی۔ وہ جو میدان مین گئے تھے وہ تو خیر مجرم تھے کہ دوسرون پر تلوار اُٹھائی۔ بھلا بتائیے ہم نے کیا قصور کیا تھا کہ ہمین بیٹھے بیٹھے اور بے کچھ کیے دھرے اسیر تھے۔ اور یہ مثل پوری طرح صادق آگئی کہ "کرے داڑھی والا اور پکڑا جائے موچھون والا" بجز اس کے کہ "اندھیر نگری چوپٹ راجہ کی کہانی والے چیلے کی طرح کھا کھا کے ہم موٹے خوب ہو گئے تھے اپنی اور کوئی خطا نہین نظر آتی۔

خیر اب یہ دُکھڑا کب تک روئین۔ نہ آپ کو سننے کی فرصت ہے اور نہ ہم مین کہنے کی طاقت۔ اور بالفرض آپ کی عدیم الفرصتی کو بھول کر اپنی سرگزشت کہتے ہی رہین تو آپ دم بھر مین غائب ہو کے عُزلت کدۂ فنا مین جا بیٹھین گے اور ہمین وہ ضروری باتین کہنا رہ جائین گی جن کا جانے سے پہلے آپ کے گوش گزار کر دینا ضروری ہے۔

آپ جس وقت تشریف لائے ہین (معاف کیجیے گا) ہم لوگ گذشتہ چار برسون کی خوشامدین کر کر کے اِس طرح ناکام و نا امید ہو چکے تھے کہ آپ کی ذات سے بھی ہمین فلاح کی کوئی امید نہ تھی۔ اور گو کہ ہم نے خوف اور دہشت سے خیر مقدم مین آپ کی تعریف ہی کی تھی اور حضور و جناب کے الفاظ سے خطاب کر کے التجا کی تھی کہ لِلّٰہ اب لڑائی کو روکیے۔ اس لیے کہ اب ہم مین لڑنے کا دم نہین رہا۔ مگر دل کے صاف نہ ہونے اور فلاح و بہبود سے مایوس ہونے کے باعث دو چار طنز آمیز الفاظ بھی کہہ گذرے تھے۔ اب ہم اُن الفاظ پر پچھتاتے ہین اس لیے کہ آپ نے ہماری سُن لی۔ اور آپ ہی کی نیک نفسی تھی کہ فتنۂ دوران کا خاتمہ ہو گیا

ہم آپ کے حد سے زیادہ شکر گزار ہین۔ اتنے شکر گزار کہ اس سے پہلے کبھی کسی کے نہ ہوئے تھے۔ آپ نے واقعی کمال کر دیا۔ اور اتنے بڑے جھگڑے کو دنیا سے مٹا دیا جس کے اس قدر جلد اور آناً فاناً مٹ جانے کی ہرگز امید نہ کی جا سکتی تھی۔ جب تک دنیا قائم ہے اور نوع انسان باقی ہے یہ بھی یادگار رہے گا کہ اتنی بڑی عالمگیر لڑائی کو آپ نے چٹکی بجاتے مین موقوف کرا دیا۔ جو اور نہ دو تین سال قائم رہتی تو سب

مین چند گنتی کے آدمی باقی رہ جاتے۔

تاہم آپ ابھی صلح کو ناتمام چھوڑے جاتے ہین۔ اگرچہ آپ کی عنایت سے ہماری ابد مدت سلطنت کے حریف اس قدر مغلوب اور بے دست و پا ہو گئے کہ اب اُن مین اتنی مجال نہین کہ سر اُٹھا سکین۔ مگر پھر بھی ابھی صلح کے شرائط کا طے ہونا باقی ہے جس کام مین اکیلے حریفان جنگ ہی نہ ہون گے بلکہ دنیا کے دیگر سلاطین بھی ہون گے۔ اور اس پنچایت کا اونٹ نہین معلوم کس کل بیٹھتا ہے۔ اس لیے آپ براہ کرم اپنے ولی عہد سے کہتے جائیے کہ خیریت کے ساتھ صلح کی تکمیل کرا دین۔

آپ نے لڑائی تو ختم کرا دی مگر ہم کو ابھی تک آفات جنگ سے نجات نہین ملی۔ غلّہ ویسا ہی مہنگا ہے۔ ستر پوشی کے لیے کپڑے کے ہم ویسے ہی محتاج ہین۔ رنگ کے نہ ملنے سے سہاگنین بھی اُن بیواؤن کی وضع مین ہین جن کا سہاگ اِس لڑائی کے ہاتھون اُجڑ گیا۔ اور قیامت یہ کہ علم جس کی ترقی و اشاعت مین ہر مہذب و شائستہ سلطنت مصروف رہا کرتی ہے کاغذ اور سامان طبع کی گرانی سے فنا ہوا جاتا ہے۔ آپ مین جب اتنا رحم ہے کہ ہماری حالت زار دیکھ کے صلح کے اسباب پیدا کر دیے تو اپنے جانشین کو اتنی وصیت بھی فرماتے جائیے کہ اِن آفتون اور اس تباہی سے دنیا کو جلدی نجات دلائین۔

عائشہ بنت طلحہ

اُن دنون اشعب نام ایک مسخرہ تھا جس کی بڑے بڑے معززین مین رسائی تھی اور اُس کے صدہا واقعات مشہور ہین۔ حضرت سکینہ بنت حسین رضی اللہ عنہا کے حالات مین بھی اُس کے متعدد واقعات کتب سیر مین درج ہین۔ یہ اشعب مصعب کی خدمت مین اکثر آیا کرتا تھا۔ ایک دن جناب عائشہ بنت طلحہ مصعب سے سخت ناراض تھین۔ اور مصعب اسی فکر مین بیٹھے تھے کہ اشعب آ گیا۔ اور اُن کو فکرمند دیکھ کے جویاے حال ہوا۔ اُنھون نے ساری سرگزشت بیان کر دی

اور اپنی پریشانی ظاہر کی۔ اشعب نے کہا "اگر مین اُنھین راضی کردون تو کیا دلوائیے گا؟"
کہا "جو مانگو" اشعب نے کہا "دس ہزار درہم لون گا" مصعب نے کہا "اچھا دیے" اُن
سے اقرار لے کے اشعب جناب عائشہ کے پاس پہونچا۔ اور عرض کیا "حضور یہ غلام آپ پہ
سے قربان ہو۔ حضور جانتی ہین کہ اس خادم کو آپ سے کیسی محبت ہے۔ میری وفاداری
آج ہی کی نہین پُرانی ہے۔ اور مین دراصل حضور ہی کی خوشی پہ جیتا ہون۔ اور پھر میری
یہ خوشامد کسی غرض سے نہین ہے۔ بلکہ خالص جوش نمکخواری نے رہین مرحمت وعنایت
بنا رکھا ہے۔ اس وقت ایک خاص ضرورت حضور کی ڈیوڑھی پہ لائی ہے۔ نظر عنایت ہو گئی
تو زندگی بھر بے داموں کا غلام رہون گا" جناب عائشہ نے ہنس کے کہا "کچھ کہو گے بھی
یا یونہین فضول بکتے چلے جاؤ گے؟" بولا "جی ہان عرض کرتا ہون۔ مجھے فی الحال دس
ہزار درہم کی ضرورت ہے۔ اور ہمارے امیر مصعب نے وعدہ کر لیا ہے کہ یہ رقم اسی وقت
دے دین گے بشرطیکہ حضور اُن سے راضی ہو کے ملاپ کر لین" یہ سنتے ہی عائشہ کی جبین ناز
پر شکن پڑ گئی سخت برہمی سے کہا "یہ ہرگز نہین ہو سکتا۔ قیامت تک نہ ہو گا" اشعب نے
کہا "تو پھر ایک کام کیجیے۔ دو ایک روز کے لیے راضی ہو کے مل لیجیے۔ اور جیسے ہی مجھے
رقم مل جائے پھر لڑ جھگڑ کے بگڑ جائیے گا۔ اور وہی کج ادائیان اور کج خلقیان جو خدا نے
آپ کو دی ہین اختیار کر لیجیے گا" یہ سُن کے عائشہ کو ہنسی آ گئی۔ اور اُس کے کہنے کے
بموجب مصعب سے ملاپ کر لیا۔

اسی طرح ایک اور دفعہ کا واقعہ ہے کہ عائشہ اور مصعب مین لڑائی
ہوئی۔ ناراضی اور بگڑنے مین عائشہ یہان تک بڑھین کہ غصہ مین کہہ بیٹھین "مصعب میرے
بھائی کی جگہ ہین" یہ کہتے ہی اپنا کمرہ بند کر کے بیٹھ رہین۔ اور مصعب نے لاکھ صفائی کی تدبیرین
کین کوئی کارگر نہ ہوئی۔ آخر عاجز آ کے اُنھون نے قیس رقیات کو جو اُس عہد کے ایک
صاحب اثر بزرگ تھے درمیان مین ڈالا۔ اُنھون نے آ کے جناب عائشہ بنت طلحہ کو
سمجھانا شروع کیا۔ کہنے لگین "آپ کے کہنے سے مین مل بھی جاؤن تو اس کا کیا علاج ہے
کہ اُن سے نہ ملنے کی قسم کھا چکی ہون۔ اور اُنھین اپنا بھائی بنا چکی ہون" قیس نے
کہا "اس کا یہ علاج ہے کہ مفتی عراق اور فاضل وفقیہ زمانہ امام شعبی موجود ہین آپ
اُن سے فتوی اور مشورہ لے لیجیے۔ وہ بتا دین گے کہ یہ دشواری کیسے دور ہو سکتی ہے"

بہرحال قیس کے کہنے سے شعبی بلوائے گئے۔ اُنھون نے چار ہزار درہم کفارہ مین بتائے اور کہا، یہ رقم ادا کر دیجیے آپ کے سامنے سے قسم کی دیوار ہٹ جائیگی۔ اور پھر مصعب سے ملنے مین کوئی مضائقہ نہ ہوگا۔"

(مصعب سے اکثر بگاڑ ہونے کی وجہ یہ تھی کہ عائشہ بنت طلحہ اُن کا کہنا بہت کم مانتی تھین۔ مثلاً کہا جاتا ہے کہ وہ اپنا چہرہ عام لوگون سے چھپاتی نہ تھین جو آتا اس کو اپنی صورت دکھا دیتین۔ اس پر مصعب بگڑتے۔ اور بے پردگی سے روکتے۔ اس کے جواب مین اُن کے چھیڑنے کے لیے کہتین "خدا نے مجھے زیور جمال سے آراستہ کیا ہے۔ اچھا نہین معلوم ہوتا کہ خدا کی اس نعمت کو مین لوگون سے چھپاؤن۔ اور اُن کو اِس خوبصورت چہرے کی زیارت سے محروم رکھون" اس پر مصعب اور برافروختہ ہوتے۔

مگر یہ روایت یقیناً غلط ہے۔ اس لیے کہ اُن کی زندگی کے تمام واقعات سے متواتر ظاہر ہوتا ہے کہ اپنا چہرہ چھپاتی اور پردے مین رہتی تھین ممکن ہے کہ اتفاقی طور پر ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ یا بعض اور لوگون نے جو اُن کی صورت دیکھ پائی تھی اُس کی شکایت مصعب نے کی ہو۔ اور ناز بردار شوہر کے چھیڑنے اور چڑھانے کے لیے اُنھون نے یہ جواب دے دیا ہو۔ اگر یہ صحیح واقعہ ہوتا تو اُن کا طرز عمل بھی اس کے مطابق ہوتا۔ حالانکہ اُن کے مشرح ومفصل حالات مین بے پردگی کا مطلق پتہ نہین چلتا۔)

اسی طرح یہ واقعہ بھی غلط اور بے اصل معلوم ہوتا ہے جو مصعب کے ساتھ عائشہ کا نکاح ہونے کے متعلق بعض اہل روایت نے بیان کیا ہے کہ ایک دن مصعب بن زبیر، عبداللہ بن عبدالرحمن بن ابی بکر، اور سعید بن عاص جو اُس دور کے وضعدار شوقین اور دولت مند نوجوانان قریش مین سے تھے عزۃ المیلا کے پاس گئے جو اُن دنون مدینے کی ایک بڑی مشہور صاحب جمال مغنیہ تھی اور اکثر عورتون کے مذاق وحالات سے واقف رہا کرتی تھی ان تینون نے اُس سے کہا کہ ہم نے اپنی شادیان ٹھہرالی ہین۔ اور دولھنین بھی تجویز کرلی ہین مگر اتنا چاہتے ہین کہ نکاح کے پیشتر تمھارے ذریعہ سے دریافت کرلین

کہ یہ لڑکیان کیسی شکل و شمائل کی ہین" عزۃ المیلاء نے کہا "اچھا تم نے کن کن لڑکیون کو تجویز کیا ہے۔ مصعب نے عائشہ بنت طلحہ کو عبداللہ نے اُم قاسم بنت زکریا۔ اور سعید نے عائشہ بنت عثمانؓ بن عفان کو تبایا۔ عزہ ان کو اپنے مکان مین بٹھا کے گئی ان سب بیویون سے ملی۔ اُن کے جسم اور اُن کی صورتون کو بخوبی دیکھا۔ بلکہ عائشہ بنت طلحہ نے تو اُس کی خواہش کے مطابق برہنہ ہو کر اُسے اپنے ہر ہر عضو کے دیکھنے اور اُس پر غور کرنے کا موقع دے دیا۔ اور جب وہ چلی تو کہا تمھارا کہنا تو مین نے کر دیا۔ اب تم میرا کہنا بھی کر دو۔ اُس نے کہا "جو حکم ہو" فرمایا "کچھ گا کے سُناؤ۔ جس کا ایک زمانہ مشتاق ہو رہا ہے"۔ عزہ نے دو ایک راگ گا کے سُنائے جس پر عائشہ بہت خوش ہوئین۔ اور خلعت و زیور سے سرفراز کر کے رخصت کیا۔ گھر واپس آ کے عزہ نے مصعب سے کہا "سُنو تمھاری دولھن حُسن و جمال مین اپنا جواب نہین رکھتی ہر عضو سانچے مین ڈھلا ہوا ہے۔ اور ہر ادا معشوقانہ ہے۔ بڑی تلاش سے اُن مین فقط دو عیب نظر آئے۔ ایک یہ کہ کان بڑے ہین۔ اور دوسرے یہ کہ پاؤن بھی بڑے ہین۔ مگر ان عیبون پر انسان کی نظر نہین پڑ سکتی۔ اس لیے کہ کانون کو خمار چھپائے رہتی ہین۔ اور پاؤن جرابون مین چھپے رہتے ہین۔ اس کے بعد اور دونون نوجوانون کو اُن کی دولھنون کی نسبت بھی اطمینان دلایا۔ اور اُسی کے مشورے سے تینون نے اُن لڑکیون کے ساتھ شادیان کین۔

اس روایت کے بے بنیاد ہونے کی کھلی وجہ یہ ہے کہ اُس مین مصعب اور عبداللہ بن عبدالرحمن دونون کی نسبت کہا گیا ہے کہ ایک ساتھ عزۃ المیلاء کے پاس آئے اور مصعب نے بتایا کہ وہ عائشہ بنت طلحہ کے ساتھ عقد کرنے والے ہین۔ حالانکہ عائشہ بنت طلحہ کا عقد پہلے انھین عبداللہ بن عبدالرحمن کے ساتھ ہوا تھا۔ اور اُن کی وفات کے بعد مصعب کو اُنھین پیام نکاح دینے کا موقع ملا۔

مصعب باوجود اُن تمام جھگڑون اور روز روز کی لڑائیون کے جناب عائشہ بنت طلحہ کے شمع رخسار کے پروانہ تھے۔ ایک دم کو بھی بغیر ان نازآفرین بیوی کے چین نہ آتا۔ اور لڑائی کے بعد جب تک راضی کر کے ملاپ نہ کر لیتے بیتاب و بیقرار رہتے۔

ایک دن عائشہ نے کسی تقریب مین قریش کی بہت سی شریف زادیون اور محترم بیویون کو اپنے گھر مین مہمان بلایا۔ محفل طرب کے لیے بڑے تکلفات کیے۔ ہر طرف پھولون کے ہار لٹک رہے تھے۔ گلدستے رکھے تھے۔ اُن کی خوشبو سے سارا مکان مہک رہا تھا۔ الوان نعمت اور تر و تازہ میوہ جات چنے ہوئے تھے۔ جو جو بیویان آئین اُن کو عزت و تکلف سے بٹھایا۔ کھلایا پلایا۔ سب کو مطلاو مذہب جوڑے پنھائے۔ اور اس کے بعد مذکورۂ بالا مغنیہ عزۃ المیلاء اس زنانی محفل مین بیٹھ کے گانے لگی۔ اس کو بھی گانا شروع ہونے سے پہلے بھاری خلعت فاخرہ عطا ہو چکا تھا۔ عزۃ المیلاء نے چند گیتون کے بعد امراء القیس کے چند عاشقانہ اشعار گائے۔ جن مین اُس کی محبوبۂ نازنین کے دُرِ دندان اور لبِ خندان کی تعریف تھی۔

یہان سے قریب ہی مردانے مین مصعب چند ندیمان صحبت کے ساتھ بیٹھے باتین کر رہے تھے کہ عزۃ کی تانین اُن کے کانون مین پہونچین۔ اُٹھ کر محفل کے قریب آئے۔ اور پردے کے پاس کھڑے ہو کے گانا سننے لگے۔ عزہ جیسے ہی امراء القیس کے اشعار گا چکی بے اختیار چلا کے داد دی۔ اور کہا "عزہ خدا کرے جیتی رہو۔ جن چیزون کا تم اپنے نغمے مین ذکر کر رہی ہو ہم نے اُن کا لطف اُٹھایا۔ اور خدا کی قسم ویسا ہی پایا جیسا کہ تم کہتی ہو" اس کے بعد عائشہ کے پاس کہلا بھیجا "اس وقت تم تک تو ہماری رسائی غیر ممکن ہے مگر عزہ کو اتنی اجازت دو کہ یہان ہمارے پاس آ کے دو ایک چیزین گا دے۔ تاکہ اس لطف سے ہم بھی محروم نہ رہین" عائشہ نے اجازت دی اور عزہ نے مردانے مین آ کے وہی امراء القیس کے اشعار بار بار سنائے مصعب کی یہ حالت تھی کہ اُن اشعار کو کسی طرح سُن ہی نہ چکتے تھے۔ معلوم ہوتا کہ جوش بیخودی سے دیوانے ہو رہے ہین۔ دیر کے بعد جب عزہ خود ہی رُکی تو کہا "کیا خوب گاتی ہو! تم اپنا جواب نہین رکھتین۔ تمھارا نغمہ بھی بے نظیر ہے۔ اور جن اشعار کو گا رہی ہو وہ بھی بے نظیر ہین" اس کے بعد خدا خدا کر کے عزہ کو زنانی محفل مین واپس جانے کی اجازت دی۔ جہان خاتونان مدینہ کو بہت دیر تک اپنے نغمہ سے محظوظ کر کے وہ اپنے گھر واپس گئی۔

اسیری بابل

بخت نصر سارے بنی اسرائیل کو اسیر کر کے بابل پکڑ لے گیا تھا۔ اُن کے بادشاہ صدقیا کو طوق و سلاسل پنہائے۔ اُس کے بیٹون کو اُس کے سامنے قتل کرایا۔ لوہے کی گرم سلاخون سے اُس کی آنکھیں پھوڑین۔ اور اُسے بابل کے تیرہ و تار قید خانے مین ڈال دیا۔ پھر اہل بابل یعنی کلدانی بت پرست بنی اسرائیل سے غلامون کی طرح محنت و مشقت کے ذلیل ترین کام لینے لگے۔ اور اس حالت کو مدتین گزر گئین۔ یہان تک کہ اسرائیلی بادشاہ صدقیا قید مین مر گیا۔ اور اُس کے مرنے کے بعد فارسی تاجدار سائرس نے حملہ کر کے کلدانیون کو تباہ اور بابل کو ویران و بے چراغ کیا۔ اور بنی اسرائیل کو اپنے وطن ارض یہودا مین واپس آنے کی اجازت دی۔

یہ واقعہ دنیا کے اہم ترین تاریخی واقعات مین سے ہے جس کے حالات کتب آسمانی سے معلوم ہوئے ہین۔ انگریزی کے جادو بیان و نکتہ سنج شاعر گولڈ اسمتھ نے اُنھین مذکورہ واقعات سے ماخوذ کر کے ایک چھوٹا سا دلچسپ منظوم ڈراما لکھا ہے جس سے تاریخ قدیم کا ذوق رکھنے والون خصوصاً دلدادگان شریعت الٰہی و رمز شناسان اسرار پیغمبری کو بڑا لطف آسکتا ہے۔ اور مسلمان چونکہ توحید کے عقیدے مین سب سے زیادہ بڑھے ہوے ہین اور انبیاے سلف کا بیحد ادب کرتے ہین اس لیے ہمین امید ہے کہ اُن کو اس ڈراما مین یہود و نصاریٰ سے زیادہ مزہ آئے گا۔

اسی خیال سے مین نے اس چھوٹے سے ڈراما کا ترجمہ اردو نظم مین کر دیا اور ان پابندیون کے ساتھ کہ اصل مضامین بجنسہ قائم رکھے ہین۔ ترجمہ ویسی ہی نظم مین ہے جیسی کہ گولڈ اسمتھ نے لکھی ہے اصل ہی کی طرح شعر خوانی ہے۔ نغمے ہین۔ اُسی نمونے کے بند اشعار ہین۔ اُسی شان و ترتیب سے قافیے ہین۔ اور وہی رنگ ہے۔ خلاصہ یہ کہ فقط الفاظ تو اردو ہین باقی ہر چیز انگریزی ہے۔ مجھے یقین ہے کہ اس ڈراما کو بھی خواہان اردو عموماً اور مسلمان خصوصاً پسند کرین گے۔ قدر دانان دلگداز اس تمہید کے بعد آپ اب اس ڈراما کو ملاحظہ فرمائین۔ اور دیکھین کہ یہ ڈراما کیسے مورخانہ وقار۔ مذہبی استقلال۔ موحدانہ جذبات اور ادیبانہ کمالات کو ظاہر کر رہا ہے۔

خاکسار
محمد عبد الحلیم شرر ایڈیٹر دلگداز۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اشخاص ڈراما

پہلا اسرائیلی نبی — پہلا کلدانی پوجاری
دوسرا اسرائیلی نبی — دوسرا کلدانی پوجاری
اسرائیلیہ عورت — کلدانیہ عورت

نوجوان مردون اور دوشیزہ لڑکیون کے گروہ

پہلا کھیل

(منظر دریاے فرات کے کنارے قدیم شہر بابل کے قریب)

پہلا نبی (شعرخوانی)
اسیرانِ ستم۔ جو کام کرتے کرتے روتے ہو
فراتِ تیز رَو کا شور سنتے ہوش کھوتے ہو
ذرا اِس گریہ وزاری کو چھوڑو۔ اور دم لے لو
خدا سے لو لگا کر دل کو اک تسکین سی دے لو
ذلیل و پابزنجیر۔ اور دنیا بھر عدو اپنی
خدا ہی کے ہے ہاتھ اب تو امید و آرزو اپنی

وہی (نغمہ)
خدا ہی پہ ہے ناز ہم کو زمین پر
اُسی کے کرم پر لگی ہین نگاہین
مصیبت بڑھے جتنی قلبِ حزین پر
بڑھے حوصلہ بھی کہ اُس کو نباہین

دوسرا نبی (نغمہ)
نہین گو کہ آراستہ وہ حرم یان
نہ قربانیان اور چڑھاوے ہین اِس جا

بنے گا حرم اُس کا سینے مین ہر آن
اور اُس پہ دُرِ اشک ہر دم چڑھے گا

(پہلے نغمے کو اسرائیلی مل کر پھر گاتے ہین)

اسرائیلیہ عورت (شعر خوانی) یہ نغمہ پھر سُنانا۔ جس سے گھر یاد آتا ہے اپنا
کہ نقشہ کھینچے ان آنکھون کے آگے اپنے موطن کا
زیتون کے مرغزار وا! جو ہوا اوڑھے پھولون کی چادر
وہ کھیتو! اٹا نکتی قدِ زردون ہر لچکا جن کے دامن پر
پہاڑ وا! اضِ لبنان کے! ہر جن پہ تاج سر دن کا
درختو لیمو دن کے! جن سے سارا بن مہک اُٹھا
تھے کیسے جان فزا یہ جھنڈ! کیسے پیارے میدان تھے
خصوصًا جبکہ ہم سب موردِ الطافِ رحمان تھے

وہی (نغمہ) یادِ وطن! ذریبانہ دسے بن کے مہربان
بے سود و بے نتیجہ ہے ہر وقت ہر گھڑی
پیشِ نظر ہی رکھنا گزشتہ سرور یان
پھر رنج سے بدل کے اُسے کرنا دشمنی

ظالم ستانے والی! وہان جا جہان کہ سب
آزاد اور مست شرابِ سُرور ہون
کمبخت ہم سے جو کہ ہین خواہان فضلِ رب
کیا قہر ہے کہ وہ ترے زخمون سے چُور ہون

دوسرا بنی (شعر خوانی) مگر کیون شکوہ! اگر طوق و سلاسل ہین تو کیا پروا؟
دلون کے جوش پر بھی کیا ہی ان سب قیدونکا پہرا؟
ہماری شاد مانی کے لیے کیا یہ نہین کافی؟
.. کہ یان ہین بُت پرستی سے بچے اپنے فقط ہم ہی؟

ہے آغاز آج ہی کی صبح سے تو یان کی عید دن کا
کہ جب سورج کی ان سب شہر کون مین ہوتی ہے پوجا
ہمارے پر جفا مالک اسی دن اپنی رسمون کو
بجا لا کر کرین گے سخت بے شرمی کے کامون کو
اسی کا غم کرین ہم ؟ نا توان نیکی تو پنہان ہو ؟
اور اُس کے بدلے دل پہ حکمران نخوت سے عصیان ہو ؟
نہین ہم تو زیادہ خوش ہون اپنی ایسی حالت پر
کہ تلخی رنج کی غالب نہ آنے پائے ہمت پر

وہی (نغمہ) جن جن مسرتون کا بدی پہ مدار ہے
انجام اُن کا یہ ہے کہ دل بیقرار ہے
محنت سے نیک پاتے ہین نیکی یہ جان لو
اور اپنے دُکھ کو چشمۂ لذات مان لو
صندل کو بو دے گا نہ اپنی وہ بو کبھی
جب تک کہ جڑ ہے اُس کی زمین مین لگی ہوئی
لیکن اُسے جو کاٹ کے چیلو تو دیکھنا
اک آن مین مہک اُٹھے گی گرد کی فضا

وہی (شعر خوانی) مگر خاموش میرے بچو! ظالم حاکم آتے ہین
سُنے مین نے بھیانک باجے جن کو وہ بجاتے ہین
فضا مین گونجتی ہین اُن کی تانین شادمانی کی
خبر دیتی ہوا ہے اُن کی قربت اور روانی کی
یہ بڑھتا شور کا کہتا ہے آتے ہین وہ سُرعت سے
مرے بچو! بچے رہنا تم اُن لوگون کی سنگت سے

(کلدانی پوجاری بہت سے زن و مرد کے ساتھ آتے ہین)

پوجاری (نغمہ) یارو آؤ! عید کا وقت آ گیا
کوئی لذت آج ہم سے رہ نہ جائے

"عیش کو نکلو" ہے سورج کہہ رہا
شہ بھی آتا ہے کہ یان عشرت منائے

دوسرا پوجاری (نغمہ) شمس ہی کی سی ہے برکت شاہ کی
دونون رحمت ہین ہمارے واسطے
شمس سے گر ہے فلک پہ روشنی
تو زمین کی روشنی ہے شاہ سے

کلدانی عورت (نغمہ) جلدی آؤ مزے سکے رسیا
ہون مین پری چشم عشق کا تحفا
مجھ کو لو - اور چھوڑ دو سب کو

کلدانی مرد (نغمہ) اِن مین نہ آئے تم کو مزہ گر
جھک پڑو جھپٹو اور مزدن پہ
ہے ہی مزے کی تر کرو لب کو

پہلا پوجاری (نغمہ) مے بھی مزے کی حسن بھی پیارا
بیسون مزدن کا ان سے سہارا
کس کا شوق نہین ہے سب کو

دوسرا پوجاری (نغمہ) چھانٹون اس کی کسے ہی فرصت؟
سب کا شوق ہے - سب سے رغبت
دونون کا لطف اُٹھاؤن گا شب کو

پہلا پوجاری (شعر خوانی) گریہ کیون؟ کہ سارا ملک ہی جب عیش سے شاد؟
اسیران یہود اکر رہے ہین نالۂ و افغان؟
بجاؤ کیون نہ تم اہل یہود ا بانسری اپنی؟
لٹکتے جھاڑ یون مین کیون تمھارے چنگ ہین خالی؟
اُٹھاؤ بانسری - اور چھیڑ دو تم اپنا بھی نغما
سناؤ راگ صیہون کا تقاضا ہے یہ اِس دن کا
بھلا دو غم کو - اور تا مین لگاؤ ساتھ ہم سب کے
ضرورت ہی کہ تم سا باکمال اپنی بھی دھن چھیڑے

وہی (نغمہ) جو جو لمحہ آتا ہے
عیش نیا اک لاتا ہے
آؤ - تم تو دانا ہو
وقت کو مفت نہ جانے دو

دوسرا لوجاری (نغمہ) کل پھر ہاتھ نہ آئے گا
آج کا لُطف جو جائے گا
آہ! کہ کل پچھتاؤ گے
جیسا کروگے پاؤ گے

دوسرا نبی (شعر خوانی) گرفتارِ سلاسل - اور ذلیل و پست و خوار ایسے
مشقت میں پھنسے - آفت زدہ - اور بے وقار ایسے
یہی ہے وقت بیدردو! بھلا گانے بجانے کا؟
شریکِ کارہائے شرک ہو کر لطف اُٹھانے کا؟
نہیں - ہرگز نہ ہوگا یہ - یہ ہاتھ اِس میں ہی غارت ہون!
جو اُستادِ زبانِ مشاقِ فن ہائے مسرت ہون!
اگر بھولیں ہم اپنی سرزمین اور اپنے موطن کو!
کریں یا کام جس سے انتقا کا لطف زائل ہو!

دوسرا لوجاری (شعر خوانی) گستاخ غلامو! تم اگر یون نہ سنو گے
تو یاد رہے سخت مصیبت مین پھنسو گے

پہلا نبی (شعر خوانی) کیا خوف! کرو ظلم! ہمین بس ہے یہ نعمت
اللہ سے ڈرتے ہین نہین اور کوئی دہشت

(سب کلدانی چلے جاتے ہین)

اسرائیلی گروہ (نغمہ) کیا بدلے گی اِس دل کو بھلا قید و اذیت
رہتا حرم سینہ مین ہے جو بہ حفاظت؟
لغزش نہ ہو! اعدا کو دکھا دو یہ تحمل
کہتے ہین جسے فتح وہ ہے ضبط و تحمل

(سب چلے جاتے ہین)

دوسرا کھیل

(حسب سابق کلدانی اور بنی اسرائیل اور وہی اگلا منظر)

پہلا نبی (نغمہ) نورِ ایمان! مرے دل کے ملکوتی مہمان
ساکنِ سینۂ پُر داغ و انیسِ حرمان
مرحمت کر ہمین تو اپنی دوائے تسکین

دے نرہ پر جن سے اُڑے قلب بہ سوئے افلاک
خاک کی تیرہ کثافت سے ہون آئینے صاف
اور آزاد غم و درد سے ہو جائین حزین

پہلا پوجاری (شعر خوانی) بس ہو چکا۔ سزا مین بہت دیر ہو گئی
ہے حکمِ شہریار کی تعمیل لابدی
راحت تمھاری شاہ کی فرمان بری مین ہے
دیوتاؤن کو سراہو نجات اب اسی مین ہے
لیکن کیا جو شاہ کے فرمان سے انحراف
تو اُس کی مہربانیان جاتی رہین گی صاف
سوچو۔ تم اپنے سر پہ بلا کیسی لاتے ہو؟
سمجھو۔ کہ کیا غصہ تم اُن کو دلاتے ہو؟

وہی (نغمہ) طوفان اُٹھا ہے آفت کا
سارے لہراتے سمندر مین
اندھڑ دوڑا ہے قیامت کا
افریقہ کے دشت دور مین
لیکن طوفان
چرخ شکن ہان
لاتا ہے گو ہر طرح کی آفت

شاہ کا غصہ
قہر کا جلوہ

ہے سب سے بڑی پُرشور قیامت

اسرائیلیہ عورت (شعرخوانی) ہائے قسمت! کیسے ہیبت ناک خطرے بڑھ گئے؟
جان کس دہشت میں ہے! اور کیسے یہ صدمے سہے؟
اے نبیو! واقفِ اسرارِ ربانی و صدقِ لم یزل
ہو معاف اک لڑکی کی جرأت میں باؤ گر خلل
ہاے! دم بھر کے لیے منظور کر لو حکم کو
آنسوؤں سے کل گنہ کا داغ ہم اپنے دھو

وہی (نغمہ) ہیں عاجز زندگی سے ہم۔ مگر مرنے سے ڈرتے ہیں۔
اور امیدانیں وہ شامت زدون کا جو سہارا ہو
بٹھانے والے دل کے تازے جو صدمے گزرتے ہیں۔
بڑھاتے اُس کو اتنا ہیں کہ دم مارنے نہ یارا ہو۔
یہ اُمید ایک دھندلی شمع ہے جو دل میں جلتی ہے
بڑھاتی ہے فقط کمبختون کی یہ راہ کی رونق
پھر اُس پہ یان تو اک ظالم اندھیری رات طاری ہے۔
جو کچھ بھی روشنی ہو دی تو یہ رکھتی نہیں مطلق

دوسرا پوجاری (شعرخوانی) پھر اب کیا دیر ہے؟ اُٹھو شریکِ جشنِ عشرت ہو۔
نگاہیں کہتی ہیں آمادۂ عیش و مسرت ہو۔
بس آؤ۔ اور گاؤ ایسا دلکش نغمۂ شیرین۔
کہ ہو اس جشن کی نامِ شہِ ذیجاہ سے تزئین
اسیرو۔ ساز چھیڑو۔ اور بجاؤ بانسری اپنی۔
یہ صحبت۔ یہ گھڑی۔ یہ جا پھر اک ہو زنگ میں ڈوبی

کلدانیہ عورت (نغمہ) لو صبح دم کی کرنیں ہیں آج مسکراتی۔
شاخیں وہ جھاڑیون کی ہیں ارغنون بجاتی

چکر نسیم کیا کیا جنگل میں ہے لگاتی
پودھروں میں جاکے نہریں ہیں کیسی کھلاتی

پہلا پوجاری (نغمہ)
ایسی تو دھوم کا یاں اک جشن ہو رہا ہے
آخر بتاؤ موقع یہ کون رونے کا ہے؟
ہم کو کسی کی پروا اب تو نہیں ذرا ہے
ہم تو وہی کرینگے یہ دن جو چاہتا ہے۔

دوسرا پوجاری (شعر خوانی)
مگر ٹھہرو۔ وہ دیکھو ان اسیروں کا جو افسر ہے
جو کہلاتا ہے پیغمبر رکھی سنئے اس نے لب پر ہے
بس اب تم دیکھ لینا۔ اس کا کیا رتبہ ہے گانے میں
ہر اک دھن کے ادا کرنے میں ہر دل کے رجھانے میں
ہر کیا جذب نبیانہ۔ ذرا دیکھو تو صورت کو
یہ بادل سے بڑھانے والا طوفانوں کی شدت کو
گلے کے سُر بھی لو اب مل گئے ہیں جنگ کے سُر سے
سنیں گے اس سے اپنے شاہ کے اقبال کے نغمے

پہلا نبی (نغمہ)
اُتر۔ دکھن۔ پورب۔ پچھم۔
ہر سمت سے فوجیں آتی ہیں!
ناپاک دلو۔ اب کانپو تم!
سب فحش زبانیں گونگی ہیں!

ہر سمت سے طوفان اُٹھا ہے
بابل پہ آکے برسنے کو!
خواری! تباہی! اور مٹنا ہے
رونے! مرنے! سر دھننے کو!

دوسرا نبی (نغمہ)
پامال کر الٰہی! اور خاک میں ملا دے!
سورج کے ڈوبنے سے پہلے ہو یہ خدایا!

دی ہے سزا جو اُس نے وہ ہی اِسے سزا دے!
یہ ہو چکا مقرر! اب ہو کے یہ رہے گا!

دوسرا پوجاری (شعرخوانی) بس غلامون سے جو ہوئے ایسی گستاخی عیان
فیصلہ اُس کا کرین گے آپ ہی شاہِ جہان
ناسمجھ شامت زدو! کیا دیکھا تم سب نے نہین
صدقیا کی عظمتین اِن ہاتھون کیسی مٹ گئین؟
اُس اندھیرے قیدخانے کی طرف پھیرو نظر
قید ہے جس مین تمھارا وہ شہِ خستہ جگر
دیکھو زنجیرین بجاتا - آنکھون سے معذور ہے
غم مین اپنے بیٹون کے روتا ہے اور رنجور ہے
یہ بھی سُن رکھو غلامو! ہین ابھی باقی بہت
بھاری بھاری بیڑیان اور مجلسِ ذبح صفت

سارے کلدانی (نغمہ) اُٹھیے شاہِ ذی شان اُٹھیے
قائم کیجیے قوم کی شوکت
ملکون ملکون سب کی زبان سے
نکلے حضرت ہی کی مدحت

(سب چلے جاتے ہین)

تیسرا کھیل

(وہی اشخاص - وہی جگہ - وہی منظر)

پہلا پوجاری (شعرخوانی) ہان دوستو تقدیر نے بے شک کیا ہی فیصلا
یعنی ہماری سلطنت قائم ہے تا روزِ جزا!
مجنون بنی بیکار ہی دیتا ہی دھمکی خوف کی
اِس سرکشی کے جوش مین مخفی عداوت ہی بھری

اپنے تو نام و زر و زر کی شہرت ہی دنیا میں رہے
ہاں عدل ایثار و زر بد خواہوں کا سر کچلا کرے

وہی۔ (نغمہ) ہم عمر ہے انسان کی
اپنی بڑی شاہنشہی
اِس کو رہے دائم بقا
گو ساری دنیا ہو فنا
جب کچھ نہ دنیا میں رہے
اُس وقت یہ بابل مٹے

دوسرا اسرائیلی نبی (شعر خوانی) یونہیں مغرور کے سر میں خیالِ خام رہتا ہے
گھڑی بھر بعد دیکھو تو نہ عظمت ہے نہ دعویٰ ہے
مگر ہیں! کیا ہے وہ غمگین جلوس دلخراش اُس جا
جو اُس میدان کے رُخ چپکے چپکے ہے چلا جاتا؟
اور اب دیکھو۔ لیے جاتے ہیں وہ دریا کنارے پر
جنازہ ایک جس کو ہیں اُٹھائے لوگ کاندھے پر
مگر افسوس! میری آنکھوں نے کیا خوب پہچانا
یہ دارا کی یہ شاہی نسل کا ہے آخری جلوا
ہوئے رخصت ہمارے شاہ یہ بخت بھی رخصت ہیں
جناب صدقیا جاتے سوئے آغوشِ تربت ہیں

وہی (نغمہ) بدنصیبو! جنھیں قسمت سے ہے اپنی نفرت
اپنی محتاجی وادبار پہ جو روتے ہو
پوچھو تو۔ کیسی المناک تھی اُس کی قسمت
اور کرو شکر کہ تم اُس سے بہت اچھے ہو

پہلا نبی (نغمہ)۔ مغرورو! ناز ہے جنھیں عیش و شباب پر
یہ رنگ رلیاں چھوڑ کے اس کو بھی سوچ لو

تم ساتھا نا نہ اسے بھی بجا اور جناب پر
اِس کا ہی سا تمھارا بھی انجام کار ہو

وہی (شعرخوانی)
تم اس شامت زدہ کی غم مین لپٹی لاش کو دیکھو
یہ میلا جسم زنجیرون سے ہر جا خستہ تو دیکھو
یہ حلقے دیکھو جو آنکھون سے خالی ہین بھیانک ہین
بدن پر جیتھڑے اور بال دیکھو جو کمر تک ہین
مگر کیا آسمان بدلہ نہ لے گا اس کا دشمن سے؟
گرائے گا نہ اُس کو وہ خدنگِ ظالم افگن سے؟
مگر کب تک خدا سے دو جہان یہ جور ٹالے گا؟
بخوبی دھمکیان ہو لین گی تب وہ قہر ڈالے گا

اسرائیلیہ عورت (نغمہ)
ہانپتی بھاگتی ہے جیسے کہ زخمی ہرنی
کودتی پھاندتی شیرین دردان نہرون کو
اور دریا کوئی طے کر کے نشیبی وادی
کرتا حائل رہِ صیاد مین ہے لہرون کو

ویسے ہی ہم بھی مصیبت زدہ ہو کر مولے
شوق مین چشمۂ رحمت کے ہین بے صبر قرار
کون چشمہ؟ جو ہو مظلوم کے حق مین مژدہ
اور زبردست ستمگر کو کرے زار ونزار

پہلا نبی (شعرخوانی)
گرمیہ شور کیسا ہے؟ معاذ اللہ! ہین سب حیران!
وہ دیکھو برج گرنے کو ہے۔ کیسا مچ گیا طوفان؟
وہ دیکھو کس کا لشکر سارے میدانون مین ہے پھیلا؟
یہ آہو بکا ہر سا ئرس لوٹتا اور مارتا ہر جا
وہ دیکھو۔ ہو رہی ہے موت جون کی کیسی پامالی؟
خداوندا! تری ہی فتح ہے باقی ہین سب فانی!

اسیروں کا گروہ (نغمہ) پامال کر الٰہی! اور خاک مین ملا دے!
پاداش کا ہو آغاز اِس کا ہے وقت آیا!
دی جو سزا اُنھون نے وہی سزا اُنھین دے!
یہ ہو چکا مقرر۔ اب ہو کے یہ رہے گا!

پہلا پوجاری (شعرخوانی) ہوئی بالکل شکست۔ اور لشکر بابل دوڑ پڑا
وہ سایۂ حق فاتح عالم پہ ابھی چھپتا آتا ہے
دھوان قصرون پہ اُٹھتا اور سیلاب عدو جارتا
ہوا کیا نخوت کا سر نیچا پشیمان ہو رہا!
خدایا رحم! اُس اپنی دعا کو دیر مین مانگی
ہمین پچھتانے کو مہلت ملے بس یک ساعت کی!

دونون پوجاری (نغمہ) مبارک ہین وہ جو مبارک گھڑی مین
خدائے جہان کی طرف لو لگائین
چھپین جا کے اُس کے جلالِ قوی مین
نہ پہلے تباہی کی وہ مار کھائین

دوسرا نبی (شعرخوانی) زمانہ اب ہمارا ہے! جری بے باک بدچالو!
خدا سے ڈرنے اور انسان کے آگے جھکنے والو!
جسے بھولے تھے پہلے اُس سے بیکار التجا ہے اب
تمھاری جائین۔ دولت سلطنت غارت ہین سب کی سب

وہی (نغمہ) اے لوسفر[1]! ابن صباح پُرخطر
جنت کے اور انسان کے ساتھی قدیم
انسان و جنت اور سب
ہین تیرے نکبت خواہ سب

---

[1] لوسفر وینس تارے (زہرہ) کو بھی کہتے ہین۔ اور شیطان کو بھی۔ بابلی چونکہ اس ستارے کو پوجتے تھے اسی وجہ سے بنی اسرائیل نے اُس کو شیطان کہہ دیا۔ چونکہ یہ ستارہ صبح کو طلوع کرتا ہے اس لیے اِس کو ابن صباح کہا پھر شیطان کے واقعات اُس کی طرف منسوب کر دیے۔

اور چاہتے ہیں تجھ کو ملعون و رجیم

پہلا نبی (نغمہ) او شہر بابل! کیسا تو غارت ہوا!
اُس اوج سے ہے یہ تباہی سخت تر
سنسان یہ سڑکیں تری
ہون گی بہائم سے بھری
یاں بولیں غوک - اور بیٹھیں گدھ مُردار پر!

دوسرا نبی (شعر خوانی) یہی انجام ہو! لیکن سنو - واں دور سے کیونکر
خبر دیتی ہے گرد اب رُکیں پیکار سے لشکر؟
ہمارا حامیِ اعظم شہ سائرس ہے آ پہونچا
ظفر پیکر عساکر کے ہے آنے کا یہی رستا
بس اب تم چھیڑ دو دُھن اپنے صیہونِ معظم کی
مبارکباد گاؤ حامیِ اولادِ آدم کی
بحکمِ رب اسیروں کے چھڑانے کو وہ آتا ہے
ستمگر کے لیے بھاری سلاسل ساتھ لاتا ہے

نوجوان اسرائیلیوں کا گروہ (نغمہ) اٹھو اور کہو اپنی بے خانمانی
کہ یادِ الم میں ہے اب ملتی لذت
یہ سائرس ہے اک رحمتِ آسمانی
نصیب اُس سے عالم کو ہو خوابِ راحت

اسرائیلیہ لڑکیوں کا گروہ (نغمہ) سائرس ہم کو بچانے والا
الفت و عشرت ساتھ ہیں اُس کے
آتا ہے رحمت لانے والا
آتا ہے ہم کو دُکھ سے چھڑانے

آدھی اسرائیلیوں کا گروہ (نغمہ) مبارک ہے جو رحم سے حکمران ہو
رہے صلح اور امن سے اُس کو الفت

مبارک ہے جو کھول دے دست و پا کو
مگر دل کو کر لے اسیر محبت

سارے اسرائیلی (نغمہ) اپنے حامی اپنے مونس او خداوند کریم!
حمد سب گاتے ہین دل سے سرمدیت کی تری
تو کہ ہے بے ابتدا بے انتہا ذات قدیم
ہو تجھی مین ابتدا اور انتہا ہم لوگون کی
(سب جاتے ہین)

بنی اسرائیل کی مختصر تاریخ

حضرت ابراہیم سے جب وطن چھوٹا تو چند روز کی سرگردانی کے بعد آپ ارض کنعان مین مقیم ہو گئے۔ آپ کے پوتے حضرت یعقوب اپنے گم شدہ فرزند حضرت یوسف کی وجہ سے پورے خاندان کے ساتھ مصر مین جا کے فروکش ہوئے۔ وہان اُن کے بارہ بیٹون سے اُن کی نسل بڑھنا شروع ہوئی۔ جو بارہون بیٹون کی نسبت سے بارہ سبطون یعنی قبیلون مین منقسم تھی۔ اور چونکہ حضرت یعقوب کا لقب اسرائیل تھا۔ اس لیے سب "بنی اسرائیل" کہلاتے۔ چند روز بعد اُن کی نسلون کو بیحد بڑھتے دیکھ کر مصر والون یعنی قبطیون اور اُن کے فرمان روا فرعونون نے اُن پر طرح طرح کے ظلم شروع کیے۔ اس ظلم کے دور کرنے کے لیے اُنھین مین سے خدا نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو مبعوث کیا۔ اور وہ سارے بنی اسرائیل کو فرعون کے پنجے سے چھڑا کر اپنے قدیم آبائی وطن ارض کنعان کی طرف لے چلے۔ مصر سے اس نکلنے کو خروج کہتے ہین جو بہ اختلاف روایات ولادت حضرت محمد مصطفیٰ صلعم سے ۲۰۶۱ یا ۲۱۷۱ سال پیشتر ہوا۔ بنی اسرائیل کتنی مدت تک مصر مین رہے یہ بھی مختلف فیہ ہے بعض روایتون سے ۴۳۰ سال اور بعض روایتون سے ۲۱۵ سال معلوم ہوتے ہین لہذا یہ سمجھنا چاہیے کہ حضرت یعقوب مع اہل و عیال کے مصر مین ولادت سرور عالم علیہ السلام سے ۲۲۷۶ یا ۲۳۸۶ یا ۲۴۹۱ یا ۲۶۰۱ سال پیشتر تشریف لے گئے تھے۔

حضرت موسیٰ بنی اسرائیل کو مصر سے لے کے نکلے تو مگر زندگی مین ارض کنعان یعنی خدا کی وعدہ کی ہوئی سرزمین مین پہونچنا نصیب ہوا۔ چالیس سال

دشت نوردی کے بعد اُن کی قوم ارض کنعان میں پہونچی۔ اور چند روز میں اُس پر قابض و متصرف ہو گئی۔ اب اُن میں ایک طرح کی جمہوریت تھی۔ یہان تک کہ اُن کی تمنا کے مطابق اُن میں سلطنت قائم ہوئی۔ پہلا بادشاہ ساؤل (طالوت) ہوا۔ اُس کے بعد حضرت داؤد بادشاہ ہوے جو اُس کے داماد تھے۔ اور پھر اُن کے فرزند حضرت سلیمان تخت نشین ہوئے جنھون نے ولادت محمدی سے ۱۶۰۰ سال پیشتر مسجد اقصیٰ یعنی حرم الٰہی کو تعمیر فرمایا۔

حضرت سلیمانؑ کے بعد ارض فلسطین میں جس کا مستقر بیت المقدس تھا اُن کے بیٹے رجعام تخت نشین ہوئے۔ اور فقط دو سبط اُن کے زیر فرمان رہے۔ دس سبطون نے اُن کے شمال میں ایک جداگانہ سلطنت قائم کر لی۔ جس کا مستقر شہر سامرہ تھا۔ اس سامرہ کی اسرائیلی سلطنت کا خاتمہ تاجدار نینوا شلما نصر کے ہاتھ سے ولادت محمدی سے ۱۲۹۱ سال پیشتر ہوا۔ اور وجہ یہ ہوئی کہ سامرہ کے پچھلے اسرائیلی بادشاہ ہوشع نے نینوا کی باجگزاری قبول کرنے کے بعد فرعون مصر "سو" سے سازش کرنا چاہی تھی۔ جن کی سزا مین شلما نصر نے ہوشع کو قتل کیا۔ اور دسون سبطون کو بیوی بچون سمیت پکڑ لے گیا۔ اور آج تک پتہ نہیں کہ یہ دسون سبط کیا ہوے اور کن قومون میں کھپ گئے۔ دوسری سلطنت بیت المقدس کا خاتمہ بابل کے فرمان روا بخت نصر کے ہاتھ سے ۱۱۶۹ سال قبل ولادت سرور عالم ہوا۔ بخت نصر نے اُن کے بادشاہ صدقیا کے بیٹون کو قتل کیا۔ اُس کی آنکھیں پھوڑ دین۔ اور اُسے اور اُس کی قوم یعنی باقی ماندہ دو سبطون کو مع عورتون اور بچون کے بابل میں پکڑ لایا۔ اور اُن سے غلامی کی محنت لی جانے لگی۔ یہان تک کہ [illegible] قبل محمد میں سائرس نے آکر بابل کو تباہ کیا۔ اور بنی اسرائیل بیت المقدس میں واپس آئے۔ جس وقت کی تصویر اس ڈراما میں دکھائی گئی ہے۔

قدردانان دلگداز۔ ناول "بعث جین" آپ کی نذر کرنے کے لیے تیار ہے۔ آئندہ کے ساتھ جنوری ۱۹۱۹ء کا دلگداز بھی بھیجا جائے گا۔ اور اس ناول نذرانے کے وی۔ پی مع دلگداز [illegible] گیارہ آنہ پر یکم فروری سے روانہ ہونا شروع ہون گے اور ۱۰ فروری تک سب روانہ ہو جائین گے۔ کوشش کیجیے کہ واپس نہ ہون۔ منیجر دلگداز۔ لکھنؤ